مقدمہ

تفسیر الفرقان

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۱۷ھ

قیمت معہ محصولڈاک للعہ سالانہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہان شد

قیمت فی جلد ۸

مقدمہ

تفسیر الفرقان اردو

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

در مطبع نظامی ۱۳۱۶ واقع دہلی بسعی و اہتمام سید محمد میاں مالک مطبع ہذا طبع شد
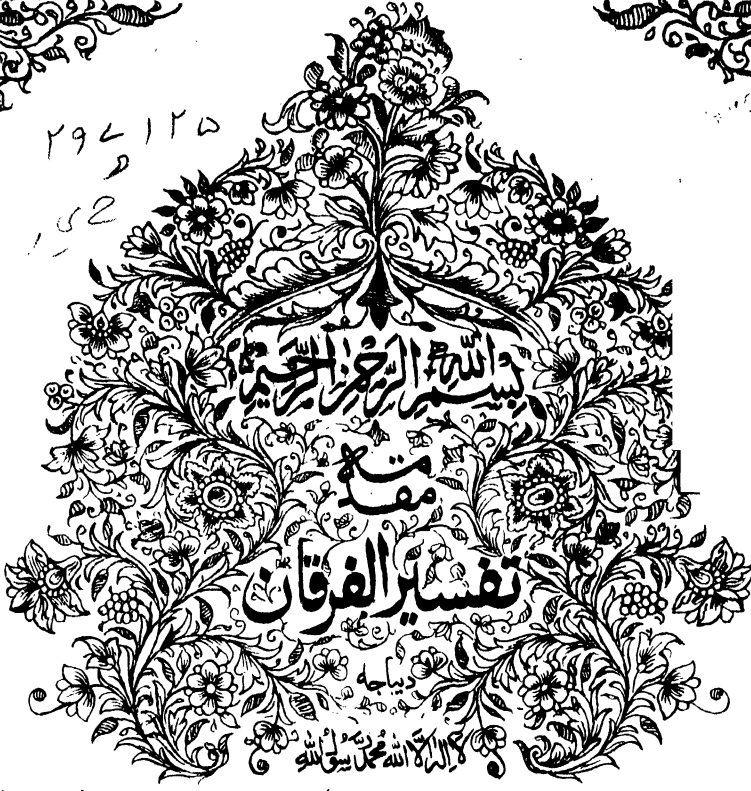
حمد اُسی اَنْ دیکھے خدائے مطلق کے لئے سزاوار ہے جس نے قرآن مجید کی سی روشن کتاب ہمیں دی اور نعت اُسی ذات پاک معصوم برحق محمد عربی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شایاں ہے جس کے ذریعہ سے ہم تک وہ کتاب پہنچی۔ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے اُس ربانی تحفہ یا کلام خدا کو قبول کیا زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے اپنی عقل خداداد سے سمجھا اور اُس پر غور کیا اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے سمجھکر اُس پر عمل کیا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی عمل کرایا +

اِس روشن کتاب کو دنیا میں آتے ہوتے تیرہ سو برس ہوئے ہیں مگر اب بھی اسکی وہ ہی صفت ہے جو نازل ہونیکے وقت تھی۔ اسکا اثر جوں کا توں باقی ہے اور اسپر عمل کرنا وہ ہی ثمرہ رکھتا ہے جو تیرہ سو برس پہلے رکھتا تھا۔ اب بھی یہ کلام خدا ہی اور اب بھی اسکا وہی احترام کیا جاتا ہے جو کلام پاک کا ہونا چاہیئے +

فلسفہ نے نیا لباس بدل لیا۔ منطق دوسری صورت میں جلوہ دینے لگی علوم جدیدہ موجودہ زمانہ مین معبود خلایق بننے لگے مگر تیری تابانی اور جلال اے خدائے واحد کے کلام پاک اب بھی ویسا ہی ہے۔ تیری سنگین دیواروں کو جنکی بنیادیں زمین کے انتہائی حصہ تک پہنچ گئی ہیں اِس قسم کے چھوٹے چھوٹے طوفان اور بادِ مخالف کے جھونکے کچھ بھی نہیں صدمہ پہنچا سکتے تعجب اور افسوس ہے اُن لوگوں پر جو تجھپر گستاخی اور سخت بے ادبی سے معترض ہوتے ہیں مگر تیری شان میں پھر بھی کچھ فرق نہیں ڈال سکتے علوم جدیدہ تیرے مخالفوں کی حمایت پر آمادہ ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اخیر تک وہ انکی حمایت کریں گے

مخالفوں کے دلوں میں تونے گھر کر لیا ہے تیری رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہے اور تو کئی بار دنیا بھر کا چکر لگا چکا ہے۔
تیری ہی برکت کا سارا ظہور ہوا ہے اور تیرے ہی نور کی روشنی ہر سو نظر آتی ہے۔ عرب کی سرزمین میں تونے جنم لیا اور اب
تو دنیا کے ہر حصّہ میں موجود ہے۔ تیرا نام بہت بڑے احترام سے ہر حصّۂ دنیا میں لیا جاتا ہے اور تجھ پر کروروں نفوس
ہر وقت جان قربان کرنے کو آمادہ ہیں۔ ہر دیندار کے لئے تیرا ایک ایک لفظ قانون ہے اور تیرے ایک چھوٹے سے حکم
کی سرتابی کی مجال بڑے بڑے سلاطین میں بھی نہیں ہے +

تیری نعمتیں عام ہیں جس طرح تو کسی سلطان اعظم کو شرف بخشتا ہے اسی طرح ایک فقیر بے یار و مددگار کی حمایت پر
آمادہ ہے تو ایا صوفیہ جیسی مسجد میں اور بیت الحرام جیسے سجدہ گاہ جہان میں بھی پڑھا جاتا ہے اور غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں
سے بھی تیری مقدس آوازیں سُنی جاتی ہیں۔

تونے یتیموں کی حفاظت کی ہے اور رانڈوں کی سرپرستی تیرا عام قانون ہے۔ دنیا کو متمدن تونے ہی بنایا۔ اور ساری
تہذیب کا بانی تو ہی ہے۔

جب خدا وند کریم رحیم کے پاس سے تو آیا تھا تیری منادی بہت خاموشی سے کیجاتی تھی تجھکو صرف چند افراد نے قبول کیا تھا
مگر اب ۱/۲ دنیا تیری شیدا بنی ہوئی ہے اور دن بدن بمقتضائے قانون قدرت بنتی جاتی ہے۔ ایک پاک اور جوشیلا
دل جو تیری محبت میں بیخود ہو رہا ہو بار بار تجھے مخاطب بنا کے بے اختیاری میں یہ پڑھتا ہے۔

اے[۱] قول پاک یزداں اے معجزِ نمایاں — اے نقش لوح محفوظ اے جان و روح انساں
ہر لفظ میں ہے تیرے اک شانِ کبریائی — ہر قول میں ہے تیرے سو معجزے درخشاں
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی — ہے تیری وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
سرچشمۂ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے — اے اصل دین و ایماں اے پُرجلال فرقاں
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں — کُنہ کو جنکی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں
دل سے فدا ہیں تجھ پر دینِ خدا کے پیرو — ہے تو ہی فخر انکا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں
طرزِ بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے — ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں

پتہ ہے اتنا کس کا کھولے زباں جو تجھپر
زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آکر

جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ — تیرا پیارا مولد بیتِ خدا ہے پہلا

---

[۱] اس نظم میں شاعری کی مین میکھ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اظہار شاعری کے لئے نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کی دلی
وجد انگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی پاک کتاب کو ہر وقت کس طرح مخاطب بناتا ہے +

کرتا ہے فخر تجھ پر تنہا نہ اک عرب ہی — نازاں نہیں ہے تجھ پر صرف ایک خاک بطحا
اب ہند و چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھ پر — ہے شام و روم تجھ پر پھولا نہیں سماتا
ہے فیض تیرا جاری مشرق میں ہی نہ تنہا — مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا
جتنا کہ تو ہے مشکل ہے اُتنا ہی تو آساں — فاضل جہاں ہیں ششدر اُمّی وہاں ہے گویا
عقبےٰ کا سیدھا رستہ ہمکو بتا دیا ہے — سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھسے خدا کو پایا
تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھکو آئے — تیرا جلال اب بھی ہے دن بدن چمکتا

ہوگی نجات اُن کو عقبےٰ کے کب خطر سے
ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے

برحق ہے تیرا دعوےٰ سچی ہے تیری حجت — لونڈی ہے تیرے گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت
سب جنّ و انس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں — لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سُورت
ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے مُمکن — ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت
مُردوں کو زندہ کرنا آسان ہے بلاشک — معہ جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ دقت
ناممکنات عالم ممکن ہیں اور آساں — لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سُورت
تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا — پھر کس کی چل سکے گی آگے ترے طلاقت
دنیا کے کُل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھکو — وہ جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت

جو ہیں ہیئے کے پھوٹے اور عقل کے ہیں دشمن
اُن پر ترے دلائل اب تک نہیں مبرہن

ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری — کرتے ہیں خود محمدؐ تیری بڑی بزرگی
حاصل شرف ہوا ہے کُل انبیا کو تجھ سے — عصمت کی تو نے اُنکی دی آن کر گواہی
ادنے گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں — عظمت ہے تیری غالب ہے رُعب تیرا طاری
اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے — حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی
میداں میں جنگ جُو کا تو ہی ہے دل بڑھاتا — ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کُنجی
دُنیا کے سرکشوں نے مانا ہے تیرا لوہا — یورپ کے آج دل پر ہے دھاک تیری بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے — تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی

گیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے
حافظ ہے تیرا باری اور اُس کے کُل فرشتے

کلام باری کے دقایق سمجھنے کے رستے علمائے کرام نے اِس قدر صاف کردیئے ہیں کہ ہر شخص بآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اگرچہ فہم سلیم اور عربی دانی کی بیشک ضرورت ہے۔ جو لوگ نہیں سمجھتے اور اعتراض کرتے ہیں اُن کی

حالت سخت قابل افسوس ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سمجھنے کے بعد اعتراضات کا دروازہ خود بخود بند ہو جاتا ہے ہاں تعصب کا تاریک رستہ کھلا رہتا ہے اور ہم نے مخالفین کا ایک گروہ کثیر اسی میں بھٹکتا دیکھا ہے قرآن مجید پر اب تک جتنے اعتراضات ہوئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض نے تو اُس کی فصاحت و بلاغت علم ادب وغیرہ پر اعتراض کئے ہیں اور بعض نے اس کے مضامین کو ناممکن الوقوع اور غلط بتایا ہے۔ اعتراض بکثرت ہوئے اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے مگر دو مذکورہ بالا باتوں سے خالی نہیں۔

میور کی لائف آف محمد (سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے شائع ہونے سے پہلے یورپ کے سرتاج لندن میں عام طور پر یہ مشہور تھا اگرچہ اُس کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے کہ قرآن اُس کتاب کا نام ہے جو لوگوں کو چار بیوں کی اجازت دیتی ہے اور مسلمان اُسے کہتے ہیں جو چار چار عورتیں کرے۔ میور کی کتاب نے اگرچہ بہت کچھ اس غلط فہمی کی اصلاح کی مگر قرآن مجید کی طرف سے یورپ میں نئی اغلاط پھیلا دیں اور انہیں اس قدر دلوں میں جما دیا کہ اب اُنہیں اس کے خلاف کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ کہیں قرآن مجید کی تاریخی ترتیب پر اعتراض کیا جاتا ہے کہیں اس کے مضامین کے نظام پر نکتہ چینی ہوتی ہے کہیں اسے خلاف محاورۂ اہلِ عرب بتایا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح کے بہت سے اعتراضات ہیں جو ہر پہلو سے ہماری کتاب پاک پر کیئے جاتے ہیں اور عوام کی نگاہ میں اُن اعتراضوں کی بُنیاد مضبوط کرنے کے لیئے اُنہیں موجودہ فلسفہ کا نیا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مقدمہ میں بالتفصیل کُل اعتراضوں کے جواب دیں اگر ہم سے یہ کام بن آیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے بحیثیت ایک مسلمان کے بہت بڑا اسلامی فرض ادا کیا ۔

علمائے اسلام کی تحقیق

دنیا میں صرف اِس پاک کتاب ہی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اس کی صدیوں تک لا انتہا تحقیق کی جائے ہر ہر پہلو پر بحث ہو اور صدہا کتابیں اس کی باریکیاں اور اسرار الٰہی کی کُنہ تک پہنچنے کے لیئے تصنیف کی جائیں۔
جتنے علمائے اسلام ہوئے ہیں سب نے بقدر فرصت و وسعت قرآن مجید میں غور و خوض کیا ہے اور اُس کے ہر فن میں وہ وہ مبسوط کتابیں لکھی ہیں جن سے ان کی ذہانت خداداد فہم و فراست اور بے مثال علمی لیاقت کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ اِن کتابوں میں اُنھوں نے مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے فہم رسا اور جودتِ ذہن سے خود اعتراض کیئے اور اُن کے جواب دیئے۔ اگر وہ کُل اعتراضات اور جوابات ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو اُن ہی کی ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔
ہمارے علماء کی تحقیق مختلف امور پر مبنی ہے بعض نے صرف اس تحقیق میں متعدد کتابیں لکھی ہیں کہ قرآن مجید کس کیفیت سے نازل ہوا تھا اور کس طرح لکھا جاتا تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کون کون اصحاب حافظ قرآن تھے جن کی روایت پر اعتماد ہو سکے۔ بعض علماء نے صرف وجوہ و نظائر میں بڑی تحقیق کی ہے

اور بعض نے صرف حل التراکیب و اعراب میں علیحدہ تصانیف کی ہیں چنانچہ ایسے فنون کی کتابوں میں کتب مذکورہ ذیل بہت مشہور ہیں۔

کتاب مفردات القرآن راغب۔ کتاب مفردات القرآن ابی حیان۔ کتاب اللغات ابو القاسم محمد بن عبد الصمد۔ کتاب عزیزی جس کو اس نے اور اس کے استاذ ابن الانباری نے ۱۵ برس میں لکھا تھا۔ غرائب الفنون ابن قتیبہ۔ مجمع البحرین صاغانی۔ مجمع البحرین طریح نجفی۔ الوجوہ و النظائر نیشاپوری۔ الوجوہ و النظائر ابن عبد الصمد۔ کتاب ابی الحسن اخفش اوسط۔ زاہر ابن الانباری۔ شرح التسہیل والارتشاد ابی حیان۔ الجنی الدانی فی حروف المعانی ابن ام قاسم کتاب مقاتل بن سلیمان۔ کتاب ابن الجوزی۔ کتاب ابن الدامغانی۔ کتاب الافراد ابن فارس۔ معترک الاقران سیوطی۔ تبیان فی اعراب القرآن ابی البقاء العکبری۔ المحتسب فی توجیہ الشواذ ابن جنی۔ ذا القد ابن جنی۔ اعراب القرآن سفاقسی۔ اعراب القرآن منتجب الدین۔ اعراب القرآن مکی۔ اعراب القران حوفی۔ خصائص ابن جنی۔ خاطریات ابن جنی۔ امالی ابن حاجب۔ معرب جوالیقی۔ مشکل القرآن ابن قتیبہ۔ کتاب ابن السمین۔ اور چار معین لغات قرآنیہ میں یہ علماء اپنا فرد نہیں رکھتے۔ ابو عبیدہ۔ ابو عمر والزاہد۔ ابن درید۔ زجاج۔ فراء۔ اخفش۔ ابن الانباری۔ ابن قتیبہ۔

ان کے علاوہ علماء ہیں جنہوں نے بالتخصیص آیات احکامیہ اور ناسخ و منسوخ میں بڑی تحقیق کر کے جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ وہ یہ ہیں۔ احکام القرآن قاضی اسمٰعیل۔ احکام القرآن بکر بن العلاء۔ احکام القرآن ابوبکر رازی احکام القرآن ابن العربی۔ احکام القرآن ابن الفرس۔ احکام القرآن ابن خویز منداد۔ احکام القرآن شیخ مقداد۔ ناسخ و منسوخ مکی۔ ناسخ و منسوخ سعیدی۔ ناسخ و منسوخ ابن الحصار ناسخ و منسوخ ابن جعفر نحاس۔ ناسخ و منسوخ ابن العربی ناسخ و منسوخ ابو داؤد سجستانی ناسخ و منسوخ ابی منصور ابی عبد القاہر سم بن سلام۔ ناسخ و منسوخ ابی منصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی۔ الامام فی ادلہ الاحکام شیخ عزیز الدین بن سلام وغیرہا۔ اس قدر مشہور و عمدہ کتابیں ہیں کہ پڑھنے والا خود اندازہ کر سکتا ہے۔

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے علما نے اعتراض کرتے وقت ہرگز ان کتابوں کو نہیں دیکھا جو نکتہ چینیاں اُنہوں نے کی ہیں وہ نری اوپری اور اٹکل پچو ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ قرآن مجید کی باریکیاں اور ربانی مطالب سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اس کے دائمی اور مستقل اوامر و نواہی کے سمجھنے کے لیئے ایک بیدار دل کی ضرورت ہے جو دنیا کی آلایشوں سے ایک حد تک پاک ہو اور جس کا ایمان اور یقین بے لوث ہو اور جو ہر وقت خدائے برتر اور قہار کے غضب سے کانپتا رہے۔ روز جزا پر اس کا کامل یقین ہو اور ایک ہی اٰنِ وسیکے وحدہٗ لاشریک کے حضور اس کی پیشانی ٹکتی ہو جس کا عظیم الشان جلال ابد تک قایم و برقرار رہنے والا ہے۔ خود قرآن مجید میں رب العرش العظیم نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اُن ہی کو ہدایت کرتی ہے جو متقی ہیں اور جو غیب پر ایمان لائے ہیں اور جو اُسی کے آگے جھکتے ہیں اور جو اُس کے نام مبارک پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ تو ایک انقطاعی فیصلہ ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی اس سے کون انکار کر سکتا ہے تاہم ہمارا

فرض ہے کہ معترضوں کو ان کی لاعلمی پر آگاہ کریں اور بتائیں کہ قرآن مجید کی نسبت اُن کے استدلال صحیح نہیں ہیں اور وہ ایک ایسے جنگل میں بھٹک رہے ہیں جہاں سے منزل مقصود تک پہنچنا محال کیا ناممکن ہے۔

جن کتابوں کا نام ہم نے اوپر لکھا ہے یہ قرآن مجید کے خاص فنون سے تعلق رکھتی ہیں ابھی اور فنون کلام باری کے متعلق بہت سی کتابیں باقی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کریں گے۔

وہ کتابیں جو اسباب اعجاز قرآن یعنے فصاحت و بلاغت کے فنون اور صنائع بدائع کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں بکثرت موجود ہیں ان میں سے چند کتابوں کا نام لکھتے ہیں جو بہت مشہور ہیں اور علماء انہیں معتبر تسلیم کرتے ہیں۔

اعجاز القرآن خطابی۔ اعجاز القرآن رمانی۔ اعجاز القرآن ابن سراقہ۔ اعجاز القرآن قاضی ابوبکر بن الباقلانی۔ کتاب عبد القاہر جرجانی۔ کتاب فخر الدین رازی برہان۔ ابن ابی الاصبع برہان۔ زملکانی مجید۔ زملکانی مجاز القرآن ابن عبد السلام۔ ایجاز فی المجاز ابن قیم۔ نہایۃ التامیل فی اسرار التنزیل زملکانی۔ تبیان فی البیان زملکانی۔ منہج مفید فی احکام التوکید زملکانی۔ بدائع القرآن ابن ابی الاصبع۔ تحبیر ابن ابی الاصبع۔ خواطر سوانح ابن ابی الاصبع۔ اسرار التنزیل شرف بارزی۔ اقصیٰ قریب تنوخی۔ منہاج البلغاء حازم۔ عمدہ ابن رشیق۔ صناعتین عسکری۔ مصباح بدر الدین بن مالک تبیان طیبی۔ کنایات جرجانی۔ اغریض تقی الدین سبکی۔ اقتناص تقی الدین۔ عروس الافراح بہاء الدین بن تقی الدین سبکی۔ روض الافہام شمس الدین بن صائغ۔ نشر العبیر شمس الدین مذکور۔ مناسبات ترتیب السور ابو جعفر بن الزبیر۔ فواصل الآیات طوفی۔ مثل سائر ابن اثیر۔ کنز البراعۃ ابن اثیر۔ شرح بدیع قدامہ +

ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام باری کے اسرار و مطالب حل کرنے کے لئے اور اُن معجزات کو دکھانے کے لیئے جو اس میں مُضمر رکھے گئے ہیں علماء نے کس قدر تحقیق کی ہے اور کہاں تک بال کی کھال نکالنے میں عرق ریزی کی ہے۔ اللہ اکبر۔ یہ شان قرآن مجید ہی جیسی پاک کتاب کی ہے کہ اس لاانتہا تحقیق پر بھی بہت کچھ باقی ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی ہر عصر بلکہ ہر صدی کے مذاق کے موافق مطالب اخذ کرنے میں اس میں بڑی گنجایش موجود ہے۔

قرآن مجید میں وہ آیتیں جو آیات متشابہات کے اسم گرامی سے موسوم ہیں عام طور پر اُن کے مطالب حل کرنے میں سخت سخت دقتوں کا سامنا پڑتا ہے اور اکثر مفسرین فرقان حمید عاجز ہو کے مجبوراً اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں مگر بہت سے علما گزرے ہیں جنھوں نے ان ہی آیات متشابہات کی تحقیق میں اپنی خداداد بے مثال قابلیت سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے بعض کے نام ہم درج کرتے ہیں۔

برہان فی متشابہ القرآن کرمانی۔ درۃ التنزیل و غرۃ التاویل عبد اللہ رازی۔ کشف المعانی قاضی بدر الدین بن جماعہ وغیرہا۔ اس فن میں مشہور کتابیں ہیں۔ بعض علمائے قرآن کے امثال اور اعلام وغیرہ میں جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ امثال القرآن ماوردی۔ اقسام القرآن ابن قیم۔ جواہر القرآن غزالی۔ التعریف و الاعلام سہیلی۔ تبیان فی مبہمات القرآن قاضی بدر الدین بن جماعہ۔ اسماء من نزل فیھم القرآن اسمٰعیل الضریر۔ وغیرہ اس باب میں اعلیٰ درجہ کی مستند

اور عمدہ کتابیں ہیں۔

بعض علمانے آیات قرآنیہ کی تعداد و شمار مضامین میں ہی بہت کچھ سعی فرمائی ہے۔ چنانچہ کتاب ذات الرشد، شرح ذات الرشد موصلی۔ شرح آیات الصفات ابن لیان۔ دُرِ نظیم یافعی نہایت نامور اور مشہور کتابیں ہیں بعض نے رسم کتابت قرآن مجید میں بہت کچھ جانفشانی کی ہے چنانچہ کتاب سخاوی اور اس کی شرح اسی فن میں ہے بعض نے آیات متفرقہ کے فنون و بدائع و لطائف و نکات جداگانہ لکھے ہیں چنانچہ بدائع الفوائد ابن قیم۔ کنز الفوائد۔ عزالدین۔ الغرر والدرر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔ تذکرۃ البدرین۔ تذکرۃ البدرین صاحب بن عباد۔ جامع الفنون ابن شبیب الحلبی۔ نفیس ابن الجوزی اسی فن کی کتابیں ہیں۔

بعض نے قرآن مجید کے علوم و فنون کے بیان میں جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں چنانچہ فنون الافنان ابن الجوزی جمال القراء علم الدین۔ و سخاوی مرشد وجیز ابی شامہ۔ برہان ابو المعالی۔ اتقان سیوطی۔ اس باب میں عمدہ کتابیں تسلیم کی گئی ہیں۔

احادیث مفسرہ کی جمع و تنقید

اکثر علمانے احادیث مفسرہ کی جمع و تنقید میں اپنی عمر بھر کر دی ہے۔ اس صفت کی بعض تفسیریں حسب ذیل ہیں۔

تفسیر ابن جریر۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن حیان۔ تفسیر غریابی۔ تفسیر عبد الرزاق۔ تفسیر ابن منذر۔ تفسیر سعید بن منصور۔ تفسیر حاکم۔ تفسیر عماد الدین بن کثیر۔ تفسیر دُرِ منثور۔

یہاں تک بطور نمونہ اُن کتابوں کے نام تھے جن میں ایک ایک یا دو دو فنون قرآنیہ مذکور ہیں اور تفاسیر رسمیہ جن میں قرآن کے معانی و مطالب حل کیے گئے ہیں بیشمار ہیں جن کی مختصر فہرست آگے آتی ہے۔

تفاسیر رسمیہ

مجمع البیان علامہ طبرسی۔ کشاف زمخشری۔ تفسیر اصبہانی۔ تفسیر خوبی۔ تفسیر ابن عطیہ۔ تفسیر قشیری۔ تفسیر مرکز۔ تفسیر ابن الجوزی۔ تفسیر ابن عقیل۔ تفسیر ابن رزین۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر کواشی۔ تفسیر ماوردی۔ تفسیر سلیم رازی۔ تفسیر ابو الفتوح رازی۔ تفسیر ابن برجان۔ تفسیر ابن بزیزہ۔ تفسیر ابن المنیر۔ تفسیر ابن النقیب۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی۔ تفسیر الغرائب والعجائب کرمانی۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر انوار التنزیل بیضاوی۔ تفسیر مدارک۔ تفسیر صافی۔ قواعد فی التفسیر ابن تیمیہ۔ وغیرہا۔

جس نے ان کل کتابوں کو سمجھ کر پڑھا ہے اُسے قیامت تک قرآن مجید کے ایک جملہ پر بھی اعتراض کرنے کا موقع نہ ملیگا مگر جس نے دیکھا ہی نہیں اور قرآن مجید کا کوئی غلط صحیح ترجمہ انگریزی یا اُردو کا دیکھ لیا اُس سے انصاف کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے۔ اے خدا کی پاک کتاب تیری بزرگی بہت بڑی ہے اور تیرا اجلال تمام عالم پر محیط ہے

تجھپر کبھی کوئی الزام نہیں قائم کرسکتا۔ تو تمام عیوب اور نقائص سے برتر ہے۔
کون کہہ سکتا ہے کہ جو حکیمانہ نکات قرآن مجید میں صدیوں کی جستجو کے بعد ثابت ہوئے ہیں وہ کسی دوسری کتاب میں مل سکتے ہیں

ہمعصر شعرائے عرب

قرآن مجید میں جہاں اور معجزے ہیں وہاں فصاحت کا بھی ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ نتیجہ بخش ثابت ہوا ہے۔ ہمارے پاس کوئی وجہ اِس بیّن معجزہ سے انکار کرنے کی نہیں ہے اس کی فصاحت کا اثر نہ صرف اُس شخص پر پڑتا ہے جو عربی سمجھ سکتا ہو بلکہ علاوہ قدیم روایتوں کے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ قرآن جس وقت خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے آدمی تو آدمی جانور کو بھی سکتہ ہو جاتا ہے۔ ہم اس صریح اور روشن معجزہ کا کیوں اور کس وجہ سے انکار کریں اور کیوں نہ اسے منجملہ اور معجزات کے شمار کریں جو قرآن مجید میں ودیعت کیئے گئے ہیں۔ جہاں اس پاک کتاب کے حکیمانہ اقوال اور بے نظیر تعلیم نے عجیب وغریب اور حیرت انگیز اثر دنیا میں پیدا کر کے کروروں کو دائرۂ اسلام میں داخل کر دیا وہاں اس کے معجزۂ فصاحت نے بھی لاکھوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا۔ کیوں نہو کلام خدا ہے اور اسمیں ایسی ہر صفت کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ وہ شعرائے عرب جنھوں نے اپنی پُرزور اور وجد انگیز نظموں کی وجہ سے عرب کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا اور جنھیں دعوے تھا کہ اُن سے بہتر روئے زمین پر بھی کوئی ایسے اشعار موزوں نہیں کرسکتا اُنہوں نے قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی سُورت سے مُتاثر ہو کے پھر ہزاروں کو اسلام کے سچّے اور پُرجوش شیدائیوں میں بنا دیا۔ بھلا اُن کے مُقابلہ میں کیا خاک کوئی قرآن مجید کی فصاحت پر اعتراض کرسکتا ہے۔ جب وہ اِس بات کے قایل ہو گئے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

لبید بن ربیعہ جو بہت بڑا فصیح وبلیغ شاعر تھا اور جس کی بیش بہا تصنیف سے معلقہ رابعہ جیسی گوہر بے بہا کتاب ہے جو نے صرف قرآن پاک کے معجزۂ فصاحت ہی نے اُسے ابدی نجات کی کنجی عطا کی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے قصیدہ کو بوجہ کمال فصاحت خانۂ کعبہ پر آویزاں کر دیا تھا۔ اور خانۂ کعبہ پر آویزاں کرنے سے اُس زمانہ میں یہ غرض ہوتی تھی کہ یہ کلام فصاحت میں بے مثل ہے تاکہ صاحب کلام کی لوگ عزت کریں اور اُسے فخر شعرائے عصر مانیں۔ یہ شاعر یمن کا رہنے والا تھا۔ یہ سبعہ معلقہ کے چند قصائد میں سے بعض کا مصنّف ہے۔ یہ پہلے سخت بُت پرست تھا اور اپنی پُرزور اور موزوں طبیعت سے سب کو نیچا دکھا چکا تھا۔ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسی اثنار میں صرف اُس کا یہ دعوٰے توڑنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورت کعبہ پر آویزاں کر دی گئی۔ جوں ہی اسے خبر لگی یہ وہاں پہنچا اور دیکھکر سخت شرمندہ ہوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ یہ کلام کلام خدا ہے اور اسی بنا پر وہ دایرۂ اسلام میں آ کے حضرت رسالت مآب کے فدائیوں میں ہو گیا۔

کعب بن مالک جو فصاحت کلام پاک پر ایمان لایا تھا اور جس کی شہرت بلحاظ فصیح وبلیغ ہونے کے کچھ کم نہ تھی حضرت

رسالت مآب کی طرف سے کفار کے اشعار کا دھواں دھار جواب دیا کرتا تھا۔

حسان بن ثابت جو طوطی عرب کے معزز لقب سے ملقب کرنے کے قابل ہے حضور انور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت دلسوزی اور غمخواری کیا کرتا تھا اسے بھی فصاحت فرقان حمید نے اپنا والا و شیدا بنایا تھا۔

عباس بن مرداس جیسا نامی گرامی شاعر جس نے دائرۂ اسلام میں آکے وہ وہ کارنمایاں کیئے جس کے سنہری نقوش اب تک صفحۂ ہستی پر چمک دے رہے ہیں صرف فصاحت قرآنی ہی کے دل دادوں سے تھا اور اسی معجزے نے اسے مشرف باسلام کیا تھا۔

عبداللہ بن قیس بن عدی قریشی فصیح و بلیغ سخن شناس نکتہ سنج کا سا شاعر بھی قرآنی فصاحت پر گرویدہ ہو کے ہمیشہ کے لیئے اسلام کا رام ہو گیا تھا۔ یہ شخص معارف فصاحت و بلاغت سے اس قدر واقف تھا کہ اس کا کلام سب سے پہلے بطور سند کے پیش کیا جاتا تھا۔ اس شاعر کے مسلمان ہونے کا واقعہ سخت حیرت انگیز ہے جب مسلمان حضرت رسالت مآب کے حکم سے حبشہ روانہ ہوئے ہیں اور وہاں اُن سے مختلف لوگوں نے نئے مذہب یعنی اسلام کی بابت سوالات کیئے ہیں تو اُن سوال کرنے والوں میں ایک یہ بھی تھا اس نے اول ہی کسی آیت کے پڑھنے کی فرمایش مسلمانوں سے کی جوں ہی آیت پڑھی گئی بلاخوف پکار کے بولا بیشک یہ کلام خدا ہے اور تمہارا اس پر ایمان لانا حق ہے۔

ابو ذویب الھذلی شاعر کی اور بھی حیرت انگیز سرگزشت ہے۔ یہ آستانۂ علیۂ نبویہ پر اُس وقت حاضر ہوا ہے کہ جب حضرت رسالت مآب کی وصل باری تعالی کی تیاری ہو رہی تھی۔ یہ بہت شوق سے حاضر ہوا تھا اور اسکی دلی مراد یہ تھی کہ خود جناب رسالت مآب کی زبان فیض ترجمان سے کوئی آیت سنوں مگر یہ اُسکی تقدیر میں نہیں لکھا تھا اور اسے اس دنیائے فانی سے اسی آرزو میں رحلت کرنی تھی جوں ہی اس نے سُنا کہ نبی معصوم و برحق مرض الموت میں مبتلا ہیں اُس نے سخت افسوس کیا۔ اور اُس پر ایک مایوسانہ حالت طاری ہو گئی۔ اُس کی صورت حال یہ صاف شہادت دے رہی تھی ؎

اندرِ دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم　　ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اخیر حضور انور احمد مصطفےٰ شفیع دو جہاں حضرت رسالت مآب کا وصل ہو گیا مگر اس شیدائے اسلام کے اسی سے کچھ آنسو پہنچے کہ یہ مخلص خدا ترس مشرف باسلام ہو کے تدفین میں شریک ہوا۔

اللہ اکبر۔ اس نے مسلمان ہو کے کیا کیا خدمتیں اسلام کی کیں اور کفار کے مقابلہ میں کیا کیا جوہر شجاعت دکھائے اُس کی اخیر آرزو اور دلی خواہش اسلام کے لیئے شہید ہونے کی تھی وہ خدا نے پوری کی اور یہ بے مثال شاعر اور میدان کارزار کا شیر غزا غزوۂ روم میں شہید ہو گیا۔ (شواہد المغنی للسیوطی)

اعشٰی یعنے میمون ابو بصیر بن قیس بن ثعلبہ سرآمد شعرائے روزگار یمامہ کا رہنے والا تھا۔ جب اس کے کانوں میں اسلام کی آوازیں گونجیں اور اس نے قرآن مجید کی ربانی فصاحت کا تذکرہ سُنا اس کے دل میں جوش اُٹھا کہ چل کر سنا چاہیئے

کہ کیا کلام محمد میرے کلام سے بھی زیادہ فصیح ترین ہے چنانچہ وہ سید ہا یمامہ سے مدینہ میں آیا اور ایک ہی بار قرآن مجید سُن کر مُسلمان ہو گیا۔

ولید بن مغیرہ جیسا بے نظیر اور محقق شاعر تھا اُسی قدر مُتعصب بھی بلا کا تھا۔ اسے اسلام سے دلی دُشمنی تھی اور جو جو کچھ ابوجہل کے ساتھ شامل ہو کے اس نے مُسلمانوں کو تکلیف پہنچائی ہے وہ سخت غضبناک تھی۔ پھر بھی یہ ضرور تھا کہ قرآن مجید کو بوجہ کمال بلاغت سحر کہا کرتا تھا جب ابوجہل وغیرہ قریش فصاحت کلام مجید کو دریافت کرتے تھے تو صاف کہدیا کرتا تھا کہ یہ کلام سحر ہے۔ اسے اپنی مہارت اشعار کا بہت بڑا دعوٰی تھا اور وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ میرے برابر کوئی شخص قصائد و رجز و اشعار عرب وجنات سے واقف نہیں ہے مگر قرآن مجید کے آگے اسے گردن خم کرنی پڑتی تھی اور وہ صاف اقرار کرتا تھا کہ آجتک ایسا کلام نہیں سُنا یہ تو سحر ہے۔ چنانچہ یہ کیفیت اور ولید کا یہ مقولہ سورۂ مدثر میں باعلان واشتہار مذکور ہوا ہے " ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ " اور سورۂ سبا میں ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ " خود حضرت رسالت مآب کو بھی (معاذ اللہ) ساحر کہتے تھے چنانچہ سورۂ یونس میں ہے " اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ " اس سے زیادہ عظمت ایک کلام کی اور کیا ہو سکتی ہے جو اُس پر ایمان لے آئے وہ تو اسے کلام خدا سمجھتے ہیں اور جو ایمان نہیں لائے وہ اُسے قوت بشری سے باہر سمجھکر سحر وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نابغہ جعدی اگرچہ مسن اور بہت معمر ہو گیا تھا اور اُسے بسبب زیادتی عمر کے ایک تجربہ بھی خاص طور پر شاعری میں حاصل تھا پھر بھی قرآن مجید نے اُسے اپنا حلقہ بگوش بنالیا اور وہ خالص نیت سے مسلمان ہوا جب تک زندہ رہا اسلام و قرآن اور حضرت رسالت مآب کی مدح کیا کرتا تھا۔ اس کی عمر نابغہ ذبیانی شاعر سے بھی بہت بڑی تھی۔ اسکی عُمر کی بابت مُختلف روایتیں ہیں کوئی لکھتا ہے ۱۲۰ برس کی عُمر میں اس کی وفات ہوئی تھی اور کوئی ۱۸۰ برس کی عُمر بتاتا ہے اور کوئی ۲۰۰ برس کی بہرحال جتنی عُمر ہو اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبول اسلام کے وقت نہایت تجربہ کار تھا اور دنیا کے سرد و گرم کا مزا خوب چکھ چکا تھا۔ اس کے اشعار میں سے چند وہ اشعار جن سے اسکی عُمر فصاحت۔ اور صدق نیت کا اظہار ہوتا ہے درج کرتے ہیں جس سے عربی داں تو اسکی بے نظیر فصاحت اور بیمثال بلاغت کا کافی اندازہ کرلیں گے اور اُردو داں اسکی بلند خیالی۔ نیک نیتی اور صاف باطنی کا نمونہ ملاحظہ فرمالیں گے۔

قالت امامۃ کم عمرت زمانۃ[1] وذبحت من عتر علی الاوثان

ولقد شھدت عکاظ قبل محلھا[2] فیھا وکنت اعد مل فتیان

والمنذر بن محرق فی ملاکھم[3] وشھدت یوم مجائن النعمان

وعمرت حتی جاء احمد بالھدی[4] وقوارع تتلی من القران

[1] امامہ کہتی ہے کہ جاہلیت کا بہت سا زمانہ گزر گیا۔ جس میں ہم بتوں پر قربانیاں چڑھایا کرتے تھے۔

[2] ہم مشاعرہ میں اول حاضر ہوتے تھے اور بہادر لوگوں کے نام فخر لیتے تھے۔

[3] اور منذر جو بڑا بہادر تھا ہمارے گروہ میں۔ اور جس روز معائب نعمان کا بیان ہوتا تھا ہم موجود ہوتے تھے اور اُس کی ہجو کرتے تھے۔

[4] بہت سی عمریں ہی گزر گئی کہ ناگاہ احمد مصطفٰے کا ہدایت اور عذاب کی آیات قرآنیہ کے ساتھ ظہور ہوا۔

پھر کہتا ہے۔ بلغنا السماء مجدنا وجدودنا وانا لنرجو فوق ذلک مظھرا

اس شعر کو جناب رسالت مآب نے گوش گزار فرما کے نابغہ سے ارشاد کیا کہ "یا ابا لیلیٰ این المظھر" یعنے ابو لیلیٰ کہاں ہیں مظہر نابغہ نے عرض کیا کہ جنت یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ۔ (الغرر والدرر)

کعب بن زہیر بھی عرب کے نامدار شعراء میں سے تھا۔ اسے قرآن مجید سُننے کا از حد شوق تھا مگر قوم کی جابرانہ کارروائیوں سے خوف کھاتا تھا اخیر بڑی مشکل سے ایک دن شب کو اپنی قوم سے چھپ کے ناقہ پر منھ لپیٹ کے سوار ہوا اور نہایت ہوشیاری سے چھپتا چھپاتا حضور انور حضرت رسالت پناہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قرآن مجید سُنا صورت حال میں ایک نئی تبدیلی محسوس ہوئی۔ وجد انگیز نشۂ حیرت و استعجاب میں حضور انور احمد مصطفےٰ کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت شوق سے مشرف باسلام ہوا۔ ایک قصیدہ نعتیہ جو رسول مقبول کی جناب میں پیش کیا آج تک بہت نامور اور مشہور چلا آتا ہے۔ اس کا مذاق فصاحت مسلّم ہے اور اس کی شیریں کلامی اب تک مزے دیتی ہے۔ نغمائے بہشتی جسکے اشعار ایک عجیب غیر معمولی اثر رکھتے ہیں حضور انور کے فدائیوں میں سے تھا۔ اسکے اشعار سے اُس جوشیلے حیرت انگیز شوق شفاعت کا ایک عجیب لُطف پایا جاتا ہے جو اوروں میں نظر نہیں آتا سواد بن قارب کاہن بھی صرف قرآن مجید کی فصاحت پر ایمان لاکے اسلام کا دائمی فدائی بن گیا تھا۔

فصاحت کا معجزہ اور اُس کا اثر جو کچھ ہوا وہ ہمارے بیان بالا سے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ گو ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن مجید کا بڑا معجزہ تعلیم ہے جس نے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور شیوخ قبائل عرب اور حکام کو اسلام کی زنجیروں میں اس مضبوطی سے جکڑ دیا تھا کہ اسکی مثل زمانہ دوسرا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسپر بھی ہم معجزۂ فصاحت قرآن مجید سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل لغو اور غلط ہے کہ جو لوگ اسلام پر فریفتہ ہو کے اس کے سرگرم و پُرجوش پیرو بن گئے تھے۔ اُنہیں کسی قسم کا لالچ تھا۔ یہ ایک مضحکہ خیز اور بے معنی بات ہے۔ ایمان لانے والوں میں حکمراں۔ رئیس۔ دولتمند اور سردار بھی تھے جنہیں نہ حکمرانی کا لالچ تھا نہ ریاست کا نہ دولت کا اور پھر مسلمان ہو کے اُنہیں کفار عرب کے ہاتھ سے جو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ اِس امر کی کافی دلیل ہیں کہ اُن کا اسلام لانا محض نجات ابدی کے لیئے تھا اور اُن کی سخت آزمائش خدا کی طرف سے اِس غرض سے کی گئی تھی کہ لوگوں کی آنکھوں کے آگے اُن کا امتحان ہو جائے کہ وہ کسی دنیاوی طمع سے نہیں بلکہ خدائے واحد کی پرستش کے شوق میں دایرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ابو بکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حمزہ۔ جعفر طیار۔ عثمان بن طلحہ۔ عبد اللہ بن مسعود۔ زبیر بن عوام۔ زید بن حارثہ۔ عمارہ۔ سعد بن وقاص ابو سلمہ مخزومی۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ ابو عبیدہ بن الحارث۔ سعید بن زید۔ ابو جندل بن سہیل۔ یہ سب اشراف و رئیس مکہ معظمہ تھے۔ قرآن ہی نے انھیں اپنا گرویدہ بنایا تھا۔ اور اسی پاک کتاب کی ربانی ہدایتوں نے انھیں اسلام کا سچا خدمتگزار کر دیا تھا۔

یہ خیال کس قدر لچر اور پوچ ہے کہ حضرت رسالت مآب کی خدمت میں چونکہ شعرائے عرب بکثرت حاضر رہتے تھے اسلیئے

ہلہ ہماری عزت آسمان تک پہنچی اور ہمارے بزرگ معزز ہوئے اور ہم ہر طرح اس سے بھی زیادہ خدا سے امید رکھتے ہیں۔

قرآن مجید کی تصنیف اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ اصول پر کی گئی۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ اُن شاعروں کو کس کلام نے اسلام کی چاشنی چکھائی تھی اور اول ہی اول وہ کس باعث نظام کلام سے زمرۂ غلامانِ نبی میں داخل ہوئے تھے۔ تو جواب سوائے اسکے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن مجید نے۔ پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کوئی شخص مصنف قرار دیا جائے۔ اور اسے کسی شخص خاص کی طرف نسبت دی جائے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ رئیس کس قدر ایمان لائے تھے سب کی فہرست لکھنے سے تو ایک بے لطف طول ہو جائے گا ہم یہاں صرف ایک ایک فرقہ میں سے ایک ایک دو دو کے نام لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رئیس قبائل اپنی حکمرانہ حالت پر لات مار کے غلامی اور وہ بھی بے مثل غلامی کے دائرہ میں آ گئے تھے۔ اگرچہ یہ ضرور تھا کہ اُنکی یہ غلامی شہنشاہی مرتبہ سے کہیں برترین و اعلیٰ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا یہ اثر ہے کہ بارہ سو برس سے آجتک کروروں نفوس جن میں عالم سے لگا کے شہنشاہ بھی ہوئے اور ہیں اُنہیں اپنا مخدوم اپنا پیشوا خیال کرتے تھے اور کرتے ہیں۔

مصعب بن عمر رئیس بنی اشہل۔ بریدہ اسلمی۔ اور دیگر ستر اشخاص رئیس اور اہل علم مدینہ خصوصاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ فقہائے یہود قرآن مجید پر جس صدق دل سے ایمان لائے تھے اُس کی نظیر کسی عصر یا کسی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

عبد اللہ بن عوف۔ منذر بن عامر۔ اشجع۔ دلا اور یہ سب اُمرائے عرب اور بڑے دولتمند تھے۔ فروہ بن عمرو صوبہ دار عمان۔ بلغاء، عامل ہرقل سلطان روم ایک متعصب نصرانی امیر و مصاحب حارث شاہ دمشق۔ جبلہ امیر غسانی۔ منذر بن ساوی سلطان بحرین۔ حارث بن ضرار امیر بنی مصطلق۔ باذان حاکم یمن۔ نجاشی بادشاہ حبشہ یہ سب خود مختار حاکم تھے جنہوں نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن مجید کی روشن تعلیم پر اعتراض کرنے والوں کی کیسی عقل ہے۔ وہ قرآن جس کی حکومت دنیا پر بارہ سو برس سے قایم ہے اور ہر صدی نہیں بلکہ ہر قرن میں اُس کی عظمت اور شوکت کو ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے کبھی تو تلوار اُس کی حکومت کی معاون رہی اور کبھی تلوار نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا مگر ارکانِ حکومت میں کچھ فرق نہیں آیا اور اُنکی اُستواری کی وہی کیفیت ہے۔

موجودہ زمانہ میں جبکہ تلوار کا تبادلہ قلم سے ہو گیا ہے اور آزادی کے عام راستے کُھلے ہوئے ہیں مسلمانوں کی حالت دُوسری قوموں کی بہ نسبت بہت ہی کمزور ہے۔ اشاعتِ قرآن کے ذرائع نہ اُن کے پاس ہیں نہ اُنھیں حاصل کرنے کا خیال بایں ہمہ یہ معجزہ ہے کہ بغیر کسی کی کوشش کے دنیا کے ہر حصّہ میں دن بدن اس کی ترقی ہوتی جاتی ہے اِس میں شک نہیں کہ یہ بمقتضائے قانونِ قدرت ایک دن دنیا پر اپنا نور پھیلا کے رہے گا۔

کُل مذہب کیا تو مر گئے یا ادھ موے تڑپ رہے ہیں یا اِس قدر ضعیف ہو گئے کہ اب ان کی موت کی پیشنگوئی بآسانی ہو سکتی ہے مگر اسلام اب بھی وہی زندہ و توانا ہے اور اُس کی زندگی میں زور اور قوت اور غیر معمولی نمو پائی جاتی ہے۔ یہی بہت بڑا معجزہ ہے اور اسی سے دینِ خدا پہچانا جاتا ہے ✦

پہلا باب

قرآن مجید کا انضباط اور ترتیب

یہ بحث نہایت دلچسپ اور اہم ہے اور ہم اس میں ایک بسیط تحریر کریں گے اور قرآن مجید پر جو اعتراضات اس پہلو سے کیئے گئے ہیں اُن کے جواب دیں گے۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے فرض کو پُورے طور پر ادا کر دیں۔

عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید زید ابن ثابت نے جمع کیا اور بعض جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضہ کو کہتے ہیں مگر ہم دونوں خیالات سے اختلاف رکھتے ہیں نہ ہم زید کو جامع القرآن کہتے ہیں اور نہ حضرت عثمان رضہ کو ہمارا مذہب ہے اور ہمیں احادیث صحیحہ سے پُورا پتہ لگا ہے اور ہمعصر شہادتیں بکثرت ہمارے پاس جمع ہیں کہ جامع القرآن خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ ضرور ہے کہ زید نے نظر ثانی کی یا حضرت عثمان رضہ نے قرأت کا فرق نکالا مگر جامع القرآن کا معزز لقب اُسی ذات پاک و معصوم کے لیئے شایاں ہے جس کی نسبت یہ موزوں ہو سکتا ہے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

کم و بیش حضرت رسالت مآب کی نبوت کا زمانہ ۲۳ برس شمار کرنا چاہیئے۔ اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً جتنا قرآن نازل ہوتا گیا بالترتیب سب لکھ لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ حفظ بھی یاد ہوتا گیا۔ خود حضرت رسالت مآب کے زمانہ محمود و مسعود میں بہت سے صحابہ موجود تھے جنہیں قرآن مجید پُورا حفظ یاد تھا۔ یہ التزام تھا کہ ادھر وحی نازل ہوئی اور اُسی لحظہ یا اُس سے تھوڑی دیر بعد آپ نے اپنے صحابہ کے آگے کلام ربانی فرما دیا۔ سُنتے ہی وہ کلام ربانی کھجور کے پتوں۔ چمڑے۔ پتھروں۔ ہڈیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور ان چیزوں کی جن پر کلام خدا تحریر ہوتا تھا سخت حفاظت کی جاتی تھی۔ اس لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان ٹکڑوں کو دنیا کی ہر قیمتی چیز سے بیش قیمت خیال کرتے تھے۔

مکہ معظمہ سے جب تک ہجرت نہوئی تھی اور وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اس وقت آپ کے کاتب وحی خدیجۃ الکبرا۔ ورقہ۔ علی بن ابی طالب۔ ابوبکر صدیق تھے۔ یہ سب تعلیم یافتہ اور اس زمانہ کی علمی دنیا میں نامور تھے۔ مختلف کاتب اس لئے آنحضرت کی خدمت میں رہتے تھے کہ وحی کے نازل ہونے کا وقت کوئی خاص نہ تھا اور جب مختلف اوقات میں وحی نازل ہوتی تھی تو ایک نہ ایک ضرور موجود رہتا تھا جب آپ نے ہجرت فرمائی اور شہر مدینۃ النبی کے نام سے مشرف ہوا تو آپ کی خدمت میں چودہ کاتب وحی رہتے تھے جن میں علی بن ابی طالب۔ عثمان بن عفان۔ زید بن ثابت بڑے نامور تھے۔ اخر الذکر عبرانی کا بہت بڑا عالم تھا اور بطور مُعتمد کے بھی کام کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی عبد اللہ بن سعد بھی کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ مُعتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور روایات صحیحہ کا سلسلہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ خود آنحضرت اپنے سامنے وحی لکھوا کے سُن لیا کرتے۔ اور اگر کسی لفظ میں سہو کاتب ہوتی اُسکی فوراً صحت کرا دیتے۔

خود قرآن مجید سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید میں کتاب کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی نوشتہ چیز کے ہیں۔ ہاں صرف لفظ قرآن کلام یا اعادہ ظاہر کرتا ہے اس سے ایک لکھی ہوئی چیز مفہوم نہیں ہوتی۔
یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے ہیں تو آپ کا کوئی گھر نہ تھا یعنی مستقل کوئی جائے قیام تھی پھر جمع کیا ہوا قرآن کہاں رکھا جاتا تھا اس سے شاید کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ضرور بعض ٹکڑے اِدھر اُدھر ہو گئے ہوں اور جب تک آپ کی کوئی مستقل قیام گاہ نہ ہو گئی ہو اُن میں کمی بیشی ممکن ہے اگرچہ یقینی نہیں۔ ہم اس خیال کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے نہ ہمیں آنحضرت کی مستقل جائے قیام نہ ہونے سے تحریر شدہ اشیا کی پراگندگی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔
ہم یہ کہتے ہیں کہ لکھی ہوئی وحیاں صرف آنحضرت ہی کے پاس محفوظ نہیں رہتی تھیں بلکہ عموماً ہر صحابی کے پاس جمع رہتی تھیں اور وہ اُن کی روزمرہ تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس امر کی کئی شہادتیں موجود ہیں منجملہ اُن کے ہم دو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ہجرت نبوی سے پہلے مکہ معظمہ میں قرآن مجید کے پڑھنے پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شکایت مشرکان مکہ نے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں کی تھی کہ یہ علی الصباح قرآن کی تلاوت با آواز بلند کیا کرتا ہے اور اس کے پڑھنے سے سننے والے متاثر ہو کے اپنے عقائد میں کمزور ہوتے جاتے ہیں اگر آپ نے ابو بکر کو اس امر سے باز نہ رکھا تو ہم جنگ کرینگے اور زبردستی قرآن کا بلند آواز سے پڑھنا روکیں گے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے پاس قرآن مجید تھا جسے وہ روزمرہ پڑھا کرتے تھے۔ دوسری صحیح روایت حضرت عمر فاروقؓ کے ایمان لانے کی ہے کہ جب آپ نے گھر میں آکے دیکھا کہ آپ کی بہن چمڑے کے ورق کا لکھا ہوا قرآن پڑھ رہی تھیں اور اسی لئے آپ نے اپنے بہنوئی کو زدوکوب کیا تھا کیونکہ وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کا ورق اپنے بہنوئی سے لیکے چاک کر ڈالا تھا۔ اِن دو صحیح روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لکھا ہوا قرآن خواہ وہ کسی چیز پر ہو عموماً صحابہ کے پاس رہتا تھا۔ اب اِس میں اس کمزور خیال کو رستہ دینا کہ وہ صحابہ کہاں رکھتے تھے ایک بنیاد بات ہے۔ جہاں وہ رہتے تھے جہاں وہ اُٹھتے بیٹھتے تھے اسے جان سے لگا کے رکھتے تھے کیونکہ یہی ایک پونجی تھی جو انھیں ایمان لا کے حاصل ہوئی تھی اور یہی در اصل اُن کی نجات کی کُنجی تھی۔ اس سے اور کچھ نہیں تو اتنا ثبوت ضرور ہو گیا کہ لکھا ہوا قرآن علاوہ آنحضرت کے صحابہ کے پاس بھی رہتا تھا۔ قرآن ایک جگہ جمع ہونا آنحضرت کی ہدایت کے موافق ہوا۔ یہ روایت کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق سے قرآن جمع کرنے اور اسکے نسخے لکھوا کے مختلف حصص اسلامی میں تقسیم کرانے کی رائے دی تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ جس کام کے کرنے کو میرے نبی نے نہیں فرمایا میں ہرگز نہ کرونگا۔ اخیر حضرت عمرؓ نے اُونچ نیچ کے کئی پہلو سُجھا کے انھیں راضی کیا اور جب قرآن مجید لکھنے کے لئے زید ابن ثابت سے کہا گیا تو اُس نے بھی یہی عُذر کیا۔ ہمیں اس روایت پر پورا وثوق نہیں۔ ہم مجبور نہیں ہے کہ تواتر کے مُقابلہ میں خبر احاد کو مان لیں۔ جب خود آنحضرت کا منشا قرآن کے جمع کرنے اور لکھوانے کا بہ تواتر ثابت ہے پھر کسی صورت سے ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ تواتر یہ ہے کہ آنحضرتؐ ابتدا ہی سے وحیاں لکھواتے جاتے تھے اور خاص ایک جگہہ وہ وحیاں محفوظ رہتی تھیں۔ ہم کاتبوں کا ذکر جو مکہ اور مدینہ میں وحیاں لکھتے تھے پہلے

کر چکے ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں اگر آنحضرت کا منشا ایک جگہہ قرآن کا جمع کرنا اور اشاعت دینا نہ تھا پھر لکھوانے اور علیحدہ محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ صحیح روایت ہے کہ حضرت بی بی حفصہؓ کے گھر میں ایک صندوق میں پورا قرآن مجید رکھا تھا۔ ایک غلط روایت کا مشہور ہوجانا اور کبھی کسی عالم مفسر یا محقق کو اُس پر غور کرنے کا اتفاق نہونا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ روایت درحقیقت صحیح ہے۔ میرا اس پر ایمان اور یقین ہے کہ حضرت صدیق یا زید ابن ثابت نے قرآن کے ایک جگہہ لکھے جانے اور اشاعت پر اعتراض نہیں کیا نہ وہ کر سکتے تھے۔ دُوسرا ثبوت قرآن کے ایک جگہہ جمع ہونے اور خود نبی معصوم و برحق کے ہاتھوں سے جمع ہونے کا یہ ہے کہ جب حضرت رسالت مآب نے مرض الموت میں فرمایا کہ دوات قلم لاؤ میں کچھہ لکھوا دوں تو حضرت عمر نے صاف کہدیا تھا کہ ہمارے لئے اسے محمدؐ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کافی ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں جب قرآن مجید جمع ہی نہیں تھا تو حضرت عمرؓ نے کیونکر کہا۔ نہیں بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید محفوظ تھا اور اس طرح اُس کی ترتیب دی ہوئی تھی کہ اُس پر لفظ **کتاب** کا اطلاق ہوسکتا تھا ہمارے اس بیان سے یہ تو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جامع القرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں زید ابن ثابت اور حضرت عثمان غنی کو اس سے کچھہ تعلق نہیں۔ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھہ میں ہے اسے ہم نہ زید بن ثابت کا قرآن کہسکتے ہیں اور نہ عثمان غنی کا صرف اس قدر ضرور ہے کہ زید ابن ثابت نے لکھا اور حضرت عثمان غنی نے قرأت کے اختلاف کو دُور کرکے اسی نبوی قرآن کی اشاعت دی جو آنحضرت کے زمانہ مسعود و محمود میں جمع ہو چکا تھا۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کہیں بھی کامل سلسلہ اصلی منقولہ نسخہ قرآن کا نہ تھا۔ سر ولیم میور نے بھی اس پر بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہے مگر معترضوں کی سخت غلطی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب خود نبی اکرم اور آپ کے صحابہ اناجیل اور تورات کو عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں میں ناقص دیکھہ چکے تھے جب اُنہیں اس کا علم ہوچکا تھا کہ ان دونو فرقوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے پھر وہ کیوں نہیں خبردار ہوتے اور کیا وجہ تھی کہ قرآن کی ایسی حفاظت نہ کرتے جتنی ممکن ہوسکتی ہے جس سے کمی بیشی کا خیال تک نہ رہتا۔ بیشک اور یقیناً اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی آیت کی اس قدر حفاظت کی کہ وہ علاوہ تحریر کے لوگوں کے سینوں میں نقش ہوگئی۔

مسلمانوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے اور وہ اس عقیدہ اور یقین کے ثبوت اور استحکام کے لیئے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل سال میں ایک دفعہ کل قرآن آنحضرت کو دہورواجاتے تھے۔ ایک محقق شخص اس روایت سے یہ نتیجہ ضرور نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید ضرور دوہرایا جاتا تھا خواہ اُسے حضرت جبرئیل دوہراتے ہوں یا کوئی جلیل القدر صحابی۔ قرآن کا دوہرایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت ہی کی دی ہوئی ہے اور اس ترتیب میں کسی دُوسرے شخص کا ہاتھہ نہیں لگا ہے۔

ہم نے ماسوائے اسکے چند صحابہ کا ذکر پڑھا ہے جنہوں نے کئی کئی بار آنحضرتؐ کے آگے قرآن مجید کو بزبان دوہرایا تھا

مگر سر ولیم میور اس روایت سے اتفاق کر کے یہ لکھتے ہیں کہ صرف چھوٹی چھوٹی سورتیں جو پانچوں وقت کی نماز میں پڑھی جاتی تھیں دوہرایا کرتے تھے نہ کہ پورا قرآن۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وجہ کیا تھی کہ قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتوں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور بڑی سورتوں کے پڑھنے یا دوہرانے میں انہیں تکلف ہوتا تھا۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نماز میں خود آنحضرت اور آپ کے بعض صحابہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انہیں بڑی سورت کے پڑھنے کی ممانعت تھی۔ کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی فلاں سورت پڑھی جائے اور فلاں نہ پڑھی جائے۔ نماز فجر میں اکثر بڑی بڑی سورتیں پڑھی جاتی تھیں چنانچہ اب بھی یہی دستور ہے۔ پھر عام طور پر یہ خیال کر لینا کہ سب ہمیشہ چھوٹی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے کتنا غلط استدلال ہے

سر ولیم میور یہ لکھتا ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ترتیب نہیں ہے بلکہ اس ترتیب کو صحابہ نے درست کیا تھا اُس کا اعتراض ہے کہ اگر خود آنحضرت دیتے تو مضامین کا اسقدر خلط ملط نہ ہو جاتا چنانچہ وہ یہ بحث کرتا ہے "یہ بعید الفہم ہے کہ پیغمبر نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ اس انضباط اور ترتیب سے قرآن جمع کیا جائے (یعنی کونسی سورت آگے ہو اور کونسی پیچھے) ہمیں اس میں بھی شبہ ہے آیا سورتوں کا شمار جواب موجود ہے پیغمبر کی ہدایت سے ہوا۔ بہت سی سورتوں کے مضمون میں اندرونی تواتر اس پیمانہ پر نہیں ہے جو پیغمبر کے عمل میں آیا تھا۔ مضامین کی غیر متغیر ہیولائی آمیزش کو جس طرح کہ علم تاریخ نے علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے اسی طرح ادراک نے بھی اسے بے ترتیب ثابت کیا ہے۔ ایک آیت جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی وہ اس آیت سے پہلے آگئی ہے جو بہت دن پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ ایک حکم ایسے حکم کے بعد رکھا گیا ہے جو ما قبل الذکر حکم کی ترمیم یا تردید کرتا ہے یا ایک بحث فوراً ایک جملہ کے بیچ میں آنے سے جو اس کی تائید سے خارج ہے یا اسکا موئید نہیں بن سکتا چھپے ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں ہمیں اس یقین کرنے میں مانع آتی ہیں کہ موجودہ ترتیب یا کوئی کامل انتظام پیغمبر کی زندگی میں کیا گیا ہے"۔

یہ اعتراض ہے جس کا جواب ہم ذیل میں دیتے ہیں۔ میور یہ لکھتا ہے کہ قرآن کی تاریخی ترتیب جس طرح غلط ہے اسیطرح اس کے مضامین کی ترتیب اور اُس کا نظام بھی غلط ہے اس بنیاد پر وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ قرآن مجید کو آنحضرت نے ترتیب نہیں دیا۔ یہی اعتراض ڈاکٹر موسیو لی بان فرانسیسی محقق نے بھی اپنی کتاب تمدن عرب میں کیا ہے اور یہی نکتہ چینی اسپرینگر نے بھی اپنی سیرت محمدیہ میں جائز رکھی ہے۔ بس ہم اس پر بسیط بحث کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں خود علمائے اسلام کا بہت بڑا اختلاف ہے اور اب تک اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا ہے کہ اتنی سورتیں یقینی مکی ہیں اور اتنی سورتیں بلاشک مدنی ہیں۔ مگر ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سورت جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی اُس سورت سے پہلے آگئی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اس سے ہم یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ تاریخی ترتیب غلط ہے۔ غلط کا کریہ لفظ خود کسی مصنف کی ایسی تصنیف کی نسبت بھی عائد نہیں ہو سکتا جس نے مضامین کی کسی مصلحت کی وجہ سے ترتیب دی ہو اور اُسے اپنے ڈھنگ پر نیا لباس پہنایا ہو۔ مسلمانوں کا

عقیدہ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور آسمان سے نازل ہوا ہے اس کی وہی ترتیب ہے جو لوح محفوظ میں تھی مگر یہ جواب خصم کے لیئے کافی نہیں ہے اس لیئے ہم مفصلہ ذیل بحث کرتے ہیں۔ قرآن خواہ آسمان سے نازل ہوا یا خود آنحضرت نے تصنیف کیا ہر حالت میں یہ لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ بمقتضائے وقت وضرورت نازل ہوتا تھا اور اُسی قدر تلقین کیا جاتا تھا جتنی کہ اُس کی ضرورت ہوتی تھی اگر آگے پیچھے کی وہی ترتیب رکھی جاتی تو غلط بحث ایسا ہو جاتا کہ پھر ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ اس طرح پریشان صورت میں نازل ہونا اور پھر اُس کی عمدہ طور پر ترتیب دے لینا قانون قدرت کے مطابق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مختلف حصص عالم میں مختلف چیزیں پیدا کیں مثلاً فرض کرلو کہ لوہا ولایت سے آتا ہے اور ہندوستان کی لکڑی کے ساتھ ملا کے اُسے کسی خاص کام میں لاتے ہیں تو کیا یہ کہنا بجا ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخی ترتیب ٹھیک نہیں۔ لوہا خواہ کسی دور دراز حصہ دنیا میں مستعمل ہو کہلائے گا لندن ہی کا لوہا۔ اسی طرح مکی سورت خواہ مدینہ والی سورت کے بعد ہی کیوں نہ رکھی جائے ہوگی مکی سورت تاریخی ترتیب اسے نہیں کہتے بلکہ تاریخی ترتیب کے یہ معنی ہیں کہ واقعات گزشتہ قرن بعد قرن یا صدی بعد صدی ایک انضباط میں رکھے جائیں یا بیان کیئے جائیں اور پھر اُنکی ترتیب میں فرق آجائے یعنے ہم اکبر کا حال بیان کر رہے ہیں اسے ختم کرتے ہی ہم نے بابر کا ذکر چھیڑ دیا اُسکے بعد جہانگیر کا آگیا اور پھر اورنگ زیب کا اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ لکھ رہے ہیں اور ہم نے اس قسم کی ترتیب دی ہے تو بے شک ہماری ترتیب غلط ہوگی یا اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں لکھ رہے بلکہ تمثیلوں اور نصائح یا حکایات کی ایک کتاب تیار کر رہے ہیں تو مذکورہ ترتیب کسی لحاظ سے بھی غلط نہیں ہو سکتی چاہے ہم جلال الدین اکبر کا ذکر لکھتے لکھتے بہادر شاہ کا تذکرہ کرنے لگیں اور بہادر شاہ کے ساتھ عالمگیر کا بیان لکھدیں۔

اب ہم قرآن مجید کی طرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں قرآن مجید ایک کتاب ہے جس میں خدا کی طرف سے اوامر و نواہی کا بیان ہوا ہے اور اُن کی ترتیب جس عمدگی سے دیگئی ہے وہ انسانی معمولی ترتیب سے بدرجہا بہتر اور عمدہ ہے یہ بالکل غلط ہے جیسا سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ بعض جگہ ایک حکم جو بعد میں آیا ہے اپنے ماسبق کے حکم کی تردید کرتا ہے شاید اسے ناسخ و منسوخ کی بحث میں مغالطہ پڑا ہو کیونکہ تمثیلاً اُس نے ایسے کسی دو حکموں کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کیا اس لئے ہم اُس پر ابھی بحث نہیں کرتے اور اس بحث کو ناسخ و منسوخ کی دلچسپ بحث کے لیئے رہنے دیتے ہیں۔

ہمارے علماء کے مختلف اقوال اور آرائے کو جانچ کے اُس نے نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معمولی طور پر چند اقوال پر نظر کر کے اس نے یہ غلط اور صریح اور لغو الزام قرآن پاک جیسی کتاب پر عاید کر دیا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ قرآن احکام الٰہیہ کا ایک مجموعہ ہے اور اُن میں انجیل کی طرح ایک بھی حکم ایسا نہیں ہے جسے ہم دوسرے حکم کی ضد کہہ سکیں۔ بڑا اختلاف اسی میں ہے کہ پہلے کون سی سورت نازل ہوئی تھی اگرچہ عام اتفاق اس پر ہے کہ سورۂ اقرأ کا سب سے پہلے نزول ہوا تھا مگر بعض علماء نے اس پر

بھی بحث کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اقرأ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسری سورت تھی جس کے پڑھنے کے لئے
خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی تھی نہ کہ خود سورۂ اقرأ۔ یہ بحث نہایت دقیق اور نازک ہے اور اس کا اس آسانی
سے فیصلہ نہیں ہو سکتا جیسا مسیو ریا اُس کے اور ہم خیالوں نے کر لیا ہے۔ قرآنی معارف و دقایق پر غور کرنے کے
لیئے ایک غیر طرفدار اور بیدار دل کی ضرورت ہے اور ایسی روشن ضمیری کی حاجت ہے جو ایک پاک متقی کو حاصل ہوتی
ہے۔ مسلمانوں نے صرف ربط قرآن مجید ثابت کرنے کے لیئے ایک بہت بڑے علم ربط کی بنیاد ڈالی جس کا بانی
امام محی الدین ابن عربی ہے جس نے یہاں تک ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید الحمد سے لیکے والناس تک ایک ہی
جملہ ہے۔ اگر معترض علم ربط کی بحث کو بغور دیکھ لیتے تو اُنہیں کبھی بھی اس نکتہ چینی کا موقع نہ ملتا۔

ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی نبی کے چند قصص مختلف مقامات
قرآن میں آ گئے ہیں یا اس وجہ سے ترتیب مضامین میں بہت بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک
ایک قصہ کو قرآن مجید میں مختلف مقامات میں بیان کیا ہے مثلاً حضرت آدم ہی کا قصہ ہے اس سے ہم نہیں سمجھتے
کہ ترتیب مضامین کیونکر غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ جس جگہ ایک قصہ بیان ہوا ہے وہاں اُسکی اور حالت ہے
اور دوسری جگہ اسی بیان نے ایک ایسا نیا لباس پہن لیا ہے کہ وہاں اُس کی اور ہی صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا
مفصل ذکر جگہ بجگہ ہماری تفسیر میں آئے گا۔

اب ہم ایک اور پہلو پر بحث کرتے ہیں فرض کرو کہ آنحضرت نے کوئی ترتیب اپنے سامنے قرآن مجید کی نہیں دی
اور نہ کسی خاص ترتیب یا نظام کی آپ نے اپنے صحابہ سے ہدایت کی اور اب صحابہ کو قرآن کے ایک جگہ جمع کرنے
کی ضرورت ہوئی جس وقت حضرت عمر کی تحریک اور حضرت ابو بکر کے حکم سے زید ابن ثابت نے ایک جگہ قرآن
جمع کرنا شروع کیا ہے اُس وقت بیسیوں صحابہ موجود تھے جنھیں قرآن پورا حفظ تھا اور ایسے تو ہزاروں صحابہ تھے جنہیں
اُس ترتیب کا بخوبی علم تھا جو آنحضرت کے سامنے قایم ہو چکی تھی۔ کیا یہ خیال میں آ سکتا ہے کہ قوم کی قوم غلطی کرے
اور اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ ہم ترتیب مضامین غلط کر رہے ہیں۔ ان صحابہ میں بڑے بڑے عالم۔ شاعر اور نثار
موجود تھے اور ایک ہی نبی کے قصوں کو ایک جگہ جمع کر دینے کا کام نہ لیاقت چاہتا تھا نہ اس میں کچھ علمیت درکار
تھی یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کر سکتا تھا کہ جلیل القدر صحابہ جن کے بے نظیر اور معنی خیز کلام نے تیرہ سو برس سے
مخلوق خدا کی رگوں میں ذوق اور شوق کا خون دوڑا رکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام بلاغت نظام اور
آپ کے خطبے موجود ہیں جنھوں نے مشرقی دنیا ہی کو نہیں بلکہ مغربی عالم کو ششدر بنا دیا تھا اور آپ کے مقولے
بطور ضرب المثل کے اب تک یورپی مصنفوں کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں اسی طرح اور بھی زبردست فاضل
تھے جن سے علم فقہ جیسے عظیم الشان قانون کی بنیاد پڑی کیا کسی کم عقل سے کم عقل کی سمجھ میں بھی یہ آ سکتا ہے
کہ اُن میں یکساں مضامین کو ایک جگہ جمع کرنے کی قابلیت نہ تھی اور نہ برسوں تک انہیں یہ غلطی معلوم ہوئی۔
نہ اب تک کہ لاکھوں مسلما گزر گئے اور وہ علما جن کی مثل زمانہ نے اب تک پیدا نہیں کیا اس صریح اور موٹی غلطی کو

آگاہ نہ ہوتے۔اس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جو ترتیب اس وقت قرآن مجید کی ہے یہ بالکل صحیح ہے اور خود آنحضرت کی دی ہوئی ہے اور نہ اس ترتیب میں دوسرے کی رائے شریک ہے نہ دوسرے شخص کا ہاتھ لگا ہے ہمارے بیان بالا سے ایک منصف مزاج شخص یہ استنباط کر سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی غلط تاریخی ترتیب کا الزام لغو ہے اسی طرح مضامین کی بے ترتیبی کا اتہام محض بے بنیاد و لایعنی ہے۔

اس کے آگے سر ولیم میور لکھتا ہے "اس کے خلاف بلاشک کتنی ہی سورتیں مضمون اور ترتیب میں بالکل وہی سورتیں ہیں کہ جیسی پیغمبر نے اپنے وقت میں چھوڑی تھیں اور سورتوں کا باقی ماندہ حصہ گو بے ضابطگی سے باہم مشابہ ہے پھر بھی اصلی ٹکڑوں سے عموماً ایک بڑی طولانی پر ترتیب دی گئی ہے اور ہر سورت کا بہت سا حصہ اسی انضباط کی پیروی کرتا ہے جو عام عبادت میں مستعمل ہوتی ہیں اور ان ہی سورتوں کو لکھ بھی لیا گیا اور حفظ بھی یاد کر لیا گیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی بے قاعدہ وساطت اور بے ترتیب نظام نے بسا اوقات بلاشک تواتر کو برباد کر دیا ہے اور اس سے ایک انتشار اور آیتوں کی ایک پریشانی پائی جاتی ہے" سر ولیم میور کو اس امر نے کہ جو راہیں نمازیں پڑھی جاتی تھیں وہ کوئی خاص تھیں مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔روایات صحیحہ سے یہ بات خفیف طور پر بھی ثابت نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ نماز میں فلاں سورت پڑھنا اور فلاں نہ پڑھنا یا عام طور پر چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہوں اور کوئی شخص بڑی سورت کا ورد نہ رکھتا ہو۔یہ ساری باتیں محض بے بنیاد ہیں اور ان خیالی اور ایجادی باتوں کی درحقیقت اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔اگر تحقیق سے کچھ بھی سروکار ہوتا تو سر ولیم میور کو معلوم ہوتا کہ رمضان المبارک میں مسجدوں میں قرآن مجید کا پڑھا جانا اور دیر تک پڑھا جانا اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ صحابہ حافظ قرآن تھے اور اسی ترتیب سے قرآن پڑھتے تھے جس کی بنیاد خود آنحضرت نے ڈالی تھی اور جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔صحیح احادیث موجود ہیں کہ رمضان المبارک میں قرآن پڑھا گیا اور اتنی اتنی دیر تک پڑھا گیا کہ جناب رسالت مآب نے فرمادیا کہ شاید تمہیں تکان ہوا اور روزے رکھنے میں تکلیف ہو تم اپنے گھر میں پڑھ لیا کرو۔اب اس حکم سے کئی کئی باتیں پیدا ہوتی ہیں پورے قرآن پڑھنے کا حکم اور قرآن مجید کے ترتیب وار ہونے کا پورا ثبوت تیسرے اس امر کا ثبوت کہ موجودہ ترتیب کو آنحضرت نے سنا اور پسند کیا چوتھے اس بات کا ثبوت کہ ترتیب زمانہ وصل سے پہلے دن پہلے برابر ہوتی چلی آئی تھی پانچویں اس امر کا ثبوت کہ صحابہ کو وہ ترتیب یاد تھی جو آنحضرت کے وقت میں موجود تھی۔اب یہاں سے میور اور اس کے ہم خیال معترضوں کے کل اعتراضات منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ذرا بھی قابل لحاظ نہیں رہتے۔

ہم نہیں خیال کرتے کہ کن چھوٹی چھوٹی سورتوں یا آیتوں سے قرآن مجید کے تواتر میں فرق پڑتا ہے۔ہماری تفسیر کے ناظر خود اس بات کا فیصلہ کر لیں گے کہ معترض کا یہ خیال کس قدر غلط اور نامعقول ہے۔قرآن مجید کے تواتر میں نہ کبھی فرق پڑا نہ پڑ سکتا ہے۔بے سمجھی سے کوئی رائے قائم کر دینا اور اس پر منطق کے پیرائے میں حجت کرنا اپنی کامل لاعلمی اور تعصب کا پورا ثبوت دینا ہے۔پھر آگے سر ولیم میور یہ گوہر افشانی کرتے ہیں "تاہم یہ بات باقی رہتی ہے کہ سورتوں کے

ٹکڑے خود نبی نے نہایت مضبوطی سے اور بلا شرکت غیرے ترتیب دیئے تھے اور آپ ہی کی ہدایتوں کے بموجب اُن کی تعلیم ہوئی تھی اور انہیں لکھہ لیا گیا تھا اور یہ وجہ قرآن کا اندازہ بتاتی ہے کہ نہ صرف اس میں وہی سورتیں ہیں کہ جو نبی کی زبان اور مُنہ سے نکلی تھیں بلکہ اس کے تعلق اور سیاق کلام سے پایا جاتا ہے کہ ان میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں"۔ میور کو یہ الہام شاید روح القدس کی طرف سے ہوا ہوگا کہ قرآن میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔

سر ولیم میور جب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں مطلقاً تحریف نہیں ہوئی اور تحریف نہونے کے ثبوت میں وہ منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل کیا جاتا تو ہرگز وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جو راسخ الاعتقادی سے یہ ایمان رکھتے تھے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے۔ فوراً ایک سخت بغاوت ہوتی اور عرب میں خون کے دریا بہ جاتے۔ اس لکھنے کے بعد تعجب ہے کہ اُس نے یہ اعتراض کر دیا کہ قرآن میں دوسروں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ کوئی وجہ اس یقین کی نہیں معلوم ہوتی کہ اس میں ایک لفظ بھی کسی دوسرے شخص کا شامل ہوا اور ایسی مخدوش ترتیب کو زید ابن ثابت نے لکھا ہو اور حضرت ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ نے اس خلط ملط کو تسلیم کرلیا ہو اور یہ جائز رکھا ہو کہ خدا کا کلام اس مخلوط صورت میں اشاعت پائے اور اُن کے دین کی کتاب برباد ہو۔ اُن کے ایمان زبردست اور مضبوط تھے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ان کی راسخ الاعتقادی بے نظیر اور لاجواب تھی اُنہیں قرآن مجید کا احترام دنیا کی ہر شے سے زیادہ تھا اور وہ اُس کے ہر ہر لفظ کو کلام خدا سمجھ کے جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اُن کی قوت حافظہ کا خود میور ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مصنفین قایل ہیں اُن میں معمولی بات یہ تھی کہ آناً فاناً میں وہ قصائد کے قصائد حفظ کرکے سُنا دیا کرتے تھے بھلا وہ ایسی قوت حافظ اور ایسے مستحکم ایمان اور یقین پر جو وہ قرآن مجید کی نسبت رکھتے تھے کیوں بھولنے لگے اور کیوں اس سے پہلوتہی کرنے لگے۔

ان کی اس صفت یعنی قوت حافظ کی ودیعت بطور ورثہ مسلمانوں میں ہوئی ہے دیکھہ لو دس دس بارہ بارہ برس کے بچے کس آسانی اور عمدگی سے قرآن مجید حفظ کرلیتے ہیں اور پھر کس خوبی اور جرأت سے بھرے مجمع میں پڑھ کے سُنا دیا کرتے ہیں۔ کچھہ اس کتاب میں یہ معجزہ رکھا گیا ہے کہ چھہ سات برس کا بچہ جس آسانی سے قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اپنی مادری زبان کی کتاب ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ اس کا کئی بار تجربہ ہوا ہے اور اس سے بلاشک کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ یہ اسی کتاب میں شرف ہے اور اسی کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ اگر دنیا میں ایک ایک نسخہ معدوم کردیا جائے اور ایک لکھا ہوا ورق بھی نہ رہے پھر بھی بہت جلد ہزاروں قرآن تیار ہو سکتے ہیں اور یہ محض ناممکن ہے کہ ان میں ایک جگہہ بھی زیر زبر پیش کا بل ہو اور کیا مجال ہے کہ کہیں ایک حرف میں بھی فرق آئے۔ کسی غیر لفظ کا الحاق اس زمانہ میں جب اس قدر ناممکن ہے تو کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ اس زمانۂ مسعود و محمود میں ممکن ہوسکتا۔ الحاق کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں اول تو اپنی طرف سے کسی آیت میں کوئی لفظ ملا کے اُس سے ایک نیا مطلب پیدا کرنا۔ دوسرے کسی لفظ کے الحاق سے یہ مُراد ہو سکتی ہے کہ کوئی عیب جو کلام میں کسی وجہ سے آگیا ہے جاتا رہے یہ دونوں صورتیں اُس زمانہ کی طبائع کا خیال کرکے ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ اسی کلام پاک پر اُنہوں نے اپنا گھر بار

وطن بال بچے چھوڑ دیئے تھے اور اسی کلام پاک کی منادی کے لیے جو جو کوششیں سر ہتیلی پر رکھکر اُنھوں نے کی ہیں وہ تاریخ عالم کے صفحوں میں اب تک درخشاں اور تاباں ہیں اس کے علاوہ ایک منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کے دقایق اور معارف کے اظہار کے لیے مسلمانوں نے جو کچھ جد وجہد کی ہے اور جس کثرت سے تصانیف کی ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اُنھیں اس امر کا شبہہ بھی نہیں ہوا کہ قرآن مجید میں ایک لفظ کا بھی فرق ہے یا اس میں خفیف سی کمی بیشی ہوئی ہے۔ اُنھوں نے ہزاروں اعتراضات صرفی نحوی فصاحت وبلاغت کے متعلق خود کئے اور اُن کے خود ہی جواب دیئے۔ جیساکہ ہمارے گزشتہ دیباچہ سے معلوم ہوگیا ہوگا ایسے زبردست فضلا کو تو ایک لفظ بھی قرآن میں الحاقی نہیں ملا اور تیرہ سو برس کے بعد ایک لندن نژاد شخص کو جس میں معمولی عربیت کی لیاقت ہو ایسے بہت سے الفاظ مل جائیں جو قرآنی نہوں بلکہ دوسرے شخصوں کے ہوں تعجب سے بھی زیادہ تعجب ہے۔ اس قسم کے اعتراضات سے سر ولیم میور نے اپنے دوست عیسائیوں کے آنسو پوچھے ہیں جو انجیل کی تحریف سے غمگین ہیں اور اُنھیں کوئی جواب بن نہیں آتا۔ سوائے اس کے اور کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن کو محرف ثابت کریں اور یہ بتائیں کہ قرآن خود بھی عربی کی تصنیف ہے اور اس میں گھٹانے بڑھانے کی گنجایش ہے۔ بڑا شک سر ولیم میور اور اُس کے ہم خیال دوست اسپرنگر کو یہ ہے آیا مسلمان قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں حفظ کر سکتے تھے یا نہیں؟ انھیں یقین ہے کہ سوائے چھوٹی چھوٹی سورتوں کے بڑی سورتیں اول تو مسلمانوں کو یاد نہیں تھیں اور اگر تھیں بھی بہت کم۔ موجودہ اور گزشتہ زمانہ کو نظر کرتے یہ خیال مضحکہ خیز اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے پورے قرآن کا حفظ یاد کرنا شروع اسلام سے چلا آتا ہے اور اسکا رواج اب تک اُسی سرگرمی سے جاری ہے۔ جتنے بڑے بڑے علما گزرے خواہ زمانہ خلافت کے ہوں خواہ پہلی دوسری اور تیسری صدی میں سب حافظ قرآن تھے۔ اور قرآن کا اس طرح حفظ کرنا جیسا ہم پہلے لکھ آئے ہیں اُنھیں بطور ورثہ پہنچا تھا۔ اس بین اور صریح بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

جب یہ امر صریح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اشاعت اسلام سے بہت پہلے لکھنے کا علم مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جاری ہو چکا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُمّی تھے مگر آپ نے ہمیشہ پڑھنے لکھنے کی طرف اپنی قوم کو تحریص دلائی اور آپ کے صحابہ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے پھر اس یقین کرنے میں کیوں تردد کیا جاتا ہے کہ جو کچھ اُنھوں نے لکھا اُسے بارہا نہ صرف نبی معصوم کے آگے بلکہ ہزاروں مسلمانوں کے آگے پڑھا ہوگا جس ترتیب سے اُنھوں نے لکھا وہ پسندیدہ اور حسب منشائے رسول کریم تھی اور جو کچھ لکھا وہ بلفظہ کلام خدا تھا ایک حرف کی بھی اُس میں کمی بیشی ممکن نہ تھی۔ قرآن مجید کو لکھنے اور حفظ یاد کرنے کی رسم خود اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس میں مہر قرآن مجید کی ایک سورت کا باندھا گیا ہے۔ یہ روایت اس طرح پر ہے کہ ایک دن ایک عورت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا محمد میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں آپ نے بڑی حلیمی اور اخلاق سے فرمایا اے خاتون مجھے ضرورت نہیں ہے ہاں حاضرین میں سے جسے تو

پسند کرے اور پھر وہ بھی راضی ہو تو تیرا نکاح اُس سے کر دوں گا۔ اُس خاتون عرب نے ایک صحابی کی طرف اشارہ کیا اُن صحابی نے بھی منظور کر لیا پھر آنحضرت نے فرمایا تیرے پاس مہر دینے کے لئے کوئی چیز ہے صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ نہیں پھر ارشاد نبوی ہوا کہ اپنے مکان میں جا کے دیکھ شاید کوئی چیز مل جائے۔ ارشاد کی تعمیل صحابی نے فوراً کی اور واپس آکے نفی میں جواب دیا پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا ایک لوہے کا چھلا بھی نہیں ہے پھر جا کے دیکھ اور اگر لوہے کا چھلا ملے اُسے ہی لے آ۔ وہ پھر گئے اور پھر خالی ہاتھ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک چھلا بھی لوہے کا نہیں ہے پھر آپ نے ارشاد کیا تمہیں قرآن مجید کی کوئی سورت بھی یاد ہے جواب دیا سورتیں تو کئی یاد ہیں چنانچہ آنحضرت نے نکاح پڑھا یا اور مہر میں قرآن مجید کی سورت باندھی اور فرمایا کہ تو ایک سورت قرآن مجید کی جس وقت اپنی زوجہ کو حفظ یاد کرادے گا تو اُسی وقت مہر کے دین سے سبکدوش ہو جائے گا۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مہر قرآن مجید کی سورتوں کا باندھا جاتا ہو وہاں حفظ یاد کرنے اور صحیح یاد کرنے کا کس قدر رواج ہوگا۔ پھر میور صاحب تحریر کرتے ہیں "اگرچہ نبی اُمی تھے اور آپ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے پھر بھی آپ علوم وفنون کی طرف حاسدانہ نظر نہ رکھتے تھے۔ چند غریب مکی قیدی جو جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے تھے صرف اس بات پر رہا کر دیئے گئے کہ وہ جاہل اہل مدینہ کی خاص تعداد کو لکھنا سکھائیں۔ اگرچہ اہل مدینہ مکیوں کی طرح تعلیم یافتہ نہ تھے پھر بھی اشاعت اسلام سے پہلے ایسے بہت سے لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ اس قابلیت کے ہونے سے یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ سورتیں جو بلا امکان حفظ کرلی جاتی تھیں اسی طرح ضرور اُنہیں نہایت ہوشیاری سے لکھ بھی لیا جاتا تھا ہم یہ بھی جانتے ہیں جب کوئی گروہ داخل اسلام ہوتا تھا تو نبی اپنے پیرواں سے فرماتے تھے کہ انہیں قرآن کی تعلیم کردو اور اصول دین خدا سمجھا دو۔ ہمیں اکثر اوقات اس کی بھی اطلاع دی ہے کہ وہ اپنے ساتھ تحریری ہدایتیں لیجاتے تھے اور اس سلسلہ سے اُن کے پاس وحیوں کے مشہور حصص کا ایک سرمایہ ہوجاتا تھا۔ بالخصوص اُن وحیوں کا جن پر دستورات اسلام مبنی ہیں اور ایسی سورتیں ہمیشہ عام عبادت میں پڑھی جاتی تھیں"

یہاں میور کا قول ختم ہوگیا۔

اخیر نتیجہ جو اِس تحریر کا نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ضرور مسلمانوں کے پاس قرآنی سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اور ہر شخص اپنے پاس لکھا ہوا قرآن مجید ضرور رکھتا تھا مگر یہ لکھی ہوئی سورتیں زیادہ تر وہی ہوتی تھیں جو نماز وغیرہ دستورات اسلام میں مستعمل ہوتی تھیں۔ یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے جس کی نسبت ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ کسی روایت سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی طرف سے یا آنحضرت نے کوئی حکم ایسا دیا ہو کہ فلاں فلاں سورتیں مخصوص اس دستور کے لیئے ہیں۔ کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی اسکی موید نہیں ملتی۔ عجیب بے معنی قیاس اور دہوکا دہ استدلال ہے۔ اس قسم کی ایک روایت موجود ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے سورہ اخلاص پسند ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ہر وقت کی نماز میں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں یہی سورۃ پڑھا کروں۔ آپ نے ارشاد کیا تمہیں اختیار ہے

اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے چاہے جونسی سورت پڑہو۔اس صحیح حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ خصوصیت مُطلق نہیں تہی اور ہر شخص بآزادی قرآن کا ہر حصّہ نماز میں پڑہ سکتا تہا۔ اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ جب کتابت وحی کا سلسلہ موجود تھا جب وحی لکھنے اور لکھوانے کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اُس وقت یہ خیال کہ نہ ترتیب درست ہے نہ اول سے اخیر تک یہ کلام خدا ہے بلکہ اس میں دوسروں کے الفاظ شریک ہوگئے ہیں کس قدر لغو اور بیہودہ ہے۔ صحیح حدیث موجود ہے کہ زید ابن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہوتے ہی مجھے طلب کرلیا کرتے تہے اور ایک لحظہ کا بہی توقف نہ کرتے تہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایسی کُھلی کُھلی شہادتیں موجود ہیں پہر بلا وجہ دخل دینا اور زبردستی کے معائب پیدا کرنا کتنی بُری بات ہے۔

غالبًا ہمارے بیان سے دو باتیں ثابت ہوئی ہونگی اول تو یہ کہ قرآن مجید کی تاریخی ترتیب غلط نہیں ہے۔ دوسری یہ بات کہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ترتیب ہے اور جامع القرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ دو ہی باتیں تہیں جن پر نہایت دریدہ دہنی سے حملہ کیا جاتا تہا۔ اور اسی ایک غلط فہمی نے یکساں سب کو گھیر رکھا ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری اس بحث کو سر ولیم میور یا آپ کے ہم خیال لوگ دیکھیں گے تو اُنہیں بشرطیکہ اُنکی طبیعت میں انصاف ہو اپنی اغلاط کی صحت کرنے کا عمدہ موقع ملے گا اور اُنہیں ظاہر ہو گا کہ اُن کے اعتراضات بے بنیاد اور بے ربط ہیں۔ اس کے بعد ہم عالمانہ طور پر اختلاف قرأت پر بحث کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے ✚

دوسرا باب

اختلاف قرأت

ہمارے دوست سر ولیم میور اور آپ کے چند ہم خیال لوگوں نے اختلاف قراءت پر بحث کی اور ہم مشکور ہیں کہ میور صاحب نے اس بحث میں کسی قدر انصاف سے کام لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں" دنیا میں اغلباً یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدیل چلی آئی ہو۔ اختلاف قرأت نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف علت اور ممیزہ نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیئے لیکن یہ علامتیں بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا پتہ ہی نہیں ہے اور مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں" ہم ابھی اس تحریر بالا پر بحث نہیں کرتے۔ قرارت کی اصلی حقیقت پر گفتگو کرتے ہیں اور اس پیچیدہ مسئلہ کو ایک حد تک صاف اور آسان کرنا چاہتے ہیں جن علماء نے اختلاف قرارت کی دو قسمیں کی ہیں اُن کا یہ بیان ہے کہ قرارت دو قسم کی ہے ایک متواترہ دوسری شاذہ۔ متواترہ قراتیں معلوم اور معیّن ہیں اور تواتر کی وجہ سے اُنمیں سہو و نسیان کا احتمال باقی نہیں۔ پس قرارت متواترہ کی بنائے اختلافات سہو و نسیان پر نہیں ہوئی بلکہ قرآن مجید کا نزول اُن قرارتوں پر ہوا ہے اور یہ قراتیں متواتر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور ان ہی اختلاف قرارت کی طرف اشارہ ہے حدیث میں آیا ہے" انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔ روایت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ہشام بن حکیم کو سورہ فرقان کو ایسی قرارت پر پڑھتے سُنا جو اُن کی قرارت کے خلاف تھی آپ خاموش نہ رہ سکے اور ہشام بن حکیم کو آنحضرت کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ ہشام سورہ فرقان اُن الفاظ کے برخلاف پڑھتا ہے جو آپ نے مجھے سکھائے ہیں۔ آنحضرت نے دونوں سے سورت پڑھوائی اور ہر ایک قرارت سُنکر فرمایا کہ" هكذا انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرؤا ما تيسر منه یعنی دونوں کی قرارت کی نسبت فرمایا کہ اسی طرح پر یہ سورت نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس ان میں سے جس طرح پڑھ سکو پڑھو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے دوسری حدیث صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھکو ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں ہمیشہ اُن سے زیادہ چاہتا تھا اور وہ زیادہ کرتے تھے یہاں تک کہ سات حرف تک پہنچے۔ قرارت متواترہ کے علاوہ جو اور قراتیں ہیں وہ بطور نقل اور منقول ہیں اس لئے اُن کو احد یا شاذہ کہتے ہیں اور ان قراتوں کا بالاتفاق قرآن کا حکم نہیں تسلیم کیا جاتا۔ اس لئے کہ وہ قراتیں بطور احاد منقول ہیں وما نقل احادا فلیس بقرآن پھر علماء نے یہ بحث کی ہے کہ اختلافات قرارت دو امور سے متعلق ہیں ایک جوہر کلمہ سے جس طرح بعض قرارت

مالک یوم الدین اور بعض میں مَلِکِ یوم الدین ہے۔ دوسرے ہیئت کلمہ سے یعنی حرکات۔ ادغام۔ اشمام۔ تفخیم۔ امالہ اور اُن کی اضداد اور یہ دونوں قسمیں قرات متواترہ میں بتواتر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اگرچہ شیخ ابن حاجب نے قسم ثانی کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کا تواتر واجب نہیں لیکن جلال الدین سیوطی۔ ابن جزری۔ زرکشی۔ قاضی ابوبکر۔ میرزاجان۔ اور مولانا بحر العلوم اور دیگر علمائے اصول رحمۃ اللہ علیہم نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا اِس لیئے کہ جوہر کلمات کا تواتر مسلم ہے اور اُس کی ہیئت لوازم سے ہے۔ پس جب جوہر کلمات متواتر ہوئے تو لازم ہے کہ اُسکے لوازم بھی متواتر ہوں۔

علماء نے اِس امر کی بھی خوب تشریح کی ہے کہ بناء رفع کمی وبیشی اور قرات شاذہ کی کچھ کتابت صحیفہ صدیقیہ اور صحف عثمانیہ پر نہ تھی بلکہ اُس کی بنا اِس پر تھی کہ کافۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرات کے وہ خلاف تھیں اور اُن کا ثبوت بتواتر نہ تھا۔ اس لیئے حکماً اُن کو رد کردیا گیا اور قرات متواترہ کے موافق چند مصاحف لکھاکے اطراف ممالک میں بھیجدیے تاکہ جو شبہہ کسی امر میں واقع ہو اس سے مطابقت کرلی جائے۔ اس کے بعد کچھ بھی اختلاف نہ رہا صرف وہی قراتیں باقی رہیں جن پر نزول قرآن ہوا تھا اور بتواتر حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی تھیں چنانچہ اب تک اسی طور پر قرآن مجید مصاحف میں لکھا جاتا ہے اور ان ہی قرات متواترہ پر پڑھا جاتا ہے شیخ ابن حزم ظاہری رہ نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں لکھا ہے "اما قولهم اننا مختلفون فی قراءة كتابنا فبعضنا یزید حروفا وبعضنا یسقطها فلیس هذا اختلافا بل هو اتفاق منا صحیح لان تلك الحروف وتلك القراءة كلها مبلغ بنقل الكواف الی رسول الله صلعم فای تلك القراءات قرءنا فهی قرءة صحیحة وهی محصورة كلها مضبوطة معلومة لازیادة فیها ولا نقص انتهی"۔ یعنی اہل کتاب کا یہ قول کہ ہم یعنی مسلمان اپنی کتاب کے پڑھنے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ بعض کچھ حروف زیادہ کرتے ہیں اور بعض اُن حروف کو گرادیتے ہیں اصل میں یہ اختلاف نہیں بلکہ ہمارا سب کا اتفاق صحیح ہے اِس لئے کہ وہ حروف اور وہ قرات بنقل متواتر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہیں پس اُن قراءات میں سے ہم کوئی سی قرات پڑہیں صحیح ہے اور وہ سب قرات محصور ہیں اور ہمارے ضبط میں ہیں اور معلوم ہیں اس میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوسکتی پھر وہ اُن مصاحف کی نسبت جو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کے اطراف عالم میں بھیجے تے لکھتے ہیں "انما خشی عثمان رض ان یاتی فاسق یسعی فی کید الدین او ان یهم واهم من اهل الخیر فیبدل شیئا من المصحف ذلك عمدا وهذا وهما فیكون اختلافا یودی الی الضلال فكتب مصاحف مجتمعا علیها وبعث الی كل افق مصحف لكی ان یهم واهم او یبدل مبدل رجع الی المصحف المجتمع علیه فانكشف الحق وبطل الكید والوهم ومن قال ابطل الاحرف الستة فقد كذب من قال ذلك بل الاحرف السبعة كلها موجودة عندنا وقائمة كما كانت مبثوثة فی القراءات المشهورة المأثورة"۔ یعنی سوا اسکے نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا خوف کیا کہ دین میں کوئی فاسق فریب ومکر کی کوشش کرے یا کوئی وہم کرنے والا اہل خیر میں سے

وہم کرے۔ پس فاسق تو عمداً اور اہل خیر وہم سے مصحف میں سے بدل دے اور اُس میں ایسا اختلاف پڑجائے کہ
اُس سے گمراہی پیدا ہو۔ اِس لئے ایسے مصحف لکھے گئے جن پر سب کا اتفاق تھا اور ہر طرف ایک ایک مصحف بھیجا۔
اگر کوئی وہمی وہم کرے یا بدلنے والا بدل دے تو اس مصحف کی طرف جس پر سب کا اتفاق ہے رجوع کیا جائے پس
حق ظاہر ہوجائے اور کید و وہم باطل ہوجائے جس شخص کا یہ بیان ہے کہ عثمان رض نے چھ حرف کھودئے وہ جھوٹا ہے
وہ ساتوں حرف سب کے سب ہمارے پاس موجود و قایم ہیں اور قراءات مشہورہ میں جو حضرت رسالت مآب
صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں مُشتہر ہیں۔
اِس سے پتا پایا جاتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں سے قراءات مُتواترہ خارج نہیں کی گئیں اور وہ قراءات اب تک موجود
ہیں مثلاً اگر کسی نے مالک یوم الدین پڑہا اور کسی نے مَلِک یوم الدین پڑھا اس میں کچھ فرق نہیں دونو قراءات
پر قرآن پڑھا گیا مثلاً سورۂ یٰسین میں کسی نے ماعملت ایدیھم پڑہا اور کسی نے ماعملتہ ایدیھم پڑہا یا مثلاً سورۂ
براءۃ کے اخیر کسی نے تجری تحتہا الانہار پڑہا اور کسی نے تجری من تحتہا الانہار پڑہا تو دونوں نے قرآن ہی کے کلمات
پڑھے اس لئے دونو طرح پر نزول قرآن ہوا ہے۔ اور دونوں قراءتیں بتواتر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں
یہی وجہ ہے کہ بعض مصاحف عثمانیہ میں عملت اور تجری تحتہا الانہار بغیر ھا، اور مِن کے آئے ہیں اور بعض
میں عملتہ اور تجری تحتہا الانہار ہٰا اور مِن کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے ایسے کلمات کے لکھنے سے
جن میں مختلفہ قراءات ہیں اس کا بہت لحاظ رکھا ہے اور اُن کو حتی الامکان اس انداز پر لکھا ہے کہ ہر ایک قراءت
پر اُن کو پڑھ سکیں تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ دونو قراءتیں صحیح ہیں اور یہ سعی جناب امیر المؤمنین عثمان بن عفان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مشکور ہوئی اور تمام عالم میں اُن کی اس سعی کی بدولت جن جن قراءات
پر قرآن نازل ہوا تھا اُنہیں قراءات پر بالیقین بلا احتمال کمی وبیشی کے کتابت قرآن شایع ہوئی اور پروردگار جلشانہٗ
کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" پورا ہوگیا۔ اب اس میں کسی واہم یا کسی مبدل کو کچھ گنجایش کسی
وہم اور تبدیل کی نہ رہی۔ اور انہیں مصاحف کی کروروں نقلیں بہت احتیاط کے ساتھ تمام عالم میں کی گئیں اور
مشہور ہوئیں اور اُن میں کسی طرح کے اختلاف کی گنجایش نہ رہی۔

عہد حیٰوۃ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید جن جن قراءات پر نازل ہوا تھا حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک متواتر ہزاروں آدمیوں کو یاد تھا اور اُس کے ہزاروں نسخے موجود تھے جیسا کہ
شیخ ابن حزم ظاہری اندلسی لکھتے ہیں" ان عثمان رض لم یبل الاوجزیرۃ العرب کلہا مملوۃ بالمسلمین والمصاحف
والمساجد والقراءات والقراء یعلمون الصبیان والنساء وکل من ھبّ ودبّ والیمن کلہا وھی
ایام فی ایام مدن والقرٰی والبحرین کذلک وھی بلاد واسعۃ مدن وقری ومکۃ والطائف و
المدینۃ والشام کلہا کذلک والجزیرۃ کلہا والمصر کلہا کذلک والکوفۃ والبصرۃ کذلک وفی کل ھذہ
البلاد والقری من المصاحب مالا یحصی عددہ الا اللہ تعالیٰ" یعنی جس وقت خلافت حضرت عثمان کو پہنچی تھی

اُس وقت کل جزیرۂ عرب مسلمانوں ۔مصاحف ۔مساجد اور قراءات سے معمور تھا ۔یمن کا بھی یہی حال تھا ۔بحرین بھی ایسا ہی تھا ۔مکہ معظمہ ۔طائف ۔مدینہ اور شام کی بھی یہی کیفیت تھی ۔مصر ۔کوفہ ۔اور بصرہ میں اس کثرت سے قرآن مجید تھے کہ سردست اُن کی تعداد کا اندازہ کرنا محالات سے ہے ۔چونکہ اہل شام و عراق میں کوئی کوئی شخص قرآن کو قراءات شاذہ پر پڑھتا تھا اور اس خیال سے کہ شاید کسی مصحف میں کسی نے کوئی کلمہ اپنے وہم وگمان سے زیادہ لکھ لیا ہو یا کسی کلمہ کی فروگزاشت ہوگئی ہو حضرت عثمان رضؓ نے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور مطابقت مصحف مرتبہ عہد صدیق اکبر اور اُس زمانہ کے دیگر مصاحف صحیحہ موجودہ سے ایک ایک نسخہ لکھوا کے اطراف میں بھیجدیا تھا اور جو کچھ ماسوا قرآن کے کسی نے لکھدیا تھا یا قرارت شاذہ لکھ لی تھیں اس کو خارج کرادیا اور اس کے بعد کسی مصحف میں غیر قرآن کوئی کلمہ باقی رہا نہ کوئی قراءۃ شاذہ باقی رہی بلکہ جس قدر کلمات منزل من اللہ مع قراءات منزلہ متواترہ کے تھے سب قایم اور باقی رکھے گئے ۔

ہمارے علماء کا اس پر بھی صاد ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں نزول قرآن ہی سے متواتر ہوجاتی تھیں اور جن جن قراءتوں پر نزول ہوتا تھا اُنہیں زمانہ حیوٰۃ حضرت رسالت مآب ہی میں متواتر سمجھنا چاہیئے ۔حضرت صدیق کے زمانۂ خلافت میں قرآن مجید کی بہت شہرت ہوئی یعنی جسقدر اسلام بلاد دور دست میں پھیلتا گیا اُسی قدر قرآن مجید کی تعلیم و تعلّم حضرت صدیق اکبر ہی کے مرتبہ قرآن کے دیکھنے پر منحصر نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابہ کرام اور اُن کے تابعین حافظ قرآن مجید موجود تھے اور اپنے حفظ کی رو سے تعلیم فرماتے تھے ۔اس زمانہ میں بھی قرآن مجید کی یہی کیفیت تھی جو آج ہے صرف حفاظ کی یاد پر ہزاروں نسخے لکھ لئے گئے ۔اور اُن میں باہم ایک لفظ کا فرق بھی ثابت نہوا ۔اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا مرتبہ قرآن مجید یا وہ قرآن مجید جو خود آنحضرت ترتیب دے کے چھوڑ گئے تھے اور اس کی اشاعت حضرت صدیق اکبر نے کی حفاظ کے مکتوبی قرآن سے یکساں اور مشابہ تھا ۔اور اس قرآن میں اور اُن قرآنوں میں جو صحابہ کرام نے اپنی یادداشت سے لکھ لئے تھے سرِمو تفاوت اور فرق نہیں نکلا ۔

جب حضرت ابوبکر صدیق نے وفات پائی اور امیر المؤمنین عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے اور ممالک نصاریٰ کا ایک بہت بڑا حصہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں آیا تو قرآن مجید کی اشاعت نے اور بھی زور پکڑا اور اس کی نورانی شعاعوں کا عکس پھیلنا شروع ہوا ۔ادھر حفاظ کی بھی کثرت ہوئی ۔ان مصاحف میں بجز قراءات متواترہ کے اور کوئی اختلاف نہ تھا ۔

جب امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اسلام کی اشاعت نہ صرف بلاد عجم اور عرب میں پھیلی بلکہ افریقیہ تک پہنچی جس کی تفصیل ہم ابھی کتاب "الفصل" مؤلفہ شیخ ابن حزم اندلسی سے نقل کرچکے ہیں ۔ان کل بلادِ مفتوحہ میں بچے ۔جوان ۔بوڑھے ۔عورتیں ۔لڑکیاں ۔برابر قرآن پڑھا کرتی تھیں اور قرآن کی تعلیم کی اشاعت بہت کثرت سے جاری ہوگئی تھی ۔ان ہی قراءات متواترہ پر قرآن پڑھاجاتا تھا اور

ان ہی قراءتوں پر تعلیم ہوتی تھی ہاں بعض بلاد عراق عجم میں کسی کسی کو حذیفہ بن یمان نے قراءت شاذہ پڑھتے جو بتواتر حضرت رسالت مآب سے منقول نہ تھیں پڑھتے دیکھا اور اپنے حفظ اور یاد سے قراءات متواترہ کے خلاف پایا۔ اُنھوں نے فوراً اس کی اتنی جلدی اصلاح کرا دی کہ اُن قراءات شاذہ کی زیادہ شہرت نہ ہونے پائی۔

ہماری رائے یہ ہے اور ہم نے بطور خود جہاں تک تحقیق کیا ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف قراءات کو غلطی کہنا سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ قرآن تو قرآن اختلاف قراءات خود اصل لغات عرب میں موجود ہے مثلاً لفظ کبدٌ تین طرح سے پڑھا جاتا ہے اور ابل اور کتف دو طرح سے اور بجائے لعلّ عل بھی بولتے ہیں اور لدان کو کئی طرح سے بولتے ہیں لَدُنْ لَدَنْ لَدْنِ لُدْنِ لَدٌ لَدَ لُدُ۔ ساتھ ہی اُس کے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اختلاف قراءات کچھ عربی ہی پر موقوف نہیں ہے اپنے اپنے طرز و قاعدہ سے ہر زبان میں موجود ہے مثلاً فارسی میں اَب اور آب و۔ اشکم اور شکم۔ ہندی میں جوگ۔ ویوگ۔ منش اور منکھ موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اختلاف قراءات کی دو قسمیں کرنی بھی سخت غلطی ہے بلکہ عربی زبان میں اختلاف قراءات کی سات صورتیں ہیں۔ اوّلاً تغیر کلمہ کا یعنی اختلاف قراءت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اس کے کہ معنی اور صورت مکتوبی میں کوئی تغیر ہو مثلاً حج بالفتح اور بالکسر دونو طرح سے آتا ہے۔ ثانیاً اعراب کے تغیر سے مفہوم میں تغیر ہو جائے مگر صورت مکتوبی اور متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو مثلاً کلماتٌ بالنصب والرفع۔ آیہ فتلقی ادم من ربه کلمات،، میں اور اذ تلقونه۔ ثالثاً کلمہ کے حروف میں تغیر ہو اور اُس سے معنی اور مفہوم میں بھی تغیر ہو جائے مگر متکلم کا حاصل مطلب اور مکتوبی صورت متغیر نہو مثلاً بعض یعلمون اور تعلمون اور کیف ننشزها بالزاء المعجمة و بالراء المهملة۔ رابعاً کلمہ کی سورت میں تغیر ہو مگر معنی میں نہو مثلاً الصراط والسراط اور والکانت الا صیحة والازقیة۔ خامساً صورت اور معنی دونو میں تغیر ہو مگر متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو۔ مثلاً فامضوا۔ فاسعوا واذا مشوا و اذا مرّوا۔ سادساً کلمہ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے تغیر ہو مگر معنی اور مطلب متغیر نہو مثلاً وجاءت سکرة الموت بالحق اور وجاءت سکرة الحق بالموت۔ سابعاً حروف کی زیادتی و کمی سے تغیر ہو مگر معنی و مطلب متغیر نہو مثلاً مالك یوم الدین و ملك یوم الدین و انجینا و نجینا۔ اور بعد اور باعد اور وصّی اور اوصی اور وما عملت ایدیهم اور وما عملته ایدیهم کیونکہ ضمیر مفعولی کو خواہ لکھو یا نہ لکھو بہر حال مُراد ہے۔

یہ سب صورتیں اختلاف قراءات کی ہیں انہیں تحریف کہنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ جب تک لفظ کے تغیر سے متکلم کے مقصد میں فرق نہ پڑے قراءات ہی کا اختلاف کہلائے گا۔ ہاں اگر اس اختلاف لفظ سے متکلم کے مقصود میں خلل ہو تو وہ بے شک تحریف اور غلطی ہے۔

اب میں ایک خاص امر کی طرف ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے میں ایک حدیث نقل کر آیا ہوں وہ حدیث یہ ہے" ان القرآن انزل سبعة احرف کلها شاف کاف"۔ اس سے عام طور پر یہ مُراد لیجاتی ہے

کہ قرآن سات قراءتوں پر نازل ہوا مگر میری یہ رائے نہیں ہے میں اسکے بالکل خلاف ہوں۔ یہ حدیث حضرت عثمان
ابن عفان رضؓ سے روایت ہوئی ہے پہلے اس کے کہ ہم اس کی صحت وغیر صحت میں کچھ کلام کریں یہ بتا دینا ضرور ہے
کہ علماء میں اس حدیث کے معنی میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر اتقان میں کل اختلافات
پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سبعۃ احرف سے قراءات سبعہ مراد لینا جہل قبیح ہے۔ یہ مسلم ہے اور بالکل صحیح ہے
کہ اختلافات قراءات قرآن کے لئے کوئی عیب یا تحریف کا موجب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس حدیث کو اپنی
تائید میں پیش کرنا کہ نزول قرآن ہی سات قراءتوں پر ہوا ہے سراسر غلطی ہے۔ اصل یہ ہے کہ قراء سبعہ کا اختلاف قراءت
کسی کسی لفظ میں روایت احاد ہیں اور قرآن کو مسلمان تواتر سے مانتے ہیں۔ اس قرآن موجودہ اجماعی ومتواتر کی قراءت
کے مقابلہ میں روایات احاد کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرض کرو کہ اگر کسی مسلمان سے یہ کہا جائے کہ تو اپنی قرآنی قراءت کو
حمزہ یا نافع یا کسائی کی قراءت کے موافق بنالے آیا وہ اُسے منظور کرتا ہے یا نہیں۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ وہ ہرگز منظور
نہ کرے گا۔ آج تک جسے تیرہ سو برس ہوئے کسی نے اس قرآن کے خلاف دوسرا قرآن نہیں دیکھا۔ قیاس دوڑانا اور
بات ہے اور واقعات پر بحث کرنا شئے دیگر ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے قیاساً یہ لکھا ہے کہ عثمانی قرآن میں یہ اعراب نہونگے
جو اِس وقت کے قرآنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس قیاس سے کسی صریح واقعہ کی صحت یا عدم صحت پر استدلال
نہیں ہو سکتا۔ قیاس کو بہت بڑی گنجایش ہے اور ہر شخص مختار ہے چاہے جو کچھ قیاس کرے مگر ہر شخص کے قیاس
کرنے سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ دوسرا شخص اُسے ایک دلیل قطعی سمجھکر مان لے۔ مثلاً بعض علماء بعض قراءتوں کے تواتر
کے قایل ہیں جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُن کے قول کو خواہ مخواہ تسلیم کریں
اور بغیر اس کے ہمیں چارہ ہی نہو خبر احاد سے کسی واقعہ کی صحت وغیر صحت کا قطعی ثبوت ہونا ذرا مشکل ہے ہماری رائے
میں اگر قراءات متواترہ سے کوئی مطلب نکل سکتا ہے تو یہ ہے کہ یہ قراءتیں قاریوں سے ہم تک بتواتر پہنچی ہیں۔ اور
یہ دعوی کرنا مشکل ہے کہ ہر قاری کو چند وسائط کے بعد ایک صحابی کی قراءت پہنچی ہے۔ مثلاً ابن عامر شامی قاری
ایک واسطہ کے بعد حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے یعنی اُس نے مغیرہ سے پڑھا اور
مغیرہ نے حضرت عثمان رضؓ سے اور ابن کثیر مجاہد کے واسطہ سے ابن عباس کا شاگرد ہے اور عاصم۔ عبدالرحمن
السلمی کے واسطہ سے جناب امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کا اور پھر زر بن کے واسطے سے عبداللہ بن مسعود کا شاگرد
ہے وقس علی ہذا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے چونکہ ہر صحابی اور اُس کے وسائط شخص واحد ہیں۔ اس واسطے ہر ایک
قراءت کا مبداء واحد ہے اور اُن کی روایات روایات احاد کے قبیل سے ہوئیں ہاں اگر ہر قاری کی روایات متعدد
صحابہ تک پہنچ جاتیں یا یہ ساتوں قاری ہر لفظ کی قراءت میں متفق ہوتے گو قرآن کے خلاف سہی پھر بھی ان کی قراءت
متواترہ کے قریب پہنچ جاتیں۔ کچھ ہم ہی انوکھے تواتر قراءات کے قائل نہیں ہیں بلکہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر اتقان
میں قراءتوں کے متواتر ہونے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ علامۂ زرکشی نے بھی برہان میں قراءتوں
کے تواتر کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور اگر برسبیل تنزل یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قراء سبعہ کی قراءتیں کتابوں میں موجود ہیں

بلکہ کئی قرآن قرارات سبعہ پر طبع ہو گئے ہیں پھر بھی اگر کسی کو کسی آیت کے معنی میں شک ہو تو وہ ان قراتوں کو اپنے اپنے مقام پر چسپاں کرکے دیکھ سکتا ہے اور جملہ کے معنی کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ حفاظت اور احتیاط ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے اتنی حفاظت اور احتیاط حق تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی بھی نہیں کی گئی۔

وہ حدیث جو ہم اوپر دو بار لکھ آئے ہیں جس کا یہ مضمون ہے کہ قرآن سات اَحْرُف پر نازل ہوا۔ اور عام علماء اس سے قرارات سبعہ مراد لیتے ہیں۔ علماء میں اپنے معنی کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث پر شرح وبسط سے بحث کریں۔

سیوطی اپنی اتقان میں اس حدیث کے یہ معنی لکھتا ہے اخرجه الحاكم والبيهقي عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال كان الكتاب الاول ينزل من باب واحد على حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف زجر۔ وامر وحلال وحرام۔ ومحكم۔ ومتشابه۔ وامثال۔

اس حدیث سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ سبعہ احرف سے مراد سات باب ہیں اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ قرآن کو سات قراتوں پر نازل کرتا اور اس میں کتاب کی کچھ شان پیدا ہوتی۔ ایک ہی قرارت پر نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خفیف سا اختلاف بھی کبھی پیدا نہ ہو یہی بہت بڑی حکمت باری تعالیٰ ہے۔ پھر ابو قلابہ نے جناب رسالت مآب سے روایت کی ہے" انه قال نزل القرآن على سبعة احرف۔ امر وزجر۔ وترغيب۔ وترهيب۔ وجدل۔ وقصص۔ ومثل۔ اور اسی طرح حضرت علی ابن ابی طالب سے منقول ہے کہ قرآن سات اقسام پر نازل ہوا ہے اور ہر ایک کافی وشافی ہے۔ در اصل حرف کے معنی قرارت کے نہیں ہیں بلکہ حرف کے معنی طرف یا وجہ کے ہیں چنانچہ خود قرآن مجید میں حرف کے معنی وجہ کے آئے ہیں۔ ومن يعبد الله على حرف واحد" اى على وجه واحد۔ جب حرف کے معنی وجہ کے ثابت ہو گئے تو ہمیں حدیث عبد اللہ بن مسعود اور ابو قلابہ اور حضرت علی کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں ہو سکتا۔

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف قرارات کی سات صورتیں ہیں اور تا وقتیکہ تغیر لفظی سے خواہ کسی قسم کا مراد ہو متکلم کی مُراد میں خلل نہ آوے وہ ضرور اختلاف قرارات ہے۔ مثلاً اس آیت میں" اعلم ان الله على كل شئ قدير" اس میں جو لفظ" اعلم" ہے اور جو صیغہ مضارع متکلم ہے اختلاف قرارت ہے کیونکہ حمزہ قاری نے امر کا صیغہ یعنی اِعْلَمْ بسکون میم پڑھا ہے اور جبکہ بصورت امر نہ ہونے کے قال کے فاعل میں جو اعلم سے پہلے ہے بادی النظر میں اشتباہ ہوتا ہے کہ اعلم کا قائل کون ہے یعنی آیا عزیز صاحب قصہ فاعل ہے یا اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اسی لئے جلال الدین سیوطی نے اس فاعل کی تشریح کردی ہے اور لکھا ہے کہ اعلم صیغۂ امر ہے اور اس عزیز کے واسطے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ پس اس عبارت یعنی" اعلم امر من الله له" کو نا سمجھی سے دوسری قرارت سمجھنا سخت غلطی اور کم لیاقتی ہے۔ تفسیر کی عبارت کا ایک ٹکڑا لے کے قرآن کے ساتھ چسپاں کر لینا عجیب بیہودہ دلیری اور دھوکا دہی ہے۔ عیسائیوں نے صدہا اعتراضات اختلاف قرارات کا سہارا پا کے قرآن مجید پر کئے ہیں جن میں سے

ایک یہ اعتراض ہے آل عمران کے پانچویں رکوع میں جو یہ آیا ہے فیکون طیرًا۔ اور بعض قرآنوں میں طائرًا کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے بلکہ اُس کا بڑا دعویٰ ہے کہ خدا معلوم ان دونوں میں صحیح لفظ کونسا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ طیرًا صحیح ہے اور خود جناب رسالت مآب نے طیرًا ہی بولا ہے کیونکہ یہی قریش کا محاورہ ہے اور قرآن قریش کے روزمرہ محاورہ پر نازل ہوا ہے اس لئے لازم ہے کہ لفظ طیرًا ہو۔ اور مقامات پر بھی قرآن مجید میں پرندے کے لئے طیر ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے مگر لفظ طائر پرندے کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی افسوں اور فال بد کے مستعمل ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ میں دو جگہ اور سورۂ یوسف میں ایک جگہ ان ہی معنی میں آیا ہے۔ اور اگر فرض کرلیں کہ کسی قاری نے طائر پڑھا تو اُس کی روایت قرآن کے مقابلہ میں ہم کیونکر مُعتبر سمجھ سکتے ہیں۔ لو فرضنا ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ نہیں طائر کی قراءت صحیح ہے تو بھی ہمیں اس کہنے کی گنجایش باقی رہتی ہے کہ طیر بھی بمعنے طائر مُستعمل ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ محض تلفظ کا اختلاف ہے اور تلفظ کے اختلاف سے معنی میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتا۔

ہماری اس بحث سے جو ہم نے اختلاف قراءت کی کی ہے اصل حالت معلوم ہوگئی ہوگی اور سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اختلاف قراءت کوئی چیز نہیں ہے صرف بعض مقامات پر کسی قاری کی وجہ سے کوئی فرق آگیا تو اُس سے تواتر قرآن میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ لکھنا چاہئے تھا ہم اس باب میں لکھ چکے اور ہماری یہ تحریر ایک حد تک اختلاف قراءت کے پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہوگی ؎

تیسرا باب

پادری سیل صاحب اور بعض یورپی مصنف

پادری سیل صاحب جنہوں نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے بظاہر ایک عربی داں شخص معلوم ہوتے ہیں اور اُن کے حواشی سے جو اُنہوں نے ترجمۂ قرآن پر دیے ہیں بخوبی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کیا تو وہ خود عربی پڑھے ہوئے ہیں یا اُنہوں نے کسی عربی داں سے مدد لی ہے مگر بدقسمتی سے سوائے چند تفاسیر رسمیہ کے اُنہیں قرآن کے متعلق اور کتابیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اُنہوں نے اُن حدیثوں کی کچھ تحقیق و تنقید کی جو اپنے ثبوت میں جابجا نقل کی ہیں۔ ایک ایسا شخص جس نے نہ متعدد تفسیریں دیکھی ہوں نہ علما کے اختلافی مسائل کو جھانا اور غور کرنے کے بعد ایک نتیجہ نکالا ہو اور نہ حدیثوں کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کی تحقیق کی ہو وہ آسانی سے پادری صاحب کے دھوکے میں آجائیگا اور یہ سمجھے گا کہ پادری صاحب نے تمام اسلامی روایات اور تفاسیر سے اپنے مطالب اخذ کر کے استدلال کیا ہے ضرور اُن کی ساری باتیں صحیح ہونگی اور ایسی باتوں کے مان لینے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر نہیں ایک محقق شخص پادری صاحب کے اس بے سروپا استدلال کی کوئی وقعت نہ کریگا اور اختلاف روایات و اقوال پر نظر ڈالکر وہ یہ نتیجہ نکالیگا کہ اگر پادری صاحب نے نیک نیتی سے لکھا ہے تو وہ محض جاہل ہیں اور اگر اُنہوں نے عمداً غلط روایات سے استدلال کیا ہے تو گویا مخلوق خدا کو اُنہوں نے دھوکے میں ڈالا اور ایسا قبیح امر ایک عالم کی شان سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو سخت بعید ہے بہرحال ہم پہلے پادری سیل صاحب ہی کی خدمت کرتے ہیں اور اُن کے استخراج اور استدلال پر غور کرتے ہیں کہ کہاں تک صحیح بنیاد پر ہیں اور اُن کی تحریر نے قرآن کے اصلی مطالب کو کہاں تک بگاڑا ہے۔

شروع ہی میں وہ لفظ قرآن سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "قرآن لفظ فعل قرأ سے مشتق ہے جسکے معنی پڑھنے کے ہیں۔ مسلمان پوری جلد کو ہی جسمیں تیس پارے ہوں قرآن کہتے ہیں اور ایک حصّہ کو بھی قرآن ہی کہتے ہیں خواہ وہ ایک پارہ ہو یا ایک سورت ہو یا ایک آیت ہو کہلائیگی قرآن ہی۔ اسی طرح یہودی بھی اپنی پوری الہامی کتاب کا نام قرا یا مقرا کہتے ہیں۔ دونو الفاظ یا دونو ناموں کا مادہ ایک ہی ہے۔ علمائے عرب نے اپنی الہامی کتاب کا نام قرآن اسی لیئے رکھا ہے کہ وہ پراگندہ ٹکڑوں سے اکٹھا کیا گیا ہے۔" پادری صاحب نے اپنی اس تحریر سے بڑا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ مسلمانوں نے یہودیوں کی دیکھا دیکھی اپنی کتاب کا نام بھی وہ ہی رکھ لیا جو یہودیوں نے تجویز کیا تھا۔ یہ بات زیادہ غور طلب ہے حالانکہ آگے وہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کا نام خدا کا رکھا ہوا مسلمان سمجھتے ہیں مگر اُنہیں یقین نہیں آتا کہ یہ بات صحیح ہو۔ بہرحال ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں قرآن ہی اس پاک کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ اسکے متعدد نام ہیں جنہیں امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے جو آگے ہم درج کریں گے۔ فرقان اور مصحف یہ دونو

نام اور بھی پادری صاحب نے لکھدیے ہیں سا اور ثابت کیا ہے کہ یہ دونو نام بھی یہودیوں ہی سے لئے گئے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں سب جانتے ہیں کہ اس کتاب کو منزل من اللہ کہتے ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ خدا ہی کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ یہ تو اُن کا اپنا عقیدہ ہے مگر مخالف اسے تسلیم نہیں کرتا اُس کا خیال ہے کہ یہ کتاب جو مسلمان پیش کرتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور ہر قسم کی ترتیب اور اس کتاب کا نظام انسانی ہے اسی لئے یہ نام جو اُنھوں نے اپنی کتاب کا مقرر کیا ہے خود اُن ہی کا ایجاد کیا ہوا نہیں بلکہ یہودیوں سے لیا ہوا ہے۔ ہم پادری سیل صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہودی اپنی کتاب کو قرایا مقرا کہتے ہیں اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنی کتاب کو قرآن کہنے لگے ۔ پادری صاحب نے یہ اور بھی سخت غلطی کی ہے کہ علمائے عرب نے اس کتاب اسلامی کا نام قرآن مجید رکھ لیا۔ در اصل اس کتاب پاک کا ایک نام مقرر کرنا سخت غلطی ہے اس کے بہت سے نام ہیں اور ہر ایک نام سے کل کتاب کی صفت پائی جاتی ہے۔ قرآن کے لفظ کا مشہور ہونا صرف اس وجہ سے ہوا کہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سورۂ اقرأ نازل ہوئی تھی جس کے معنی پڑھ امر کے ہیں اسی لحاظ سے اس کی شہرت لفظ قرآن سے زیادہ ہوگئی۔ خود خداوند تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب کے لئے کوئی خاص نام تجویز نہیں کیا۔ کلام خدا اور کلام الٰہی کہہ کے بھی ہم وہی مطلب سمجھ سکتے ہیں جو قرآن کہکے اب صرف بحث یہ رہی کہ آیا یہ نام یہودیوں سے لیا ہے یا سورۂ اقرأ کی نسبت سے رکھ لیا گیا ہے۔ اس صورت میں توارد ہونا ممکن تھا مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب لفظ قرآن کتاب اللہ کے ساتھ استعمال ہونے لگا تو یہودی بھی اپنی کتاب کو قرایا مقرا کہنے لگے۔ اس سے انکار کرنے کی ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ کوئی کتاب یہودیوں کی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہو اور اُس میں قرایا مقرا بطور اسم کتاب کے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتاب میں تحریف بے انتہا ہو گئی ہے اور ایسی صریح تحریف ہوئی ہے جس سے کوئی بھی معقول طور پر انکار نہیں کر سکتا اس صورت میں اگر اُنھوں نے اپنی کتاب کا نام قرا رکھ لیا یا اُسے مقرا کہہ کے پکارنے لگے تو کون سی بڑی بات ہے۔ عبرانی میں قرا کے معنی پڑھنے کے ہونا اور پھر اُس لفظ کا عربی میں مستعمل ہونا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے یہ نام یہودیوں سے لے لیا۔ ہم مسلمانوں کو ایسا عاجز ہرگز نہیں سمجھتے کہ اُنھیں کوئی نیا نام نہ مل سکا ہو اور اُنھوں نے مجبور ہو کے یہودیوں کے اختراعی نام پر تکیہ کیا ہو۔ اور اگر بفرض محال اتنی مان بھی لیا جاوے کہ قرآن کا لفظ یہودیوں سے لیا گیا ہے تب بھی کوئی قباحت نہیں ہو سکتی۔ توریت اور قرآن کی مصنف ایک ہی ذات پاک ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں اُس کی کل کتابوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے اگرچہ بعض خود غرض طبائع نے اُس کی پہلی کتاب کو بدل دیا اور اس میں اپنی طرف سے نئے نئے فقرے چسپاں کر دیئے۔ بایں ہمہ یہ دیکھنے کے قابل ہے کہ پادری سیل صاحب کوئی دلیل اپنے دعوے کے ثبوت میں نہ دے سکے۔ عبرانی اور عربی کے اس ایک لفظ میں ہم مادہ ہونے سے اُنھیں یہ وہم لاحق ہوا اور اُنھوں نے مسلمانوں کی پاک کتاب پر یہ الزام لگا دیا۔

دوسری بات غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ مسلمان اپنی پاک کتاب کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصّہ کو بھی

قران ہی کہتے ہیں حالانکہ یہودی اپنی کتاب کے کسی جزو کو قرا یا مقرا سے تعبیر نہیں کرتے۔ یہ بھی اہل بصیرت کے لئے بہت بڑا فرق ہے اگر یہ فرق کم بیں نظر میں معمولی سے بھی زیادہ معمولی معلوم ہوگا مگر ایک محقق شخص اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب ایک اسم کا اطلاق ایک محدود چیز پر ہو سکتا ہے اور جب وہ محدود چیز پارہ پارہ ہو جائے تو وہ اسم ہرگز اُسکے ساتھ چسپاں نہ ہوگا۔ مثلاً مکان اُن مختلف اجزا کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو پہلے علیحدہ علیحدہ تھے اور اُن کے نام بھی جدا جدا تھے اور جب وہ اشیاء پھر پراگندہ کر دی جائینگی لفظ مکان اُنسے اُٹھ جائیگا اور اُنہیں الگ الگ ناموں سے پکارا جائے گا۔ دنیا کی ہر ایک چیز میں اور انسان کے ہر رکھے ہوئے نام میں یہی خاصیت پائی جاتی ہے برخلاف خدا کے رکھے ہوئے ناموں کے کہ یہ جیسے مجموعی حالت میں بولے جاتے ہیں اسی طرح انفرادی صورت میں بھی انکا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہم قرآن مجید ہی کی دیتے ہیں۔ اگر دو لفظ بھی اس کے پڑھے جاویں گے تو قرآن بولا جائے گا۔ پُوری کتاب ہوگی تو قرآن ہی تصور ہوگا۔ بس خدا کے اور انسان کے رکھے ہوئے ناموں میں یہ فرق ہے جو ہم نے بیان کیا۔

اب ہم لفظ فرقان سے بحث کرتے ہیں جو ہماری پاک کتاب کا دوسرا نام ہے اسے بھی پادری سیل صاحب نے یہودیوں سے لیا ہوا بتایا ہے۔ یہ بھی محض غلط اور دھوکا دہی ہے۔ فرقان کا لفظ خاص قرآن مجید ہی کے لئے زیبا ہے دوسری کتاب کے لئے ہرگز اس کا استعمال ممکن نہیں۔ فرقان کا لفظ جو فرق سے ہے جس کے معنی جُدا کرنے یا امتیاز کے ہیں یہودیوں نے کونسی کتاب کے مقابل رکھ کے اپنی کتاب کو یہ لقب خاص عطا کیا۔ اگر ایسا نہیں ہے اور درحقیقت نہیں ہے تو اُن کا یہ نام رکھ لینا محض مہمل ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی دیکھادیکھی اپنی کتاب کو لفظ فرقان سے شرف بخشا۔ قرآن کے لئے یہ نام اِس وجہ سے موزوں ہو سکتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں تورات و اناجیل موجود تھیں اُن کتابوں میں اور قرآن میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے خدا نے لفظ فرقان سے اپنی پاک کتاب کو ملقب کیا۔ یہ ایسی صریح بات ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت نہو اُس کا مسلّم ہونا لازمی ہے۔ اور پھر اُس میں ذرا بھی چون وچرا کی گنجایش نہیں رہتی۔

پادری صاحب کی یہ بہت بڑی دوراندیشی تھی کہ اُنھوں نے قرآن مجید کے باقی ناموں کو اُڑا دیا ورنہ اُنہیں اس امر کے ثابت کرنے میں دقت پیش آتی کہ یہ نام بھی یہودیوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہاں ایک لفظ مصحف کی بابت بھی وہ اشارہ کرتے ہیں مگر اُس کی نسبت اُن کا بیان ہے کہ یہ لفظ یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ یونانی انجیل وغیرہ کو مصحف کہتے تھے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔ مگر کوئی سند پادری صاحب نے یہاں نہیں پیش کی اپنے رو میں لکھتے چلے گئے اسی طرح لفظ اللہ کو کی نسبت رائے دی ہے کہ یہ لفظ بھی یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ بایں ہمہ بغیر کسی ثبوت کے آپ کو خاموش ہونا پڑا۔ ہم پادری صاحب کی اس دلیری پر ساکت ہیں اور ہمیں تعجب ہے کہ اُنھوں نے کیوں ایسی بے سروپا باتیں لکھیں۔ ہمیں اِس بات کا یقین کامل ہے کہ اگر پادری صاحب میں خفیف سی بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ ضرور قرآن مجید کے باقیماندہ نام لکھ کے کہدیتے کہ یہ نام مسلمانوں کے یا خود نبی کے یا اُن کے خدا کے ایجاد کیئے

ہوئے ہیں کسی قوم سے نہیں لئے گئے ۔ مگر اُن کا سکوت اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنہوں نے عمداً حق سے چشم پوشی
کی اور باوجود علم کے ایک ایسی شے کو چھپایا جو اُن کے دعوے کو کمزور کر دیتی اور پھر اُن کی ساری عمارت گر پڑتی
ہمیں افسوس سے ہے کہ ایک محقق شخص نے ایسی سخت ابلہ فریبی کی اور ہمیں تعجب ہے کہ کسی دوسرے محقق عیسائی نے
پادری سیل صاحب کی اِس دہوکا دہی کی کوئی اصلاح نہ کی۔ اِس قسم کا عام سکوت اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ
حق پسند طبائع ابھی پیدا نہیں ہوئیں شاید زمانہ صدی دو صدی کے بعد یورپ میں انصاف پسند طبائع پیدا کر سکے۔

قرآن مجید کے نام جو خود اِس پاک کتاب میں لئے گئے ہیں یہ ہیں۔ ام الکتاب۔ قرآن۔ فرقان۔ مصحف۔
کتاب۔ مجید۔ قطع۔ ھدی۔ برھان۔ ذکر۔ مبین۔ اِن ناموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
کوئی خاص نام کتاب اللہ کے لئے محدود نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے کہ وہ ذات پاک و برحق خود غیر محدود ہے۔
لازم ہوا کہ اسکی کتاب کو بھی کوئی نام یا لقب محدود نہ کرے۔

پھر پادری صاحب نے لفظ آیت پر بحث کی ہے اور آپنے لکھا ہے کہ آیت کا لفظ جن معنی میں قرآن مجید میں
استعمال ہوا ہے ان ہی معنی میں توریت میں آیا ہے سمجھ میں نہیں آیا کہ پادری صاحب کی مُراد اس سے کیا ہے اگر
پادری صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کوئی کتاب ایسی بنائی جائے اگرچہ انسانی زبان میں کیوں نہو جس میں دوسری الہامی
و غیر الہامی کتب کا کوئی لفظ نہ آئے تو اُن کا یہ خیال سخت مضحکہ خیز ہوگا۔ مثلاً لفظ آیت سے جسکے معنی نشانی کے
بھی ہیں معجزے کے بھی ہیں اور قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو بھی آیت کہتے ہیں۔ فرض کرو کہ یہود یوں
میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں استعمال ہوتا تھا پھر اُس سے کیا قباحت لازم آئی اور کیوں اِس معمولی بحث سے اُنہوں نے
اپنی کتاب کا ایک حصہ سیاہ کیا۔ پھر پادری صاحب حصص قرآن کی بابت تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے سات مختلف
نسخے ہیں اور انہیں قدیمی نسخوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دو نسخوں کی اشاعت مدینہ میں ہوئی تیسرا نسخہ
مکہ کے لئے مخصوص تھا۔ چوتھا کوفہ کے لئے۔ پانچواں بصرہ میں پڑھا جاتا تھا چھٹا شام میں۔ ساتواں ایک عام نسخہ
کے نام سے مشہور تھا۔ ان نسخوں میں سے مدینہ والے نسخہ میں چھ ہزار آیتیں تھیں۔ دوسرے اور پانچویں نسخہ میں چھ
ہزار دو سو چودہ تیسرے میں چھ ہزار دو سو اُنیس چوتھے میں چھ ہزار دو سو چھتیس چھٹے میں چھ ہزار دو سو چھبیس اور اخیر نسخہ
میں چھ ہزار دو سو پچیس۔ لیکن یہ بیان کیا جاتا ہے کہ الفاظ کی تعداد سب میں یکساں ہے یعنی ستر ہزار چھ سو انتالیس
لفظ ہیں لیکن رینالڈ کے قول کے بموجب قرآن میں ننانوے ہزار چار سو چونسٹھ لفظ ہیں اور تین لاکھ تیئیس ہزار پندرہ
حرف ہیں۔ اور دوسری روایت کے بموجب تین لاکھ تیس ہزار ایک سو تیرہ حرف ہیں" یہاں تک پادری سیل صاحب نے
قرآنی آیتوں یا لفظوں اور حرفوں کی گنتی گنائی ہے۔ ہمیں سخت تعجب اور افسوس ہے کہ یہ بہت ہی معمولی بات بھی
پادری صاحب اور اُن کے ہم مذہب رینالڈ صاحب صحیح لکھ سکے۔ پھر ہم دقایق قرآن کی بابت جو اُنہوں نے قلم فرسائی
کی ہے کیونکر صحیح سمجھ سکے اُنھیں اُن کی کامیابی پر مبارکباد دے سکتے ہیں۔ ہم آیتوں اور الفاظ وغیرہ کی تعداد درج ذیل کرتے
ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی ہمارے قول بالا کی جو ہم نے پادری سیل صاحب اور اُن کے ہمخیال رینالڈ

کی نسبت لکھا ہے صحت کریں گے۔

قرآن مجید میں آیتوں کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶۶ ہے اس میں ایک ہزار آیتیں وعید کی۔ ایک ہزار امر کی۔ ایک ہزار نہی کی۔ ایک ہزار مثل کی۔ ایک ہزار قصص کی۔ پانسو حلت و حرمت کی۔ سو دعاؤں کی چھیاسٹھ ناسخ و منسوخ[1] کی آیتیں ہیں۔ قرآن مجید میں ستھتر ہزار چار سو چھتیس لفظ ہیں اور تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف ہیں۔ ان میں سے اڑتالیس ہزار آٹھ سو بہتر الف دس ہزار چار سو اٹھائیس۔ بے دس ہزار ایک سو ننانوے۔ تے ایکہزار دو سو چھہتر۔ ثے تین ہزار دو سو تہتر جیم تین ہزار نو سو تہتر حے دو ہزار چار سو سولہ خے پانچہزار چھ سو بیالیس دال چار ہزار چھ سو ننانوے۔ ذال پندرہ ہزار سات سو ترانوے رے ایک ہزار پانسو ستر زے پانچہزار آٹھ سو اکیانوے سین دو ہزار دو سو ترپن شین دو ہزار چھ سو تیرہ صاد ایک ہزار چھ سو سات ضاد ایک ہزار دو سو چھہتر۔ طا آٹھ سو بیالیس۔ ظا نو ہزار دو سو بیس عین دو ہزار چار سو نو غین آٹھ ہزار چار سو ننانوے۔ فے چھ ہزار آٹھ سو تیرہ۔ قاف نو ہزار پانسو بائیس کاف تیس ہزار چھ سو تئیس لام چھبیس ہزار پانسو ساٹھ میم پینتالیس ہزار ایک سو نوے نون پچیس ہزار پانسو چھتیس وا و انیس ہزار ستر ھا چار ہزار سات سو بیس لا پچیس ہزار نو سو انیس یا ہیں۔

یہ صحیح تعداد ہے جو ہم نے لکھی ہے۔

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن کے سات متفرق نسخوں میں آیتوں کا شمار نہیں ملتا ایک زبردستی کی سو کا دہی ہے جس بات کا سر ہو نہ پیر اُسے تسلیم کرنے والے بجز نہیں دنیا میں کون لوگ ہوں گے۔ پادری صاحب کی ہمہ دانی کی یہی ایک مثال کافی ہے کہ اُنہوں نے الفاظ کے شمار میں بھی اختلاف لکھا ہے مگر الحمد للہ کہ دونوں اختلافی

---

[1] ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہماری رائے ہے وہ ہم اپنے مقدمہ تفسیر الفرقان کے کسی آیندہ باب میں ظاہر کریں گے فی الحال ہمیں یہاں صرف اسقدر لکھنا ہے کہ ہم نے آیتوں کے ساتھ ناسخ و منسوخ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ صرف اس لئے کہ عام طور پر اسی نام سے اُنہیں پکارا جاتا ہے اگرچہ ہماری رائے اس بارے میں چاہے کچھ ہی کیوں نہو۔ ہمیں آیتوں کی تعداد گنانی تھی وہ ہم نے شمار کرادی اس میں شک نہیں کہ ناسخ و منسوخ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور خدا کے کلام میں ایک حرف کی تبدیلی بھی ممکن نہیں۔ چونکہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں خود علما میں بڑا اختلاف ہے اس لئے علماء کا مقلد اس اختلاف سے ایک رائے نہیں قایم کرسکتا۔ ہاں اُن کے اختلاف سے محققانہ نتیجہ یہ ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک لفظ بھی قرآن کا منسوخ نہیں ہوا۔ اور جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ کے نام سے پکارا جاتا ہے اُس کے اوامر و نواہی جوں کے توں باقی ہیں اور دنیائے معلوم کے کسی نہ کسی حصہ میں اُن پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہم نے اسی دلچسپ بحث کے لئے اپنے مقدمے کا ایک باب وقف کردیا ہے اور ہم نے جس بسط سے اس میں بحث کرنے کا ارادہ کیا ہے ہمارے ناظرین کی تشفی کے لئے بہت کافی ہوگا۔ اس میں شک نہیں اے کلام پاک تیری بزرگی بڑی ہے اور تجھ میں وہ وہ باریکیاں پوشیدہ ہیں کہ قیامت تک اُن میں نئی نئی باتیں مطابق ترقی علوم و فنون اور زمانہ نکلتی چلی آئیں گی +

رائیں اُنہوں نے اپنے ہی ہمخیال اور ہم مذہب محققوں کی دی ہیں کسی مسلمان کا نام نہیں لکھا۔ اختلاف ہمیشہ رائے میں ہوتا ہے نہ کہ ایک بدیہی چیز میں جو آنکھوں سے دیکھی جا سکے اور اُس کی گنتی ہو سکے۔

اس کے آگے پادری سیل صاحب نے جو یہ لکھا ہے "کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور یہ تیس پارے شہنشاہی مساجد یا اُن کے قریب کی چھوٹی مسجدوں میں پڑھے جاتے ہیں اور تیس آدمیوں کے سپرد تیس پارے ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنا ایک ایک پارہ روز پڑھ لیں اور اس طرح گویا پورا قرآن ختم ہو جاتا ہے۔" سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب کا اس مقولہ سے جو اُنہوں نے اپنے دوست واٹڈسمتھ کے حوالہ سے لکھا ہے کیا مطلب ہے اور ایسی لغو اور بے معنی تحریر کی اخیر کوئی انتہا بھی ہے یا نہیں۔ اگر اُن کی یہ مُراد ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت صرف شہنشاہی مساجد تک محدود ہے تو یہ اُن کی علانیہ غلطی ہے یا اگر وہ جانتے ہیں تو اُن کی دیدہ و دانستہ نادانی ہے جو ایک مصنف کبھی نہیں کریگا۔ اور اگر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ایک پارہ خاص ایک ہی شخص کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے پھر وہ دوسرے پارے کو نہ پڑھتا ہے نہ ہاتھ لگاتا ہے اور بھی زیادہ ابلہ فریبی ہے۔ پھر پادری صاحب یہ فرماتے ہیں"۔ ہر سورت سے پہلے مسلمان بسم اللہ لکھتے ہیں یہودی بھی اسی منشا سے اسی مطلب کا ایک فقرہ لکھا کرتے ہیں جس کے معنی بسم اللہ کے ہیں۔ مشرقی عیسائی بھی یہی طرز برتتے ہیں اور وہ اپنی ہر کتاب باپ۔ بیٹے اور روح القدس کے نام سے شروع کرتے ہیں مگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یہ طریقہ ہو بہو آتش پرستوں سے اخذ کیا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی کتابوں کو ان لفظوں سے شروع کرتے ہیں۔ بنام یزدان بخشائیشگر دادار جس کے لفظی معنی عربی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے" یہاں تک پادری سیل صاحب کی بسم اللہ کی نسبت تحقیقات ہوئی ہمیں افسوس ہے کہ بعض مسلمانوں نے بھی اس غلط فہمی کو محسوس نہیں کیا اور اپنی قیمتی تصانیف میں یہ لکھ دیا کہ بسم اللہ بیشک آتش پرستوں سے لیگئی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر لیں کہ بسم اللہ یہودیوں مشرقی عیسائیوں اور بالخصوص آتش پرستوں سے لیگئی ہے تب بھی شان کلام خدا میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اسلام اور اُس کے اصول درحقیقت عطر ہیں تمام ادیان سابقہ عالم کے اور خلاصہ ہے اُن لمبی چوڑی تحریروں یا صحائف انبیا کا جن میں بمقتضائے وقت خدا پرستی کی باتیں اور معاشرت و تہذیب کے قوانین موجود ہیں۔ خدا کا نام کسی کام کے پہلے لینا انتہا درجہ کی خدا پرستی اور خلوص نیت کا ثبوت ہے اور اس سے بہتر فروتنی اور عاجزی کی صفت ہو نہیں سکتی۔ چونکہ تمام گروہوں میں اُس نے ہدایت کرنے والا یعنی رسول بھیجا جیسا کہ وہ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے۔" وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ" یعنی کوئی ایسا فرقہ نہیں ہے جس میں ڈرانے والا یعنی پیغمبر جو بُری باتوں سے ڈراتا ہو نہ گزرا ہو۔ جب پیغمبر ہوا تو ضرور ہے کہ اُس پر خدا کا کلام نازل ہوا ہو گا خدا کے کلام میں سب سے پہلے اُسی کا نام ہونا ضرور ہے اسی طرح برابر انبیا پر اس کا کلام بمقتضائے وقت نازل ہوتا رہا اور سب میں خدا پرستی اور دین داری کے مضامین کا ایک ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ایک نے دوسرے سے لیلیا ہو اور اس صورت سے وہ قابل الزام ہو سکے۔

اور اگر یہ بھی نہ خیال کریں اور سمجھیں کہ کل انبیا نے خود ہی کتابیں تصنیف کیں پھر بھی وہ ایک دوسرے سے خدا کے نام کے پہلے نقل کر لینے میں کچھ بھی خطاوار نہیں ہو سکتے نہ اس نقل سے اُن کی کمزوری پائی جاتی ہے سب درحقیقت خدا پرستی کی

منادی کرتے تھے اور سب کا ایک ہی مسلک اور ایک ہی منشا تھا۔ خواہ انہیں خدا کا بھیجا ہوا سمجھو یا انہیں مُصلح قوم خیال کرو پاؤ گے سب کو یکساں۔ اور یکساں بھی ایسا کہ ایک دوسرے کی تعریف کرتا ہے اور اُس کے من اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اگر یہ بات تسلیم نہیں کی جاتی اور کوئی تاریخی یا عقلی دلیل مانی جاتی ہے تو ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور ہماری یہ بحث غیر طرفدارانہ اور آزاد ہوگی اور صرف بسم اللہ پر ہم ایک عام نظر کریں گے۔ پادری سیل صاحب ہوں یا اُن کے ہمخیال اور یورپی مصنف جب مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں تو دہرے ہو کے مُعترض ہوتے ہیں اُنہیں اپنے مذہبی اصول بالائے طاق رکھنے پڑتے ہیں اور جو باتیں اُن کے ہاں مثل مسلمانوں کے مسلّم ہیں اُنہیں وہ نظر انداز کر جاتے ہیں اور عجب تماشائی بات ہے کہ آنکھیں بند کرکے وہی اعتراض کرتے ہیں جو اُن پر عاید ہو سکیں۔ یہ انتہا درجہ لاعلمی اور تعصب ہے۔ اور ایسے امور کو درحقیقت تحقیق اور انصاف سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

پہلی بات جو پادری صاحب نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہودی مثل بسم اللہ کے ایک فقرہ ہر قسم کی تحریر شروع کرنے سے پہلے استعمال کیا کرتے تھے۔ ہم اس مقولہ کو کیونکر تسلیم کر لیں اور بغیر معقول وجوہات کے کیونکر مان لیں۔ ہم یہودیوں کی ایسی کوئی کتاب یا تحریر دیکھنا چاہتے ہیں جو اشاعت اسلام سے پہلے کی ہو اور اُس پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہو۔ پادری سیل صاحب نے ایسی کسی تحریر کا پتہ نہیں دیا صرف اسی قدر لکھ کے وہ بری ہونا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کا یہ عام قانون یا قاعدہ تھا جبکہ ہم یہودیوں یا عیسائیوں کی کتب مقدسہ محرّف مان چکے جبکہ ہمیں اس کا علم ہو چکا کہ یہودی یا عیسائی کسی ایک حکم کو بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ درحقیقت یہ حضرت موسیٰ و مسیح علیہ السلام کا ہے۔ جو کتابیں صدیوں کے بعد لکھی گئی ہوں جن اقوال کے سننے والے کبھی کے دار فنا میں آرام کر چکے ہوں اور پھر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور زور ڈالا جائے کہ اسے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ کا کلام مانو اور اُس کے لئے دلیل نہ پیش کی جائے بلکہ سوائے تحکم کے اُس میں کچھ نہ ہو پھر نہیں خیال میں آسکتا کہ ہم اُسے کیونکر تسلیم کریں۔ متی۔ یا لوقا۔ یا پطرس۔ یا یوحنّا نے کچھ لکھا اور ایک بیاض مرتب کی اور وہ بھی حضرت مسیح کے برسوں بلکہ قرنوں کے بعد کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اس مجموعہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہو۔ کس نے اس امر کی تنقید کی اور کس نے اس زمانہ میں اس امر کی سند دی۔ اناجیل اپنے غلط ہونے کی خود آپ شاہد ہیں۔ اُن کا صریح اور بیّن اختلاف خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ حق نہیں ہیں بلکہ چند پریشان اقوال کا مجموعہ ہیں جو نا سمجھ بادیہ گردوں نے ترتیب دے لیا ہے۔ اُن میں اگر کوئی بات قرآن کی لے لی ہو۔ اگر مسلمانوں کی کوئی طرز تحریر اخذ کر لی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہودی ہوں یا مشرقی عیسائی ہرگز اس بات کا دعوےٰ نہیں کر سکتے کہ یہ طریقہ ہمارے ہاں اشاعت اسلام سے پہلے رائج تھا۔

اب ہم آتش پرستوں کی بسم اللہ پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جب عیسائی اس ترقی اور اعلےٰ درجہ کے تمدن کے زمانہ میں ایک جملہ بھی اناجیل کا حضرت مسیح کا کہا ہوا ثابت نہیں کر سکتے سند دشتی بیچارے جن کا مذہب مُردہ ہو چکا ہے اور جن کی قوم معدوم ہونے کے قریب پہنچ چکی ہے وہ کیا خاک اس امر کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ بسم اللہ ہماری کتابوں میں اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسی بات کا فیصلہ نہیں ہوا کہ دساتیر ژندو پاژند

آیا۔ اُس زردشت کی تصنیف ہے جس کا زمانۂ ولادت وظہور ابھی تک نہیں معلوم ہوا۔ نہ یہ خبر ہے کہ اُس کی تعلیم کیا تھی اور اُس نے آکے دنیا میں کیا کیا۔ دوسرا زردشت گشتاسپ کے زمانہ میں پیدا ہوا جس کی طرف موجودہ کتاب کو نسبت دی جاتی ہے اور اُسی کو بہت بڑا مصلح مانا جاتا ہے مگر یہ پتہ لگنا مشکل ہے کہ موجودہ ژند و پاژند اسی صورت پر تصنیف ہوئی تھی یا اس سے کچھ اختلاف تھا۔ اول ہی اول اس کے نسخے کس نے لکھے تھے۔ اور زردشت کے مرنے کے بعد اسے کس نے ترتیب دیا تھا۔ کیا ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب میں کچھ تحریف نہیں ہوئی۔ اور کیا دلیل ہے کہ اس میں اشاعت اسلام کے بعد کچھ گھٹا یا بڑھایا نہیں گیا۔ یہ ساری باتیں بہت غور طلب ہیں اور مشکل ہے کہ ان کا کوئی اطمینان بخش جواب دے سکے۔ پارسیوں کی کسی ایسی کتاب کو پیش کرنا جس کا مصنف بڑی تحقیق کے بعد بھی نہیں مل سکتا اور اُسے قرآن کے مقابلہ میں بطور شہادت کے دینا ایک افسوسناک امر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جتنی کتابیں پارسی پیش کرتے ہیں وہ اول سے اخیر تک غلط ہیں بلکہ ہمارا یہ دعوٰی ہے کہ آیا اُنکی اصلیت جوں کی توں باقی ہے یا اس میں کچھ تغیر و تبدل آگیا ہے؟۔ اِس مخالفت پر بھی جو قرآن مجید کی کی جاتی ہے تمام یورپی مصنفوں کا اتفاق ہے کہ دنیا میں سوائے قرآن کے کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو تیرہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدیل چلی آتی ہو۔ انجیل توریت کو چھوڑ کے اگر ہم ویدا اور زردشتیوں کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہم ان کے ظہور کا کونسا زمانہ قرار دیں۔ اور ان کتابوں کا کس کو مصنف جانیں۔ اگر غور سے دیکھا جائیگا تو زردشتیوں اور ویدوں کے عقاید کا ایک ہی مخرج ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کتابیں ہم تک

لہ یونانیوں رومیوں اور عربوں نے زردشتی مذہب اور اُن کی دینی کتاب کی بہت کم تحقیق کی ہے اور جو کچھ اُنہوں نے لکھا بھی ہے وہ ناکامل ہی نہیں ہے بلکہ غلط بھی ہے مگر یورپی مصنفوں نے جو کچھ اس خستہ اور قدیم مذہب کے حالات دریافت کئے ہیں اُن سے گونہ اطمینان ہوتا ہے اور وہ حالات ہمیں چند مطالب کو یکجا کر کے نتیجہ نکالنے میں مدد دیتے ہیں۔ پارسیوں یا مجوسیوں پر جو کچھ بیتا پڑی وہ کسی کی نظر سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ کے پارسی گویا نقش پا ہیں اُس قدیم بزرگ قوم کے جس کی حکومت بہت وسیع تھی اور جس نے مشرقی یورپ ہی میں نہیں بلکہ حدود ہندوستان تک اپنی فتوحات بڑھالی تھیں۔ اسی طرح اُنکی دینی کتاب ژند وستا پراگندہ حرف ٹکڑا ہے۔ اِس عظیم الشان مبسوط کتاب کا جو بطور ضوابط و قوانین تمدن و سیاست استعمال ہوتی تھی۔ پہلا شخص جسنے ژند وستا کی تحقیق کی ایک فرانسیسی سیاح اَن کے تیل دو پرن نامی ہوا ہے ۱۷۵۴ء میں اُس نے اس جہاز میں ملاحوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا جو بمبی کو آتا تھا۔ اور بہزار مشکل بمبی اور بمبی سے سورت پہنچا۔ یہی شہر اُسکا منزل مقصود تھا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد پارسیوں کے دستور داراب جی نامی کی خدمت میں پہنچا کچھ تحفے اپنے ملک کے دیئے اور اُن سے اس تعظیم اور تکریم کا برتاؤ کیا کہ دستور کی نظر عنایت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ اس محقق سیاح نے اپنا اثر خوب بٹھالیا اور اخیر اوستا کی کامل قلمی جلد کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہی فاضل سیاح کی دلی مُراد تھی۔ پھر وہ اپنے وطن ۱۷۶۱ء میں واپس پھرا ۱۷۷۱ء میں اُس نے اِس کُل ذخیرہ کا کامل ترجمہ شایع کرایا جس کے لئے اس نے ممالک مشرقی کا سفر کر کے سالہا سال مصائب و تکالیف برداشت کی تھیں۔ مگر اسکی اس جانکاہی کا صلہ یہ ملا کہ

بلا تغیر و تبدیل چلی آتی ہوں اور ان کا مصنف کوئی خاص شخص ہو اُس صورت اور حالت پر نظر کرتے پادری سیل صاحب کو بحیثیت ایک محقق ہونے کے کبھی زیبا نہ تھا کہ وہ ایک ایسی کتاب کی شہادت کو نہ جس کے مصنف کا پتہ ہے نہ جس کے زمانۂ تصنیف کا نشان ہے اور نہ جس کے مضامین کا تعلق اور اُن کی ترتیب کسی زمانہ خاص کے ساتھ ثابت ہوتی ہے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک صورت سے تو قرآن مجید کا جزو ہے کیونکہ ایک سورہ قرآن میں موجود ہے دوسری صورت میں کہ وہ ہر سورت کے پہلے لکھی جاتی ہے علما کا اختلاف ہے بعض اسے جزو قرآن کہتے ہیں بعض اس کے مخالف ہیں اگر ہم اسے جزو قرآن مان لیں تو اس لئے کوئی قباحت نہیں پڑ سکتی کہ یہ پورا جملہ قرآن مجید کے متن میں آگیا ہے اور اگر بسم اللہ کو جزو قرآن نہ مانیں تو بھی کچھ قباحت نہیں کیونکہ سب سورتوں کے پہلے سے بسم اللہ کو اُڑا دینے پر معنی قرآن میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

صرف ایک بسم اللہ پر اسقدر احادیث۔ روایات۔ اقوال علما موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو جمع کر لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ تمام مفسروں نے اسکی تفسیر میں بہت کچھ بحث کی ہے اور بہت سی حدیثیں صرف بسم اللہ کے بارے میں لکھی ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی نے یہ لکھا ہے کہ مکہ اور کوفہ کے قاری ابن مبارک اور امام شافعی اور مکہ اور کوفہ کے تمام فقہا اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے مگر مدینہ۔ بصرہ اور شام کے قاری اور فقہا معہ امام مالک اور اوزاعی کے اس بات کے قایل ہیں کہ سورت سے پہلے جو بسم اللہ آتی ہے وہ جزو قرآن نہیں ہے امام اعظم رحمہ نے اس کی کچھ تشریح نہیں فرمائی کہ آیا بسم اللہ آغاز سورت کی جزو قرآن ہے یا نہیں مگر اتنا فرمایا ہے کہ بسم اللہ کا دو سورتوں میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دونوں میں فصل یعنی جدائی کر دے۔ اس کے علاوہ تمام ایمہ کا یہ مذہب ہے

سر ولیم جانس جیسے فاضل شخص نے اس ترجمہ کا مضحکہ اُڑایا اور مترجم پر کفر و الحاد کا فتوی دیدیا بہرحال کچھ ہی ہو فاضل سیاح اور مترجم کا یہ کام بلحاظ اُس کی جانبازی اور محنت کے بے نظیر تھا۔ بڑی بات جو اس ترجمہ میں دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر بسم اللہ کے ہم معنی جملہ کا نئی نئی صورت میں اظہار ہوا ہے چنانچہ وہ جملے یہ ہیں۔ بنام یزداں بخشایشگر دادار۔ بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگران۔ کہیں یہ لکھا ہے پناہیم بیزداں از منش وخوئے بد و دشت گمراہ کنندہ و براہ ناخوب برندہ رنج دہندہ آزار رسانندہ یہ تین جملے ہیں اگرچہ ان کا مفہوم قریب قریب یکساں ہو مگر الفاظ میں فرق ہے۔ الفاظ میں فرق ہونے کی ادنٰے دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی بسم اللہ کا مختلف زمانوں میں مختلف علمار نے ترجمہ کیا اس لئے الفاظ کی تبدیلی لازمی ہو گئی۔ اس سے ہم آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر بسم اللہ ترجمہ ہوتا اوستا کے کسی فقرے کا اور وہ فقرہ اوستا میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہوتا تو الفاظ میں ہرگز فرق نہ پڑتا اور یہ صریح تبدیلی نہ واقع ہوتی۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہوئی قطعی پارسیوں نے بسم اللہ کا جو کلام خدائے اسلام ہے اپنی کتابوں میں ترجمہ کیا اور کسی ضعیف سے ضعیف پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے بسم اللہ پارسیوں کے ہاں سے لی ہے۔ پارسیوں کی الہامی کتاب کی حقیقت مختصر سی سُن لینی چاہیئے تاکہ آیندہ بڑے بڑے حل طلب پیچیدہ مسائل

بسم اللہ جزو قرآن مجید ہے۔
یہ بیضاوی کی تحقیقات ہے ہم اس پر صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کو جزو قرآن مان لیں تو کوئی نقصان نہیں نہ مانیں توکوئی ہرج نہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھہ آئے ہیں مطلب صرف یہ ہے کہ پادری سیل صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ بسم اللہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے لی گئی ہے ہمیں اس کی کوئی سند نہیں ملی نہ اُن کی تحقیق میں نہ اپنی جستجو میں ہم نے خاص اس امر کی بابت بہت کچھ تحقیق کی ہے۔ مجوسیوں کے اور بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں سے مل کر اس امر کو دریافت کیا ہے وہ اتنا تو ضرور کہتے ہیں "کہ ہماری ہر تحریر میں نہیں ہاں اوستا کے بعض حصوں میں بسم اللہ کے ہم معنی یہ عبارت بنام یزداں بخشائیشگر دادار لکھی ہے مگر ہم یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ آیا یہ جملہ ابتدائے تصنیف کتاب سے اس میں درج ہے یا بعد ازاں بڑہایا گیا ہے مگر ہم مذہباً اسے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ابتدائے تصنیف ہی سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں نے ہماری ہی نقل کی ہے۔
فلسفہ کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہو وہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے مگر اس دعوے کو ہم کہاں تک ضعیف اور فضول خیال کریں گے جس کی تائید میں دلیل کی ضرورت ہونا یا نہونا تو کیسا

حل ہو جائیں گے اور ہمارے مسلمان مصنف غلط فہمی میں نہ پڑیں گے۔
جس فرانسیسی سیاح کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اس کی مترجمہ اوستا پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم سنسکرت سے محض ناآشنا ہے اسی وجہ سے جابجا ترجمہ کرنے میں ہی اغلاط بکثرت رہ گئیں اور بعض مقام پر تو سمجھہ میں نہیں آتا کہ مصنف کا اس عبارت سے کیا مدعا ہے۔ نصف صدی تک تو کوئی خبردار نہوا اخیر یوجین برنوف جو سنسکرت کا بڑا فاضل تھا اس طرف متوجہ ہوا اس نے زبان سنسکرت کی مدد سے دفعۃً ژند کے اصول کا ایک عام رستہ پیدا کر دیا ڈنمارک میں راسک اور ویسٹر گارڈ نے فرانس میں سلوسٹو ڈی سی نے روس میں کاسوو چ نے جرمنی میں اسپیگل اور ھاوگ نے اس خاص تحقیقات میں اس کی پیروی کی بالخصوص ھاوگ تو ژند کی تحصیل میں سب سے بڑھ گیا گویا برنوف سے ایک کام کی ابتدا ہوئی اور ہاوگ سے وہ کام انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد ان کے تیل ڈ ویران اور یوجین برنوف کے کام کو پروفیسر ڈارا سٹیٹر نے اپنے ذمہ لیا۔ اور اس نے میکس مولر کے مشرقی مقدس کتابوں کے سلسلہ میں وندیداد کا ترجمہ شائع کرایا ہمیں جو کچھہ پارسیوں کے عقائد مذہبی سے واقفیت ہے وہ ان ہی فاضل محققوں کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے۔
دنیا کی اور قوموں کی طرح پارسی ہی اپنی مقدس کتاب کو اھورا مزدا کی طرف منسوب کرتے ہیں جس نے کہ براہ راست اُن کے پیغمبر اسپیتمار ذاسشتر یہ اُسکو نازل کیا تھا۔ اُن کے معزز پیغمبر کے حالات اس درجہ تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اُس کے زمانہ کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دارا کے باپ گشتاسپ کے زمانہ میں تھا اور کم و بیش بودھ کا ہمعصر تھا لیکن ھاوگ اس قیاس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا زمانہ حضرت مسیح سے ایک ہزار یا بارہ سو برس قبل بتاتا ہے وشتاسپا یا گشتاسپ شاہ فارس کو جو اُس کا دوست یا حامی تھا وہ یونانیوں کا ھسٹاسپس نہیں تھا بلکہ اُسے ایک علیحدہ ہی شخص سمجھنا چاہیئے بلحاظ

خفیف سی خفیف دلیل بھی نہ لا سکیں۔ اس لحاظ سے پادری سیل صاحب کا دعویٰ نظر انداز کرنے کے قابل ہے اور اس سے زیادہ اُس کی وقعت نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک متعصب شخص کا قول خیال کیا جائے اور جتنی بحث اس پر کی ہے اسے کافی سمجھا جائے۔ اور زیادہ طولانی وجوہات کو تحریر میں نہ لایا جائے تاکہ صرف ایک ہی بحث میں بے مزا طول نہو جائے۔

اس کے بعد پادری صاحب نے حروف مقطعات پر حرف گیری کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ طریقہ بھی یہودیوں سے لیا گیا ہے پھر اُنھوں نے ان حروف کے مفسروں کی زبانی معنی بیان کئے ہیں اور اخیر اپنی تمام بحث کا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی یوں ہی حروف مقطعات استعمال ہوتے تھے۔ اور ان حروف کا نام پادری صاحب نے قاب یاس لکھا ہے۔

یہ خیال بھی پادری صاحب کا بالکل غلط ہے کوئی ثبوت نہیں کہ یہودی ایسا کرتے تھے اور کوئی شہادت نہیں جس سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر یہی طریقہ یہودیوں کے ہاں جاری ہے تو کس زمانہ سے اِس طریقہ کا رواج ہوا اور آیا وہ زمانہ قبل ظہور اسلام ہے یا بعد حضرت رسالت مآب کے واقع ہوا ہے۔ یہ الزام بھی مثل الزام بالا کے بے بنیاد ہے جس کا ہم نے اوپر جواب دیا ہے۔

اس سے آگے پادری صاحب نے قرآن کے مخلوق و غیر مخلوق ہونے میں بحث کی ہے اور معتزلیوں کے اقوال پیش

بودھ کی طرح اُس کا نام زردشت صرف ایک لقب کے طور پر تھا جس کے معنی ایک بڑا پیشوا یا روحانی رہنما ہی اس کی پیدایش کے قبل اور بھی بہت سے زردشت ہوئے جن کے حالات سرتاپا تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں اور اُن پر تاریخ کی روشنی دھندلی سی بھی نہیں پڑی۔ اسپتیما اس کا اصلی نام ہے اور اسی سے اُس کے خاندان کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح بودھ کا اصلی نام سکیا سمہا تھا۔ زردشت کے حالات زندگی ہمیں جس قدر معلوم ہوئے ہیں اگرچہ اُن کی صحت کا ہم حلف نہیں اُٹھا سکتے پھر بھی بسبب مشہور ہونے اور دلچسپ ہونے کے اُسکی قدر ہی کرتے ہیں۔ زردشت کے باپ کا نام پوروس جاسپا تھا اور ماں کا نام داگدو تھا اُس کی شادی بھی ہوئی تھی اور اُس کی اولاد بھی تھی۔ جب اُس کی عمر تیس ۳۰ کو پہنچی تو وہ تارک الدنیا ہو کے ایک ویرانے میں عزلت گزیں ہوا وہاں اس کے پاس انگر و مینوش آیا جس نے وعدہ کیا کہ اگر تو مجھے معبود مطلق تسلیم کرلے تو میں تجھے ہر قسم کی خوشحالی۔ قدرت اور فارغ البالی عطا کر سکتا ہوں۔ زردشت نے جواب دیا "او شریر بد ذات دوزخ تیرے اور تیری اولاد کے لئے تیار ہوئی ہے اور میں صرف اھورا مزدا کی ہی عبادت کرنی جانتا ہوں یہی روایت حضرت مسیح کی نسبت اناجیل کے ترتیب دینے والوں نے مشہور کر دی ہے کہ حضرت مسیح کو چالیس دن تک شیطان نے آزمایا۔ مطابقت اِس کا نام ہے۔ دیکھا دونوں روایتوں میں کس قدر تطابق ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کے بعد زردشت اپنی جگہ سے اُٹھا تو کامل پیغمبر تھا۔ اسی طرح جب حضرت مسیح چالیس دن تک شیطان سے آزمائے جا چکے تو کامل پیغمبر بن گئے تھے۔ متعدد روایتیں زردشت کے صاحب معجزہ ہونے کی شہادت دیتی ہیں کہتے ہیں اُس نے اپنے معجزوں ہی کے ذریعہ سے شاہ گشتاسپ کا دل اپنی طرف پھیر لیا اور اس کا مشیر و معتمد بن کر اپنے سچے مذہب مزدیستانی کو تمام مملکت میں شایع کر دیا تھا۔

پارسیوں کی خاص خاص کتابیں جو اس زمانہ میں موجود ہیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔ و لیسپراد۔ وندیداد

کرکے یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ موجود ہے جو قرآن کو مخلوق مانتا ہے۔ پھر پادری صاحب نے اور بھی آگے قدم بڑھایا ہے اور ولید بن یزید کا قصہ نقل کیا ہے کہ اُس نے قرآن مجید اُٹھا کے پھینک دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایتوں کے بیان سے پادری صاحب کی غرض کیا ہے اور کیوں اُنہوں نے بے فایدہ اپنی کتاب کے صفحے سیاہ کئے۔ ایک ناشدنی اور نالایق خلیفہ کا ذکر کہ اُس نے قرآن کو اُٹھا کے پھینک دیا قرآن کے احترام میں کیا فرق پیدا کرتا ہے۔ ولید کی معاشرت اول دن سے غلیظ اور ناپاک تھی نہ وہ خود مسلمان تھا نہ اُسے اسلام کا کچھ خیال تھا۔ صدہا نہیں بلکہ ہزاروں انگریز فرانسیسی ایسے ہیں جو انجیل کو اُٹھا کے ہی نہیں پھینک دیتے بلکہ اُن کی یہ رائے ہے کہ اگر تم عقیدہ کے بھوت کے خوف کو دُور کر کے انجیل مقدس کو دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ میں نے کیوں اپنا عزیز وقت ایک پُر از ظلم و جہل تصنیف میں گُزارا۔ اسی طرح کے صدہا اقوال ہیں جو ہم آیندہ کسی باب میں نقل کریں گے یہاں صرف اِس قدر کہنا ہے کہ اِس سے قرآن کی عظمت میں اور اُس احترام میں جو کروڑہا آدمی اس کا کرتے ہیں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ پادری صاحب نے اُن اشعار کا ترجمہ بھی کیا ہے جو اُس نے قرآن کو مخاطب بنا کے پڑھے تھے۔ ہم مُناسب سمجھتے ہیں کہ اصل اشعار عربی کے نقل کر دیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس میں کچھ بھی اسلام کی بو ہو گی وہ ایسے نالایق کام کرنے کا خیال بھی نہ لائے گا۔ اصل روایت ولید کی یہ ہے۔ ایک دن ولید نے قرآن کھولا تو اول ہی صفحہ میں یہ لکھا ہوا دیکھا "وخاب کل جبّار عنید" یعنے نافرمان کبھی نہیں پھلے پھُولیں گے۔ یہ دیکھکر مصحف کو ہاتھ سے پھینک دیا اور اُس پر تیر مارے۔ اور یہ اشعار پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید ۔۔۔ فما انا ذاك جبار عنید

اذا ما جئت ربك یوم حشر ۔۔۔ فقل یا رب خرقنی الولید

یاشت۔ اور نیز پھران کے حصے کئے گئے ہیں۔ ان میں سے یاسنا سب سے قدیم اور سب سے ضروری ہے۔ یاسنا کے بھی دو حصے ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید۔ قدیم یاسنا میں پانچ گتھا اور جدید یاسنا میں ہپتنہایتی یعنی ہفت بابی یاسنا شریک ہے یہ ژند کی شکل میں گتھا زبان میں لکھی گئی ہیں جو ویدی سنسکرت کے قریب قریب ہے۔

لفظ گھتا۔ وید اور بودھ کی کتابوں میں بمعنی گیت مشہور ہے جیسے سما وید کے اشعار اُدگیتڑ گاتے ہیں اسی طرح یاسنا کے گتھا اتھروں یعنی پیشوا گاتے ہیں۔ گتھا کی تحریریں عروضی تقطیع میں ہوتی ہیں اور ان میں مختصر سی دعائیں گیت اور مناجاتیں شریک ہیں جن میں علی العموم مذہبی جوش اخلاقی اور ما بعد الطبیعاتی خیالات کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ اور بھی تعجب انگیز بات ہے کہ یہ پانچوں گھتا کم و بیش ایک ہی وزن پر ہیں اور یہ وہی اوزان ہیں کہ جن میں وید کی نہایت پُرانی مناجاتیں پائی جاتی ہیں اور اصطلاح شعرا میں اسوری کے نام سے مشہور ہیں چنانچہ پہلا گتھا جسکو اھونا ویتی کہتے ہیں اور اُسی تقطیع اور وزن میں لکھا گیا ہے جس میں برہمنوں کی گایستری لکھی گئی ہیں دوسری گتھا کا نام استاویتی تیسرے کا نام اسپنتا مینیا چوتھے کا نام اھوکھے شترم اور پانچویں کا نام واشٹو اشتی۔ ذیل میں گتھا کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے۔

یعنی تو پھر نافرمان متمرد شخص کو ملامت کرتا ہے۔ دیکھ میں نافرمان متمرد شخص ہوں جب قیامت کے دن تو اپنے مالک کے سامنے حاضر ہو تو شکایت کیجو کہ اے خالق الولید نے مجھے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح تسلیم کریں تو قرآن کے اعزاز واکرام میں کیا فرق آتا ہے۔ دریا میں سے اگر کتے نے پانی پی لیا تو دریا کا پانی ناپاک نہیں ہو سکتا یا اگر آفتاب کی کرنوں کو کسی نے میلا ہاتھ لگا دیا تو ان میں نہ کچھ میلاپن آئے گا نہ اُن کی تابانی میں کچھ فرق آئے گا۔ اس کے علاوہ جب اس روایت پر محققانہ نظر ڈالی جائے تو نہ اس روایت کے راوی اور نہ پادری سیل صاحب اسے صحیح بتا سکیں گے۔ خلیفہ مہدی نے اپنے دربار میں الولید کو زندیق کہا اس پر ابو العلامہ فقیہ نے کہا اے امیر المؤمنین وہ مسلمان تھا اگرچہ اُس کی معاشرت رندانہ تھی۔ مگر جب اذان ہوتی تھی اس کے کُل درباری تعیش کے لباس کو اُتار کے نماز کے کپڑے پہن لیتے تھے اور نماز پڑھنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو زندیق کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس گفت وشنود سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی یعنے الولید نے قرآن پھاڑا ہوتا تو ضرور خلیفہ مہدی اس کی نظیر پیش کرتا مگر اُس نے اشارہ تک نہ کیا اور آخر ابو العلامہ فقیہ کی رائے ماننی پڑی۔ اس قسم کے اعتراض بچوں کے سے ہیں۔ ایک محقق شخص کو ان چھوٹی باتوں سے تعلق نہ رکھنا چاہئے۔ کسی ایک شخص کی بُرائی قومی بُرائی نہیں بن سکتی اور کسی ایک مسلمان کی بداعتقادی قوم کے اعتقاد کو نہیں خراب کر سکتی۔

پادری سیل صاحب نے اس کے آگے ایک بڑے اہم اور عظیم الشان مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس پر اسلام کی بنیاد ہے یعنی فرشتوں کا یقین اور اُن پر ایمان۔ ان کی نسبت وہ مفصلۂ ذیل لکھتے ہیں۔ "قرآن نے فرشتوں کے وجود اور پاکی کی بابت اعتراف کیا ہے۔ اور قرآن اُن لوگوں کو کافر بتاتا ہے جو اُن سے انکار کرے یا اُنکی حقارت کرے۔ یا اُن کو کسی جنس کے ساتھ نسبت دے۔ مسلمان اُنھیں پاک اور نورانی جسم کا بتاتے ہیں اور اُنکی پیدائش

(۱) (الف) "شروع میں دو روحوں کا ایک توام جوڑا تھا جن میں سے ہر ایک حد درجہ کی تیز تھی ان میں سے باعتبار خیال۔ قول۔ فعل۔ ایک تو نیک تھی اور دوسری بد تم ان میں سے ایک کو پسند کرو لیکن یہ خیال رہے کہ تم نیک بنو۔"

(ب) ان دونوں روحوں کے ملاپ سے جو چیز اول پیدا ہوئی وہ ایک تو اصلیت تھی اور دوسری غیر اصلیت۔

(ج) ان دونوں روحوں میں سے تمہیں ایک پسند کر لینی چاہئے خواہ بد پسند کرو جس سے بد افعال صادر ہونے میں خواہ نیک پسند کرو جو مقدس روح ہے۔ بعض بدقسمت مصیبت جھیلنا پسند کریں گے اور بعض نیکوکاری کے ذریعہ سے اھورا مزدا کی پرستش کرینگے

(د) تم ایک ہی ساتھ ان دونوں سے تعلق نہیں پیدا کر سکتے۔

(۲) (الف) مبارک ہے وہ اور مبارک ہے ہر وہ شخص جسے اھورا مزدا خود اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے اور اسی کو دو لازوال طاقتیں (صحت وبقا) عطا ہوں گی۔ اس نعمت کو میں تجھسے مانگتا ہوں تو اپنے رحم کے فرشتے ارمیتی کے ذریعہ سے مجھے خوشی عطا کر اور اچھی چیزیں نیک دلی کے ساتھ عنایت فرما۔

(ب) میں تجھے سب سے افضل اور دنیا کی ہر قسم کی روشنی کا سرچشمہ سمجھتا ہوں ہر ایک تجھی کو سرچشمۂ روشنی تسلیم کرے گا۔

آگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ نہ پیتے ہیں نہ کھاتے ہیں۔ نہ اُن میں ترقی نسل کے اسباب ہیں۔ اُن کی مختلف صورتیں اور عہدے ہیں۔ بعض خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض اُس کی حمد کرتے رہتے ہیں۔ بعض دنیا میں انسان کے کاموں کے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی بیان ہے کہ انسان کے کاموں کو تحریر کرنے پر بھی فرشتے متعین ہیں اور بعض خدا کا عرش اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔

چار فرشتے جنہیں مسلمان خدا کا مقرب سمجھتے ہیں اور اُن کے عہدے بھی مقرر کر رکھے ہیں یہ ہیں جبرئیل جنہیں مسلمانوں نے چند خطابات عطا کئے ہیں بالخصوص روح القدس اور قاصد وحی کے نام سے پکارتے ہیں اور خدا کا بہت بڑا مقرب ہی نہیں مانتے بلکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ خدا کا جبرئیل پر بہت بڑا اعتماد ہے اور بہ نسبت دوسرے فرشتوں کے یہ زیادہ قابل بھروسہ ہیں اور یہی ربانی احکامات لکھتے رہتے ہیں۔ پھر میکائیل ہیں جو یہودیوں کے دوست اور محافظ ہیں پھر عزرائیل یا ملک الموت ہیں جو اجسام میں سے قبض ارواح کرتے ہیں۔ پھر اسرافیل ہیں جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ اُسکے اعمال لکھنے کے لئے مقرر کیئے گئے ہیں اور وہ شب و روز اُسکی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اعمال و افعال بھی قلمبند کرتے ہیں۔

اے مزدا افضل ترین روح بس تجھی کو ہم! تو نے اپنے نیک دل طاقت کے ذریعہ سے تمام سچی چیزیں پیدا کی ہیں اور ہمیں عمر دراز بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(ج) اے اھورا میں تجھی سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ سچ بتا کہ ابتدائے آفرینش میں پاک اور مقدس مخلوق کا باپ کون تھا؟ کس نے سورج اور ستاروں کی راہ بنائی ہے؟ تیرے سوا اور کون ہے جس نے چاند کو ہلال اور بدر بنایا۔ مزدا مجھے ان باتوں کی اور نیز دوسرے امور کے معلوم کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ زمین و آسمان کو ایسا کون سنبھالے ہوئے ہے جو گرنے نہیں دیتا؟ پانی اور درختوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہوا اور بادلوں کو کس نے یہ تیزی عطا کی ہے؟ اے مزدا پاک اور صاف خیالات کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ کس اچھے کاریگر نے ظلمت اور روشنی بنائی ہے؟ سونا اور جاگنا کس اچھے صانع کا بنایا ہوا ہے؟ صبح دوپہر اور شام کس نے بنائی ہے؟۔

(۳) (الف) میں اس لفظ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں جو افضل ترین ذات نے مجھے خطاب فرمایا ہے۔ آدمی اگر اس کو سُنے تو اُس کے سُننے کے لئے اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے۔ جو شخص میرے اس کلام کو سُنے گا وہ درجۂ کمال کو پہنچکر بقائے دوام حاصل کرے گا۔ نیک اندیشوں کے آگے مزدا مالک ہر دو جہان ہے۔

(ب) میں اس امر کا بیان کرتا ہوں جو سب چیزوں سے افضل و بہتر ہے۔ صرف راستبازی ہی قابل تحسین ہے۔ اھورا مزدا اُن کی سُنے گا جو تمام نیک کام کرنے کی طرف مائل ہیں۔ وہ ذات جس کی عمدگی نیک دل لوگوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اس نے مجھے سب سے بہتر حکمت سکھائی۔

ج۔ جو لوگ بتوں کے خیال میں منہمک رہتے ہیں یا وہ جو ہمیشہ شرارت و بدنفسی ہی کی دھن میں لگے رہتے ہیں رذیل اور

فرشتوں کی بابت یہ ساری باتیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ نے یہودیوں سے لی ہیں اور یہودیوں نے مجوسیوں سے فرشتوں کے نام اور عہدے قایم کرنے سیکھے ہیں۔ قدیم مجوسیوں کا فرشتوں اور اُن کے فرائض پر کامل یقین اور ایمان تھا۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ معاملات دنیا میں بھی وہ دست اندازی کرتے ہیں اور اُن کا تصرف ہر کام میں موجود ہے۔ اسی لیئے مجوسیوں نے اُن کے عہدے اور وہ صُوبے مقرر کر رکھے ہیں جہاں اُن کے فرائض متعلق تھے۔ اُن کے نام اور مہینے مقرر کئے تھے اور دنوں کا شمار بھی کر رکھا تھا۔ اب بھی مجوسیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جبرئیل کا نام اُنھوں نے سورمش اور دیوان بخش یعنی بخشایندۂ ارواح رکھا تھا دوسرے فرشتہ کا نام ملک الموت تھا جسے وہ مرداد کے نام سے پکارتے تھے۔ میکائیل کو مجوسی بیشتر کہتے تھے جو مخلوق خدا کے لئے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور اُن کے بہت سے عہدے ہیں۔ وہ مخلوق اور خالق میں واسطہ ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے سب کام انجام پاتے ہیں۔ یہودی ملک الموت کو دوما کے نام سے پکارتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دم واپسیں کے وقت ملک الموت آدمی کا اصلی نام لیکے پکارتا ہے۔

کینے ہیں۔ اُن لوگوں کو ان لوگوں سے میز رکھنا چاہیئے جنھیں ہمیشہ نیکی کا خیال رہتا ہے۔ اُس کا دوست۔ بھائی اور باپ اھورامزد ہے۔ پیشوائے آتش کا یہی سب سے عمدہ الہام ہے۔

(۴) (الف) ہم اھورامزدا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکوکاری اور راستبازی کا سچا مالک ہے۔

ہم امیشاسپنتا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکی کے مالک اور اُس کے عطا کرنے والے ہیں۔

ہم نیک روحوں کی تمام مخلوق کی پرستش کرتے ہیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا روحانی اور جو چیزیں نیک مخلوق کی باعث ہوتی ہیں اور عمدہ مزدیسنائی مذہب کو پھیلاتی ہیں ہم اُنکی بھی پرستش کرتے ہیں۔

(ب) جو عمدہ خیالات۔ پاکیزہ اقوال۔ اچھے افعال اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں گے ہم اُن سب کی تعریف کرتے ہیں ایسے ہی ہم تمام اچھی چیزوں کو پاک اور صاف رکھتے ہیں۔

(۵) میں دیو یا شیطان پرستی سے توبہ کرتا ہوں اور زردشتی مزدائی ہونے۔ شیطان کے دشمن بننے۔ اھورا کی پرستش غیر فانی وفیض رساں دیوتاؤں (امیشاسپنتا) کی تعریف کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اچھی چیزوں کو اھورامزدا کی طرف منسوب کرتا ہوں جو خود نیک۔ راستباز۔ منور اور پُر جلال ہے۔ اور تمام افضل ترین چیزوں۔ روح۔ فطرت۔ راستبازی۔ منور اشیاء اور خود بخود روشن ہوجانے والی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۶) میں مزدیانی زردشتی مزدیانی ہوں میں اس مذہب کا اقرار دوسرے شیطانی مذاہب (یعنی مذاہب ویدک) کے مقابلہ میں اس مذہب کو ترجیح دینے اور قابل تعریف سمجھنے سے کرتا ہوں۔ میں اُن خیالات کی تعریف کرتا ہوں جو اچھے ہیں میں اُس کلام کی تعریف کرتا ہوں جو احسن ہے۔ میں اُس فعل کی تعریف کرتا ہوں جو عمدہ ہے ؛

شیطان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابلیس رکھا ہے جس کے معنی مایوس کے ہیں۔ ایک زمانہ میں ابلیس خدائے تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کے زمرہ میں تھا مگر نافرمانی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوگیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر بیّن طور پر آگیا ہے۔

فرشتوں اور ابلیس کے علاوہ قرآن جنات کی بھی تعلیم کرتا ہے جن کی سرشت آگ سے بیان ہوئی ہے مگر یہ معصوم اور زیادہ لطیف نہیں ہیں کیونکہ یہ کھاتے پیتے ہیں اور ان میں ازدیاد نسل کے اسباب بھی ہیں اور انھیں موت بھی آتی ہے۔ ان میں نیک و بد دونوں قسم کے مانے گئے ہیں۔ شرقیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے سے پہلے جن ہی جن اس عالم میں آباد تھے۔ اور مختلف بادشاہوں کی حکومت میں رہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان کی رعایا میں جن بھی تھے۔ چونکہ اُنہوں نے بداعمالی پر کمر باندھ لی تھی اس لئے ابلیس کو حکم ہوا تھا کہ وہ انہیں دنیا کے آباد حصص سے نکال کے ایک خاص مقام پر مقید کردے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جن کی نسل ہنوز باقی تھی۔ شاہ فارس طہمورث دیوبند نے اُن سے جنگ کی اور اُنھیں قاف کے مشہور پہاڑ میں بھگا دیا۔ جن کی بعد ازاں مختلف کہانیاں زبان زد عوام ہوگئیں۔

مسلمانوں نے جنات کا خیال بھی یہودیوں سے لیا ہے۔ یہودی جن کو شدیم کہتے ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ جن یعنی شدیم دو فرشتوں عزا اور عزائیل سے بنا ہے۔ طوفان نوح سے پہلے لا مچ کی بیٹی نامہ جنات سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہودیوں کا بیان ہے کہ شدیم کے مثل فرشتوں کے پر ہوتے ہیں وہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک اُڑتے ہیں اور اُنہیں غیب کا علم بھی ہے اور وہ تین باتوں میں آدمی سے مُشابہ

مجوسیوں کے یہ اصول ایمان ہیں۔ خداپرستی کی تعلیم بےشک ہے مگر صاف الفاظ میں اس کا بیان نہیں ہوا۔ فرشتوں کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہاں روحوں کی طرف اشارہ ہے جس سے فرشتے سمجھ لینا دوسری بات ہے۔ پھر خیال میں نہیں آتا کہ ان صاف اور صریح اصول پر کب اور کس وقت حاشیے چڑھائے گئے اور فرشتوں جنوں کے حالات آغاز اسلام سے ان میں داخل ہوئے یا اس سے پہلے ان خیالات کا اثر ان میں موجود تھا۔ اس زمانہ کی قدیم روایات اور قدیم کتب اور دیرینہ کتبوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ آریاؤں اور مجوسیوں میں چونکہ حد درجہ دشمنی پیدا ہوگئی تھی (حالانکہ پہلے یہ ایک ہی تھے) اور ایک فریق دوسرے فریق کی ہجو کرکے اس ہجو یہ نظم ونثر کو اپنی الہامی کتابوں میں داخل کرلیتا تھا۔ اس لئے زردشت کو آریاؤں کے بےتعداد دیوتاؤں کی پرستش کے مقابلہ میں ایک معبود کی پرستش نکالنی پڑی۔ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جب تک آریا پنجاب کے بارآور میدانوں میں داخل نہوئے تھے اور ان میں گڈریوں کے عادات واطوار باقی تھے اِندر کی پرستش ہوتی تھی اور وہی بڑا معبود گنا جاتا تھا جس کی درگاہ میں سوما کی قربانیاں چڑھائی جاتیں اور اس کے صلہ میں اُنہیں کھانے کی قدرت اور لڑنے کی طاقت عطا کی جاتی تھی یا سنا کے سب سے اخیر انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتخاب پیروان ومعتقدین زردشت ہی کے عقاید میں داخل تھا سپنتا مینیوش اور انگرومینیوش دو جدا جدا آتے نہیں ہیں جیسا کہ اکثر کا مذہب ہے بلکہ ایک ہی ذات کی یہ دو حقیقتیں ہیں اول الذکر

کھانا۔پینا۔شادی بیاہ کرنا۔اور مرنا۔یہودیوں کا یہ بھی قول ہے کہ جنوں میں سے بعض حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور وہ نیکوکاروں میں سے تھے اور بعض اُن میں سے کافر اور نافرمان رہے یعنے حضرت موسیٰ پر ایمان نہیں لائے۔" پادری سیل صاحب کی تقریر ختم ہوگئی +

(جواب)

پادری صاحب نے یہودیوں مجوسیوں اور مسلمانوں کے بیان میں عیسائیوں کا ذکر نہیں کیا ۔نہ یہ لکھا کہ عیسائیوں نے فرشتوں اور شیاطین کا خیال کس فرقہ اور مذہب سے لیا۔اگر یہی تحقیق اور انصاف ہے تو بس سلام ہے ہم فرشتوں کے مسئلہ پر ایک بسیط بحث کریں گے اور تمام اقوام کے عقاید اور اسلامی اصول کا بالتفصیل مقابلہ کریں گے خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں۔

ابتدائے آفرینش سے جتنی قومیں اور جتنے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے سب فرشتوں کے قایل تھے ہاں ان کے ناموں میں اختلاف یا عہدوں اور کاموں میں فرق یہ بمقتضائے آب وہوا اور مرز وبوم کے پیدا ہوگیا تھا۔مفہوم سب کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور کوئی محقق اب تک یہ ثابت نہ کرسکا کہ فرشتوں کے خیال کا بانی مبانی کونسا گروہ تھا اور ابتدا میں کس نے یہ خیال دنیا میں پھیلایا۔اگر مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا اور یہودیوں نے مجوسیوں سے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجوسیوں کے ہاں فرشتوں کا خیال کہاں سے آیا سوا اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی سرشت میں اس خیال کا کہ خالق کی مخلوق کا انتظام ضرور ایسی قوتوں سے منضبط ہے جو دکھائی نہیں دیتیں مگر اُن کا تصرف ہر جگہہ اور ہر صورت میں موجود ہے۔مادہ پایا جاتا ہے۔اور یہ وہ پوشیدہ قوتیں ہیں جنہیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ہمارے بعض مسلمان مصنفوں نے یہ خیال کرکے کہ مسلمانوں کے پاس فرشتوں کی بابت کوئی جواب

تو وجود ہے اور آخر الذکر عدم یعنی ان سے روح اور مادّہ یا نور اور ظلمت یا بھلائی اور برائی مراد ہے وہ وید کے برابر اہورمزدا اور مایا اور سنکھیا کے پروردگار اور پراکرتی ہیں جو حق۔انصاف اور محبت کے لئے لڑتے ہیں۔وہ سپنتا مینوش یعنی اہورامزدا (ہرمزد) کے پیرو اور معتقدین کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے جو لوگ جھوٹ ظلم۔حسد میں مبتلا ہیں وہ انگرومینیوش یا اہرمن کے غلام ہیں

اینا سپنتا بشمول اہورامزدا سات ہیں۔

(۱) اہورامزدا (ہرمزد) یعنی عقل کُل۔

(۲) دہو مینو (بہمن) یعنی نیک دل۔

(۳) آشا وہشتا یعنی پاکی وصفائی۔

(۴) کھے شترا ویریا یعنی باروری۔

(۵) سپنتا آرتی یعنی عبادت وتقدس

(۶) ہوروتیال یعنی سخت وری۔

نہیں ہے صریح وجود ملائکہ کا انکار کر دیا ہے تاکہ کچھ جھگڑا ہی نہ باقی رہے اور پھر مسلمانوں پر یہودیوں کی چوری کا الزام جاتا ہے مگر ہم ایسی غلطی نہیں کرنے کے اور ہمیں کوشش کر کے ایک حد تک اپنے نکتہ چیں کی تسلی کرنی چاہئے۔ ہم علاوہ مذہبی معقول مباحث کے علوم جدیدہ سے بھی فرشتوں کا وجود ثابت کریں گے اور ہم مسلمانوں کو خوشی کی خبر سناتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اسی کام کے لئے چنا ہے تاکہ ہم معترضوں کے جواب دیں بھٹکے ہوؤں کو راہ حق پر لا دیں اور پریشان دلوں کی تسکین کریں۔ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے گا۔ اُس نے ہمیں خاص برکت دی ہے اور اُسکی نعمت کا دروازہ ہم پر کھل گیا ہے۔ ہم میں اُس نے ہر وہ صفت ودیعت کی ہے جو وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو بخشتا ہے اس لئے ہماری تحریر غور اور خوض سے پڑھنی چاہئے اور اُس کے ہر پہلو پر غور کرنا لازم ہے یقیناً ہمارے استدلال تشنہ کامان وہم کی تسکین اور اُن کا تذبذب دور کریں گے۔

پہلے اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ خدا نے اس عالم کو پیدا کیا اس سے بحث نہیں کہ اس کی آفرینش کیونکر ہوئی۔ خواہ اُسے عقل اول نے ترتیب دیا خواہ وہ پانی میں سے نکلی خواہ اُسے خدا اور فرشتوں نے بنایا خواہ زمین شب کے بیضۂ عظیم سے بنی خواہ آسمانی سانڈھنے اپنے سینگوں سے شب کے بیضہ کو توڑ کے زمین پیدا کی خواہ آسمان سے ایک حاملہ عورت نیچے گری اور زمین نہ ہونے کی وجہ سے کچھوے نے اُس عورت کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور پھر اس کا وضع حمل ہوا اور زمین پیدا ہوئی خواہ کرۂ زمین کو آفتاب کا ایک حصہ تسلیم کر کے یہ مانیں کہ وہ دُمدار ستارے کی رگڑ سے علیحدہ ہو گئی پہلے اُس کے گرد کے بخارات دور ہوئے اور اپنی کثافت کے موافق زمین۔ ہوا۔ پانی بن گئے خواہ زمین کو اصل میں ایک دُمدار ستارا مان لیں خواہ یہ تسلیم کریں کہ آسمان میں ایک جرم عظیم پارہ پارہ ہوا اور اُس سے نظام ملکی میں ایک ہل چل پیدا ہوئی

---

(۷) امرتال یعنی بقا۔

یہ امیشا سپنتا غیر فانی محسن کے لقب سے بھی ملقب کئے گئے ہیں اور اُن کی پرستش مثل ملائکہ اعلیٰ کے کی جاتی ہے جو علیحدہ علیحدہ انسان۔ مویشی۔ آگ۔ فلزات۔ زمین۔ پانی۔ اور درختوں پر متعین ہیں!

امیشا سپنتا کے بعد فراوشی فرشتوں کا رتبہ ہے جو انسان حیوان۔ نباتات۔ اور معدنیات کے محافظ و نگہبان ہیں ہر موقع پر اُن کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اُن کی پرستش کی جاتی ہے کیونکہ بھلائی۔ برائی اور انسان کی اعلیٰ و کمتر طبیعت کے مابین جو جھگڑے رہتے ہیں ان میں وہ ہمیشہ امداد کرتے ہیں۔ فراوشی معہ مہتر اشتو ریا وغیرہ کے یزاتا (سنسکرت یجاتا) یعنی فرشتے کہلائے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی حمد و ثنا کی جاتی ہے اور اس حمد و ثنا کا نام یشت ہے اس قسم کی یشت تعداد میں بیس سے کم نہیں منجملہ ان کے ہرمز یشت جس کا ذیل میں ترجمہ کیا جاتا ہے سب سے افضل ہے۔

"زردشت نے اہورامزدا سے ناپاک روح سے بچنے کے لئے سب سے پُر اثر دعا دریافت کی جواب میں اُسے معلوم ہوا کہ اہورامزدا کے مختلف ناموں کا وظیفہ پڑھنا مختلف بلایات سے محفوظ رہنے کے لئے سب سے بہتر ہے۔ اس کے بعد زردشت نے اہورامزدا سے ان ناموں کے علم حاصل کرنے کی درخواست کی اہورامزدا نے بیس نام اُسے بتا دیئے مثلاً اہمی یعنی میں ہوں تھا

جس سے زمین اور اجرام بن گئے۔ غرض کسی طور سے زمین کی پیدایش تسلیم کریں اس کے ساتھ یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ انسان کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے بھی نظام عالم قایم ہے وہ ہمیں آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتی۔ دن رات کا باقاعدہ ہونا۔ مینھہ کا مقررہ مہینوں میں برسنا۔ چاند کا اپنی ایک حالت پر ہلال بن کے بدر بن جاتا۔ اسی طرح کے صدہا نظام عالم ہیں جو ایک صورت سے قایم ہیں اور اُن کی رفتار اور حالت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ضرور اس باقاعدہ نظام کو ایک ایسی قوت نے قایم کر رکھا ہے جس کا ہر جا ہونا تو ضرور ہے مگر انسانی آنکھ سے اُس کا معلوم ہونا کچھ لازمی نہیں ہے اُس قوت کا تصرف ہر جگہہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر ذرہ میں ہے کہیں تو وہ قوت پانی ہوکے برستی ہے اور کھیتوں کو تازہ کرتی ہے اور اُس سے انسان کے لئے رزق جو اُس کی زندگی کا باعث ہے پیدا ہوتا ہے کہیں یہ قوت پہاڑوں پر برف کی صورت میں پڑتی ہے اور اس سے دریاؤں میں پانی آتا ہے جو انسان کی زندگی کا ایک جزو ہے کہیں یہ قوت تند اور تیز ہوا کی صورت میں محسوس ہوتی ہے اور اس سے انسانی ذات کو ہزارہا فایدے ہوتے ہیں۔ یہ قوت گرم اور شدید دہوپ کی صورت میں پڑتی ہے اس سے خراب ہوا اور غلیظ رطوبتوں کی اصلاح ہوتی ہے اور انسان کے لئے گویا پوشیدہ سامان حفظان صحت کا کیا جاتا ہے کہیں یہ قوت آسمان پر گرج اور کڑک کی صورت میں مسموع ہوتی ہے اور اُس سے باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ کہیں یہ قوت سمندر کی لہروں میں دست و گریبان دکھائی دیتی ہے اور کہیں آتش فشاں پہاڑ کی شکل میں اس کا جلوہ ہوتا ہے۔ غرض ہر جگہہ اور ہر چیز میں یہ قوت موجود ہے۔ اور اسی قوت نے ایک ایسا عظیم نظام قایم کر رکھا ہے جو ہرگز سمجھہ میں نہیں آتا۔ ایک قطعہ زمین پر چند ایسے درختوں کا یکجا ہونا جو مزے اور رنگ میں باہم متضاد ہیں صاف پایا جاتا ہے کہ پوشیدہ قوت نے اُنہیں اُنکی خوراک میں امتیاز یہ درجہ عطا کیا ہے۔ ایک ہی جگہہ نیم ہے اور ایک ہی جگہہ آم کا درخت ہے اور دونوں کی جڑیں زمین کے اندر پھیل کے باہم دست و گریباں ہوگئی ہیں اور زنجیر وں

آشا وہشتا یعنی افضل ترین نیکوئی میں ہی عقل ہوں۔ میں ہی علم ہوں۔ زندہ ہوں۔ میں جو ہوں وہ ہوں (اہمی یاد اہمی مزدا) اہورا مزدا۔ پھر اس طرح فرماتا ہے اگر تم مجھے دن کو یا رات کو ان ناموں کے ساتھ یاد کروگے تو میں خود تمہاری مدد و اعانت کو آؤنگا اور فرشتہ۔ سروش۔ پانی۔ درختوں اور نیک آدمیوں کی روحیں بھی تمہاری مدد کو آئیں گی۔

یہ سروش یا سروشا پارسیوں کی کُل مذہبی پرستش کا شخص ہے یہی فرشتہ تھا جس نے اول اول پانچوں گہتا گا کے زردشت کو بتائے تھے اور اسی نے سب سے پہلے مقدس شاخوں (یا رسوم) کو ترتیب دیا تھا۔ اور یہی موت کے بعد انسان کے افعال کا فیصلہ کرے گا۔ اُس کی پرستش زوتہرا یعنی آب مقدس سے کی جاتی ہے۔ کتاب یاما میں ایک پورا کا پورا باب نیراتا کے بیان میں ہے جسے سروش یشت کہتے تھے۔ وسپراؤ سے مُراد اُن دعاؤں کا مجموعہ ہے جو ۲۳ بابوں میں مرقوم ہے۔ یہ ژند کی معمولی زبان میں لکھا گیا ہے اور جدید یاسنا سے بہت مُشابہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید یاسنا اور ویسپاراڈ میں زردشتی مذہب کے خاص خاص طریق عبادت بیان کئے گئے ہیں اُن کو پارسیوں کے مجموعہ وید اکے نام سے پکارتے ہیں۔ ذیل میں ویسپراؤ سے کچھ انتخاب کرکے لکھا جاتا ہے۔

کی طرح آن میں لڑیاں پڑ گئی ہیں۔ ایک ہی قسم کی رطوبت زمین سے جذب کرتی ہیں اور اس رطوبت کا ایک ہی مزا ہوتا ہے مگر وہ پوشیدہ قوت جس کا اُن دیکھا نظام مسلّم ہے جڑوں میں پہنچتے ہی رطوبت کو مزے اور رنگ کا نیا جامہ پہنا دیتی ہے اور وہ کبھی تو نبولی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی خوشبودار شیریں آم کی شکل میں نمودار ہوتی ہے کہیں کھٹے بیر اُس کا مزا ترش معلوم دیتا ہے اور کہیں رنگترے میں اُس کی شادابی اور شیرینی ہویدا ہوتی ہے۔

جب دنیا میں انسان پیدا ہوتا ہے اور اسے عقل اور تہذیب کا حصہ ملا تو اس نے اس پوشیدہ قوت اور تصرفات کا علم حاصل کرنا چاہا اور اپنی محدود عقل سے اس کنہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اخیر یہ سربستہ راز مصلحان مخلوق یعنی انبیاء علیہم السلام کے طفیل سے کھلا اور وہ یہ تھا کہ علاوہ اس عالم کے اور بھی ایک عالم ہے اور اُسے عالم علوی یا عالم مجردات کہتے ہیں وہاں لطیف اور پاکیزہ روحیں بستی ہیں اور خداوند تعالیٰ کے تمام نظام میں اُن ہی سے کام لیا جاتا ہے اگر صرف یہی بیان کردیا جاتا اور ان کے ناموں کی تشخیص نہ کی جاتی تو انسان کبھی سمجھ نہ سکتا تھا۔ اس لئے ہر زبان اور ہر محاورہ کے مطابق اُن ساکنان عالم مجرّدات کا ایک نام رکھدیا گیا اور پھر اُن کے کاموں اور عہدوں کی تعیین کردی مثلاً ایک ایسے جوہر بسیط کا نام فرشتہ رکھا جو ہوا اور پانی پر حکومت کرتا ہے۔ اور وہی بادلوں کو چلاتا اور اسی کی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ بادی النظر میں یہ خیال موجودہ خیالات کی رو سے قابل مضحکہ ہوں گے مگر ایک عاقل کی نگاہ میں بشرطیکہ وہ غیر طرفدارانہ فیصلہ کرنا چاہے ہرگز قابل مضحکہ نہیں رہنے کے صرف الفاظ کا تغیر و تبدل ہے ورنہ ایک ہی کل اور ایک ہی قسم کے پُرزے ہیں جو اُسے چلارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی نے اُن سے انکار نہیں کیا اور اپنے مذاق کے مطابق نئی نئی اصطلاحوں اور نئے نئے خطابات سے انہیں یاد کیا۔ مسلمانوں نے نئے نئے ناموں سے اُنہیں نامزد کیا اور فلاسفہ نے اُن کے جُدا جُدا نام مقرر کئے۔

ملائکہ پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اُنہیں ایسا بدیہی طور پر ثابت کریں گے جس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ پڑے گی جب پادری سیل صاحب نے دہریے بن کر اعتراض کیا ہے تو ہم بھی اُنہیں دہریہ ہی رہنے دیں گے اور ہرگز اُنہیں عیسائیت کا جامہ نہ پہنائیں گے اور حالت دہریت میں اُنہیں ساکت کریں گے۔

"ہم اہورامزدا کی عزت و احترام کرتے ہیں جو عالم الغیب ذات ہے۔ ہم سورج کی روشنی کی عزت کرتے ہیں ہم امیشاسپنتا اور سُورج کی تعظیم کرتے ہیں ہم کامل سنتوں کی تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔ ہم صفائی اور پاکیزگی کی روشن اور منور کاموں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ ہم اُن جماعتوں کو محترم سمجھتے ہیں جن کے مجتمع ہونے کا سبب آگ ہوتی ہے۔ ہم مقدس اور مبارک سرسبزی اور ہوشیاری کو باعث فخر جانتے ہیں۔"

ایرانیوں کے خیال میں مثل اہل ہنود کے آگ اور روشنی دونوں پرستش کی مرغوب طبع علامتیں تھیں ہر ایک خاندان کا جُدا جُدا نیچ اور علیحدہ علیحدہ مقدس آگ تھی اس طور پر گھر کے چولھے مقدس اشیا میں سے مقدس قرار پا گئے اور یہ صرف ایرانیوں اور اہل ہند ہی کے ہاں نہیں ہوا بلکہ یونانیوں اور روۃ الکبرے والوں کے ہاں بھی اُن کے ہستیا یا ویستیا تھی جہاں وہ ہمیشہ

ناموں اور اصطلاحوں کے تغیر و تبدل سے ہمیشہ عوام کو شبہ پڑ جاتا ہے اور وہ ایک ہی چیز کو کسی دوسری جنس سے خیال کر کے کچھ کا کچھ سمجھنے اور خیال کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً خدا۔ گاڈ۔ یزداں۔ علت العلل یہ چار الفاظ ہیں اور ان چاروں کا تلفظ الگ الگ ہے مگر غور سے دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ مفہوم چاروں کا ایک ہے اور اس میں کچھ بھی فرق نہیں۔ چاہے ہم خدا کہیں یا فرست کاز یعنی علت العلل کے نام سے پکاریں ایک ہی ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں نظام عالم ہے اور اس کے تصرفات کی ہر جگہہ ریشہ دوانی ہو رہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے تصرفات کی صفات سمجھنے میں غلطی کی ہو اور اپنی محدود عقل کے مطابق بالکل محدود صفات میں انہیں مقید کر دیا ہو مگر ماننا پڑے گا کہ آفتاب کے ایکساں دورے کا محرک اور اس کو ایک حال پر قایم رکھنے والا ضرور کوئی ہے خواہ اُسے ہم لفظ کشش سے یاد کریں یا حکم خدا سے کہیں دونوں کے معنی میں کچھ بھی تفاوت نہیں۔ ستاروں اور سیاروں کی گردش۔ چاند کا گھٹنا بڑہنا کوئی نہیں کہتا کہ خود بخود ہوتا ہے بلکہ اُن کی اُس پوشیدہ قوت کے سب قایل ہیں جو ہمیں نہیں دکھائی دیتی مگر اُن میں ودیعت ضرور ہوئی ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر یہ بیان کرتے ہیں کہ کشش نے اپنے اپنے مقام پر سب کو ٹھیرا رکھا ہے اور اُس کشش میں کچھ بھی فرق آ جائے تو نظام آسمانی دم بھر میں درہم برہم ہو جائے۔ اسی کو دوسری زبان یا اصطلاح میں قوانین قدرت کہتے ہیں اور اسی کو ہم مسلمان مذہبی طور پر حکم باری عزاسمہ سمجھتے ہیں کون اعتراض کر سکتا ہے کہ ہم نے کشش یا قوانین قدرت کے غلط معنی لگائے اور کون دعوی کر سکتا ہے کہ ہمارے ادعا غلط ہیں۔ عام طور پر فرشتوں کے عہدے اور کاموں کے متعین کرنے میں زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا اور جہاں تک بغور دیکھا جاتا ہے سب کا مفہوم یکساں ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب تمام دنیا کا ایک ہی بات پر اتفاق ہے تو وہ بات ضرور صحیح ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے یہودیوں نے ملائکہ کا علم سیکھا اور اُن کے ہر اصول کو قبول کر لیا اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے سوائے تصدیق کے فرشتوں سے خفیف سا بھی انکار نہیں کیا۔ پھر اسلام نے اُن کی صداقت کی پرزور شہادت دی اگرچہ اُن کی آمد و شد اور تصرفات و قوت

آگ روشن رکھتے تھے۔

سوبند او پارسیوں کی سمرتی کے بمنزلہ سمجھنی چاہئے۔ اس میں ۲۲ فرہاد و یا باب ہیں اور یہ گویا قدیم ایرانیوں کا مذہبی تعزیری اور ملکی مکمل قانون ہے جس کو پارسیوں کے علماء یعنی زردشت کی اولاد در اولاد کی متحدہ کوششوں نے تیار کیا تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ علماء نے اُن مقولات اور قواعد کے مطابق اس قانون کو تیار کیا تھا جو اُن کے پیغمبر سے نقل ہوتے چلے آتے تھے وہ قدیم مقولات اور قوانین اوستا کے نام سے مشہور تھے اور اس کی جو کچھ تفسیریں اور شرحیں پارسیوں کے علمائے متاخرین نے کیں وہ زند کے نام سے نامزد ہیں اور پھر زند کی جو شرحیں ہوئیں وہ پازند کہلاتی ہیں اس طرح وبنداد۔ اوستا۔ زند۔ پازند پر منقسم ہے۔ بلاشبہ وبنداد گتھا اور یاسنا قدیم بعد کی کتاب ہے۔ ھادگ نے گتھا کی تاریخ سنہ مسیحی سے ہزار سے بارہ سو سال تک پیشتر۔ وبنداد کی تاریخ ۹۰۰ سے ہزار سال یاسنا جدید کی تاریخ ۸۰۰ سے آٹھ سو برس قبل مسیح

میں اسلام کامل ادیان سابقہ سے اختلاف ہے جسے ہم مفصل طور پر آگے تحریر کریں گے۔ وہ چیزیں جنھیں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سُنتے ہیں ہم اُن کا کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ ہم فرشتوں کو اگرچہ آنکھوں سے نہیں دیکھتے کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتے نہ محدود ہیں بلکہ تمام کائنات میں اُن کا تصرف موجود ہے اور وہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ موجودہ علم طبعیات کے ماہر اس امر کے قایل ہیں کہ ہزاروں اسباب ہیں جن سے نظام کائنات قایم ہے اگرچہ وہ اسباب دکھائی نہیں دیتے۔ بہت غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوت تو ایک ہے جس کے ہاتھ میں نظام کائنات کی ڈوری ہے مگر اس قوت کی وسعت سے ہر جگہ اس کی بہت سی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں اور اسی وجہ سے اسکے نام علیحدہ علیحدہ رکھ لئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک قوت وہ ہے جو سمندر کے بخارات آسمان پر لی جاتی ہے دوسری قوت جدا ہے جو اُنہیں منجمد برف کی صورت میں کر دیتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو ان ہی میں برق و رعد کی آوازیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو پانی کو زمین پر لاتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو کانوں میں جواہرات بناتی ہے۔ دوسری قوت سمندر میں موتی پیدا کرتی ہے۔ ادہر ایک قوت مخلوق کو جسد بے روح بنا رہی ہے۔ اُدہر دوسری قوت انہیں شیریں زندگی عطا کر رہی ہے۔ ایک قوت نے طوفان برق و باد کی ساکنان زمین پر آفت ڈھائی۔ دوسری قوت نے خشک سالی میں صدہا کو ہلاک کر دیا۔ ایک اور قوت کا دورہ ہوا تو اُس نے کھیتوں اور باغوں کو تر و تازہ کر دیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم اپنے محاورہ اور اپنے مذاق کے موافق ان مختلف قوتوں کے نام رکھنے میں کیوں مورد الزام بنائے جاتے ہیں۔ اور بلا وجہ ہم پر کیوں طعن تشنیع کی جاتی ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہروں نے ان قوتوں کے اپنے مذاق اور محاورہ کے موافق نئے نئے نام رکھے۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہوتے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ سب کا مفہوم ایک ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے بعض اوصاف سمجھنے میں بیشک غلطی کی گئی ہے اور ادیانِ سابقہ نے اُن کے

بیان کی ہے۔ دو گانگی کی تعلیم جو ہرمزد اور اہرمان کی صورت میں مسلم مانی گئی ہے وہ وندیداد میں اس کی خوب صراحت موجود ہے۔ اور تجہیز و تکفین کے متعلق نہایت دقیق دقیق ہدایتیں کی گئی ہیں۔ مُردے میں سے خبیث روح "چو انکھے کُتّے" کے ذریعہ سے نکالی جاتی ہے۔ یعنی کُتّے کو مُردہ کے نزدیک لاکے اس کو مُردہ دکھاتے ہیں اور اس امر کو "سگ وید" کہتے ہیں۔ یہ ہمیں طبعی طور پر یاما کے "چو انکھے کُتّے" جو وید میں بیان کئے گئے ہیں اور یونانیوں کا تین سر والا کتا جس کو وہ سعربی رس کہتے اور محافظ دوزخ سمجھتے تھے یاد دلاتا ہے۔ چونکہ پارسیوں کے ہاں اربعہ عناصر یعنی خاک۔ باد۔ آب۔ آتش پاک و مقدس خیال کئے جاتے ہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان سے وہ مُردوں کو دُور ہی رکھتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق اُنہیں پاس نہیں آنے دیتے۔ اور اُنہیں ایسی جگہہ جا کے رکھتے ہیں جہاں مُردار خوار گِدّھ۔ چیلیں۔ کوّے وغیرہ اپنی دعوت سمجھکے اُن کے کھانے کے لئے وہاں موجود رہتے ہیں جب مُردہ یوں کھلا دیا جاتا ہے تو اُس کی ہڈیاں دخمہ یا گنبد خموشی میں ڈال دی جاتی ہیں گتھا میں آیندہ زندگی کا مشرح اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور یہ زند اوستا کے خاص اصول عقاید میں سے گویا ایک اصول ہے۔ ان کے عقیدہ کے موافق دنیائے جاودانی اور دنیائے فانی کے درمیان ایک

اوصاف میں ایسی ایسی باتوں کو ملا دیا ہے جو بدیہی طور پر غلط ثابت ہوئی ہیں اور اُن کی تائید کسی پہلو سے بھی نہیں ہو سکتی مگر اسلام نے اُن کی غلطیوں کی صحت کی اور ایسی صحت کی کہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ اسلام نے ملائکہ پر ایمان لانا اس لئے مذہب کا ایک اصول قرار دے دیا کہ اسلام توحید پرستی کی تعلیم کرتا ہے اور جس طرح کہ اسلام نے توحید کے مسئلہ کو دو قیمتی اور پُر معنی جملوں میں ادا کیا ہے دنیا کے تمام ادیان بھی جمع ہو کے اس کے ہم معنی ویسے ہی مختصر الفاظ نہیں لا سکتے اور ان ہی دو لفظوں کی قیمت کے اندازہ کرنے میں اگرچہ یورپی مصنفوں کو کامیابی ہوئی ہے پھر بھی وہ اس کے اصلی جوہر کو ثابت کرنے میں اِس لئے قاصر رہے کہ ان کے دل پران الفاظ کہنے سے وہ تاثیر نہیں ہوتی جو ان میں ودیعت کی گئی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جس وقت ایک پاک دل مسلمان مکروہات زمانہ سے پاک ہو کے دل کے سچے اور عجیب جوش سے یہ کلمہ پڑھتا ہے اسکے رونگٹے رونگٹے میں توحید کی آگ روشن ہو جاتی ہے اور خون کے ہر ہر قطرہ میں وہ حرارت پیدا ہوتی ہے جسے وہ محسوس تو بخوبی کر سکتا ہے مگر اُس کی اصلیت سے واقف نہیں ہو سکتا نہ اُس کی لذت کا اُسے پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ خدائے واحد کی پرستش عین اسلام ہے اس لئے اُس کی قوتوں اور پھر اُن کے تصرفات پر ایمان لانا بھی ضروری یا لازمی ہوگیا اسلام نے اُن لوگوں کی سخت حقارت کی ہے جو اکثر معاملات کے حدوث کو اتفاقی سمجھتے ہیں۔ یہ اصول اسلام اور علوم جدیدہ دونو کے لحاظ سے غلط ہے۔ اسلام کا تو یہ منشا ہے کہ بغیر خدا کے حکم کے کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ ایک ذرہ بھی

پُل ہے جس کو وہ چنوت پرتیتر کہتے ہیں۔ صرف نیک آدمیوں کی روح اس پر سے صحیح و سالم گزر سکتی ہے اور برخلاف اسکے بدروحیں اس پر سے گر کے دوزخ میں جا پڑتی ہیں۔ موت کے بعد نیک آدمی کی روح اپنی لاش کے سر کے قریب رہ کر تین رات تک وہ لطف و مسرت اُٹھاتی ہے کہ جو تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور وہاں سے گزر کے وہ ایک سب سے زیادہ پُر رونق طبقہ میں پہنچتی ہے اور وہاں اُس کی ملاقات اس کے ایمان سے ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کی صورت میں ہوتی ہے اور وہ نوعمر نازنین اُس کے سامنے اُس کے تمام نیک افعال دوہراتی ہے اور پھر اُس کو ھومیستی۔ ھوراستی۔ اور ھوختی یعنی عمدہ خیال۔ نیک کام احسن کلام کی بہشتوں میں لے جاتی ہے جہاں غیر متناہی اور دائمی روشنی موجود ہے۔ بخلاف اس کے بد آدمی مرنے کے بعد تین رات تک اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھاتا ہے جس قدر تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور بعد ازاں ایک نہایت ناپاک اور غلیظ طبقہ میں ہو کے وہ بُرے بُرے خیالات۔ بد کلام۔ زشت کار دوزخوں میں لایا جاتا ہے جہاں لامتناہی رات اور دائمی ظلمت چھائی رہتی ہے۔ پارسیوں میں جنت کو گاردیوا تا اور اھود ھشتا کہتے ہیں جس سے لفظ بہشت نکالا گیا ہے جہنم کو ان کے ہاں ڈیہی یوویمانا اور دوڈ ہنا کہتے ہیں جس سے حال کا لفظ دوزخ نکلا ہے۔ معاد بھی زندا وستا کے عقاید اور اصول میں سے خیال کی جاتی ہے۔ اہورامزدا کے حکم سے قیامت کے دن پیغمبر سوس یوش ظاہر ہوگا

جنبش نہیں کھاتا۔ موجودہ فلسفہ کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی دونو کا مفہوم ایک ہے صرف لفظ حکم اور سبب کی دو صورتیں ہیں جو بظاہر غیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر اس شخص کو نادان سمجھتے ہیں جو ان کے بدیہی اور مسلمہ اصول پر ایمان نہ رکھے اور اُن کے اصول وہی ہیں جو علم طبعیات نے قایم کیئے ہیں مثلاً ہر قسم کے حدوث کے لئے انہوں نے اسباب مقرر کیئے ہیں اور ان ہی اسباب پر ان کا یقین اور ایمان ہے۔ اسی طرح اسلام نے بھی ان اسباب کو پہچانا جن کا تصرف بہت کچھ نظام عالم میں ہے اور بغیر ان کے ایک لمحہ بھی نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا اور اپنے معتقدین کو جتا دیا کہ ان پر یقین رکھنا اور ایمان لانا اسلام کی نشانی ہے اور وہ کافر ہیں جو ان کھلی نشانیوں سے کار کریں اور یہ کہیں کہ ہر شے آپسے آپ ہو جاتی ہے محرک کوئی نہیں۔ اس میں کچھ اعتراض اسلام پر نہیں ہو سکتا۔ نہ ملائکہ پر کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ اُن پر کیوں ایمان رکھنا چاہئیے۔ یہ درحقیقت خدا کی لازوال قوتیں ہیں جن کے تصرفات کی ریشہ دوانی نباتات۔ معدنیات۔ اور حیوانات سے لگا کے کائنات کے کُل سیاروں میں ہو رہی ہے اگرچہ وہ خود ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے مگر اُس کا اثر عینی اور بدیہی ہے اور اس سے کوئی بھی منکر نہیں۔ بڑی بات اسلام میں دیکھنے کی یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے اسلام ملائکہ کو کس طرح مانتا ہے اور اُن کی صفات کا کیونکر قایل ہے اور دنیا میں اُس کی آمد و شد پر کیا خیال رکھتا ہے۔ یہ بحث نہایت ادق اور

اور تمام مردوں کو تازہ حیات بخش کے اُن کا فیصلہ کرے گا۔ بدی اور بُرائی کی طاقت تمام و کمال ضائع کر دی جائے گی۔ اور پھر مالک حقیقی کو فیصلہ اور انصاف کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔ اہرمان اور اُس کے جاں نثار ہمیشہ کے لئے نابود کر دیئے جائیں گے اور صرف اہورامزدا اور اُس کی اولاد دائمی خوشی اور لازوال مسرت میں بسر کریں گے۔ فقط

یہ اصول اور عقاید ہیں جو ہم نے پارسیوں کی مذہبی کتب سے انتخاب کیئے۔ ایک مبصر اس سے اندازہ کر سکتا ہے کہ پیچیدگی ہر معاملہ میں بہت ہے۔ توحید جو اسلام نے سکھائی اُس کا شمہ برابر بھی نہیں ادا کیا گیا۔ دوزخ اور جنت کے بارے میں بھی بہت سا اختلاف ہے اور فرشتوں کا عقیدہ بھی اسلام سے بالکل مختلف ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ سچّی باتیں قریب قریب ہر قوم اور فرقہ کی یکساں ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ فلاں فریق نے فلاں فریق سے سیکھا۔ ملائکہ یا جنت و دوزخ یا شیطان کا خیال کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ فلاں قوم نے فلاں قوم سے لیا۔ اندازہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں یہ جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچانے۔ اور اُس کی لازوال قوتوں کے نئے نئے نام رکھکے اُن کی تعظیم کرے۔ مخالفانہ نکتہ چینیاں کرنی اور زبردستی ایک مخالف فریق کو مورد الزام ٹھیرانا عُقلا، اور انصاف پسند طبایع سے بعید ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ہو حتّٰی کہ مذہب تدتہر بھی خدا اور اُس کی لازوال قوتوں کے تصرفات کو مانتا ہے۔ اگرچہ اُس نے اپنی عقل کے مطابق صفات قایم کرنے میں غلطی کی۔ اِس عالم میں تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ چاہے اُس کا اعتراف کسی صورت اور کسی رنگ کا ہو ●

دلچسپ ہے جسے بغور پڑھنا چاہئے۔ یہودی۔ زردشتی۔ عیسائی اس بات کے قایل ہیں کہ فرشتے مجسم ہو کے زمین پر اُترتے ہیں اور ہر نئی صورت میں حلول کر کے خدا کے احکام مُنہ بمُنہ سُناتے اور باتیں کرتے ہیں۔ اور اُن کی گفتگو سُنی جاتی اور اُنھیں جواب دیا جاتا ہے۔ یہ خیالات اگرچہ گزشتہ زمانہ میں خواہ کسی قدر پسندیدہ ہوں مگر موجودہ زمانہ میں قابل مضحکہ ہیں۔ ایک جوہر بسیط جو سراسر نور ہی نور ہو وہ کیوں کر ایک جسم خاکی میں ایک غیر معمولی وسعت کے ساتھ حلول کر سکتا ہے اور جسم میں آنے کے بعد اُس کی نورانی کیفیت کیونکر بحال رہ سکتی ہے۔ یہ باتیں اور خیالات ہیں جو اُس وقت وقعت کی نظر سے نہیں دیکھے جا سکتے اور عقلمند سے لگا کے کم عقل تک انصافاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حق ہے۔

اسلام نے اس خیال کی زبردست اصلاح کی اور قرآن نے صاف گواہی دی کہ نزول ملائکہ سے یہ غرض نہیں ہے کہ وہ آسمان سے زمین پر انسان کی صورت میں درحقیقت اُترتے ہوں بلکہ جہاں اُن کا قیام خداوند تعالیٰ نے مقرر کیا ہے وہ وہاں سے جنبش نہیں کھا سکتے۔ ہاں ان کے ذریعہ سے پیغمبروں کے دل پر وحی باری تعالیٰ القا ہوتی ہے۔ ہمارے علمائے سابقین میں ہم مانتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت جبرئیل آ... سے درحقیقت نازل ہوتے تھے یا اُن کا تصرف تھا۔ جہاں تک ہم نے اس اختلافی مسئلہ پر غور کی ہیں کثرت رائے نہایت مضبوطی سے اسی طرف معلوم ہوئی کہ حضرت جبرئیل یا اور ملائکہ ہر گز اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھا سکتے بلکہ اُن کا تصرف تھا اور آنحضرت کو وہ القا کرتے رہتے۔

ہم بطور خود علماء کی اختلافی آرائے کو علیحدہ رکھ کے خود اس پر بحث کرتے ہیں اور قرآن مجید کو سب سے زیادہ حَکَم ٹھیراتے ہیں اگرچہ اپنی تائید میں صحیح احادیث اور بعض نامی گرامی علماء کے اقوال بھی نقل کریں گے۔

عام طور پر جو یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ فرشتے خاص اوقات میں نازل ہوتے تھے اور اُن کا اثر اسی وقت تک رہتا تھا یہ ایک بودا خیال ہے اور قرآن مجید واحادیث صحیحہ سے کبھی مطابقت نہیں کھاتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ اپنے نیک بندوں کی روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام سے تائید کرتا ہوں۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تائید جو خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روح القدس سے کی گئی اس تائید سے جو آپ کی امت کے متقی لوگوں کی کی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیل اپنے ظلی وجود سے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جس کے تمثل کی اُنھیں طاقت دی گئی تھی جیسا کہ دحیہ کلبی کی شکل پر حضرت جبرئیل متمثل ہو کے ظاہر ہوتے تھے مگر امتیوں کے لئے یہ بات نہیں رکھی گئی کہ خدا کا فرشتہ اپنے ظلی وجود سے نازل ہو اور اُن سے باتیں کرے بلکہ جس طرح خدا اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے اُس کی یہ صورت ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے "یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویجعل لکم نورا تمشون بہ" یعنے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہو تو خدائے تعالیٰ تمہیں وہ چیز عطا کرے گا (یعنی روح القدس) جس کے ساتھ تم غیروں سے امتیاز کلی پیدا کر لو گے۔ اور تمہارے لئے ایک نور مقرر کر دے گا (یعنی روح القدس) جو تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اس سے ایک دائمی تائید روح القدس کی معلوم ہوتی

اور خدائے ذوالجلال وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم متقی رہے اور تم نے نیک کام کئے تو تمہیں ایک ایسا نور یعنی روح القدس عطا کرے گا جس سے تمہیں امتیاز کلی دوسروں میں ہو جائے گا اور اس کی رفاقت تمہارے ساتھ دائمی ہوگی۔
پھر خداوند تعالی سورۃ المجادلہ میں فرماتا ہے "اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ" یعنی اُن مومنوں کے دلوں میں خدائے تعالی نے ایمان لکھدیا اور روح القدس سے اُن کو مدد دی۔ روح القدس کی تائید کی تشریح کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے صرف اسی قدر بتادینا کافی ہے کہ روحانی قوتوں کے وہ بدیہی اثرات جو ہمیشہ قدم بقدم اُن کے ساتھ رہتے ہیں جنہوں نے خدا کی مرضی پر اپنے کام کو چلایا یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی نہیں کی اس وقت روح القدس ان کی تائید کرتی ہے اور اس کا تائید کرنا مسلم ہے۔ یہ ایک خاص نعمت ہے جو خدائے تعالی اپنے بندوں کو مرحمت فرماتا ہے جو قوانین قدرت کی کسی حالت میں بھی خلاف ورزی نہیں کرتے اور اپنی زندگی کا دارومدار اسی پر سمجھتے ہیں۔ یہی بہت بڑی تائید ہے کہ روح القدس کے ذریعہ سے ہمیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ نئی زندگی کو ہم ایمان سمجھتے ہیں اور فلسفی تمدنی یا معاشری حالت کو جانتے ہیں۔
قرآن مجید میں روحانی زندگی کا ذکر اس کثرت سے آیا ہے کہ تقریباً تمام قرآن مجید اسی سے مملو ہے۔ اور وہ روحانی زندگی یہی ہے کہ ہم ایماندار بنیں اور خدائے واحد ومطلق پر یقین رکھیں اپنی زندگی اپنے کاموں کا دارومدار اسی کی مرضی پر موقوف رکھیں۔ ہمارے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بارہا یہی دعا دی ہے کہ خدا تمہاری روح القدس سے تائید کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوئی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد فکان ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اید حسان بروح القدس کما نافح عن نبیک" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتا تھا اور اُن کی ہجو کا مدح کے ساتھ جواب دیتا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کے حق میں دعا کی اور فرمایا یا الٰہی حسان کی روح القدس کے ساتھ مدد کر۔" اس حدیث شریف سے سوائے اس کے اور کچھ مستنبط نہیں ہوتا کہ جبرئیل کی مدد ہر پاک دل مومن کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے اور وہ مدد جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوتی ہے۔ خود آنحضرت نے درگاہ رب العرش میں روح القدس کی تائید کے لئے اپنے صحابہ کے واسطے دعا مانگی۔ کون کہسکتا ہے کہ روح القدس یعنی جبرئیل کی خصوصیت صرف پیغمبروں کے ساتھ تھی اور دوسرے اس سے محروم کئے گئے ہیں۔ ایک کامل نور اور تمام کائنات پر پھیلا ہوا نور چند ذاتوں کے لئے مخصوص نہیں ہوسکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس کی تائید اور مدد کے پہلو مدارج کے لحاظ سے مختلف ہوں مثلاً انبیا علیہم السلام کے ساتھ روح القدس کی تائید ظلی وجود کے ساتھ ہو اور خدا کے برگزیدہ بندوں سے بذریعہ القا کے اُس کی تائید تسلیم کی جاسکتی ہے اگرچہ روح القدس کے ذریعہ سے لقا خود سرور دوجہاں حضرت رسالت مآب کو ہوا کرتا تھا حضرت جبرئیل یا روح القدس کا مدد کے لئے ساتھ ہونا ایک صحیح حدیث میں مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں جن میں جبرئیل کی ہمراہی غیبی کے ساتھ بیان ہوئی ہے "اھجھم

وجبرائیل معک" یعنی اے حسان کفار کی بدگوئی کا بدگوئی کے ساتھ جواب دے اور جبریل تیرے ساتھ ہے بڑی بات جو اسلام نے صاف کی ہے وہ ملائکہ کی آمد و شد کے متعلق ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اسلام نے ان قدیم عقاید میں جو فرشتوں کی بابت تمام گزشتہ اقوام میں پھیلے ہوئے تھے بہت بڑی اصلاح کی ہے اور صاف بتایا کہ فرشتوں کا اپنے نوری اجسام کے ساتھ کسی جسم خاکی میں حلول کرنا اور پھر آسمان سے اُترنا محض قیاسی امور ہیں جنہیں صدق سے کوئی تعلق نہیں۔ ملائکہ یا خدائے رب العرش کی لازوال قوتیں کبھی نہ محدود ہو سکتی ہیں اور نہ مجسم ہو سکتی ہیں اُن کا تصرف تمام کائنات پر پھیلا ہوا ہے اور اُن کے کام بہت بڑے اور اہم ہیں اگر فرائض کی انجام دہی میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی ہو تو نظام کائنات آناً فاناً میں درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا کی لازوال قوتوں کا ہر مقام پر اور ہر جگہہ تصرف موجود ہے اس لئے اس یقین کرنے میں ہمیں کونسی بات مانع آسکتی ہے کہ حضرت جبرئیل ہر لحظہ اور ہر وقت نہ صرف اس عالم میں بلکہ کُل کائنات پر محیط ہوں اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ روح القدس کا سب عالم پر محیط ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ ہمارے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت جبرئیل وحی لیکے زمین پر اُترتے تھے اور پھر آسمان پر چلے جاتے تھے مگر افسوس ہے کہ ہم اس خیال کے سوید نہیں بن سکتے۔ خود قرآن مجید اور صحیح حدیثیں ہمیں اس خیال کی منافی معلوم ہوتی ہیں مثلاً "ایدھم بروح منہ" صاف طور پر ان ربانی الفاظ سے پایا جاتا ہے کہ روح القدس ہر وقت مومنوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسی طرح اس روایت کی تفسیر میں" وایدناہ بروح القدس" تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ روح القدس ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام سے جُدا نہیں ہوتی تھی اور جب تک وہ دنیا پر رہے ایک لمحہ بھی روح القدس سے اُن کی مفارقت نہ ہوئی۔ معالم۔ اور ابن کثیر اور مظہری وغیرہ تفسیروں میں یہی لکھتی ہیں سوح القدس کا دم بھر علیحدہ ہو کے آسمان پر نہ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا تصرف دم بھر کے لئے ایک جگہہ کم یا بڑھتی نہیں ہو سکتا۔ یا یہ ممکن نہیں کہ جبرئیل آسمان پر چلے گئے تو زمین خالی ہو گئی اور زمین پر چلے آئے تو آسمان خالی ہو گیا۔ اس سے ایک اور بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ آسمان سے وحی لیکے کون آتا تھا جب جبریل ہر وقت حضرت عیسٰے کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کُل پہلوؤں پر غور کرنے سے یہی پایا جاتا ہے کہ ہر نیک مخلوق کے ساتھ ہمیشہ روح القدس رہتی ہے۔ اور اُس سے وہ ایک لمحہ بھی جُدا نہیں ہوتی۔ روح القدس کے ذریعہ سے تمام نیک کام ہوتے ہیں۔ اور اسی روح القدس کے ذریعہ سے انبیا علیہم السلام کو وحی القا ہوتی ہے۔ اس امر کی تائید میں کہ نزول وحی کے وقت حضرت جبرئیل یا روح القدس اپنی جگہہ ہوتی ہے وہاں سے ایک انچہ بھی حرکت نہیں کر سکتی۔ ابن جریر اور ابن کثیر نے یہ حدیث نقل کی ہے عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد اللہ تبارک وتعالی ان یوحی بامرہ تکلم بالوحی فاذا تکلم اخذت السموات منہ رجفۃ اوقال رعدۃ شدیدۃ من خوف اللہ تعالی واذا سمع بذلک اھل السموات صعقوا وخرّوا للہ سجدا فیکون اول من یرفع رأسہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام فکلمہ اللہ من وحیہ بما اراد فیمضی بہ جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام علی الملائکۃ کلما مر بسماء الی سماء یسئلہ ملائکتہا ماذا

قال ربنا یا جبرائیل فیقول علیہ السلام قال الحق وھو العلی الکبیر فیقولون کلھم مثل ما قال جبرائیل فینتھی جبرائیل بالوحی الی حیث امرہ اللہ تعالیٰ من السماء والارض" یعنی نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت خدائے تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ کوئی امر وحی اپنی طرف سے نازل کرے تو بطور وحی متکلم ہوتا ہے اور اس محجوب المفہوم کلام سے ایک لرزہ آسمان پر پڑجاتا ہے جس سے وہ ہولناک کلام تمام آسمان میں ساری ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا کہ اُسکے کیا معنی ہیں۔ اور خوفِ الٰہی سے ہر ایک فرشتہ کانپنے لگتا ہے کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے اور اس ہولناک آواز کو سُنکر ہر فرشتہ پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سجدہ میں گر جاتے ہیں پھر سب سے پہلے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ سے سر اُٹھاتے ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ اس وحی کی تمام تفصیلات اُنہیں سمجھا دیتا اور اپنی مراد اور منشاء سے مطلع کر دیتا ہے۔ پھر جبرائیل اُس وحی کو لیکے فرشتوں کے پاس جاتے ہیں جو مختلف آسمانوں میں ہیں اور ہر ایک فرشتہ اُن سے دریافت کرتا ہے کہ یہ ہولناک آواز کیسی تھی اور اس سے کیا مُراد تھی۔ اس وقت جبرائیل اُنہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک امرِ حق ہے اور خدا تعالیٰ بلند اور نہایت بزرگ ہے یعنی یہ وحی اُن حقایق میں سے ہے جنکا ذکر کرنا اُس العلی الکبیر نے قرینِ مصلحت سمجھا ہے پھر وہ سب اُن کے ہمکلام ہو جاتے ہیں پھر جبرائیل اُس وحی کو اس جگہہ پہنچا دیتے ہیں جس جگہہ پہنچانے کے لئے اُنہیں حکم ہوا تھا۔"

اِس حدیث شریف سے جو کچھ ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں یہ ہے کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے وحی پیغمبروں کو القا ہوتی تھی۔ کوئی لفظ اس حدیث شریف کا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جبرائیل مجسّم ہو کے زمین پر اترتے تھے تمام آسمانوں میں ملائکہ کو مطلع کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ آناً فاناً میں وہیں بیٹھے بیٹھے اسی طرح کلامِ خدا بھی پیغمبروں کو پہنچا دیتے تھے۔ ساتھ ہی ایک بڑی بات جو اس حدیث شریف سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا کی قوت اور اُس کا تصرف تمام کائنات پر یکساں پھیلا ہوا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی قوت کے زنجیر سے بندھا ہوا ہے اس لیئے ایک ہی ہٹیس اور ایک ہی حرکت اُنہیں جنبش میں لے آتی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ روح القدس جس کی تائید تمام کائنات اور تمام کُرّوں کی مخلوق کے لیئے لازمۂ قوانین قدرت ہے کیونکر ایک تنگ و تاریک جسم خاکی کی صورت میں آکے برسوں ایک ہی مقام پر گزار دے گی۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کے لئے دلیل و حجت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی مثال بعینہ اُس ہوا کی سی ہے جس نے اس کرۂ زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور ہوا چاروں طرف سے سمٹ کے تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوتی تھی اور پھر اپنی جگہہ چلی جاتی تھی۔ یہ خیال نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ اس قابل بھی نہیں کہ انسان اُسے مُنہ سے نکالے۔ اسی طرح روح القدس یا حضرت جبرئیل کا ایک ہی جگہ جمع ہو جانا اور ایک ہی ذات واحد کے ساتھ برسوں تک رہنا قرینِ عقل نہیں ہے۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر پیغمبر کے پاس حضرت جبرئیل وحی لیکے آیا جایا کرتے تھے تو پھر یہ حدیث کیونکر صحیح ہوئی کہ حضرت جبرئیل اخیر دم تک حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہے اور ان سے دم بھر جدا نہیں ہوئے۔ ان سب امور پر غور کرنے کے بعد

جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل یا روح القدس باری تعالیٰ کی قوت کے اُس تصرف کا نام ہے جو تمام کائنات پر محیط ہے اور جس کا اثر ایک لحظہ بھی نکل کر ہوں اور اُن کی مخلوق سے جُدا نہیں ہوسکتا۔ اپنے نبی معصوم و برحق کی نسبت ہمارا یقین اور ایمان یہ ہے کہ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ ہر وقت حضرت جبرائیل رہے یعنی روح القدس نے ایک لحظہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی وہ ذریعہ تھا جس سے آپ میں وحی القاہوتی تھی اور وہی ذریعہ تھا جس نے آپ کو انبیا میں امتیازیہ مرتبہ دیا۔ ہم بہت زور سے کہتے ہیں اور اسی کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں کہ کبھی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے شیطان نے مسّ نہیں کیا۔ جیسا کہ بعض مسلمان غلط فہمی سے خیال کرتے ہیں آپ پر خدا کا ہاتھ تھا روح القدس یا حضرت جبرائیل ابتدائے زمانہ سے کہ آپ شکم مادر سے دنیا میں تشریف لائے ہم صحبت اور جلیس رہے اور ایک لمحہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں ہمارے دعوے کی تائید اور صاف الفاظ میں موجود ہے" **وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحی**"۔ خود صحابہ کا آنحضرت کی نسبت یہ صحیح یقین تھا کہ روح القدس کبھی آپ سے جُدا نہوتی تھی اور یقین تھا کہ حضرت رسالت مآب کا کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس کی تائید میں ہم یہ حدیث نقل کرتے ہیں جسے امام احمد حنبل واسطوں سے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا جو کچھ میں آنحضرت سے سنتا لکھ لیتا تھا تاکہ میں اُسے حفظ کرلوں اس پر بعض لوگوں نے مجھے منع کیا کہ ایسا مت کیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں کبھی غضب سے بھی کلام کرتے ہیں تو میں یہ بات سُن کے لکھنے سے دستکش ہوگیا اور اس بات کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اُس ذات کی مجھے قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ جو مجھ سے صادر ہوتا ہے خواہ قول یا فعل وہ سب خدا کی طرف سے ہے"۔ یہ حدیث تو صاف صاف الفاظ میں ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہے کہ روح القدس یا جبرائیل ایک لمحہ بھی آپ سے جُدا نہوتے تھے اور جو کچھ آپ فرماتے جو کچھ آپ کرتے ہرگز آمیزش وحی سے خالی نہیں تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اسی بحث کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں "ملائکہ وحی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دائمی رفیق اور قرین ہیں چنانچہ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں یہ لکھا ہے کہ ابتدائے بلوغ سے تین برس برابر حضرت اسرافیل ملازم صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہے اور پھر حضرت جبرائیل دائمی رفاقت کے لئے آئے۔ پھر صاحب سفر السعادت یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات برس کے تھے جب اسرافیل کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے حکم ہوا کہ حضرت رسالت مآب کے ملازم خدمت رہیں پس اسرافیل ہر وقت اور ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ گیارہ برس تک یہی کیفیت رہی مگر اسرافیل بجز کلمہ دو کلمہ کے کوئی بات وحی کے طور پر آنحضرت کے دل میں نہیں ڈالتے تھے۔ اسی طرح میکائیل بھی آنحضرت کے قرین رہے پھر سب کے بعد حضرت جبرائیل کو حکم ہوا اور وہ پورے انتیس برس قبل از وحی ہر وقت قرین و مصاحب نبی اکرم کے رہے پھر اس کے بعد وحی نبوت شروع ہوئی"۔

اس روایت سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپ کی ہمقرین بن گئی اور وفات تک آپ کی خدمت میں حاضر رہی۔ فرشتوں کی تبدیلی اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے روح القدس کی تائید ترقی کرتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہاں تک ہوگیا کہ روح القدس آپ کی جزو ذات ہوگئی مگر ثابت ہوتی ہے روح القدس کی دائمی رفاقت جس پر اب خفیف سا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا مذہب ہے اور اس پر ایمان ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپ کی خدمت میں رہنے لگی اور جوں جوں سن شریف بڑھتا گیا روح القدس کا نور زیادہ ہوتا گیا اور پھر روح القدس چالیسویں برس آپ کی ذات اطہر و اقدس کے ساتھ ایسی شیر و شکر ہوگئی کہ دوئی جاتی رہی اور اُس کے ذریعہ سے کلام خدا کا القا ہونے لگا۔ اے انبیا کے سرتاج تیری ہی ذات کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ تیرا کوئی فعل کوئی کلام کبھی بغیر روح القدس یا وحی کے نہیں سُنا گیا۔ تیرا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا۔ وحی کی آمیزش سے خالی نہ تھا۔ تو برگزیدہ ہے اور خدا نے تیرے ہی ذریعہ سے اپنے کلام کی دنیا میں منادی کرائی۔ اُن کی سخت گستاخی اور خیرہ چشمی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان نے تیرے مقدس اور مبارک جسم کو مَس کیا۔ اِدھر تو شکم مادر سے باہر آیا کہ روح القدس نے تجھے اپنے آغوش میں لیلیا۔ اور تیری پرورش نورانی معاشرت سے کی وہاں شیطان کا گزر ممکن نہیں۔ اگر شیطان نے اور نبیوں کو بہکایا تو بہکانے دے۔ اگر شیطان نے چالیس دن تک حضرت مسیح کی آزمایش کی تو بلا سے مگر اے خاتم النبیین تیری ذات سب سے اعلےٰ اور افضل ہے کہ تیرے قریب سے گُزرنے کا بھی خیال شیطان کو کبھی نہیں آیا۔ اے سرچشمۂ نور ہدایت تیرا فضل بہت بڑا ہے حقیقت میں تو روح القدس کی گود کا پرورش پایا ہوا ہے تیرے دین کا جلال ابد تک قایم رہے۔

ہم جب حضرت جبرائیل یا روح القدس کے جسم خاکی میں حلول کرنے اور تنگ و تاریک پُتلے کی صورت بنے کے قایل نہیں ہیں اسی طرح ہم ان ربانی قوتوں کا کوئی جائے قرار بھی تعین نہیں کر سکتے۔ ہم اُنہیں تو تمام آسمانوں۔ سیاروں اور ستاروں بلکہ تمام کُرہوں پر محیط تسلیم کرتے ہیں اور اُن کی اسی صفت سے ہم اپنے رب الافواج کی پوری بزرگی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ خیال اب کسی طرح بھی درست نہیں رہا کہ جس طرح زردشتی اور یہودی فرشتوں کے قایل ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہیں۔ ہماری تحریر بالا سے پادری سیل صاحب اور اُن کے ہمخیال لوگوں کو یہ تو ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسلام فرشتوں کو اُسی صورت سے مانتا ہے کہ نہ اُس کے منافی سائنس کوئی حجت پیش کر سکتا ہے نہ **نیوٹن۔ مل** اور **ڈارون** کے اصول مسلمہ کے خلاف پڑتا ہے۔ ہاں زردشتی۔ یہودی۔ عیسائی۔ جس صورت سے کہ ملائکہ اور اُن کی آمد و رفت اور افعال کے قایل ہیں وہ قابل مضحکہ ضرور ہے۔ اور اس سے پتہ نہیں چلتا کہ ان مذہبوں نے فرشتوں کو سمجھا ہی کیا ہے اور اُنہیں کس نوعیت کا مانا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جبرائیل کے نازل ہونے اور دحیہ کلبی کی صورت میں اکثر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے پر ایک معقول اور دلچسپ بحث کی ہے جس سے عیسائی اور اُن کے معترض علما یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نزول ملائکہ کا کس طرح قایل ہے چنانچہ مولانا صاحب ممدوح مدارج النبوۃ

میں یہ تحریر فرماتے ہیں "نزول جبرائیل جو بعض اوقات دحیہ کلبی یا کسی اور انسان کی صورت میں ہوتا تھا زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور اہل نظر کو اس میں سخت مشکل یہ پڑتی ہے کہ اگر درحقیقت جبرائیل علیہ السلام ایک نیا جسم دحیہ کلبی کے جسم کے مشابہ حاصل کر کے اس میں اپنی روح داخل کر لیتے تھے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کا اصلی جسم جس کے تین سو بازو بیان ہوئے ہیں کس حالت میں ہوتا تھا کیا وہ جسد بے روح کی طرح پڑا رہتا تھا اور حضرت جبرئیل فوت ہو کے پھر بطریق تناسخ دوسرے جسم میں آجاتے تھے" اس کے بعد ہمارے مولانا ممدوح یہ تحریر فرماتے ہیں "اہل تحقیق اسے تمثلی نزول سمجھتے ہیں نہ حقیقی نزول جس سے ایک جسم کو چھوڑنا اور دوسرے جسم میں داخل ہونا لازم آئے اصل بات یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے ذہن میں جو دحیہ کلبی کی صورت علیہ تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی قوت کاملہ اور ارادت شاملہ کے زور سے اس صورت پر اپنے وجود کا اضافہ اپنی کل صفتوں کے ساتھ کر کے تمثل کے طور پر اس میں اپنے کو ظاہر کر دیتے تھے۔ یعنی بطور تمثل دحیہ کلبی کی صورت میں اپنے کو دکھاتے تھے اور صورت علیہ کو اپنی صفات سے متلبس کر کے نبی معصوم و برحق پر متمثلاً ظاہر کر دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ جبرائیل آپ اپنے وجود کے ساتھ آسمان سے اترتے تھے بلکہ حضرت جبرائیل آسمان پر اپنے مقام پر ثابت قایم رہتے تھے اور یہ جبرائیل اس حقیقی جبرائیل کی ایک مثال تھی یعنی اس کا ایک ظل تھا عین نہیں تھا کیونکہ عین جبرائیل تو وہ ہے جو اپنی صفات خاصہ کے ساتھ آسمان پر موجود ہے اور اس کی حقیقت اور شان الگ ہے" یہاں مولانا صاحب کی رائے ختم ہو گئی۔

اس تحریر بالا سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نزول ملائکہ تمثلی ہوا کرتا ہے نہ حقیقی۔ یہی بہت بڑا فرق ہے جو ادیان سابقہ اور اسلام میں ہے ہم اسی لیئے اسلام کو کامل دین کہتے ہیں کہ اس نے کسی مسئلہ کو الجھاؤ میں نہیں ڈال رکھا اور ہر بات کو اس طرح صاف کر کے دکھا دیا کہ پھر اس میں چون وچرا کی جگہہ باقی نہ رہی۔ ہم نے صرف دو باتیں بیان کی ہیں اور وہ دونوں باتیں گو بظاہر نئی معلوم ہوں گی مگر درحقیقت وہی باتیں ہیں جنھیں ہمارے بہت سے علما تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے مسلمہ مسئلہ کی شہرت نہ ہوئی ہوا اور وہ گوشۂ فراموشی میں پڑا ہوا ہو۔ پہلی بات جو ہم نے بیان کی یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا روح القدس دائمی طور پر ہمارے نبی معصوم و برحق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ نزول جبرائیل تمثلی صورت میں ہوتا تھا۔

اس اصول کو ماننے کے بعد ہم موجودہ سائنس ہی سے نہیں بلکہ خود دہریے معترضوں کے مقابلہ میں یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ اسلام کا اعتقاد ملائکہ اور تصرفات پر وہی ہے جو ایک عاقل شخص کا بمقتضاے قانون قدرت ہونا چاہیئے اور وہ کسی حالت میں اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہم اس خیال کے بالکل مخالف ہیں کہ فرشتوں کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے اور خود انسان ہی میں ایسی قوت ہے جسے ملک کہتے ہیں۔ یہ خیال یا اس قسم کی رائے بلاشک بغیر سمجھے سوچے قایم کی گئی ہو اور اس قسم کے خیالات سے اس قادر مطلق کی اعلیٰ اور برترین عظمت کی سخت توہین ہوتی ہے جس نے علم ہیئت کی الف۔ بے۔ تے بھی پڑھی ہے وہ اس امر کو جانتا ہے کہ اس آسمان میں جو

ہمارے سر پر ہے اور جو ہر گھڑی نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے ۔ لاکھوں ستارے ایسے ہیں جو مثل ہمارے آفتاب کے
بجائے خود روشن ہیں اور ہماری زمین ہی سے نہیں بلکہ خود ہمارے آفتاب سے بھی ہزاروں مرتبہ بڑے ہیں۔
اور اتنی دور ہیں کہ اُن کی روشنی ہم تک صدہا برس ہی میں نہیں بلکہ ہزاروں برس میں آکے پہنچتی ہے یہ عقل میں
آتا ہے کہ اتنے عظیم کرّوں کو خداے قادر مطلق نے بنجر اور غیر آباد بنایا ہو اور اُنہیں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑا
ہو نہیں وہاں بھی مخلوق آباد ہے اور اُن میں مثل ہمارے تمدن کے تمدن موجود ہے اُن کی بھی سلطنتیں قایم
ہیں اور اُن کے ہاں بھی ضوابط اور قوانین کی پابندی ہے ۔ یہ ساری باتیں ہونی لازمی ہیں اور اُن کے انتظام
جس قوت یا اُس کے غیر متناہی تصرفات سے کئے جاتے ہیں اُنکی حقیقت دریافت کرنا اور اُن کی کنہ تک پہنچنا
ناممکن ہے جبکہ ہمیں خود اُس زمین کے جس پر ہم رہتے ہیں بہت سے حالات دریافت کرنے ہیں اور ابھی بہت
سی باتوں کی تحقیق باقی ہے ۔ اس کے سوا ہم نے ابھی تک چاند اور سورج کی اُس حقیقت کو نہیں پہچانا جس پر
سب کا اتفاق ہو اور کوئی اختلاف باقی نہ رہے ۔ پھر یہ کتنی بودی اور نادرست بات ہوگی کہ ہم یک لخت ان عجوبہ
اور زبردست قوتوں کا انکار کردیں جن سے ان ستاروں یا کرّوں کا یہ کُل نظام قایم ہے ۔ اور جو بات ہماری سمجھ میں
نہ آئے اسے یہ کہدیں کہ اس کا وقوع ناممکن ہے ۔ یہ امر خلاف عقل اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے ۔ ہم جہاں وجود ملائکہ
کا انکار نہیں کرتے وہاں اُن کی حالت اور اُن کی آمد و شد میں اور مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسی بنا پر
ہم قرآن پاک کو کلام خدا کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خلاف عقل نہیں ہے ۔ ناسمجھی کا ذکر نہیں ہاں
سمجھ اور بغیر طرفدارانہ حالت میں دیکھو گے تو ایک واقعہ بھی قرآن کا غلط اور ناممکن نہ معلوم ہوگا۔

ابلیس اور جنات

ابلیس اور جنات کا عقیدہ بھی تمام دنیا کی قوموں میں یکساں چلا آتا ہے اور اس سنہ ۱۹ء صدی میں جبکہ سائنس نے
یورپ کے کونہ کونہ میں اپنا گھر کرلیا ہے ہنوز شیطان اور جنات کا عقیدہ باقی ہے بلکہ اس کی تائید میں مختلف رسالے
اور اخبار نکلتے ہیں ۔ صرف پادری سیل صاحب یا اور یورپی نکتہ چینوں کی طرح یہ کہدینا کہ اسلام میں شیطان اور جنات
کا خیال یہودیوں سے آیا ہے اور پھر اُس پر مضحکہ کرنا محققوں اور انصاف پسند مصنفوں کی وضع کے خلاف ہے۔
انصاف کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم کسی مذہب پر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگیں تو ہمیں بڑی ہوشیاری سے اُس کی
بظاہر ناممکن الوقوع باتیں بھی جانچنی چاہئیں کیونکہ بعض اوقات ظاہری الفاظ سے اصلی معنی پیدا نہیں ہوتے اور
انسان چکر میں پڑکے اپنی اصلی تحقیق پر بھی پانی پھیر دیتا ہے اور جو اُس نے کسی مسئلہ میں عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے تو
گویا اُس نے اپنی زندگی کا اتنا حصہ اس ناپاکی اور شرمناکی میں گزارا کہ پھر گویا تمام عمر اُس سے نجات ممکن نہیں ۔
زردشتیوں کا شیطان ایک بہت بڑا قوی اور خداے مطلق کے مقابلہ میں مانا گیا ہے ۔ یہودیوں میں اسکی
شرارت آمیز طاقت کو کم درجہ نہیں تسلیم کیا گیا ۔ عیسائیوں میں تو اُسے بہت ہی زبردست قوت عطا کی گئی ہے یعنی

مقدمہ

تفسیر الفرقان

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۱۷ھ

قیمت معہ محصولڈاک للعہ سالانہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہان شد

قیمت فی جلد ۸/

عیسائی جس نفس کو ابن اللہ کہتے ہیں وہ شیطان کے ذریعہ سے چالیس دن تک آزمایا گیا۔ بدروحوں سے ہمیشہ اس ابن اللہ کو واسطہ پڑا اور اسی ابن اللہ نے ان بدروحوں کے ذریعہ سے بہت سے سؤروں کو مار ڈالا۔ اسلام نے شیطان کی قوت کو جہاں ایک جگہہ تسلیم کیا ہے دوسری جگہہ اسے ایسا کمزور بنادیا ہے کہ صرف لاحول پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے۔ اور اس سے بچنے کی آسان ترکیب یہی ہے کہ خدا اور اُس کی لازوال قوتوں کا خیال کر لے اور دل میں جما لے کہ وہ سب پر غالب ذات ہے اور اُس کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔

جس طرح ہم نے ملائکہ یا بالخصوص روح القدس کی بحث میں اُن کا تصرف تمام کائنات پر ثابت کیا ہے اسی طرح ہم ابلیس یا اس کے بھائی اجنہ کا تصرف بھی تمام کائنات پر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ شیطان یا اجنہ کوئی خاص مجسم جنس ہیں سخت غلطی ہے شیطان درحقیقت اجنہ ہی میں سے ہے جس کی تصریح فرقان حمید میں صاف طور پر آگئی ہے۔ مسلمان جب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اجنہ آگ کے بنے ہوئے ہیں تو پھر اس یقین کرنے کے بعد کیونکر اُن کا جسم ثابت ہو سکتا ہے جب جسم نہیں ہے تو ان کا ایک مقام خاص میں ہونا ناممکن ہے وہ سارے عالم میں ساری ہیں اور بیشک انکی وہی صورتیں ہیں جو اسلام نے تسلیم کی ہیں۔ تمام دنیا کے مہذب سے مہذب ملک میں اگر ایک ہی گھنٹہ کی بدکرداریوں اور بدافعالیوں کا حساب لگاؤ تو ہزاروں تک اُن کی تعداد پہنچ جائے گی قتل عمد۔ دہوکا اور فریب دہی۔ زنا بالجبر۔ خودکشی۔ ملک زنی۔ ظلم۔ بے بس نوجوان لڑکیوں پر زبردستی۔ حلف دروغی۔ حق تلفی۔ غصب وغیرہ کے شنیع افعال ہزاروں شمار میں آسکتے ہیں۔ کون شخص چاہتا ہے کہ اُس کی جان ہلاکت میں پڑے اور کس کی خواہش ہے کہ وہ ہمچشموں میں انگشت نما ہو اور کس کی تمنا ہے کہ جیل خانہ کی بدترین اور سخت ترین زندگی گزارے انسان بجائے خود فطری طور پر آزادی اور نیک نامی پسند پیدا ہوا ہے پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز نے ان افعال شنیعہ کے ارتکاب کی اُنہیں جرأت دی اور کس چیز نے ایسا محو کردیا کہ کسی طرف کی سدھ بدھ ہی نہیں رہی اس کا یہ جواب نہایت ناکامل ہوگا کہ انسان ہی میں ایک قوت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ جو یہ افعال کراتی ہے اور اُسی قوت کا غلبہ اُس پر ایسا ہوجاتا ہے کہ پھر اسے دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی اور وہ بات کر گزرتا ہے جو اُسے زیبا نہ تھی اور شاید ہوشیاری میں وہ کبھی بھی نہ کرتا۔ اگرچہ ہمارے بعض موجودہ زمانہ کے مصنفوں نے یہی لکھا ہے مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے ہم یہ ضرور مانتے ہیں کہ انسان میں بُری یا بھلی باتوں کے قبول کرنے کا ایک خاص مادہ ضرور ہے مگر اس لئے خارجی محرک کی ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں جس نے سجے ہوئے کمرے اور پُرتکلف سامان ہی نہیں دیکھے اُسے کیا خاک آرزو ہوگی کہ میں ایسے پُرشان کمروں میں رہوں۔ انسان کی نیک نیتی اور بدنیتی کا اظہار جس طرح بغیر کسی بری رو پر نظر ڈالے ممکن نہیں اسی طرح یہ محال ہے کہ جب تک کوئی خارجی چیز محرک نہو داخلی چیز کچھ بھی کر سکے۔ وہ خارجی چیزیں جب کہ یکساں سب پر اثر ڈالتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ بعض تو اُن سے متاثر ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے جن کے دل قوی ہوتے ہیں جن کے دماغ روشن ہوتے ہیں اُن کے آگے آیندہ خرابیوں کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور وہ اُس سے خوف زدہ ہوکے فوراً اُس سے باز

رہتے ہیں اسی مطلب کو ہم مذہبی آدمی اس صورت سے ادا کریں گے کہ جو لوگ ایماندار ہیں فوراً خوف خدا کو محسوس کر کے اپنی عاجزی اور فروتنی کا خیال کر کے اپنا دل اُس طرف سے پھیر لیتے ہیں اور شیطانی تحریک پر غالب آ کے اللہ کا شکر کرتے ہیں اور اُس کے جلال میں ابد تک رہنے کی دعا مانگتے ہیں۔ تمام عمدہ سرسبز باغات تمام سبزہ زار اور شاداب گھاٹیاں تمام عالیشان محلات اور بروج مشیدہ، تمام دریا اور پاکیزہ شیریں چشمے۔ تمام دلفریب صنعتیں اور تمام دلکش حُسن اپنے ساتھ ایک طرف نیک قوت کو رکھتا ہے تو دوسری جانب بُری یا شیطانی قوتیں اس کے محیط ہو رہی ہیں۔ ان ہی سحر انگیز مقامات میں ایک عابد زاہد صانع حقیقی کی حمد گا رہا ہے اور اپنے خالق کو یاد کر رہا ہے اور اسی دلکش منظر میں ایک بدمست تمام شرمناک افعال کو انتہا درجہ تک پہنچا رہا ہے، اس سے یہ ضرور نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیا کے ہر ذرہ ذرہ میں جہاں نیک قوت رکھی گئی ہے وہاں بد قوت بھی ہے جس نے جسے پسند کیا وہ اُسی کا ہو کے رہ گیا۔ اگر نیک و بد قوت ہوتی تو انسان میں عقل و ہوش کا ہونا غیر ضروری تھا۔ عقل یا تمیز اسی لئے عطا کیا گیا ہے کہ شیطانی افعال سے بچے اور روح القدس کی تائید میں رہے۔ اِس قوت کو کسی زبان میں شیطان کہتے ہیں کسی میں اہرمن اور کسی میں ڈیول اور کسی میں ابلیس۔ یہ ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ ایک حد تک قبول کرنے کا مادہ انسانی طبائع میں بھی ودیعت ہوا ہے مگر پھر ہم صاف کہہ چکے ہیں جب تک خارجی تحریک نہ ہو وہ مادۂ قبولیت محض بیکار رہے۔ قاتل کے لئے مقتول کا ہونا ضرور ہے اور ساتھ ہی آلہ قتل کا ہونا بھی لازمی ہے۔ چور تو اُسی مکان میں کوُل دے گا جہاں مال رکھا ہو خالی مکان میں جا کے وہ کیا لے سکتا ہے۔ غرض کسی فعل کا وقوع بغیر خارجی تحریک اور سامان کے ممکن نہیں۔ شراب میں نشہ ہے تو اُس سے بوتل کیوں نہیں ناچنے لگتی انسان کی طبیعت میں مادۂ قبولیت ہے تو وہ بغیر پئے کیوں نہیں بیخود ہو جاتا اس سے صاف ثابت ہوا جس طرح انسان کو مدہوش ہونے کے لئے ایک خارجی چیز مثلاً شراب کی ضرورت ہوئی اسی طرح شراب کی خاصیت اور فطرت اُس وقت کھلی جب وہ آدمی کے پیٹ میں گئی۔ تو اُس خیال کا بطلان کہ شیطان انسان کی ذات میں ہے بیّن طور پر ہو گیا۔

جو بحث ہم نے ابلیس اور جنات کے بارے میں لکھی ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارے خصم کی اُس سے بہت تسکین ہو جائے گی اور اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان بدیہیات کا ہزاروں برس سے نہ کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے، وہ لوگ اسے مانتے ہیں جن کی پرستش آج کروروں آدمی کرتے ہیں حضرت مسیح نے تو اس کی ذات بلکہ اُس کے جسم کا یہاں تک اقرار کر لیا کہ وہ چالیس دن تک اُن کے ساتھ رہا اور اُنہیں دنیا کے سبز باغ دکھا کے آزماتا رہا سو وہ عقیدہ کہ جنات ایک ایسا گروہ ہے کہ وہ ستانے کے لئے کسی زندہ انسان کے جسم میں حلول کر جاتا ہے اسلام سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اگرچہ بہت سے مسلمان اُس کے قایل ہوں۔ ارواح خبیثہ کو بھی تمام دنیا کی قوموں نے مانا ہے مگر ہم اس کی تشریح اُسی پیرائے میں کریں گے جس پیرائے میں کہ ہم جن اور ملائکہ کو ثابت کر چکے ہیں۔

بھوت[1] پریت کا عقیدہ اگرچہ اب بھی کم وبیش دنیا کے تمام قوموں میں پایا جاتا ہے اور وحشی سے لگا کے مہذب تک اُسے تسلیم کرتا ہے۔ اور دنیا کی بہت سی قوموں اور مذاہب کا تو یہ جزو اعظم ہو گیا ہے مگر اسلام ان تمام توہمات سے پاک ہے اور وہ بھوت پریت یا ارواح خبیثہ کی مطلق وقعت نہیں کرتا۔ اُنہیں قوی ماننا اور انسان پر اُن کا غلبہ تسلیم کرنا تو کجا۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں کہ فلاں شخص پر کسی جن کا سایہ ہے اور فلاں پر بھوت سوار ہے اور فلاں جن نے اُس شخص کو اُٹھا کے پھینک دیا۔ اسلام کے عاقلانہ اور حکیمانہ اصول سے ان صریح غلط باتوں کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور جو لوگ نادانی سے اُسے جزو اسلام تسلیم کرتے ہیں اُن کی سخت غلطی ہے +

آسمانی کتابوں کا عقیدہ اور برناباس کی انجیل

اس کے بعد پادری صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہر نبی پر آسمانی کتاب کے نازل ہونے کا عقیدہ مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا ہے یہ بھی عجیب بات ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جتانے کی پادری صاحب کو کیا ضرورت پڑی تھی اس کی بالکل وہی بات ہے کہ پیروں سے چلنا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا ہاتھ سے کھانا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا ہاتھ سے کھانا اور نوالہ بنا کے مُنہ میں رکھ لینا فلاں کو فلاں نے تعلیم کیا۔ یہ عجیب بے معنی باتیں ہیں جن پر بچہ بھی ہنس دے گا۔ عیسائیوں کا عقیدہ الہامی کتب کے بارے میں

[1] بھوت ہندی لفظ ہے جس کے معنی زمانہ گزشتہ کے ہیں۔ ہر گزشتہ چیز کو بھوت کہتے ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے مرے ہوئے آدمی کو بھوت کہتے ہیں عام اس سے کہ وہ نیک اعمال ہو یا بد اعمال۔ مگر اب اصطلاحی نام اُس مرے ہوئے شخص کا ہے جو بداعمال مرا ہے اُسکی روح ایسی ذی اختیار ہو جاتی ہے کہ جب چاہے وجود ظاہری اختیار کرے اور جب چاہے غائب ہو جائے اور زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جائے اور بڑی قوت کے کام جو انسانی طاقت سے خارج ہوں کر گزرے۔ بھوت پریت کے معتقد اس امر کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے کانوں سے بھوت کی آواز سُنی اور اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ کسی نے بغیر سر کا اور کسی نے اُلٹے پاؤں والا اور کسی نے بڑے بڑے دانتوں والا سیاہ رنگ کا کبھی بھیڑ کے بچہ کی شکل اور کبھی بکری اور بھینسے کی صورت میں دیکھا گیا کہیں وہ چھلاوے کی صورت میں جلوہ کرتا ہے اور کہیں بلند ہوتے ہوتے اُسکا سر آسمان سے لگ جاتا ہے بہت سے آدمیوں نے عورتوں کے سر پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے بعض بھوتوں نے اپنا نام بقید ولدیت و سکونت بتا دیا ہے بلکہ مزید براں اپنے بھوت ہونے کی وجہ بھی کہہ دی۔ علی العموم اُن کی سکونت کے ویران مکان۔ ٹوٹی ہوئی پرانی قبریں۔ مرگھٹ۔ ویران باولیاں۔ اندھے کنوئے۔ انار کے درخت۔ خالی برج۔ فصیلوں کے غیر آباد گنج اور نہریاں قرار دی گئی ہیں۔

بھوت کا ظہور دو طرح سے لوگ بیان کرتے ہیں ایک زندہ آدمی میں حلول کر کے دوسرا خارج میں باشکال مختلفہ۔ اول ہم اس امر پر بحث کرتے ہیں کہ آیا بھوت بذاتہ مادّی ہے یا غیر مادّی۔ اگر دوسری صورت ہے تو اُس غیر مادّی چیز کا ظہور جسم انسان میں کیونکر ہوتا ہے؟ جب کہ

بیان کرنا پادری صاحب بھول گئے کہ حضرت مسیح کا ان الہامی کتابوں پر کیا ایمان تھا اور عیسائی انجیلوں کو "**ورڈ آف گاڈ**" یعنی کلام خدا کہنا کس سے سیکھے۔ اسلام نے تمام انبیا کو برحق مانا ہے جس طرح ایک نیک نہاد مذہب کا مصلحان قوم اور نیک بندوں کی تعظیم و تکریم کا شیوہ ہونا چاہیئے اسی طرح اسلام کا یہ شیوہ ہی کہ اُسنے نہ صرف اُن گزشتہ بزرگوں کی تحریم کی بلکہ اُنہیں برگزیدۂ خدا مان کے اپنے معتقدوں کو انقطاعی حکم دیدیا کہ ان پر ایمان رکھنا اور اُنہیں ہر گناہ سے پاک سمجھنا عین اسلام کی نشانی ہے۔ اس عقیدہ کے ساتھ اگر اسلام نے قرار دیدیا کہ اُن پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے یا اُن میں وحی القائی جاتی ہے تو کونسی قابل الزام بات کی۔ اگر مصلح قوم یا برگزیدہ مخلوق کی عزت و توقیر کرنی کسی جرم میں داخل ہے تو اسلام اس قسم کا مجرم بننا فخر سے قبول کرتا ہی کل کو پادری صاحب متعجب نہیں اگر یہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں نے کھانا پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ بولنا جواب دینا یہودیوں سے سیکھا۔ یہ درحقیقت طفلانہ باتیں ہیں اور انہیں انصاف اور تحقیق سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر پادری صاحب نے اسلامی روایت کے بموجب پیغمبروں کا نام گنوایا ہے اور ایک روایت کے بموجب اُنہوں نے دولاکھ چوبیس ہزار تعداد لکھی ہے اور دوسری روایت سے پیغمبروں کا شمار ایک لاکھ چوبیس ہزار بتایا ہے۔" اگر ہم ان مختلف روایتوں کو تسلیم بھی کریں تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اور جو ان روایتوں کو تسلیم نہ کریں تو اسلام ان کے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے انبیا کی کوئی خاص تعداد نہیں بتائی صرف اسی قدر ارشاد باری ہوا ہے کہ ہم نے ہر گروہ میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیجا ہے۔ یہ بات

پہلے اس قسم کی غیر مادی چیز جسم میں موجود ہے مثلاً حرارت جو انسان کے جسم میں ۹۹ درجہ بموجب تھرمامیٹر کے ہی اگر ہم حرارت داخل کریں تو دونو حرارتیں ظاہر ہے باہم مل جائینگی اسی طرح بھوت وغیرہ کی روح زندہ آدمی کی روح سے ملکے ایک کیوں نہیں ہوجاتی اگر یہ کہا جائے کہ اوپر سے پڑتا ہی تو بھی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بغیر داخل ہوئے جن یا بھوت کی روح انسان کے ہر عضو اور آلہ آواز پر قابو کیونکر پالیتی ہی عموماً ایسی باتیں کہ کسی کے سر پر جن آسیب بھوت پری کا سایہ ہی دو طرح پر ہوتی ہیں ایک پہلو تو انکا مرض ہے اور دوسرا پہلو محض دہوکا دہی ہی طب کی لاعلمی کی وجہ سے پوشیدہ امراض کے اثرات اور نتائج کو کسی قسم کا سایہ تصور کیا جاتا ہے۔ فریب اور دہوکا دہی کے یہ معنی ہیں کہ کچھ روپے حاصل کرنے یا ناجائز خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ شرفا میں یہ باتیں بسبب تعلیم یافتہ ہونے کے بہت کم ہوگئی ہیں مگر ہندوستان کی ارذل اقوام میں بہت شدّومد سے جاری ہیں انکے ہاں مرنے کے بعد سوکن کا لپٹنا لازمی ہی کوئی بچہ۔ عورت۔ مرد انکے ہاں بغیر جادو کے اثر کے مرتا ہی نہیں۔ قاعدہ ہی کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہی۔ مرنیوالے کے رشتہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ دشمن نے پون بٹھا کے مارڈالا یا فلاں بھوت اُسے اپنے ساتھ لیگیا۔ عام طور پر ناواقف ایسی ادنے اور بے بنیاد باتوں کو اسلام کے عقاید میں داخل کرتے ہیں مگر ہم بڑے زور سے اسکی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کو ان فضول اور دور از عقل باتوں سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس قسم کے مہمل خیالات جو کم عقلوں کے لئے بھوت۔ پریت۔ جن۔ بلا۔ چڑیل۔ پچھل پائی۔ آسیب۔ پن سرا وغیرہ بن جاتے ہیں دور کرنیکے لیئے اسلام نے ہدایت کی ہی کہ خدائی رب العرش کی فوراً پناہ مانگنی چاہیئے وہی اس لاعلاج مرض سے نجات دیگا اور ان اوہام باطلہ کا ازالہ اُسی کی پناہ میں آنے سے ممکن ہے یہی ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے اور اسی میں سچی عبودیت اور ربوبیت کی شان پیدا ہوتی ہے ✤

بدیہی بھی ہے۔ اور تاریخ دیکھنے والے اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جتنے مذاہب اور گروہ دنیا میں آباد ہیں ایک نہ ایک رہنما اُن کا ضروری ہے اور وہ ایک شخص کو اپنا ہادی ضرور تسلیم کرتے ہیں ۔ان ہادیوں کے گنانے اور تعداد بتانے کی زیادہ ضرورت نہیں اور اگر کسی نے کوئی تعداد مقرر کر دی تو اُس کی تصدیق اور تکذیب دونوں محال ہیں۔

برنا باس کی انجیل کے معاملہ میں پادری سیل صاحب نے ایک سخت الزام سے مسلمانوں کو یاد کیا ہے اُن کا دعویٰ ہے کہ برنا باس کی انجیل کے مصنف مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہاں اُنہوں نے وہ لفظ جسکے معنی محمد کے ہوتے ہیں بڑھا دیا ہے۔ یہ لکھ کے پادری صاحب خاموش ہو گئے اور اُنہوں نے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں دیا کہ کس صدی میں کس ملک میں اور کس شخص نے ایسا کیا اور آیا اُس وقت اس تحریف کی عیسائیوں نے اُس مسلمان کو اجازت دی اور بعد ازاں کیوں نہیں اس کا اظہار کیا گیا کہ یہ تحریف مسلمان کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر ہم اس تحریف کو قبول کر لیں اور مان لیں کہ بیشک مسلمان نے محمد کے لفظ کا ہم معنی لفظ داخل کر دیا تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اُنہیں قدرت حاصل تھی اور وہ اپنی ہوشیاری یا چالاکی سے تحریف کر سکتے تھے پھر اُنہوں نے ان چار مروجہ انجیلوں میں کانٹ چھانٹ کیوں نہیں کی اور کیا وجہ ہے کہ اُنہیں نظر انداز کر دیا۔ یہ ایسا بے معنی الزام ہے جس کی خفیف سی بنیاد بھی قایم نہیں ہو سکتی اگر لو فرضاً اس الزام کو صحیح تسلیم کر لیں اور اس بات کا یقین کر لیں کہ مسلمان ہی محمد کے ہم معنی لفظ برنا باس کی انجیل میں بڑھانے کا سبب ہیں تو اس سے کئی کئی باتیں لازم آتی ہیں اول تو یہ کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں کی الہامی کتابیں اس کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں کہ اگر غیر شخص اُن میں کوئی تحریف بھی کر دیتا تھا جب بھی کچھ خبر نہوتی تھی۔ دوسرے یہ نئی بات پائی گئی کہ اس زمانہ میں جب اس کی تحریف ہوئی۔ **لوقا۔ متی۔ یوحنا۔ مرقس** کی انجیلوں کا رواج نہ تھا اور برنا باس ہی کی انجیل مروّج تھی کیونکہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی غیر مشہور اور غیر مروّج کتاب میں ایسی دلیری کی جاتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انجیل اصلی برنا باس ہی کی ہے۔ پادریوں کی خود غرضی کی تکمیل چونکہ اس انجیل سے نہوتی تھی اُنہوں نے سرے ہی سے اُسے خارج کر دیا اور اور اس کی جگہ موجودہ اناجیل کو دخل دیدیا۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم کتاب سابق کی کسی پیشین گوئی کو جو ہمارے نبی معصوم و برحق کے لئے ہو محض غیر ضروری جانتے ہیں ہمارے ہادی برحق کو نہ کسی پیشین گوئی کی ضرورت ہے نہ انبیائے سابقین کی بشارت کی حاجت ہے اُس کی ذات خود اس کے آخر الزمان نبی ہونے کی شہادت دیتی ہے اس کے کام اور اُسکی زندگی اس امر کے شاہد ہیں کہ محمد نہ صرف خاتم النبیین ہیں بلکہ فخر رسل بھی ہیں اُس معصوم ذات کے لئے اصل تو یہ ہے کہ کتب قدیمہ کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں کوئی چیز نہیں۔ وہ خود اپنی آپ بشارت ہے اور اپنے لئے آپ پیشین گوئی کرتی ہے اس ذات اطہر و اقدس میں صداقت کے ہزاروں چشمے ہیں جو تیرہ سو

برس سے اُبل رہے ہیں اور جنہوں نے دنیا کی ہال آبادی کو سیراب کر دیا ہے۔ ہم ہرگز اُن سے اتفاق نہیں کرتے جو توریت یا اناجیل کی پیشین گوئیاں یا بشارتیں عیسائیوں کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور اس پہلو سے اپنے نبی برحق کی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں۔ قرآن مجید اُس کی صداقت اور افضل النبیین ہونے کی شہادت دینے کے لئے کافی ہے اور ہمارے لئے اُس کی شہادت بس ہے +

مسئلہ منکر و نکیر اور فشار قبر

پادری صاحب نے یہ لکھ کے مسئلہ منکر و نکیر اور فشار قبر کے متعلق بحث کی ہے اور اُنہوں نے اپنے خیال میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ طریقہ بھی مسلمانوں نے یہودیوں ہی سے لیا ہے۔ ان کی تائید اکثر یورپی مصنفوں نے کی ہے جن میں سب سے زیادہ سرگرم موید اُن کے الگزینڈر راس ہیں جنہوں نے خاص اِس بیان میں بڑے بڑے مضامین لکھ کے ولایت کے رسالوں میں شائع کرا دئے اور اُنہیں اپنی تحریر پر بہت بڑا ناز ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب مسلمان نہیں دے سکتے۔ چنانچہ پادری سیل صاحب اور اُن کے دوست الگزینڈر راس کا مضمون جو منکر و نکیر کے بارے میں ہے ذیل میں بطور اقتباس درج کیا جاتا ہے "جہنم کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے سوال منکر و نکیر کی بابت کچھ لکھنا ضرور ہے جس کا اعتقاد ہر پکے مسلمان کو ہے اور یہ عذاب قبر کفار کو ہوتا ہے چنانچہ سورۂ انفال میں لکھا ہے کہ اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کر لیتے ہیں تو اُن کے منہ اور جسم پر ضرب لگا کے کہتے ہیں کہ تم اِس سزا یا اس جلنے کا مزا چکھو اور ایسے ہی الفاظ سورۂ محمد میں پائے جاتے ہیں۔ ان آیات قرآنی میں احادیث نبوی ملا کے مفسرین نے سوال منکر و نکیر کا مسئلہ بنایا ہے چنانچہ اس عذاب قبر کو امام غزالی نے اپنی کتاب زینت الادیان میں یوں بیان کیا ہے کہ یہ دو فرشتے جن کا نام نکیر و منکر ہے اور جن کی نہایت قبیح اور مہیب صورت ہے اور جن کی آنکھیں کرنجی ہیں اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں اندھے بہرے اور گونگے ہیں الغرض بعد دفن ہونے کے یہ دونو فرشتے مُردہ کو قبر میں اُٹھا کے بٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کا مُردہ کفن پہنا کر مگر بلا صندوق دفن کیا جاتا ہے اور قبر میں لحد بنائی جاتی ہے اور قبر کے اندر مٹی نہیں ڈالی جاتی اور لحد اس لئے بنائی جاتی ہے کہ ان فرشتوں کے سامنے مُردہ آسانی سے اُٹھ کے بیٹھ سکے تب منکر و نکیر یہ سوال مُردوں سے کرتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ تیرا پیغمبر کون ہے۔ تیرا قبلہ کیا ہے۔ اگر ان سوالات کے جواب مُردہ صحیح طور پر نہ دے گا تو فرشتگان عذاب لوہے کے ہتوڑوں سے ایسی شدید ضربیں اُس کے سر پر لگائیں گے کہ وہ شخص جس پر یہ عذاب ہو رہا ہے اس صدمہ سے اس زور سے شور کرے گا کہ اُس کی آواز کو بجز انسان اور جن کے کل جانور از غرب تا شرق سنتے ہیں۔ پھر ہر ایک کی قبر میں ننانوے تنین بھیجی جاتی ہیں۔ اب اگر تم دریافت کرو کہ تنین کیا چیز ہے تو یہ نام اُن سانپوں کا ہے جن کے سات سر ہوتے ہیں جو گنہگاروں کے بدن کو قیامت تک کاٹا کریں گے۔ یہ

سوال منکر و نکیر بچوں کو سکھائے جاتے ہیں اور یہ جوابات اُنہیں بتائے جاتے ہیں الله ربی والاسلام دینی والقرآن کتابی والکعبۃ قبلتی یعنی خدا میرا پروردگار ہے اور اسلام میرا دین ہے اور قرآن میری کتاب ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس عذاب قبر کے مسئلہ کو پیغمبر اسلام نے مثل دیگر مسائل کے یہود کی کتابوں سے اخذ کیا ہے عذاب قبر کو یہود اور اہل اسلام دونو فشار قبر کہتے ہیں چنانچہ جرمنی کے یہودی یہ دُعا آج تک پڑھتے ہیں کہ خداوندا ہمیں مضر احکام۔ افلاس۔ غم والم اور ہر قسم کے عذاب سے اور نا جہنم اور فشار قبر سے محفوظ رکھ اور ایلیا ابن عشر ایک یہودی عالم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب آدمی اس دنیا سے رحلت کرتا ہے تو ملک الموت اُس کی قبر پر آکے بیٹھ جاتا ہے تب اُس کی روح فوراً اُس کے جسم میں چلی آتی ہے اور وہ اُٹھ بیٹھتا ہے۔ ملک الموت کے ہاتھ میں ایک زنجیر نصف آہنی اور نصف آتشیں ہوتی ہے اُس زنجیر سے وہ فرشتہ اُس شخص کو مارتا ہے پہلی ضرب میں اُس کے اعضا و جوارح جدا ہو جاتے ہیں اور دوسری ضرب میں اُس کی ہڈیاں الگ الگ ہو جاتی ہیں پھر فرشتے آکے اُن ہڈیوں کو جمع کرتے ہیں تیسری ضرب میں وہ شخص خاک ہو جاتا ہے اور پھر اپنی قبر میں واپس بھیجا جاتا ہے۔ ایک اور عالم یہود کا قول ہے کہ فشار قبر عذاب جہنم سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ نیکوکاروں اور شیرخواروں پر بھی فشار قبر ہوتا ہے بجز اُس شخص کے جو یوم السبت یعنی روز شنبہ کی شام کو مرا ہو اور بنی اسرائیل کے ملک میں رہتا ہو" فقط یہاں تک پادری سیل صاحب اور اُن کے سوید الگز ندر اس کی تحقیق ہوئی۔ اب ہم بطور خود اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ دو باتیں خیال کرنے کی ہیں۔ پہلی بات یہ ثابت کی گئی ہے کہ منکر نکیر اور فشار قبر کا خیال پیغمبر اسلام نے یہودیوں سے اخذ کیا ہے دوسری بات یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ خیالات درحقیقت کوئی بنیاد نہیں رکھتے۔ اور ایک قوم نے دوسرے سے اخذ کر لیئے ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کے خیالات زردشتیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور عیسائیوں یا ہندوؤں میں بھی آیندہ عذاب و ثواب کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔

یہ دعوے کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے ہاں منکر و نکیر کا قصہ اسلام سے پہلے مروج تھا ہمیں اس کے یقین کرنے میں بہت بڑا تامل ہے اور ہماری تامل کی بہت سی وجوہات ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ توریت میں منکر و نکیر اور فشار قبر کا کہیں ذکر نہیں آیا صرف یہودیوں کی تالمود[1] میں ایسے خیالات ظاہر کیئے گئے

---

[1] تالمود یہودیوں کی احادیث و روایات کا ایک مجموعہ ہے۔ دو کتابیں ہیں جن کا نام تالمود رکھا گیا ہے ایک کو تالمود آورشلیم اور دوسری کو تالمود بابلی کہتے ہیں۔ ہر تالمود کے دو حصے ہیں ایک کو مشنا کہتے ہیں جو متن ہے اور دونو نسخوں سے اُسکا تعلق ہے اور دوسرے کو جمیرا یا تفسیر و شروح کہتے ہیں۔ مشنا میں تمام قوانین ضوابط اور زندگی کے قواعد علاوہ قدیم عبرانی کتاب مقدس کے مرقوم ہیں۔ یہودی ان ضوابط و قوانین کی پابندی اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ تمام علمائے یہود کا اس پر اتفاق ہے کہ تالمود کی ترتیب اور انضباط دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر ہوا۔ یہ ترتیب اور تصنیف ربی جہودا حقادوش کی ہے جو در

ہیں۔ ہم تالمود کی کیوں کر تصدیق کر سکتے ہیں جبکہ ہمیں تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ خود توریت میں اسقدر تحریف ہوئی ہے کہ دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہو سکتا کوئی بڑے سے بڑا محقق توریت کا ایک قول بھی حضرت موسیٰ کا یا کسی دوسرے پیغمبر کا قول ثابت نہیں کر سکتا۔ رہی تالمود اس کی اور بھی ناگفتہ بہ کیفیت ہے اگرچہ عام طور پر یہودی علما کہتے ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسری صدی عیسوی کے اختتام کا ہے پھر بھی اُس کے باقی کے حصے جن میں فشار قبر وغیرہ کے متعلق بحثیں ہیں چھٹی اور ساتویں صدی یعنی ظہور اسلام کے بہت بعد کے لکھے گئے ہیں اور ان کی ترتیب اُس وقت ہوئی ہے جب ہماری حدیثیں منضبط اور مشہور ہو چکی تھیں۔ اتنا کہدینا کچھ دلیل نہیں ہو سکتا کہ جرمنی یہودی اب تک فشار قبر سے پناہ مانگتے ہیں۔ کوئی

مبتیر یاس کا ایک طالبعلم تھا اور جو چالیس برس تک اس مدرسہ میں رہا تھا اس کی شرحیں اور ضمیمے ربی جوشنان بن ایلیا زیر کی تصنیف سے ہیں بعض کا مقولہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں بعض کہتے ہیں چھٹی صدی میں بعض کی تحقیق یہ ہے کہ ساتویں صدی میں تالمود کی تکمیل ہوئی اور اس ضمیمے۔ یا شرح کو جمیرا کہتے ہیں۔ ایک اسی قسم کا مجموعہ علمائے بابلی چھٹی صدی کے آغاز میں بطور ضمیمہ تالمود کے ساتھ شریک کیا مگر اسے بھی سوائے فاضل این فیلڈ کے اور محقق ساتویں صدی عیسوی کا بیان کرتے ہیں۔ مشنا چھ حصوں پر منقسم ہے۔ ہر حصہ کا نام ھدایت ہے اور اس میں کئی نسخے شریک ہیں ہر نسخہ بابوں پر تقسیم ہوا ہے اور ہر باب کی تقسیم مشنا یا پند و نصائح پر کیگئی ہے۔ پہلے حصہ میں تو بیجوں۔ میوہ جات اور درختوں سے بحث کی گئی ہے دوسرے حصہ میں عورتوں۔ اور اُن کے فرائض۔ نافرمانیوں معاہدوں۔ ازدواج اور طلاق سے بحث ہوئی ہے۔ چوتھے میں اُن نقصانات کا بیان ہے جو آدمیوں اور جانوروں سے پہنچتے ہیں۔ مثلاً سود خواری کرایہ۔ زراعت کے معاملات۔ تجارت میں حصہ داری۔ وراثت میں شرکت۔ خرید و فروخت کی قسمیں شہادتیں گرفتاریاں بت پرستی۔ اور اس کے آگے اُن لوگوں کے نام گنائے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے زبانی قوانین پہنچے اور محفوظ کر لئے گئے۔ پانچویں حصہ میں اُن چیزوں کا بیان ہے جو قربانیوں اور پاک چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ چھٹے حصہ میں متعلق تطہیر ظروف۔ اثاث البیت ملبوسات۔ گھر۔ برص حمام اور بیشمار دوسرے مضامین ہیں۔

تالمود بابلی یہودیوں کے نزدیک بہت قیمتی ہے اور جہاں کہیں وہ تالمود کا حوالہ دیتے ہیں یا اسکا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو اسی تالمود کا حوالہ دیتے ہیں۔ بارھویں صدی عیسوی میں میمونی دیس نے اسکا اختصار شروع کیا اور بہت سی زوائد اور فضول باتوں کو اس سے خارج کر دیا جیسا ہیں خواب اور پریشان باتوں کا ذکر ہے اور بہت سے جاہلانہ اور بے بنیاد سوالات کئے گئے ہیں جنکے پڑھنے سے طبیعت اکتاتی ہے مشنا کی طرز تحریر نہایت صاف اور پاکیزہ ہے اور اُسکا رنگ بالکل انجیل کا سا ہے اور بہت سی باتیں انجیل ہی کی اسمیں داخل کرلی ہیں عیسائی علما اور پیشواؤں نے تالمود کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کیے ہیں اُنکی رائے میں تالمود سے گویا دین مسیحی کو صدمہ پہنچنے کا خیال تھا پوپ گرے گوری نے بیس گاڑیاں کتابوں کی بھری ہوئیں جلوادی تھیں اور پولوس ششم نے تالمود کے بارہ ہزار نسخے برباد کرا دیے تھے۔ بابلی تالمود کا اخیری نسخہ امسٹرڈم میں بارہ جلدوں میں طبع ہوا۔ اسیطرح اورشلیم کی تالمود بھی ایک ضخیم کتاب ہے (از این سائکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۲۱۔ صفحہ ۲۲، ۱۷)

کوئی عجب نہیں کہ انہوں نے یہ خیالات مسلمانوں سے لئے ہوں اور کوئی عجب نہیں کہ ان الفاظ کے ظاہری معنی سمجھ کے انہوں نے اپنے ہاں داخل کر لئے ہوں۔ ہم یہودیوں کے مجموعہ روایات پر کیوں کر بھروسہ کر سکتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا زمانہ ترتیب و تصنیف میں صدیوں کا بل ہے اگرچہ دو چار یہودی مصنفوں کا نام بتا یا گیا ہے مگر ہم اُن کے حالات زندگی کی تحقیق کیوں کر کر سکتے ہیں اور ہمیں کیوں کر معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کا زہد و تقویٰ اور ان کی ایمانداری کی کیا کیفیت تھی۔ وہ زمانہ گیا کہ ہر بات بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق قبول کر لی جاتی تھی اب ہر ایک مسئلہ کی بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور پھر بھی جب تک زبردست معتبر شہادتیں نہ ہوں ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ عذاب قبر اور منکر نکیر کے کیا معنی ہیں اور اسلام نے ان کا جسم خارجی قایم کیا ہے یا صرف تمثلی اور اسلام نے درحقیقت لوہے کے گرز اور جلتی ہوئی زنجیروں اور سانپ بچھوؤں سے اصلی اور حقیقی معنی مراد لئے ہیں یا صرف ان چیزوں کا نام لیکے انتہائے عذاب کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ منکر و نکیر کے سوال وجواب کا ذکر مطلقاً قرآن مجید میں نہیں آیا مگر ہاں بہت سی حدیثیں اس بیان کی روایت کی گئی ہیں جن کے اصلی معنی سمجھنے میں پادری سیل صاحب اور اُن کے ہم خیال الگزینڈر رس ہی نے نہیں بلکہ یہودیوں نے بھی غلطی کی ہے اور تمثیلوں کو اپنی غلط فہمی سے حقیقت کا جامہ پہنا دیا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اُن حدیثوں کا انتخاب جو فشار قبر اور منکر نکیر کے بارے میں آئی ہیں نقل کر دیں اور پھر ان حدیثوں اور روایتوں پر بڑے بڑے علما کی رائیں تحریر کریں کہ آیا انہوں نے ان الفاظ کے ظاہری معنی سمجھے تھے یا ان سب باتوں کو انہوں نے بطور تمثیل کے مانا اور یقین کیا تھا وہ روایتیں یا حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے پر نکلے حضور انور رسول خدا اپنا سر مبارک جھکا کے اس قبر پر بیٹھے پھر تین بار ارشاد فرمایا الٰہی میں تجھسے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا جب ایماندار آخرت کی پیشی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ گویا اُن کے منہ آفتاب ہوتے ہیں اس کے ساتھ خوشبو اور کفن ہوتا ہے وہ اُس کے آنکھوں کے سامنے بیٹھتے ہیں جب اُسکی روح نکلتی ہے تو آسمان و زمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اُس پر رحمت بھیجتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی روح اپنے اندر ہو کے جانی نہ چاہتا ہو یا بہ تبدیل الفاظ ہر آسمان کے دروازہ کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرحوم کی روح مجھی میں سے ہو کے جائے۔ جب اُس کی روح اوپر چڑھتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں الٰہی یہ تیرا فلاں بندہ ہے پس حکم ہوتا ہے اسے لیجاؤ اور جو کچھ ہم نے اُس کے لئے سامان مہیا کیا ہے اسے دکھاؤ اسی لئے ہم وعدہ کر چکے منها خلقنکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری یعنی اسی زمین میں سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں

پھر ڈالتے ہیں اور اس سے دوسری بار نہیں نکالیں گے اور وہ شخص چلنے والوں کی جوتیوں کی آواز سُنتا ہے یہاں تک کہ اُس سے کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے اور دین کیا اور نبی کون ہے وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں سوال اُس سے نہایت درشت لہجہ میں کئے جاتے ہیں اور یہ اخیری جانچ ہے جو مُردے کی کی جاتی ہے پس جب وہ جواب مذکور دے لیتا ہے تو آواز آتی ہے کہ تو سچ کہتا ہے۔ پھر اُس کے پاس ایک خوبصورت خوش لباس معطر آنے والا کہتا ہے تجھے رحمت پروردگار کی بشارت ہو اور اُن جنتیوں کا مژدہ ہو جہاں دائمی لذت ہے مُردہ جواب دیتا ہے۔ تجھے بھی خیر کی بشارت خدا تعالےٰ دے وہاں سے جواب ملتا ہے۔ میں تیرا عمل نیک ہوں۔ بخدا مجھے تیری حالت کی خبر ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں جلد باز اور معصیت میں دیر کرنے والا تھا۔ خدائے تعالےٰ تجھے جزائے خیر دے پھر آواز آتی ہے کہ اس کے لئے جنت کے بستروں میں سے بستر کرو اور جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ پھر جنت میں بچھونا بچھا دیا جاتا ہے اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے وہ اُس وقت آرزو کرتا ہے الٰہی قیامت جلد برپا ہو کہ میں اپنے مال اور کنبہ کی طرف رجوع کروں۔

کافروں کی یہ صورت ہے کہ جب کسی کافر کی جان نکلنے لگتی ہے تو اس کے لئے تندخو اور بدمزاج فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور گندھک کا کُرتہ ہوتا ہے۔ سب مرنے والے کو گھیر لیتے ہیں جب اُس کی جان نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے کُل فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں۔ سب دروازے آسمان کے بند کر دیے جاتے ہیں کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ جو اس کی روح کو اپنے میں داخل ہونے کی اجازت دے۔ اس کی روح اِدھر آسمان پر چڑھی اور اُدھر نیچے پھینک دی گئی۔ عرض کیا جاتا ہے اے ذی الجلال رب تیرے بندے کی روح کو کہیں جگہہ نہیں ملتی اور کوئی چیز اُسے رستہ نہیں دیتی ارشاد باری ہوتا ہے کہ اسے لیجاؤ اور جو سامان بُرائی کا اُس کے لیئے مہیا کیا ہے اُسے دکھاؤ۔

دوسری روایت کافر سے سوال و جواب کے بارے میں یہ ہے کہ جب اُس سے رب کعبہ اور دین کی نسبت سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ اس کا جواب اُسے دیا جاتا ہے کہ تو جانیو پھر اُس کے پاس ایک بدصورت بدبودار لباس پہنے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہے تجھے دائمی عذاب اور دیرپا غضب الٰہی کا مژدہ ہو مُردہ جواب دیتا ہے خدائے تعالیٰ تجھے بدی کی خبر سُنائے تو کون ہے وہ جواب دیگا میں تیرا عمل بد ہوں بخدا تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں جلد باز اور اطاعت میں تاخیر کرنے والا تھا خدائے تعالےٰ تجھے جزائے بد دے۔ مُردہ جواب دیتا ہے کہ تجھے بھی خدائے تعالیٰ جزائے بد دے۔ پھر اُس پر ایک بہرا گونگا۔ اندھا معین کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے کہ اگر جن و انسان اُس کے اُٹھانے پر متفق ہوں تو نہ اُٹھا سکے اگر اُسے پہاڑ پر مارے تو چُورا چُورا کر دے وہ اسی گرز سے کافر کو مارتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اُسمیں

جان آجاتی ہے پھر اُس کی آنکھوں میں ایک ضرب لگاتا ہے کہ اُس کی آواز سوائے جن و انسان کے زمین کے سب رہنے والے سُنتے ہیں پھر آواز آتی ہے اس کے لئے دو تختیاں آگ کی بچھا دو اور ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو۔ فوراً تختیاں بچھ جاتی ہیں اور دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

محمد بن علی رح فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے مرتے وقت اُس کے اعمال نیک و بد اُس کے سامنے آ کے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال پر خوش نظر کرتا ہے اور بد اعمال کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جب مومن مرنے لگتا ہے تو فرشتے حریر کے کپڑے میں مُشک اور ریحان کی سٹی لیکر آتے ہیں پس اُس کی روح اس آسانی سے نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ خدائے تعالیٰ کی کرامت اور راحت کی طرف نکل تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش اور جب اُس کی جان نکلتی ہے اُسے مشک و ریحان میں رکھ کے اوپر سے حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اُسے علیین یعنی اوپر والوں میں بھیجدیا جاتا ہے۔ اور کافر کو جب موت آتی ہے اُس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لیکے آتے ہیں اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں اور جان نکالتے وقت کہا جاتا ہے اے نفس پلید خدائے تعالےٰ کے عذاب اور خواری کی طرف نکل کہ تو اُس سے خفا اور وہ تجھپر ناراض۔ جب اُس کی جان نکلتی ہے تو اُن ہی چنگاریوں میں رکھ دی جاتی ہے اور روح اُن میں چھنچھناتی رہتی ہے اور اوپر سے ٹاٹ لپیٹ کے سجین یعنی زندان میں بھیجدی جاتی ہے۔

محمد بن کعب قرظی رح نے اس آیت کو پڑھ کے فرمایا "حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت" یعنی یہاں تک جب اُن میں کسی کو موت آئی وہ کہے گا اے رب مجھے پھر بھیج شاید میں کچھ بھلا کام کروں۔ اس کی مُراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ دریافت کرتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے کونسی چیز کی رغبت کرتا ہے کیا تیری یہ خواہش ہے کہ پھر کے مال جمع کرے۔ باغ لگائے۔ عمارت بنائے اور نہریں کُھدوائے وہ جواب دیتا ہے نہیں بلکہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اُس میں اچھا کام کروں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے "کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا" کوئی نہیں بد بات ہے کہ وہ کہتا ہے یعنی موت کے وقت یہ کلام کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں رہتا ہے اور اُس کی قبر ستر گز وسیع ہو جاتی ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی ہو جاتی ہے۔ اور کافر کی قبر میں یہ عذاب ہوتا ہے کہ ننانوے تنین اس پر مسلط کر دی جائیں گی اور تمہیں معلوم ہے تنین کیا چیز ہے ننانوے اژدہا ہر ایک کے سات سات پھن ہونگے۔ اور وہ اُس کے جسم کو قیامت تک نوچتے کھسوٹتے رہیں گے فقط

یہاں تک تو ہم نے اُن روایات کا انتخاب کیا جو منکر نکیر اور عذاب قبر کے بارے میں ہیں اب ہم چندان صحیح احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جن سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ساری باتیں بطور تمثیل کے بیان ہوئی ہیں حقیقت سے انہیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ سب جانتے ہیں اور یہ ایک مسلم امر ہے کہ معمولی چیز

کی اصلیت کے سمجھنے یا بیان کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی زبان میں الفاظ ہی نہیں پیدا کئے کہ وہ اُنہیں اُن کی معمولی حالت میں بہی ظاہر کرسکے۔ مثلاً درد دُکھ یا کڑوی اور میٹھی چیز کی کیفیت سوائے تمثیل کے نہ انسان سمجھہ سکتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ اسی طرح روحانی عذاب یا ثواب کا انسانی زبان میں سمجھانا غیر ممکن تھا اُنہیں بطور تمثیل کے سمجھادیا۔ آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قبر کے اژدہا اور عذاب کے فرشتے کون ہیں اور اُن کی اصلی حقیقت کیا ہے۔ کسی خاص معاملہ میں اختلاف روایات اِس امر کا پتہ دیتا ہے کہ اسلام نے کوئی خاص اصول اِس امر کے لئے مقرر نہیں کیا کہ درحقیقت یہ چیزیں مرنے کے بعد ہوں گی اور اس صورت خاص سے عذاب و ثواب نازل ہوگا۔ بہرحال ہم پہلے وہ روایتیں نقل کردیتے ہیں اور اُس کے بعد اس مسئلہ پر بحث کریں گے۔

طبرانی و حاکم نے یہ حدیث نقل کی ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اُس سے کہتی ہے اے خانہ خراب آدمی تجھے کس چیز نے مجھسے مغالطہ میں رکھا تونے نہ جانا کہ میں آزمایش کا گھر ہوں اور تاریکی کا مکان۔ تنہائی کی جگہہ اور کیڑوں کا خانہ ہوں۔ میرے باب میں تجھے کس چیز نے دہوکا دیا کہ تو میرے اوپر اکڑ کے چلتا تھا۔ اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اُسکی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ تو دیکھتی نہیں یہ شخص اچھی بات کا امر کیا کرتا تھا اور بُری بات سے منع کیا کرتا تھا قبر جواب دیتی ہے تو اب سبز ہوئی جاتی ہوں اُس کا جسم نور بن جائیگا اور روح خدائے تعالیٰ کے پاس چلی جائے گی۔

عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ جب مُردہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو گڑھا کہتا ہے میں تنہائی۔ تاریکی اور اکیلے رہنے کا مکان ہوں اگر تو اپنی زندگی میں خدائے تعالےٰ کا مطیع رہا ہوگا تو میں آج تجھپر رحمت بنونگا۔ اگر تو نافرمان رہا ہوگا تو عذاب بنونگا میں وہ ہوں جو مجھہ میں مطیع ہو کے آئے گا وہ خوش ہو کے نکلے گا۔ اور جو عاصی ہو کے آئے گا وہ تباہ ہو کے نکلے گا۔

محمد بن صبیح کہتے ہیں" جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس پر کچھ عذاب ہوتا ہے تو اُس کے پڑوس کے مُردے اُس سے کہتے ہیں کہ اے اپنے قریبی اور پڑوسیوں سے دنیا میں پیچھے رہنے والے کیا تجھے ہم سے عبرت نہوئی کیا اپنے آپ سے آگے آنے والوں کا حال تونے نہ سوچا تونے نہ دیکھا کہ ہمارے اعمال مرنے سے تمام ہوگئے تھے تجھے تو مُہلت تھی تونے اُس چیز کا تدارک کیوں نہ کرلیا جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی۔ زمین کے حصّے اُس سے کہتے ہیں اے ظاہر دنیا پر مغرور ہونے والے جو لوگ تیرے گھر والوں میں سے زمین کے شکم میں چلے گئے تھے اُن سے تونے عبرت کیوں نہ پکڑی اُنھیں دنیا نے تجھسے پہلے دہوکا دیا پھر اُن کی موت اُنہیں قبروں میں لے گئی تو اُنہیں دیکھتا تھا کہ دوسروں کے کاندہوں پر اُس منزل میں چلے جاتے ہیں جو اُن کے لئے ضرور تھی۔

یزید رقاشی کہتے ہیں جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال اُسے گھیر لیتے ہیں پھر اُنہیں خدا تعالیٰ

گویا کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں اے اکیلے بندے گڑھے میں پڑے ہوئے تیرے دوست اور تیرے رشتہ دار تیرے پاس سے چلے گئے تو ہمارے پاس ہو آج تیرا کوئی انیس نہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال نیک نماز و روزہ۔حج۔زکوٰۃ۔جہاد اُسے گھیر لیتے ہیں پھر عذاب کے فرشتے اُس کے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے اُس سے الگ رہو یہ شخص اللہ کے واسطے اُن پر اکثر کھڑا رہا کرتا تھا۔پھر فرشتے سر کی طرف آتے ہیں تو روزہ مانع آتا ہے اور کہتا ہے اد ہر میں تمہیں نہیں آنے دیتا یہ شخص بہت پیاسا رہتا تھا۔پھر فرشتے بدن کی طرف سے آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں یہاں سے الگ رہو کہ اس نے اس بدن سے حج کے لئے بہت محنت و مشقت اُٹھائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔تم کو راہ نہ ملے گی۔فرشتے ہاتھوں کی طرف سے آتے ہیں تو صدقہ کہتا ہے اس شخص کو جانے دو اُس نے ان ہاتھوں سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اللہ نے قبول کیا۔ یہ ساری باتیں سن کے فرشتے جواب دیتے ہیں مبارک ہو تو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا پھر اُس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اُس کے لئے جنت کا بستر بچھاتے ہیں اور حلۂ بہشتی لاتے ہیں اور اُس کی قبر کو جہاں تک نظر کام کرے کشادہ کر دیتے ہیں اور جنت سے اُس کے لئے ایک قندیل لائی جاتی ہے جو قیامت تک روشن رہے گی۔

عبد اللہ بن عبید بن عمیر نے ایک جنازہ کو دیکھ کے کہا میں نے سُنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُردہ قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور وہ اپنے ہمراہیوں کے پاؤں کی آواز سُنتا ہے اور اُس سے بجز اُس کی قبر کے کوئی چیز کلام نہیں کرتی۔قبر کہتی ہے اے خانہ خراب تجھے مجھ سے کسی نے نہیں ڈرایا تھا تجھے یہ خوف نہیں دیا گیا تھا کہ میں تنگ۔بدبودار۔ہولناک اور کیڑوں سے پُر ہوں پس تو نے میرے لئے کیا سامان کیا۔فقط

اِن مختلف واقعات سے جو عذاب قبر اور اندرونی حالت کی نسبت بیان ہوئے ہیں اس سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ انسان کی اُس بے بس اور مایوس حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو مرنے کے بعد اُس کی ہوتی ہے۔اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مرتے وقت انسان کے اعمال اس کے سامنے نہیں آجاتے انسان کے دل میں ایک ممیزہ قوت ہے جو اپنی نیکی اور بدی کا پورا اندازہ کرتی ہے۔مرتے وقت انسان یہ سمجھتا ہے کہ اب میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں اور پھر کبھی واپس پھر کے نہ آؤں گا۔اس وقت میری حالت سخت حسرتناک ہے باوجود حشم و خدم مدافعت کی قوت نہیں اور دنیاوی دولت و حشمت سے کچھ بھی فایدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ایسی حالت میں اس مرنے والے شخص نے جو کام اپنی زندگی میں اچھے کئے ہیں۔ اُن کے خیال سے اُسے کسی قدر اطمینان ہوتا ہے اور جب اُس بداعمالی کا نتیجہ یاد آتا ہے جس سے اُس کے ابنائے جنس کو نقصان پہنچا تھا وہ اپنے دل ہی دل میں سخت پشیمان ہوتا ہے اور یہ انتہا درجہ کی پشیمانی ایسی ازک

حالت میں اُس کے لئے عذاب کا فرشتہ بن جاتی ہے خواہ مرنے والا کسی مذہب کا پابند ہو یا نہو یعنی دہریہ ہو پھر بھی اُسے اپنے گزشتہ نیک و بد اعمال پر ایسی خطرناک حالت میں خوشی اور رنج ضرور ہوتا ہے۔

پھر دوسری بحث قبر کی حالت اور اُس کی گفتگو کرنے کی ہے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ قبر تنگ۔ بدبودار۔ ہولناک اور کیڑوں سے پُر ایک گڑھا ہے اور کون کہسکتا ہے کہ قبر زبان حال سے مُردہ سے وہ تقریر کرے گی جو اوپر لکھی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کوئی چیز ہے اور ضرور بد اعمالی کی سزا اور نیک اعمالی کی جزا ملے گی۔ دنیا میں جتنے مذاہب پیدا ہوئے اور جتنے اس وقت موجود ہیں وہ آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کے قایل ہیں اگرچہ اُن حالات کو بیان کرنے کا طریقہ سب نے اپنے مذاق کے موافق علیحدہ علیحدہ نکالا ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ یہ خیالات اس مذہب نے اُس مذہب سے لئے ہیں ایک بزدلانہ حملہ ہے۔ ہم نے فرشتوں کی بحث میں کہ ملائکہ کا نزول دنیا پر تمثیلی صورت میں ہوتا ہے اور اُن کا اثر حقیقت میں ہر وقت ہر ہر ذرّہ میں موجود رہتا ہے۔ اسلام نے ہر مسئلہ کو عقل کے مطابق صاف کیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ اُس سے ہو سکا مخلوق خدا کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دینے میں اس نے کوئی کسر نہیں کی۔ ان مختلف عذابوں سے جو اوپر بیان ہوئے اگر ایک معمولی عقل کا شخص ظاہر معنی لیلے تو کیا قباحت ہو سکتی ہے یا ایک عقلمند فہمیدہ شخص اس کے حقیقی معنی کی تہ تک پہنچ جائے اور یہ سمجھ لے کہ اس قسم کی مثالیں دینے سے انتہائے عذاب روحانی کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو کیا بُرائی ہے غرض ہر قسم کی عبرت لینے اور اپنی حالت درست کرنے سے وہ بات بدرجہ احسن اس سے حاصل ہوتی ہے۔

پادری سیل صاحب اور اُن کے دوست پادری الگزینڈر ر اس نے صرف دو ایک ہی روایتیں یہودیوں کی بیان کرکے یہ لکھدیا کہ یہودیوں سے پیغمبر اسلام نے عذاب قبر اور منکر نکیر کا مسئلہ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اُن روایتوں کو نہیں دیکھا جو ان کے علاوہ ہیں اور جو یہودیوں کی تالمود میں نہیں ملتیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ آیا دنیا میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا مذہب آج تک ایسا پیدا ہوا ہے جو آیندہ زندگی کا قایل نہو اور اُس نے مرنے کے بعد کے چند قواعد عذاب یا ثواب مقرر نہ کئے ہوں۔ جس مذہب میں پادری صاحبان ہیں اسمیں بھی بُرے لوگوں کے لئے گندھک میں جلنے اور دانت پیسنے کی دعوت کی گئی ہے اور حضرت مسیح نے نیک اعمالوں کو یہ بشارت دی ہے کہ وہ دائیں ہاتھ پر بٹھا کے اُنہیں انگور کی شراب پلائیں گے۔

حکماء اور انبیاء کی تعلیم میں یہی بہت بڑا بل ہے کہ حکیم ایسی بات کہتے ہیں جو اعلےٰ درجہ کا تعلیم یافتہ سمجھ سکے اور فایدہ اُٹھا سکے اور انبیا وہ باتیں کہتے ہیں کہ معمولی عقل کا شخص اس سے جسقدر متاثر ہو گا اُسی قدر ایک عاقل کو اُس سے نصیحت ہوگی۔ قبر کا عذاب اور اُس کا بیان درحقیقت ایک تازیانہ ہے اُن غافلوں کے لئے جو دنیا میں صرف اپنے ذاتی نفع کے لئے مخلوق خدا کو ستاتے ہیں بار بار صحیح حدیثوں میں ان الفاظ کا آنا کہ مرتے وقت عذاب یا ثواب کے فرشتے جو آتے ہیں وہ درحقیقت مرنے والے کے بد و نیک اعمال ہوتے ہیں اور قبر میں بھی وہی اعمال ہوتے ہیں جو اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اُس کے نیک و بد اعمال کا نام ملائکہ ثواب و

عذاب ہے۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح زندگی میں اچھے بُرے اعمال اس کے ساتھ رہتے تھے اُسی طرح مرنے کے بعد اُس کی قبر میں دفن ہوتے ہیں اور وہاں بھی اسے چین نہیں لینے دیتے۔ آگ کے گرز پڑنے اژدہاؤں کا تاقیامت اُس کے جسم کو برباد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مرنے کے بعد اُس کی بداعمالی کی وجہ سے خلق خدا کی اُس پر لعنت پڑتی ہے۔ مجلسوں میں اُس کا ذکر بُرے الفاظ میں کیا جاتا ہے کتابوں میں اُس پر سخت سب وشتم ہوتا ہے نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر خلق اللہ کی پھٹکار اور لعنت ملامت کم نہیں ہوتی۔ یزید نے جو کچھ کیا اُسے تیرہ سو برس کا زمانہ ہوگیا مگر دنیا کے اکثر حصہ میں ہنوز اُس پر لعن طعن ہوتی ہی اور کسی مذہب کا ہو اُسے اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا۔

اگر انسان غور کرے اور سمجھے کہ یہ عذاب کتنا بڑا ہے جس کی حقیقت ہرگز الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ اس سے نہ کوئی مذہبی آدمی انکار کرسکتا ہے نہ کوئی دہریہ۔ یہی باتیں ہیں جن سے سمجھ دار آدمی عبرت لیتے ہیں اپنی زشتی اعمال پر افسوس کرکے پشیمان ہوتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں اور دُعا مانگتے ہیں کہ الٰہی خاتمہ بخیر ہو۔ سمجھ دار کے لئے تو یہ ساری باتیں حکیمانہ ہیں ناسمجھ اگر اپنی بدعقلی سے اُن پر ہنستا ہے تو اُس کی حالت قابل افسوس ہے۔

کچھ پادری سیل صاحب ہی کی حالت قابل افسوس نہیں ہے بلکہ کُل عیسائی مُعترضوں پر افسوس ہوتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت انجیل اور اُس کی تعلیم کی طرف سے اُن کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور وہ ذرا بھی اپنے مذہب کا پاس نہیں رکھتے۔ وہ نہیں جانتے کہ اُن کے اس قسم کے اعتراضوں سے خود اُن کے مذہبی اصول درہم برہم ہوئے جاتے ہیں اور روح القدس کی برکت رخصت ہوئی جاتی ہے۔ ہم لامذہب بن کے توریت وانا جیل پر وہ اعتراضات کرسکتے ہیں کہ تمام دنیا بھی اُن کا جواب نہیں دے سکتی مگر نہیں ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو کے مُعترض نہیں ہونا چاہتے اور نہ ہمارا یہ شیوہ ہے جو پادری صاحبان نے اختیار کیا ہے ✦

چوتھا باب

جنّت ۔ دوزخ ۔ قیامت

دُنیا میں اگر کوئی دلچسپ اور ضروری مضمون ہو سکتا ہے تو وہ جنت ۔ دوزخ اور قیامت کا مضمون ہے ۔ تمام معاملات دنیا تمام قضیئے ۔ تمام خونریزیاں ۔ تمام جوڑ توڑ انسان اپنی آیندہ زندگی کے لیئے کرتا ہے اور کوئی فرد بشر یا کوئی مذہب اور کسی خیال کا انسان نہیں ہے جو آیندہ زندگی کا قایل نہو اور مرنے کے بعد اپنی ایک نئی زندگی نہ مانتا ہو ۔

علوم جدیدہ چاہے کتنا ہی انکار کیوں نہ کریں مگر نہیں سمجھ میں آتا کہ اُن کے فرضی اصول کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے ۔ جب کہ وہ اب تک زندگی ہی میں انسان کے جسم کی حالت سے پُورے پُورے واقف نہیں ہوئے اور درحقیقت ابھی تک انسان کی جسمانی حالت کا بلیہ حصّہ بھی تحقیق نہیں کیا ہے تو پھر کس صورت سے آنکھ بند کر کے مان لیا جائے کہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد کا حال بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے اور انسان میں آنکھ بند ہوتے ہی کچھ نہیں رہتا ۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ڈارون کے اصول موضوعہ ہمیشہ مسلّم ہی رہیں گے اور کون خیال کر سکتا ہے کہ موجودہ خیالات کی طرح آنے والی نسلوں کے خیالات بھی ان اصول موضوعہ کی حمایت کریں گے ۔ جو اصول کل بنتے ہیں اور آج بگڑ جاتے ہیں اُن کی نسبت کامل صحیح ہونے کا کون دعوٰے کر سکتا ہے ۔ وہ چیزیں جو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سُنتے ہیں اُن کی نسبت بھی ہماری آرائے میں اختلاف ہے ظاہر ہے جب اختلاف ہے تو وہ مسئلہ ہی غلط ہے ۔ کسی مسئلہ میں اختلاف کا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مسئلہ ہی سرے سے غلط ہے ۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں جنت و دوزخ کا خیال کیسا ہے ۔ اور اُنھوں نے کہاں تک ایک نامعلوم چیز کو سچ جانا اور اُس کی حقیقت کو پہچانا ہے ۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جنت کا بیان آیا ہے اور اُس میں جو کچھ عُمدگی رکھی گئی ہے وہ یہی ہے کہ انسان کی اعلےٰ درجہ کی راحت کے خیال کو سادے سادے جُملوں میں ادا کیا گیا ہے ۔ نہروں کا بہنا ۔ سرسبز باغوں کا رہنا ۔ میوہ دار درختوں کا پھل کھانا ۔ جواہرات کی اتنی کثرت ہونا کہ اس کے بستر بنائے جائیں گے ۔ خدمت میں جمیل اور حسین لونڈی غلاموں کا ہر وقت حاضر رہنا ۔ یہ ساری باتیں ہیں جن سے ایک اعلےٰ سے اعلےٰ خیال راحت پیدا ہو سکتا ہے ۔ ہم مُناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں جنت اور اُس کی نعمتوں کا جو بیان ہوا ہے اس کا اختصار کر دیں اور پھر اخیر ان سب روایتوں پر اپنی رائے کا اظہار کریں ۔ وھو ھذا ۔

اہل جنت کے حال پر نظر کر کہ اُن کے چہروں پر آرام کی تازگی ہوگی اور اُنہیں سربمہر شراب پلائی جاتی ہوگی ۔ یاقوت سرخ کے منبروں پر در شاداب و سفید کے خیموں میں بیٹھے ہوئے ہونگے جن میں سبز چھاپے کے بچھونے بچھے ہوئے اور تختوں پر تکیے لگے ہوں گے اور وہ خیمے شراب اور شہد کی نہروں کے کناروں پر ایستادہ ۔ غلاموں اور بچوں سے

پُر۔ گوری گوری عورتوں بڑی آنکھوں والیوں سے آراستہ خوش خلق اور خوبصورتوں سے مزین ہوں گے۔ وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہوں گی اور اُنہیں جنتیوں سے پیشتر کسی نے آنکھ بھر کے نہ دیکھا ہوگا۔ جنت کے درجوں میں خرام ناز کریں گی الخ جب اُن میں سے کوئی حور تبختر کرے گی تو اُس کے دامن کو ستر ہزار لڑکے اُٹھائیں گے اور اُن پر سفید حریر کی چادریں اُس شوخ رنگ کی ہوں گی جنہیں دیکھ کے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہو جائے اُن پر موتی اور مونگے جڑے ہوئے ہونگے۔ تاج اُن کے سر پر آنکھوں میں سُرخ ڈورے۔ ناز و انداز کی پُتلیاں۔ لعل کے محلوں میں پردہ نشین نیچی نگاہوں والیاں ہوں گی۔ ان کے مکان جنت کے باغوں کے بیچ میں تعمیر ہوں گے۔ اور پھر ان مردوں اور عورتوں میں جام و صراحی کا دور چلے گا۔ شراب خاص اور لذت کا عرق اُن میں باہم پیے جائیں گے۔ اُن پیالوں کو جن میں یہ شراب وغیرہ پلائی جائے گی وہ لڑکے لئے ہوں گے جو مثل دُرِ آبدار کے صاف اور تاباں ہوں گے۔ یہ اہل جنت کی کمائی کا بدلہ ہوگا کہ آسایش و آرام کے مقام میں باغوں اور چشموں کے بیچ میں گلزاروں اور نہروں کے وسط میں پُر تکلف نشستگاہوں میں بیٹھے اپنے قادر ذوالجلال کے نور سے روحانی لذت لیتے ہوں گے۔ اور اس لذت کی شادابی اُن کے چہرے سے ٹپکتی ہوگی نہ ان میں گرد ہوگی نہ ذلت بلکہ وہ معزز بندے ہوں گے اور خالق ارض و سما کی طرف سے نئے نئے تحفوں سے اُن کی خبر گیری ہوتی ہوگی۔ غرضکہ اپنی خواطر خواہ آرزوؤں میں سدا رہیں گے نہ کسی کا خوف ہوگا نہ غم کریں گے اور موت کا وہم بھی اُن کے پاس ہو کے نہ پھٹکے گا۔ اُن کا دائمی قیام جنت میں ہوگا اسی کی غذائیں اُنہیں ملینگی۔ نہروں میں کسے دوده. شہد اور شراب بہیں گے۔ اُن نہروں کی زمین چاندی کی ہوگی۔ کنکر۔ مونگے کے اور مٹی مُشک اذفر کی۔ سبزہ زعفران کا۔ جو بادل اُس میں برسے گا اُس کا شیریں پانی کافور کے ٹیلوں پر پڑے گا جو آبخورے پانی پینے کو ملیں گے اُن میں موتی۔ لعل۔ مونگے جڑے ہوئے ہوں گے۔ اُن آبخوروں میں سر بمہر شراب جس میں سلسبیل کی ملونی ہوگی صاف عیاں نظر آئے گی۔ اُن کو کسی آدمی نے نہیں بنایا جس کی بناوٹ میں کسی قسم کا قصور یا فتور رہا ہو۔ وہ پیالے ایسے خادموں کے ہاتھوں میں ہوں گے جن کے چہرہ کی تابانی اور درخشانی سورج کی روشنی کے برابر ہوگی مگر سُورج میں صُورت کی ملائمت۔ کالی زلفوں کی خوبی۔ آنکھوں کی ملاحت کہاں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا (مسلم بروایت ابوہریرہ وابو سعید) کہ ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت تمہیں وہ تندرستی عطا ہوئی ہے کہ تم کبھی بیمار نہ ہوگے اور تمہیں وہ زندگی عطا ہوئی ہے کہ کبھی نہ مروگے اور تمہیں وہ جوانی دی گئی ہے کہ کبھی بوڑھے نہ ہوگے اور تم میں وہ توانگری ودیعت کی گئی ہے کہ کبھی محتاج نہ ہوگے۔

سورۂ رحمٰن میں جن دو جنتوں کا اشارہ ہے اُس کی تفسیر میں یہ حدیث آئی ہے۔ بخاری و مسلم نے ابو موسےٰ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ دونو جنتیں چاندی کی ہوں گی اُنکے

ظروف اور ان کی کل چیزیں چاندی کی ہوں گی اور دو جنتیں مع ظروف اور کل اثاث البیت کے سونے کی ہونگی اور لوگوں میں اپنے پروردگار کا جلال دیکھنے کے لئے بجز چادر کبریا کے کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں (بخاری و مسلم نے روایت کی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑ خرچ کرے گا وہ جنت کے دروازوں میں سے بلایا جائے گا اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو کوئی نمازی ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو شخص روزہ دار ہوگا وہ باب للریان میں سے بلایا جائے گا اور جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا اُسے باب الصدقہ میں سے بلائیں گے۔ اور جو اہل جہاد ہوگا اُسے باب الجہاد میں سے آواز دی جائے گی پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ تو ضرور نہیں کہ کوئی کسی دروازہ سے بلایا جائے مگر یہ فرمائیے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو ان سب دروازوں میں سے بلایا جائے ارشاد نبوی ہوا ہاں ایسے بھی لوگ ہوں گے جو ان سب دروازوں میں سے بلائے جائیں اور مجھے توقع ہے کہ تو اُن میں سے ہو۔

عاصم بن ضمرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے دوزخ کا ذکر فرمایا اور اُس کی نسبت ایسی طویل تقریر کی کہ مجھے یاد نہیں اس ذکر کے ختم کرنے کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی" وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا" یعنی وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے تھے جتھے جتھے بہشت میں بھیجے گئے۔ فرمایا جب یہ لوگ اُس کے کسی دروازہ پر پہنچیں گے تو اُس کے پاس درخت دیکھیں گے جس کی جڑ کے پاس دو چشمے بہتے ہوں گے وہ حکم کے بموجب اُن دونوں میں سے ایک کی طرف جائیں گے اور اس میں نہائیں گے۔ اُن پر فوراً راحت کی شادابی عیاں ہو جائے گی پھر کبھی اُن کے بالوں میں فرق نہ آئے گا اور وہ اُلجھنے اور میلے ہونے نہ پائیں گے ہر وقت یہ معلوم ہوگا کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا ہے۔ پھر جنت تک پہنچیں گے تو داروغہ جنت اُن سے یوں خطاب کرے گا" سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین" یعنی سلام پہنچے تم کو تم لوگ پاکیزہ ہو سو ہمیشہ رہنے کے لئے اس میں بیٹھو۔ پھر اُن سے لڑکے ملیں گے اور ایسا چمٹیں گے جیسے کسی رشتہ دار کو چمٹتے ہیں جو مدت کے بعد سفر سے واپس آیا ہو وہ لڑکے اُن سے کہیں گے تجھے بشارت ہو اُس کرامت کی جو خداوند تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کی ہے پھر ایک لڑکا اُن لڑکوں میں سے جاکے اُس جنتی کی حوروں کو اطلاع دے گا کہ فلاں شخص آیا ہے اور وہی نام لیگا جو دنیا میں اُس کا تھا وہ بیتاب ہو کے بولے گی تو نے اُسے دیکھا ہے لڑکا جواب دے گا ہاں دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آتا ہے وہ حور فرو خوشی سے اُٹھ کھڑی ہوگی اور اپنے دروازہ کی دہلیز پر پیشوائی کے لئے آ کھڑی ہوگی جب جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ پتھروں کی جگہہ موتی ہیں اور اُن پر ایک عالی شان عمارت سرخ زرد سبز غرض ہر ہر رنگ کی بنی ہوئی ہے پھر جنتی اپنا سر اُٹھائے گا تو اُسے چھت بجلی کی طرح چمکتی نظر آئے گی۔ اگر خدائے تعالیٰ نظر کو قدرت نہ دیتا تو کیا عجب تھا کہ اس چمک سے نظر جاتی رہتی۔ پھر وہ اپنی نظر کو نیچی کریگا۔ تو دیکھے گا کہ اُس کی بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں پیالے رکھے ہوئے ہیں اور فرش بچھے ہوئے

اور اُن پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ پھر جنتی تکیہ لگا کے کہے گا خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اسپر ہدایت کی اگر خدائے تعالیٰ ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ہدایت پاتے پھر ایک آواز آئے گی کہ تم زندہ رہو گے اور کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔ تمہارا یہاں دائمی قیام ہو گا سفر کی زحمت کا خواب وخیال بھی تمہیں نہ آئے گا صحت تمہارے ساتھ لازمی کر دیگئی ہے۔ تم کبھی بیمار نہو گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (مسلم بروایت انس) قیامت کے دن میں جنت کے دروازہ پر آکر اُسے کھلواؤں گا داروغہ کہے گا تم کون ہو میں جواب دوں گا کہ محمد ہوں وہ عرض کرے گا مجھے حکم ہے کہ آپ سے پیشتر کسی کے لئے دروازہ نہ کھولوں گا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری ومسلم نے روایت کی ہے) جنت والے کھڑکی والوں کو اپنے اوپر ایسا دیکھیں گے جیسے تم ستاروں کو مشرق اور مغرب کے کناروں پر جاتا دیکھتے ہو اور وہ اس لئے اس شان سے نظر آئیں گے کہ اہل جنت ہیں اور اُن میں رُتبہ کی رو سے بہت بڑا فرق ہو گا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ مراتب انبیا ہی کے ہوں گے اوروں کو ان سے محروم رکھا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں اوروں کو بھی کیوں نہ ملیں گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس مرتبہ کے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انبیا کی تصدیق کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ترمذی وابن ماجہ بروایت ابو سعید) بلند مرتبہ والوں کو اُن کے نیچے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کسی کنارے سے ستارے کو نکلتے دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ و عمرؓ اُن ہی بلند درجہ والوں میں سے ہیں۔ اور فضل میں سب سے زیادہ ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے میں جنت کی کھڑکیوں کا بیان کروں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں آپ نے ارشاد کیا جنت میں کھڑکیاں ہیں جن میں سے چیز آر پار نظر آتی ہے اور ان میں راحت اور لذت اتنی ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی آدمی کے دل میں گذری میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کھڑکیاں کن لوگوں کو ملیں گی آپ نے فرمایا اُن لوگوں کو جو اشاعت اسلام کریں۔ اور کھانا کھلاویں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور رات کو لوگوں کے سوتے ہوئے نماز پڑھیں۔ میں نے عرض کیا ان باتوں کی طاقت کس کو ہے آپ نے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے اور اب میں تمہیں اس کا حال بتاتا ہوں جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے ملے اُسے سلام کرے یا اُس کے سلام کا جواب دے تو اُس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے گھر والوں یا کنبہ کے لوگوں کو اتنا کھانا کھلایا کہ اُن کا پیٹ بھر دیا تو اُس نے گویا کھانا کھلایا۔ اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھ لئے اُس نے ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے نماز عشاء اور نماز فجر جماعت سے پڑھی کہ اس وقت لوگ سوتے ہوتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس اُس کا وقت گویا ہمیشہ نماز میں گزرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے معنی میں فرمایا

(ابن حبان در کتاب العظمت بروایت حسن عن ابی ہریرہ) "ومساکن طیبۃ فی جنت عدان" کہ مساکن سے غرض موتی کے محل ہیں ہر محل میں ستر گھر لعل سُرخ کے اور ہر گھر میں ستر حجرے سبز زمرد کے اور ہر حجرے میں تخت ہیں اور ہر تخت پر ستر فرش ہر رنگ کے بچھے ہوئے اور ہر فرش پر ایک بی بی حوروں میں سے بیٹھی ہوئی ہر حجرے میں ستر دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے۔ ہر حجرے میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایمان دار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ اُن سب سے تعلق پیدا رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط ونسائی اور صحیح میں بروایت انس مرقوم ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخرت میں خدائے تعالیٰ شراب پلوائے تو چاہئے کہ دنیا میں شراب نہ پیوے اور جسے یہ منظور ہو کہ خداوند تعالیٰ آخرت میں اُسے حریر پہنائے تو چاہئے کہ دنیا میں حریر کا پہننا ترک کرے۔

ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے ٹیلوں یا مشک کے پہاڑوں میں سے نکلتی ہیں۔

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہ) اگر جنت کے لوگوں میں سے کسی کے پاس سب سے کمتر زیور ہو اور اُس کا تمام دنیا کے زیور سے مقابلہ کیا جائے تو جو زیور اللہ تعالیٰ آخرت میں دے گا وہ تمام دنیا کے زیور سے اچھا ہوگا۔

ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (یہ حدیث بخاری ومسلم میں لکھی ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اُس کے سایہ میں سو برس چلے پھر بھی اُس کو تمام نہ کر سکے۔

حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ابن مبارک در زہد عن مسلم بن عامر مرسلاً) اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور اُن کے مسائل سے نفع دیتا ہے۔ ایک بار ایک اعراب آیا اور اُس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایذا دہندہ درخت کا ذکر فرمایا ہے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ جنت میں کوئی درخت ایسا بھی ہے جو جنتی کو ایذا پہنچائے آپ نے فرمایا وہ کونسا درخت ہے اُس نے عرض کیا بیری کا درخت جسمیں کانٹے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کاٹنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل لگا دے گا کہ ہر پھل میں بہتر طرح کا مزہ ہوگا اور شکل میں بھی ایک دوسرے سے مغایرت کلّی ہوگی

جریر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب صفاح میں ٹھیرے تو دیکھا ایک شخص درخت کے نیچے سوتا ہے اور اُس پر دھوپ آگئی ہے میں نے اپنے غلام کو بھیجا کہ چمڑے کے بچھونے کا اُس پر سایہ کر اُس نے میرے حکم کی تعمیل کی جب وہ جاگے تو معلوم ہوا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے اُن کی خدمت میں جا کے سلام کیا۔ اُنہوں نے فرمایا اے جریر اللہ کے واسطے تواضع کر جو شخص دنیا میں خدائے تعالےٰ کے واسطے

تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اُسے بزرگی دیتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ قیامت میں تاریکیاں کیا ہونگی میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔ پھر ایک باریک سا تنکا اُٹھایا جو زیادہ باریک ہونے کی وجہ سے مجھے دکھائی نہ دیتا تھا پھر فرمایا اے جریر اگر تو اس کے موافق جنت میں ڈھونڈے گا تو نہ پائے گا میں نے عرض کیا کہ پھر خرما کے درخت اور دوسرے پیڑ کہاں جائیں گے فرمایا کہ لکڑی اور تنکوں کے نہوں گے اُن کی جڑیں موتی اور سونے کی ہوں گی اور اُن میں پھل لگے ہوئے ہونگے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم نے نقل کیا ہے) جو جنت میں داخل ہوگا اُسے نعمت باری تعالیٰ کا حصہ دیا جائے گا پھر نہ وہ محتاج ہوگا نہ اُس کے کپڑے پُرانے ہونگے۔ نہ جوانی کو تنزل ہوگا اور **جنت میں وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں نہ کسی آدمی کے دل میں اُن کا خطرہ گزرا۔**

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے جنتیوں کے کپڑوں کا حال بیان فرمایئے آپ نے سکوت کیا (نسائی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ) اور اُس پر بعض لوگ ہنسنے لگے آپ نے ارشاد کیا تم کیوں ہنستے ہو کیا اس سے ہنستے ہو جو شخص نہیں جانتا وہ جاننے والے سے دریافت کرتا ہے پھر فرمایا اُن کے لباس جنت کے میووں میں سے نکلا کریں گے۔ اسے آپ نے دو بار فرمایا۔

ابو ہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (بخاری و مسلم) اول گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اُن کی صورتیں چودھویں رات کے چاند سی ہوں گی وہ نہ جنت میں تھوکینگے نہ چھینکیں گے نہ جائے ضرور جائیں گے۔ اُن کے برتن اور کنگھیاں سونے چاندی کی ہوں گی پسینے میں مشک کی خوشبو آئے گی ہر ایک کے لئے دو دو بیبیاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت میں سے حسن اور لطافت کے باعث صاف دکھائی دیگا۔ نہ آپس میں اختلاف رہے گا نہ دلوں میں بغض بلکہ یکدل ہو کے صبح شام خدائے تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی بروایت ابو سعید) جنتیوں کے تاج ایسے ہوں گے کہ اُنمیں کے ادنےٰ موتی کی چمک پورب سے لیکے پچھم تک روشن کردے۔

آنحضرت فرماتے ہیں (بخاری و مسلم دونوں نے بروایت ابو موسیٰ اشعری اس حدیث کو نقل کیا ہے) کہ جنتیوں کا خیمہ بیچ میں سے خالی ہوگا اور اُس کی اونچائی تیس کوس ہوگی۔ اُس کے ہر گوشہ میں مومن کی گھر والی ہوگی۔ جسے دوسری بی بیاں نہ دیکھیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (بخاری) کہ خیمہ مجوف موتی کا ہے اس کا طول و عرض ایک فرسخ کا اور اُس کے چار ہزار دروازے سونے کے ہوں گے۔

ثوبان مولیٰ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ علمائے یہود میں سے ایک

عالم حاضر حضور انور ہوا اُس نے چند سوال کئے یہاں تک کہ یہ بھی دریافت کیا کہ پل صراط پر لوگوں میں سے اول کون شخص اُترے گا۔ آپ نے فرمایا فقراے مہاجرین یہودی نے پوچھا جب وہ جنت میں جائیں گے تو انہیں تحفہ کیا ملے گا آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کے کباب اُس نے عرض کیا اس کے بعد اُن کی غذا کیا ہوگی آپ نے فرمایا جنت کا بیل جو اس کے کناروں پر کھاتا پھرتا ہے وہ اُن کے لئے ذبح ہوگا اُس نے دریافت کیا کہ پانی کہاں سے پییں گے آپ نے ارشاد کیا چشمہ سلسبیل سے اُس نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (نسائی در کبری) اور عرض کیا اے ابوالقاسم آپنے یہ فرمایا ہے کہ نہیں کہ جنت کے لوگ کھائیں گے اور پئیں گے۔ اور یہ بھی اُس نے کہا اگر آپ مجھ سے اس امر کا اعتراف کریں گے تو میں اعتراض کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جنتیوں میں ایک ایک کو سو سو مردوں کی طاقت کھانے اور پینے اور عیش کرنے کی عطا ہوگی۔ یہودی نے کہا جو شخص کھائے پیئے گا اُسے جائے ضرور جانے کی ضرورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا جائے ضرور جانے کے عوض یہ ہوگا کہ اُن کے جسموں سے مشک کی خوشبو کا پسینہ بہے گا اور پیٹ صاف ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوں ہی تو پرند کو دیکھ کے خواہش کرے گا وہ فوراً تیرے سامنے ذبح ہو کے بھن جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کچھ پرند مثل بختی اونٹ کے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ خوب ہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ اُن سے خوب زیادہ وہ ہے جو اُن کو کھائے گا اور تو اے ابوبکر اُن لوگوں میں سے ہے جو اُن کو کھائیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے لئے ستر پیالوں کا دور ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر ایک پیالہ میں نئی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا۔

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتیوں کو ایک شراب چاندی کے رنگ کی سی ملے گی اور وہ ایسی شراب ہوگی اگر کوئی شخص دنیاداروں میں سے اُس میں اپنا ہاتھ ڈالکے وہ باہر نکال لے تو اس قدر خوشبو ہو کہ کوئی جاندار ایسا باقی نہ رہے جس کو اس کی خوشبو نہ پہنچے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُن کی صورتیں پردوں میں سے آئینہ سے بھی صاف نظر آئیں گی اور اُن کے زیور کا ادنے موتی مشرق سے مغرب تک روشن کر دے گا اور اُن پر وہ ستر کپڑے ہوں گے جن سے آدمی کی نظر پار ہو جائے یہاں تک کہ اُن کی پنڈلیوں کا مغز اُن کے اندر سے معلوم ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ شب معراج میں جنت کے ایک مقام پر پہنچا وہاں موتیوں سبز زبرجد اور لعل سرخ کے خیمے ایستادہ تھے اُن عورتوں نے جو اُن خیموں میں تھیں مجھ سے کہا

السلام علیکم یا رسول اللہ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ آواز کن عورتوں کی ہے جبرائیل نے کہا یہ عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہیں انہوں نے اپنے پروردگار سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی چنانچہ انہیں اجازت مرحمت ہوئی پس وہ کہنے لگیں ہم راضی ہیں کبھی ناراض نہوں گی ہم مقیم ہیں کبھی سفر نہ کرینگی۔

اور حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کا نام باکرہ عورتوں کی بکارت دُور کرنے کا ہوگا۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت والے جماع بھی کریں گے آپ نے فرمایا کہ ایک ایک شخص کو اہل جنت میں سے اتنی اتنی قوت ملے گی کہ تم میں سے وہ ستر مردوں سے زیادہ ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ادنے مرتبہ کا وہ شخص ہوگا کہ اُس کے ساتھ ہزار خادم ہونگے اور ہر خادم کو وہ کام ہوگا جو دوسرے کو نہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پانسو حوروں چار ہزار باکرہ عورتوں آٹھ ہزار مرد رسیدہ عورتوں سے نکاح کرے گا اور اُن میں سے ہر ایک سے اتنا معانقہ کرے گا جتنا دنیا میں جیا ہوگا۔

آنحضرت نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں بجز مرد و عورت کے حُسن کے اور کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں ہوتی پس جب کوئی شخص کسی حسین صورت کی خواہش کرے گا تو وہ اُس بازار میں جائے گا جہاں بڑی آنکھوں والی حوریں جمع ہیں۔ وہ اتنی بلند آواز سے کہتی ہیں کہ کسی نے نہ سُنی ہوگی اور وہ آواز یہ ہے ہم دایم و قایم ہیں۔ ہم کبھی فنا نہونگے۔ ہم صاحب نعمت ہیں محتاج نہونگے۔ ہم خوش ہیں کبھی خفا نہوں گے۔ مبارک ہے وہ شخص جو ہمارا ہوا اور ہم اُس کے ہوں۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوریں جنت میں گاتی ہیں اور کہتی ہیں ہم خوبصورت لونڈیاں ہیں اور کریم مردوں کے لیئے ہم محفوظ ہیں۔

یحیٰی بن کثیر فرماتے ہیں کہ جنت میں راگ ۔ اگنی ہوگی۔

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے اُس کے پائیں بیٹھ کے دو حوریں گیت سُناتی ہیں جس گیت کو انسان اور جن سُنتے ہیں اور وہ گیت مزامیر شیطان یعنی شعر نہیں ہوتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی حمد اور تقدس کا حال ہوتا ہے۔

حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا سنو کوئی ہے کہ جنت کی تیاری کرے جنت کو کچھ خطرہ نہیں بخدائے کعبہ ایک نور ہے تاباں اور ایک گلدستہ ہے سرسبز اور خوشنما مضبوط مضبوط محل بنے ہوئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں۔ درختوں میں پکے پکے میوے لگے ہوئے ہیں خوبصورت صاحب جمال بی بیاں۔ خوشی اور نعمت کا دائمی قیام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم ہیں اُس کی تیاری کرنے والے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہو انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ نے جہاد کا حکم دیا۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا جنت میں گھوڑا بھی ہوگا کہ وہ

مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے فرمایا اگر تجھے گھوڑا پسند ہے تو یاقوت سرخ کا گھوڑا تجھے ملے گا کہ جنت میں جہاں تو چاہے
تجھے لئے اُڑتا پھرے گا۔

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ جنت میں اونٹ بھی ہوگا آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا
جب تو جنت میں داخل ہوگا تو جس چیز کو تیرا نفس چاہے گا وہ تجھے ملے گی۔

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی کا دل چاہے گا تو
اُس کی اولاد ہوگی اور اُس کا حمل وضع حمل اور جوانی ایک ہی ساعت میں ہوجائے گی۔

آنحضرت نے فرمایا ہے اہل جنت جنت میں ٹھیر جائیں گے تو بھائی بھائیوں کے مشتاق ہوں گے پس ایک کا
تخت دوسرے کے پاس جائے گا اور ملاقات کریں گے جو دنیا میں دونوں میں ہوتی تھی ایک کہے گا بھائی تجھے
یاد ہے کہ ہم نے فلاں روز فلاں مجلس میں خدائے تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ہمیں بخشدیا

آنحضرت نے فرمایا ہے جنت والے بے ریش و بروت ۔ چاق و چست سُرمہ لگائے ہوئے تینتیس برس کی
عمر کے حضرت آدم کی پیدائش پر ہوں گے۔ اُن کا قد ساٹھ ہاتھ کا اور عرض سات ہاتھ کا ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اہل جنت میں سے ادنےٰ وہ ہوگا جس کے پاس اسّی ہزار خادم اور بہتّر بی بیاں
ہوں گی اور اُس کے لئے ایک خیمہ زبرجد اور موتیوں کا اتنا بڑا کھڑا کیا جائے گا کہ وہ جابیہ اور صنعا کے بیچ
میں آجائے اُن کے سر پر تاج ہوں گے اور اُن میں ادنےٰ درجہ کا موتی پورب سے پچھم تک روشن کردے گا۔

آنحضرت فرماتے ہیں میں نے جنت کو دیکھا تو اس کے انار اتنے اتنے بڑے ہیں جیسا پالان کسا ہوا اونٹ
اُس کے پرند مثل بختی اونٹ کے بیٹھے ہیں اسی میں ایک لونڈی کو دیکھا اور اُس سے میں نے دریافت کیا کہ تو
کس کی ہے اُس نے کہا زید بن حارثہ کی ۔ جو چیز جنت میں نظر پڑی وہ ایسی ہی تھی کہ **آنکھوں نے نہ دیکھی
نہ کانوں نے سُنی نہ کسی کے دل پر اُس کا خطرہ گزرا۔**

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو
اپنے ہاتھ سے لکھا اور جنت کے درخت اپنے ہاتھ سے لگائے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوا بول جنت بولی " قد
افلح المؤمنون " یعنی ایمان والوں کی بن پڑی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کے انار ڈول جیسے ہیں اُس کی نہریں اس پانی کی ہیں
جو نہیں سڑتا اور وہ نہریں دودھ کی ہیں جس کا مزہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں صاف شہد کی ہیں جسے آدمیوں نے
صاف نہیں کیا اور نہریں ایسے شراب کی ہیں جو پینے والوں کو مزہ دیں نہ نیند سے اُس کا سرور جائے نہ سر میں
گرانی ہو۔ پھلوں کا حال سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اُن کی خوشبو پانسو برس کی راہ سے آتی ہے۔

جنت والوں کو جنت میں تیز اور سبک رو گھوڑے اور تیز قدم اونٹ ملیں گے جن کی کاٹھیاں باگیں اور زین
یاقوت کے ہوں گے۔ وہ لوگ جنت میں سیر کریں گے اور اُن کی بی بیاں حوریں ہوں گی جیسے لپٹا ہوا موتی یعنی

نظر اور دست مالی کے آسیب سے محفوظ اور وہ حوریں اپنی دونوں انگلیوں میں ستر لباس پکڑ کے پہنیں گی۔ فقط یہ ہے جنت کی کیفیت جو ہم نے نہ صرف قرآن میں سے بلکہ احادیث صحیحہ اور صحابہ اور علما کے اقوال سے بیان کی۔ ایک عاقل منصف شخص اس سارے جنت کے بیان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہی حکیمانہ اصول پر ہے اور ایک حکیم یا مصلح کو یہی کہنا چاہئے تھا۔ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں میں مبعوث ہوئے تھے جنہیں شہد۔ دودھ۔ میوے اور خوبصورت عورتیں یا جواہرات کے مکان حد سے زیادہ عزیز تھے اور وہ ان ہی چیزوں کو انتہائے شادمانی سمجھتے تھے اگر انہیں اُن کے خیال اُن کی طبیعت اُن کے مذاق کے موافق جنت کی نعمتوں کا حصہ دار نہ بنایا جاتا تو آج کفر و بدعت میں سارا جہان کا جہان گرفتار رہتا اور کہیں نام کو بھی توحید پرستی نہ ہوتی اُن ہی مقدس انفاس کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ پلہ دنیا خدائے برحق وواحد کے حضور پانچ وقت جھکتی ہے اور مذاہب باطلہ کی طرف سے خدائے تعالیٰ کے ایک بڑے حصہ مخلوق کو پھیر رکھا ہے۔ سمجھنے اور زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ایک شخص نے آکے گھوڑا مانگا دوسرے نے اونٹ چونکہ یہودی زیادہ کھانے والی قوم ہوتی ہے اُن میں سے ایک شخص نے کھانے کی بابت دریافت کیا آپ نے گھوڑے والے کو گھوڑا اونٹ والے کو اونٹ اور کھانے کی دریافت کرنے والے کو بیل کی بشارت دی۔ اب اگر آپ اُن سے بھی یہی حکیمانہ مقولہ فرما دیتے کہ جنت میں وہ چیز ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی۔ نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا تو وہ لوگ کیا خاک سمجھتے اور کیوں کر سچے مسلمان ہو کے دین خدا کی اشاعت کرتے۔ زبردستی اعتراض کرنا اور چیز ہے اور مقتضائے وقت دیکھنا دوسری چیز ہے۔

سب سے زیادہ ہمیں عیسائیوں کے اعتراضات پر جو وہ مسلمانوں کی جنت پر کرتے ہیں حیرت ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی جنت[1] کا بیان اس مبالغہ سے ہوا ہے کہ جس کا سر پیر ہی نہیں دکھائی دیتا اور اسکی

[1] انجیل میں کئی جگہ جنت کا ذکر آیا ہے جہاں حضرت مسیح نے نہایت سیدھے سادے الفاظ میں فرمایا ہے کہ جنت میں یہ خیمے ہوں گے اور وہاں خداوند اپنی آستینوں سے تمہارے آنسو پونچھے گا۔ ان الفاظ سے حضرت مسیح کے حواریوں کو کچھ تسکین نہیں ہوئی تو ناچار آپ نے یہ فرمایا کہ جنت میں تم میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیو گے۔ یہ جملے بھی زیادہ تسکین بخش نہ ثابت ہوئے وجہ یہ کہ وہ انگور کا شربت تنہا ہی نہیں بلکہ حضرت مسیح کے ساتھ روز پیا کرتے تھے اور انہیں کوئی غیر معمولی بات نہ معلوم ہوتی تھی۔ غرض اسی کشمکش کے عرصہ میں حضرت مسیح کی وفات ہوگئی اور خداوند تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ تیری وفات ہوگی پورا ہو گیا اب اُن کے حواری پریشان ہوئے کہ کیا کریں اور خود اپنی اور دوسروں کی آیندہ زندگی کی تسکین کے لئے کونسی صورت نکالیں آخر مدت کے بعد یوحنا نے چند باتیں بیان کیں جو اُس نے آسمان پر جا کے خود دیکھیں اس بیان کو مکاشفات یوحنا کہتے ہیں۔ اور اسے انجیل مقدس کا ایک بڑا عنصر خیال کیا گیا ہے اور عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ یہ لکھا گیا ہے الہام سے لکھا گیا ہے اور وہ اُسے مثل قول مسیح کے خدا کی طرف کا پاک نوشتہ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر انہوں نے اناجیل کے ساتھ شامل کر رکھا ہے چنانچہ

ہم کوئی تاویل ہی نہیں کرسکتے برخلاف مسلمانوں کی جنت کے کہ اس میں عقل سے کام لینے کی بڑی گنجائش ہے اور ایک عقلمند انسان سرزمین عرب کی حالت اور جزیرہ نما کی مرزوبوم کو دیکھ کے ہرگز یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ جو کچھ بیان کیا گیا جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لئے تھا۔ العظمۃ للہ۔ ہمارے نبی معصوم و برحق کا یہ ہرگز منشا نہ تھا۔ آپ نے عامتہ خلائق کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا اس لئے آپ بمقتضائے قانون قدرت ہر شخص کی سمجھ کے موافق گفتگو کیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک شخص نے بیری کے درخت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ بیری کا درخت بھی جنت میں ہوگا اُس نے بیری کے کانٹوں سے خوف ظاہر کیا آپ نے فرمایا خوف کیوں کرتا ہے ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل ہوگا۔ یہ ساری باتیں ہمیں اُس زبردست اصلاح کی قوت سے آگاہ کرتی ہیں جو ہمارے نبی معصوم و برحق میں ودیعت کی گئی تھی۔ کون کہتا ہے کہ ہمارے ہادی برحق نے خلاف کیا اور کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ آپ کے یہ اقوال لذائذ نفسانیہ کے لئے تھے۔ ہزاروں اقوال موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ علمائے اسلام نے خاص اس امر میں کہ جہلا کو جہلا کے موافق جواب دیا جائے سچی تقلید کی ہے اور اپنی تقلید میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے فخر دہلی شاہ عبدالعزیز صاحب سے ایک ہندو نے آکے کہا اگر آپ میرے سوال کا جواب دیدیں گے اور میرا اطمینان ہوجائیگا تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔ یہ شخص دہقانی تھا اور

مکاشفات یوحنا باب ۴ سے ہم عیسائیوں کی جنت کا تذکرہ انتخاب کرتے ہیں اور ہم اسے اپنی اردو میں تحریر کریں گے۔ انجیل کی بے تکی اردو میں نہ لکھیں گے جسے ہمارے ناظرین نہ سمجھ سکیں۔ وھو ھذا

اس کے بعد میں نے نگاہ کی تو دیکھا آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے۔ پہلی آواز جو میں نے سُنی نرسنگھے کی سی تھی جو مجھ سے خطاب کرتی معلوم ہوئی اس نے کہا اوپر آ میں تجھے آج وہ باتیں دکھاؤں گا جو اس کے بعد ضروری ہوں گی یہ سنتے ہی میں روح میں جا ملا۔ میں نے ایک تخت رکھا ہوا دیکھا اور اُس پر مجھے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر پڑا۔ وہ شخص سنگ یشم اور عقیق کا سا تھا۔ اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد کے مانند تھی اُس تخت کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اس تخت کے آس پاس چوبیس تخت اور تھے ان تختوں پر چوبیس بزرگ سفید لباس پہنے ہوئے دیکھے ان کے سر پر سونے کے تاج تھے۔ بجلی گرج اور آوازیں تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ تخت کے آگے روشن تھے۔ یہی چراغ خدا کی سات روحیں ہیں۔ اس تخت کے شیشے کا سمندر بلور کی طرح موجیں مار رہا تھا اور تخت کے بیچ میں اور تخت کے گرد چار ایسے جاندار تھے جن کے تمام جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ پہلا جاندار ببر کی صورت تھا اور دوسرے جاندار کی شکل بچھڑے کے مانند اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا اور چوتھا جاندار مثل اُڑتے عقاب کے تھا۔ ان چاروں کے چھ چھ پر تھے اور چاروں طرف جسم کے ہر حصہ میں آنکھیں آنکھیں تھیں اور رات دن اُنھیں قدوس قدوس کہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں سا اور وہ سب جاندار مل کے اس کی جو تخت پر بیٹھا ہے اور جو ابدالآباد تک زندہ ہے بزرگی عزت اور شکر گزاری کرتے ہیں چوبیس بزرگ اُسکے آگے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے اپنے تاج اُسکے آگے ڈالدیتے ہیں اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وہ تیری ہی مرضی سے ہیں اور پیدا ہوئی ہیں۔ (۵ باب)

اُس کی عقل بھی موٹی تھی۔ اُس نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے۔ یا مسلمان۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے جواب دیا خدا مسلمان ہے۔ اس نے وجہ مسلمانی کی دریافت کی آپ نے فرمایا اگر خدا مسلمان نہوتا اور ہندو ہوتا تو گائے کو کیوں ذبح کرنے دیتا۔ اس جواب سے اُس گنوار شخص کی تسکین ہوگئی اور وہ شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ کون شخص شاہ صاحب کے جواب پر اعتراض کرسکتا ہے جب کہ وہ ایک ایسے گنوار کے مقابلہ میں تھا جو زیادہ عقل آرائی نہیں چاہتا تھا۔ شاہ صاحب جیسا فاضل شخص خدا کی ذات پر ہزاروں باتیں بیان کرسکتا تھا مگر یہ اُس کی اعلیٰ درجہ کی حکیمانہ حکمت عملی تھی کہ اُس نے مخاطب کے مذاق کے مُطابق جواب دیا اسی طرح دنیا میں جتنے عقلا گزرے ہیں اُن کا یہی طریقۂ ہدایت رہا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اگر مخاطب کے عقول کے مطابق جواب نہ دیا جائے اور سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے تو وہ شخص عام طور پر دیوانہ گِنا جائے گا

حضرت رسالت مآب نے اس وحشی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کے لئے بُلایا تھا جواب تک کسی سے مغلوب نہوئی تھی جس کی معاشرت میں تعدد ازواج اور شراب خواری داخل تھی جہاں سبزے اور نہر یا دریا کا نام تک نہ تھا انھیں راہ راست پر لانا بڑا کٹھن کام تھا اور جب تک وہ باتیں جو اُنہیں مرغوب تھیں نہ بتائی جاتیں اور اُن کا اُن ہی کے محاورہ کے مُطابق تذکرہ نہ کیا جاتا وہ ہرگز راہ راست پر نہ آتے۔

ہم بیشک آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ منکران خدا کے لئے دائمی عذاب ہوگا جس عذاب کی کیفیت انسانی زبان کے الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے انتہائے عذاب کا ایک اندازہ ہوسکتا ہے اور بس یہی کیفیت جنت کی نعمتوں کی ہے کہ وہاں وہ نعمتیں ہوں گی جن کا خیال بھی انسانی دل میں نہیں گزر سکتا۔

اور میں نے اس کے دائیں ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر باہر لکھی ہوئی اور سات مہروں سے سربمہر تھی اور میں نے ایک زبردست فرشتہ کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ اس لائق کون ہے جو اس کتاب کو کھولے اور اُس کی مُہر توڑے۔ کسی کا مقدور نہوا نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے مجھے اُس پر بہت رونا آیا کہ ایک بھی کتاب کھولنے اور پڑھنے کے لایق نہ نکلا پھر اُن بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھ سے کہا مت رو دیکھ وہ ببر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہے کہ اس کتاب کو کھولے اور اُس کی ساتوں مہروں کو توڑے میں نے نگاہ اُٹھائی تو عجیب سماں دیکھا کہ اُس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برّہ اس طرح کھڑا کیا گیا ہے گویا کہ ذبح کیا گیا ہے جس کے سات سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی سات روحیں ہیں اور تمام روئے زمین پر بھیجی گئی ہیں چنانچہ وہ آیا اور اُس کے دہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اُس کتاب کو لیا جوں ہی وہ کتاب اُس کے ہاتھ میں آئی وہ چاروں جاندار اور چوبیس بزرگ اُس برے کے آگے گر پڑے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے۔ یہ گویا مقدسوں کی دعائیں تھیں اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے کہ تو ہی اس لایق ہے جو اس کتاب کو لے نیا راگ

جو قومیں یہ مانتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق کوئی ہے وہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہیں کہ ہمارے نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا ضرور ملیگی۔ اُن کے جزا اور سزا کا طرز بیان اسی مرز و بوم سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ آباد ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں اگر نہروں اور سرسبز باغوں یا پھل دار درختوں کی بشارت دی جاتی تو کاہے کو عام توجہ اس طرف پھرتی کیونکہ یہاں بہتے ہوئے دریا۔ جواہر نگار محل۔ تر و تازہ میووں سے لدے پھندے درخت خوبصورت اور حسین لڑکیاں ہر طرف سبزہ زار۔ معتدل موسم۔ غرض کل نعمتیں حاصل تھیں جو فطرت اُنھیں دے سکتی تھی وہ سمجھتے تھے کہ ربانی بخششوں کی تکمیل ہوگئی اور اب ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہمیں دی نہ جا چکی ہو اسی لحاظ سے اُنہوں نے مسئلہ تناسخ کی ایجاد کی اور یہ عقیدہ عام لوگوں میں پھیلایا کہ نیکوکار مرتے ہی اعلےٰ درجہ کی حیثیت میں پھر اسی سرزمین میں پیدا ہوں گے اور بدکار نہ صرف انسانی ارذل ترین حالت میں ظہور کریں گے بلکہ ناپاک جانوروں میں اُن کی پیدایش ہوگی۔ مطلب یہ کہ ہندوستان سے زیادہ راحت و آسایش کا مقام اُن کے خیال میں نہ آسکا اسی لئے بار بار ایک ہی جگہہ مختلف صورتوں میں پیدا ہونے کی تکلیف انسان کو دیگئی ہے۔ اس لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ آیندہ زندگی کے عذاب و ثواب کا خیال جس پر بنی آدم کی کلی اصلاح کا دار و مدار ہے مرز و بوم کے اختلاف سے ہر جگہہ بدل گیا ہے ورنہ اصلی حالت تو یہ ہے جو ہمارے نبی برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ وہاں کی لذتوں کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا وہ روحانی لذتیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ اُس کا خیال کسی دل میں گزرا۔ اگر ہم اُن نعمتوں کے ظاہری معنی لیں جو بہشت کے متعلق

گایا اور عرض کیا تو ہی ان مُہروں کو توڑ کیونکہ تو ذبح ہوا اور تو نے ہی اپنے لہو سے ہر فرقے اہل زبان اور ملک و قوم میں سے خدا کیواسطے مول لیا۔ (۵ باب)

پھر میں نے نظر کی تو دیکھا تو ہر ایک قوم و فرقے کے لوگ جن کا شمار ممکن نہ تھا سفید جامہ پہنے اور خرمہ کی ڈالیاں ہاتھ میں لئے اُس تخت کے آگے اور برّے کے حضور کھڑے ہیں وہ غل مچا مچا کے کہہ رہے ہیں نجات ہمارے خدا کو اور اُس برّے کو جو تخت پر بیٹھا ہے۔ (۱۲ باب)

اور ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے چاند کو پیروں کے نیچے دبائے ہوئے دکھائی دی اُسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا اور وہ حاملہ تھی اور درد سے غل مچاتی تھی پھر وہ ایک لڑکا جنی اُس لڑکے نے پیدا ہوتے ہی لوہے کا ڈنڈا سنبھال لیا۔ اور وہ اُسی لوہے کے ڈنڈے سے دنیا پر حکومت کرے گا۔ فقط۔

غرض ایسی ہی بے سر و پا آسمانی جنت کی کیفیت یوحنا نے اپنے مکاشفات میں بیان کی ہے کہیں دہشت اور عذاب کا خوفناک رنگ دکھایا ہے کہیں جواہرات کے بچھونے بچھائے ہیں کہیں حضرت بی بی مریم کو آفتاب اُڑھا دیا ہے یہ حقیقت میں شاعرانہ خیال ہیں جن کی درصل نہ کوئی تاویل ہوسکتی ہے نہ لمحہ بھر کے لئے اُن پر کوئی یقین کرسکتا ہے۔ ایک مقام پر بہشت کی کیفیت حضرت مسیح نے بیان کی ہے کہ خدا خیمہ میں جنتیوں کے آنسو اپنی آستین سے پونچھے گا۔ سمجھنے کی بات ہے جب جنت میں بھی رونا اور زاری کرنا ہوگا پھر جنت ہی کاہے کو ہوئی اور اُس میں جسمانی و روحانی راحت کا کہاں پتہ ہے۔

خواہ کوئی پادری ہو یا عالم فاضل عیسائی بشرطیکہ مذہب عیسویت کا پابند ہو اسلام پر ہرگز اعتراض نہیں کرسکتا کیونکہ سوائے

بیان ہوئی ہیں تو ہمیں تعجب سے دیکھنا پڑے گا کہ جو چیزیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر تو ہمیں اسی دنیا میں مل سکتی ہیں بلکہ نئی ایجادوں نے تعیش کے سامان اسقدر جمع کر دیئے ہیں جو جنت کی بہت سی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ گئے ہیں جس پہلو سے ہم غور کریں ہمیں اس یقین کرنے میں کچھ بھی تردد نہیں ہے کہ شارع اسلام نے جنت کی حقیقت بیان کرنے میں ضرور عقول مختلفہ کا لحاظ رکھا ہے اور یہی اُس نبی معصوم کی اعلیٰ درجہ کی ہدایت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے جس کے پاسنگ بھی بڑے بڑے گزشتہ و موجودہ حکما اور فلاسفہ کی عقل نہیں ہے شراب کی ممانعت کس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب پیئے گا اُسے جنت میں شراب نہیں ملنے کی شراب پینے والا سمجھ سکتا ہے کہ چند روزہ زندگی میں شراب پی کے دائمی شراب خواری پر لات ماروں۔ عرب میں عام طور پر شراب رائج تھی اور اس خانہ خراب عرق کو معاشرت کا جزو اعظم بنا لیا تھا۔ شارع اسلام کی عاقلانہ حکمت عملی تھی کہ یک لخت اُنھیں امتناعی حکم شراب کے پینے کا نہیں دیا کیونکہ انسانی فطرت کے خلاف تھا کہ صدیوں کی عادت آناً فاناً میں جاتی رہے۔ اس بارے میں جو وحی آپ کو القا ہوئی اُس کی حکمت وہی سمجھ سکتا ہے جس نے عقلائے زمانہ اور حکمائے دہر کی نصائح اور ہدایتیں سُنی ہوں اور اُس نے باہم موازنہ کرکے دیکھا ہو وہ وحی یہ تھی کہ شراب میں نفعے کم اور نقصان زیادہ ہیں۔ اس سموئی ہوئی وحی نے جس میں قوانین قدرت کا لب لباب تھا اور جس میں تمام انسانی طبائع کے اُتار چڑھاؤ کا کامل پاس و لحاظ کیا گیا تھا سُننے والوں کو مسخر کر لیا۔ اگرچہ بعض پُرجوش صحابہ سخت مصر ہوئے تھے اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ خدا سے دعا کرو کہ صاف الفاظ میں شراب حرام قرار دی جائے مگر آپ فطرت کی پوری کتاب سبقاً سبقاً پڑھ چکے تھے اور آپ ان معتدل احکام کا نتیجہ اور بے بہا اثر بخوبی جانتے تھے۔ آپنے اس اصرار سے بھی تامل کیا اور اگر شراب کی بابت آپ میں کوئی وحی القا ہوئی تو اس کا حکم امتناعی اس سے زیادہ نہوا کہ جوا اور شراب کی ایک حالت قرار دیجائے اور اسے کار شیطان اور نجس بیان کیا جائے

چند موٹے موٹے اعتراضوں کے اُس کے کل اعتراض خواہ ملائکہ کی نسبت ہوں خواہ شیطان اور جنات کی نسبت خواہ معجزوں کی نسبت خواہ جنت و دوزخ کی نسبت سب اُسی پر پھٹتے ہیں۔ پادری سیل صاحب اگرچہ اپنے کو عیسائی کہتے تھے مگر اُن کے مذہب کی نسبت جس طرح کہ بہت سے یورپیوں کو شبہہ ہے ہمارا بھی ویسا ہی شک ہے اور ہم بآزادی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پادری سیل صاحب دہریے ہیں اُنھیں عیسوی مذہب سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ اگرچہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ معترض کون ہے خواہ وہ کوئی مذہبی ہو یا دہریہ ہم اُس کی خدمت کرنے کو موجود ہیں مگر یہ شرم کی بات ہے کہ عیسوی کا اقرار بھی کرتے جائیں اور دوسرے مذہب کے اُن اصول پر مضحکہ بھی اُڑاتے جائیں جو خود اُن کے ہاں مسلم مانے گئے ہیں اور بغیر اُن کے عیسوی مذہب کو چارہ ہی نہیں +

بہر حال جو کچھ ہمیں بیان کرنا ہے یہ ہے کہ حضور انور احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور اوامر و نواہی میں طبائع مخلوق کا بڑا پاس رہتا تھا اور آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو قوانین قدرت اور طبع انسانی کے خلاف ہو۔

آیندہ عذاب و ثواب کی بابت آپ ان لوگوں کو کیا سمجھا سکتے تھے جن کی زندگی صدیوں سے قتل و غارت اور صحرانوردی میں بسر ہوئی ہو جنھوں نے سبزہ زار اور شیریں چشموں کی بہار بہت کم دیکھی ہو جنھیں صحرائے لق و دق میں حسین عورتوں کی مصاحبت کا اتفاق نہوا ہو جنھوں نے جواہرات کے محل اور جواہرات کے خیمے یا بچھونے صرف افسانوں میں سُنے ہوں اُنھیں وہ بشارتیں نہ دی جاتیں اور صرف یہ حکیمانہ اور عاقلانہ جملہ کہدیا جاتا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی زبان نے اُس کی لذت چکھی نہ کسی دل میں اُس کا خطرہ گزرا اس سے اُن کا ہرگز اطمینان نہوتا اور وہ ہرگز مسلمان نہوتے۔ اُنھیں تو خرُمے کے درخت۔ میوہ دار شجر۔ بہتی نہروں۔ لطیف خوشبودار سبزہ آگم باغوں۔ حسین لونڈیوں۔ اور جواہر نگار محلوں کی بشارت دینی تھی جسے اُنھوں نے اپنے ظرف کے موافق سمجھا۔ اور اپنا اطمینان کیا۔ ہمیں ایک یورپی فلسفی کا ایک جواب یاد آیا ہے جو اُس نے ایک ناواقف شخص کو جہاز میں دیا تھا۔ ایک شخص نے اُس فلسفی سے دریافت کیا تم کہاں جاتے ہو اُس نے ایک حصۂ افریقیہ کا نام لیا ناواقف نے کام کی بابت سوال کیا تو اُس نے سورج گرہن دیکھنے کا کام بتایا۔ وہ ناواقف شخص کہنے لگا تم بڑے نادان ہو کہ اتنی مصیبت جھیل کے اور اتنا روپیہ خرچ کرکے ایک بیکار چیز کو دیکھنے جاتے ہو۔ اب فلسفی سٹ پٹایا کہ اس کا اطمینان کیونکر کروں۔ اخیر بڑی دیر سوچنے کے بعد یہ جواب دیا تم نہیں جانتے اگر ہم ایسا نہ کریں تو یہ نفیس کپڑے جو تم پہنے ہوئے ہو تمہیں کبھی نہ ملیں یہ جہاز جس میں تم سوار ہو کبھی میسّر نہو۔ یہ سُن کے ناواقف شخص بہت خوش ہوا اور کہا کہ جب یہ بات ہے تو آپ کو یہ ضرور کرنا چاہیئے۔ غرض یہ ہے کہ جب تک عقل کے پیمانہ کے مُطابق نصیحت نہ کی جائے ہرگز بڑا اثر نہیں ہو سکتی۔ ناواقف جنت کے اس بیان کو واقعی سمجھکر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بہشت میں وہ چیزیں ہیں جو لذائذ نفسانیہ اور خواہشات شہوانیہ سے مملو ہیں اور اسی بنا پر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں روحانیت نہیں ان کی زندگی بھی ایسی اور ان کی موت بھی ایسی بالکل ان کی یہی مثال ہے۔ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔ مگر یہ اُن کی سراسر غلطی ہے اُنھوں نے اسلامی وعدے وعید کے گہرے فلسفہ کی جانچ نہیں کی اُنھوں نے نہیں سمجھا کہ کن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے اور اُن کی نگاہوں میں انتہائے آرام سوا ان چیزوں کے دوسری چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ ایسے شخص کو جس نے انگریزی تھوڑی سی پڑھی ہے ابتدائی کتابیں پڑھائی جائیں گی اور یہی ایک عاقلانہ کارروائی ہوگی۔ بجائے اس کے اگر اُسے انتہائی کتابیں پڑھائی جائیں اور مدت تک پڑھائی جائیں اُن سے سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ فایدہ نہو گا۔

نافہم معترضوں نے حوروں کے لفظ کو اعتراض کرنے کا ایک بڑا آلہ بنا لیا ہے اور اکثر تصانیف میں اسلام

کی حوروں کے نام سے اُنہوں نے بہت سے صفحے سیاہ کئے ہیں۔ ایسی باتیں درحقیقت انصاف اور تحقیق سے کچھ سروکار نہیں رکھتیں سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ حوروں کا بہشت میں ہونا اس قدر ناممکن نہیں ہے جتنا بے باپ کے پیدا ہونے۔ مر کے زندہ ہو جانے اور پھر مع جسم آسمان پر چڑھ جانا ناممکن ہے۔ حضرت مسیح نے خوب فرمایا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا معلوم ہوتا ہے اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر دکھائی دیتا ہے۔ اسلام اور بانی اسلام کے اصلی منشا کو نہ دیکھنا اور محض تعصب مذہبی سے اعتراض کر دینا ایک شرمناک امر ہے۔

ہم نے علاوہ قرآن مجید کے اسی لئے کُل حدیثیں اور صحابہ وصالحین کے اقوال جمع کر دیے ہیں تاکہ رائے قائم کرنے والے کو آسانی ہو اور وہ سمجھ سکے کہ جہاں عام طبائع کا لحاظ رکھا گیا ہے خاص طبائع اور حکیمانہ طبائع کا بھی پاس کیا گیا ہے۔ اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ایسے اہم مسئلہ کو جس طرح اسلام نے لوگوں کے ذہن نشین کیا ہے اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ توریت میں کہیں جنت کا ذکر ہی نہیں آیا۔ انجیل میں حضرت مسیحؑ نے سوا اس کے کوئی بشارت ہی نہیں دی کہ میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیو گے۔ اِدھر ہندؤں نے تناسخ کے مسئلہ سے معاشرتِ انسانی پر کوئی نتیجہ بخش اثر نہیں کیا کیونکہ بار بار ایک ہی دنیا میں پیدا ہونے کا خیال دن بدن پیچیدہ اور لاینحل ہوتا جاتا ہے۔ زردشتیوں نے بھی آیندہ زندگی کی جزا سوائے اس کے اور کچھ نہیں دی کہ اہورامزدا کے تخت کے ساتھ رہیں برخلاف اسلام کے کہ اس نے انسانی طبائع کے ہر پہلو کو جانچ کے اس پر بحث کی ہے۔ اور بہشت کا بیان جن پُر اثر الفاظ میں فرمایا ہے اُس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ دنیا نے دیکھا اور جو کچھ روز ہوتا ہے وہ دنیا بیّن طور پر دیکھ رہی ہے۔ جنت ہی کی بشارت نے اُنہیں میدان جنگ میں فتح دلوائی۔ جنت ہی کی بشارت نے انھیں نصف پُرانی دنیا کا مالک بنا دیا جنت ہی کی بشارت نے ان سے اُس تمدن کی بنیاد ڈلوائی جس سے یوُرپ صدیوں تک مستفیض ہوتا رہا۔ اب بھی لاکھوں آدمی صرف جنت ہی کی خاطر اِس مذہب میں روز داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایسی اعلےٰ درجہ کی چیز پر جس نے یہ کارہائے نمایاں کئے مضحکہ اڑانا نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ خلافِ انسانیت ہے ✦

(دوزخ)

ہم چاہتے ہیں کہ دوزخ کی بابت بھی ایک بسیط بحث کریں اور بہت سی وہ حدیثیں لکھدیں جن میں جنت کی طرح دوزخ کا بیان نہایت تفصیل سے ہوا ہے۔ عیسائیوں کی دوزخ[1] میں اگرچہ بہت کچھ سامان جمع کئے گئے ہیں اور تمام

---

[1] پیشوایان دین مسیحی نے بہت طول طویل دوزخ کا بیان کیا ہے۔ اس کی موجودگی اس کی گوناگوں تکالیف اُسکی مداومت کے قائل ہیں۔ اُنہوں نے اس کے نام رکھے ہیں۔ اس کے مقام کا پتہ بتایا ہے۔ اور اس کی بابت صدہا قسم کی رائیں دی ہیں۔ جہنم کی تکالیف کے حصے کئے گئے ہیں پوپ جی روم نے جہنم کی عام تکلیف کا ذکر کیا ہے۔ پادری ایڈ مرجہنم کی تکالیف کو چودہ

پیشوایان دین مسیحی نے نئی نئی رائیں اور خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن انجیل میں دانت پیسنے رونے اور گندھک کے تیزاب میں جلنے سے عذاب دوزخ تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال ہمیں اسلامی دوزخ سے بحث ہے اور ہم دکھائیں گے جس طرح جنت کی نعمتیں بیان کر کے انتہائے آسایش و آرام مُراد لی گئی ہے اسی طرح عذاب دوزخ کا بیان کر کے انتہائے عذاب روحانی مُراد لیا گیا ہے۔ وہو ہذا۔

قرآن مجید میں جہنم کی آگ کا ایندھن آدمیوں کو بنایا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں لکھا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا علیحدہ حصہ ہے۔ سورۂ رحمٰن میں دوزخیوں کے کپڑوں کا ذکر ہے جو آگ کے بنے ہوئے ہوں گے۔ سورۂ حج میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ آتش بے دود اور دود بے آتش میں لپیٹے ہوئے ہونگے سابق الذکر سورت میں اُس پانی کا بھی ذکر ہے جو مثل پگھلے ہوئے پیتل کے ہوگا۔ سورۂ کہف میں آیا ہے کہ خنکی وغیرہ کی ہوا تک اُنہیں نہ لگے گی۔ سورۂ نبا میں ہے جتنی بار اُن کی کھال جل بھن جائے گی ہم ہر بار نئی کھال

قسم کا بتاتے ہیں جن میں سات روحانی اور سات جسمانی ہیں۔ سینٹ اشیفنس کا بیان ہے اگر کوئی شخص دوزخ کی تکالیف کو ایک نگاہ سے بھی دیکھ لے تو فوراً اُس کا دم نکل جائے اور ایک لمحہ بھی وہ زندہ نہ رہ سکے۔ دوزخ کی خاص تکالیف یہ ہیں غلامی رونا۔ دانت پیسنا۔ تاریکی۔ پریشانی۔ مایوسی۔ جنگ۔ خوف۔ کمزوری۔ کیڑے۔ شیاطین کی صحبت وغیرہ۔ ہر تکلیف پر بکثرت لوگ متعین ہیں۔ اور اُن ہی کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ گنہگار اپنے گناہوں کے مُطابق سزا دیے جائیں گے ایک ہی آگ ہے۔ لیکن وہ سب پر یکساں اثر نہیں کرنے کی۔

بعض بطریقوں کی رائے کے مطابق جہنم میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں بعض کا یہ بیان ہے کہ مکان نہیں ہیں بلکہ ایک گہری خندق ہے۔ ان ہی لوگوں کا بیان ہے اگرچہ وہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہیں مگر مکانات نہیں ہیں۔

اُدم اسکاٹس کا بیان ہے کہ سود خوار کو سونا گلا کے پلایا جائے گا۔ ریورینڈ (واجب التنظیم) جے فرانس کہتے ہیں کہ جہنمیوں کو موت ضرور آئے گی مگر اُن کی موت ایسی ہوگی جیسے اُس گھاس کی جو بیل کے کھروں کے نیچے روندی جاتی ہے بظاہر وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے مگر اُس کی جڑیں پوشیدہ زمین میں باقی رہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی طرح زندہ رہیں گے اور اسی طرح مریں گے۔

بطریق جان کا بیان ہے دوزخی مرنا چاہیں گے مگر موت اُن سے بھاگے گی۔ اُنھیں چار قسم کی تکلیف سے سزا دی جائیگی شرم۔ خوف۔ مایوسی اور درد۔ اُن کی شرم پر کوئی پردہ نہوگا۔ اُن کا خوف بغیر کسی امید کے۔ اُن کی ندامت بغیر کسی فایدہ کے۔ اور اُن کا درجہ بغیر کسی رحم کے ہوگا۔

جے دوم اور ٹرٹی لین نے بار بار دوزخ کی آگ کی ایک اصلیت قبول کر کے اُس کی تپش کو سخت ہولناک بتایا ہے۔ الکا بیان ہے کہ دوزخ کی آگ گندھک اور دال سے بنی ہے۔ اور اس کے بنانے والے عذاب کے فرشتے ہیں۔ کافر اس آگ میں جلائے جائینگے جب اُن سے سوال کیا گیا کہ غیر مادی روح کیونکر جلائی جائے گی۔ تو اُنھوں نے بیان کیا کہ غیر مادی آگ سے پھر سوال کیا کہ مادی اجسام ہمیشہ تک کیونکر جل سکتے ہیں۔ جواب دیا خدا وند اُن میں ایسی زندگی دے دیگا کہ وہ جلنے پر بھی ترو تازہ رہیں گے۔

پیدا کریں گے۔ سورۂ نساء میں ہے ان کے لئے بادِ سموم اور سیاہ دھوئیں کا سایہ ہوگا۔ سورۂ القارعہ میں ہے مثل زرد رنگ اونٹوں کے اُن پر چنگاریاں پھینکی جائیں گی۔ سورۂ حج میں ہے وہ آہ وزاری کریں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ تو اُن مضامین کا خلاصہ ہوا جو دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں اب احادیث نبویہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن میں دوزخ کے حالات کی تفصیل کس طرح کی ہے۔ وھو ہذا۔

دوزخیوں کو تاریکیاں شاخ در شاخ آ کے گھیر لیں گی اور اُن پر شعلہ انگیز آگ چھا جائے گی آواز اور جھنجناہٹ اُن کے کانوں میں آئے گی جس میں غضب کی شدت ہوگی۔ اُس وقت مجرموں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا اور سب لوگ گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔ اور جو لوگ بری بھی ہوں گے اُنھیں اپنے بُرے انجام سے خوف معلوم ہوگا دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ یہ پکارتا ہوا نکلے گا کہ فلاں شخص کا فلاں بیٹا کہاں ہے جسکا نفس دنیا میں طول امل کے باعث لیت ولعل کیا کرتا تھا اور بُرے کاموں میں اپنی عمر تلف کرنے کا عادی تھا پس اُس کو لوہے کے گرز لیکے پلیں گے اور بڑی بڑی دھمکیاں دیں گے اور سخت عذاب کریں گے اور اوندھے مُنھ قعر دوزخ میں ڈال دیں گے اور کہیں گے لے مزا چکھ تو تو بڑا صاحب عزت اور صاحب وقار ہے اور اب اس گھر میں رہ جس کے کنارے تنگ۔ راہ تاریک اور مُہلک ہے۔ تجھے اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ ہمیشہ آتش خانہ بنا رہتا ہے اسکے قیدیوں کے پینے کی چیز کھولتا پانی ہے اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ آگ کے فرشتے اُن پر جُدا گرز برسائیں گے

والٹر نے مسٹر سین سے اپنے آقا ولیم جولیس کی بابت دریافت کیا اُس نے جواب دیا کہ تم اس ضلع کو جانتے ہو جو وول کنبرگ اور ڈریچن فیلس کے مابین واقع ہے غرض کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ اگر وہ ضلع اور اُس کے پہاڑ لوہے کے بن جائیں اور جہاں تمہارے آقا کی روح ہے اُس مقام میں بھیجدیے جائیں تو وہ اتنے جلدی پگھل جائیں کہ تم ایک آنکھ کا اشارہ بھی نہ کرسکو۔ یعنی وہاں اتنی تیز آگ ہے۔

دوزخ کی آگ کا رنگ دُھندلا سبز ہے۔ روشنی کا نام بھی نہیں۔ ہاں تاریکی عیاں ہے۔ دوزخ میں سردی بکثرت ہے مگر پانی کا نام نہیں۔ عام طور پر دوزخ میں جو کیڑے ہیں وہ مادی نہیں ہیں۔

دوزخ کی کیفیت ایک اوریوپ نے یہ بیان کی ہے۔ ایک اتھاہ (یعنی جس کی تھاہ نہ ہو) گڑھا جہاں دوزخی تاریکی میں قید کئے جاتے ہیں اور جو دائمی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں ایک انگیٹھی روشن رہتی ہے جس کی آگ کبھی بجھنے کی نہیں جہاں دانت پیسنا اور رونا ہوتا ہے۔ جہاں سانپ بچھو۔ کنکھجورے۔ زہریلے جانور ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ جہاں بھوک اور زاری کو مداومت ہو اور جہاں ایک گھنٹے کی تکلیف یہاں کی ایک صدی کی جاں کندنیوں سے بھی زیادہ دردناک ہے۔ بُرائیوں کی دنیا۔ تمام اخلاقی اور جسمانی مصائب کا عالم ایک دائمی رات کی زمین اور غیر فانی مایوسی کا مقام ہے۔ ربانی غضب کا آتش خیز جیلخانہ جہاں نالہ وبکا کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور اگر وہاں کی آہ وزاری کی آوازوں کا دنیاوی واویلا و بکا کے غُل وشور کا مقابلہ کیا جائے تو دنیاوی آوازیں اُس کے مقابلہ میں موسیقی خیز اور راحت بخش معلوم ہوں گی۔

اور خود آگ اُنہیں الگ جلا بھُنا کے کباب کرتی ہے۔ اُن کی تمنّا اس میں مرجانے کی ہے مگر اس سے رستگاری ناممکن ہے۔ اُن کے پاؤں سر کے بالوں سے بندھے ہوں گے اور گنا ہوں کی تاریکی سے مُنہ سیاہ ہوں گے ہر طرف اور ہر گوشہ میں پُکاریں گے اور غل مچائیں گے اے مالک ہم سے جو وعدہ عذاب تھا پورا ہو چکا۔ بیڑیاں ہمیں سخت تکلیف دیتی ہیں ہماری کھال جل گئی یہاں سے نکال دے ہم اب ایسا نہ کریں گے۔ دوزخ کا داروغہ جواب دے گا بس اب امن کے دن دور ہو گئے تمہیں اس ذلّت کے گھر سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ یہیں ذلیل پڑے رہو مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ اگر بالفرض تم نکال بھی دیے جاؤ گے تم اپنے کردار سے باز نہ آؤ گے اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے وہی عمل میں لاؤ گے۔ دوزخی یہ جواب سُننے سے ناامید ہوں گے اور خدائے تعالیٰ کے

جرامی ٹیلر کا بیان ہے کہ ہر دوزخی کا جسم نہایت متعفن اور سڑا ہوا ہے بمقابلہ دس لاکھ مرے ہوئے اور سڑے ہوئے کتوں کے۔
سینٹ بینی وینٹورا کا بیان ہے کہ دوزخی کا ایک جسم تمام دنیا کو متعفن کرنے کے لئے کافی ہے۔
دریزل کا بیان ہے۔ ہم دوزخ کی پوری کیفیت نہیں سمجھ سکتے فرض کرو کہ ایک شخص کو برفستانی ملک میں آدھی رات کو ایک ایسے عمیق جیل خانہ میں قید کرو جہاں برف کے ڈھیر لگے ہوں۔ تاریکی چھائی ہوئی ہو اور وہاں نہ میز ہو نہ آگ ہو نہ بچھونا ہو اور سارے دن میں اُسے ایک سوکھا ہوا روٹی کا ٹکڑا اور انڈے کے چھلکے میں سبز رنگ کا پانی کسی رسّی کے ذریعہ سے لٹکا کے پہنچا دو تو گویا یہ حالت دوزخ کی حالت سے مقابلہ کرتے ہزاروں عیش سے زیادہ ہے۔ دوزخی سب شیطان کے کمرے میں بند کر دیے جائیں گے اور ہر کمرے میں ایک ارب دوزخی ہوں گے۔ وہ اس طرح بند ہوں گے جس طرح اینٹیں آتشدان میں لگا دی جاتی ہیں یا جس طرح لکڑی کسی چھت میں چسپاں کی جاتی ہے یا جس طرح نمک بھونتے وقت مچھلی میں لگا دیتے ہیں۔ یا جیسے بھیڑ مذبح میں ہوتی ہے۔
جہنمی اپنے ہمسایہ سے نفرت کریں گے اور اُن میں باہم وہ دشمنی ہو گی کہ بس چلے تو ایک دوسرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں اور دانتوں سے بوٹیاں چبا ڈالیں۔ اولوالعزمانہ جوش۔ آرام و آسایش کی ملکہ۔ زندگی کا آفتاب دوزخ میں نام کو بھی نہ ملے گا۔ دوزخ میں محبت کا نام ونشان نہیں۔ وہ خودکشی کی آرزو کریں گے مگر اپنے کو قتل نہ کر سکیں گے۔ وہاں موت میں زندگی ہے اور ایسی موت ہے جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ اُنہیں گزشتہ حال اور آیندہ سے کوئی تسکین نہو گی۔ نیند کبھی اُنہیں نہ آئے گی موسموں کا اختلاف اُنہیں محسوس نہو گا۔ اُن کے پاس جنتری ہو گی نہ ستارے۔ دوزخ میں گھڑی نہیں ہے۔
بریڈینی کہتا ہے کہ ایک جہنمی یکایک اپنے مصیبت کے بستر سے سر اُٹھا کے دریافت کرے گا کہ کیا وقت ہے ایک آواز اس کے جواب میں تاریکی سے پیدا ہو گی اور کہے گی کہ مداومت۔ اگرچہ دوزخ میں کوئی گھڑی نہیں ہے پھر بھی انھیں علم اور حس کی ایک گھڑی دی جائے گی جس سے ہر وقت وہ اپنی تکالیف اور مصائب کا اندازہ کر سکیں گے۔ مریض رات بھر اپنے بستر پر کروٹیں بدلا کرتا ہے اور رات کی گھڑیاں گنتا ہے۔ اخیر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ شب نے کوچ کیا رفتہ رفتہ پرند بھی چہچہانے لگتے ہیں اور آفتاب بھی سامنے سے طلوع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس مریض کی تکلیف میں کسی قدر کمی آجاتی ہے اور تھوڑی دیر اُسکی آنکھ

مقابل میں جو باتیں کی ہوں گی اُن پر افسوس کریں گے مگر اب کیا ہوتا ہے اب تو نہ عذر سے کام چلے گا نہ پشیمانی محفوظ رکھ سکے گی غرض ہمیشہ آگ اُن کا اوڑھنا بچھونا بنی رہے گی کھانا ہوگا تو آگ۔ پینا ہوگا تو آگ۔ یعنی وہ لوگ آگ کے کپڑے اور گندھک کے کرتے پہنیں گے۔ اُن کے پیروں میں وزنی بیڑیاں پڑی ہونگی دوزخ کی تنگ راہوں میں غل مچاتے اور اُس کے طبقات میں شکستہ پھرتے۔ اطراف و جوانب میں اضطراب کرتے ہوں گے۔ آگ اُنھیں ہانڈی کے اُبال کی طرح اُبالے گی۔ اور وہ خرابی۔ تباہی۔ فریاد اور واویلا کا غل مچاتے ہوں گے۔ ہلاکت کا لفظ نکلتے ہی اُن کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا جس سے اُن کی انتڑیاں اور کھال پگھل جائے گی اور پھر گرزوں کی مار پڑے گی جس سے اُن کے سر چکنا چور ہو کے مُنھ سے پیپ بہنے لگیگی پیاس کے مارے جگر ٹکڑے ہوں گے۔ آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر آجائیں گے۔ رخساروں۔ ہاتھ اور پیروں کا گوشت سب جھڑ پڑے گا۔ اور جب جسم کی کھال جل جائے گی تو پھر نئی کھال اور بدل دی جائے گی۔ گوشت سے ہڈیاں خالی ہو جائیں گی اور جان صرف رگوں اور پٹھوں میں لگی رہ جائے گی۔ اُن کی آگ کی لپٹوں کا شور ہوگا اور ہمیں اس حالت میں موت کی تمنا کریں گے مگر اُنہیں موت نہ آئے گی۔ جب تم اُن لوگوں کا حال دیکھو کہ مُنھ اُن کے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ۔ آنکھوں سے اندھے۔ زبانوں سے گونگے۔ ہڈیاں اور پیٹھ ٹوٹی ہوئی۔ ناک کان کٹے ہوئے۔ کھال پھٹی ہوئی۔ ہاتھوں کے طوق گردن میں پڑے ہوئے۔ پیشانی کے بالوں سے پاؤں بندھے ہوئے تو تمہیں عبرت ہوگی کہ وہ کیونکر اس حالت میں آگ پر سر کے بل چلیں گے۔ لوہے کے گوکھرو اپنی آنکھوں کے ڈھیلوں سے کچلیں گے۔ آگ کا شعلہ اُن کے اندرونی اجزا میں دوڑے گا۔ خارجی اجزا پر دوزخ کے سانپ بچھو لپٹے ہوں گے۔ فقط۔

یہ حالات جو ہم نے بیان کئے محض مجمل ہیں اب ہم بالتفصیل بیان کرتے ہیں جن کی تفصیل حدیثوں میں آئی ہے۔ چنانچہ وہ یہ ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جہنم میں ستر ہزار جنگل ہیں اور ہر جنگل

لگ جاتی ہے۔ مگر ان میں سے ایک چیز بھی دوزخ میں نہو گی۔ نہ دوزخ میں طلوع آفتاب ہوگا اور نہ نیند نہ شب کی شبنم اور نہ پرندوں کا شیریں گانا۔ ہاں اگر ہوگا تو یہ۔ شیطان۔ تاریکی۔ شکستہ خاطری اور مایوسی۔

سینٹ امینڈس کہتے ہیں کہ دوزخی یہ غل مچاتے ہیں۔ ہائے ہائے افسوس ہمارے غم پر حیف ہماری تکلیف پر جو ہمیں ہمیشہ اٹھانی پڑے گی۔ ہائے ہائے آہ۔ آہ اے مداومت تو کیا چیز ہے۔ ہائے ہائے تو وہ چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہائے موت تجھے فنا نہیں۔ ہر لحہ مرنے کی آرزو ہے مگر موت نہیں آتی۔ ہائے ماں اور باپ اور تمام وہ لوگ جن سے ہم محبت کرتے تھے خدا اپنی رحمتیں ہمیشہ تم پر نازل کرے۔ اب ہمیں تمھارا دیدار کبھی نصیب نہوگا اور کبھی تسے محبت کرنیکا موقعہ آئیگا ہم تم سے ہمیشہ ہی کے لئے جدا ہو گئے ہیں۔ آہ آہ مفارقت۔ آہ آہ دائمی مفارقت تو کتنی پُر دہشت ہے۔

آہ آہ ہم کچھ نہیں چاہتے صرف ہماری یہ خواہش ہے کہ ایک چکی کا پاٹ قائم کیا جائے جو اتنا چوڑا ہو جتنی کل زمین اور اُسکی

میں ستر ہزار شعبے اور ہر شعبے میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں۔ کافر اور منافق جب تک اُن سب سے نہیں ملتا اپنے انجام کو نہیں پہنچتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وادی حزن یا چاہ حزن سے پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جہنم کا ایک جنگل ہے جس سے جہنم ستر بار پناہ مانگتی ہے اُس کو اللہ تعالیٰ نے ریا کار قاریوں کے لئے بنایا ہے"۔

یہ حال تو جہنم کی وسعت اور اُس کے شاخ در شاخ جنگلوں کا ہے۔ اُس کے جنگلوں کا شمار دنیا کے جنگلوں کے برابر ہے جہنم کے دروازوں کا شمار انسان کے سات اعضا کے موافق ہے۔ سب سے اوپر کے حصہ کو جہنم کہتے ہیں۔ دوسرا سقر۔ تیسرا لظیٰ چوتھا حطمہ پانچواں سعیر۔ چھٹا جحیم ساتواں ھاویہ کے عمق کی کوئی انتہا نہیں۔ جس طرح دنیا کی خواہشوں کی کوئی حد نہیں۔ یعنی جس طرح کہ دنیا کی ایک حاجت پوری نہیں ہونے پاتی کہ دوسری پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح دوزخ کا ایک گڑھا تمام نہیں ہوتا کہ دوسرا اُس سے بھی گہرا آجاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ مگر ترمذی کے قول کے مطابق یہ حدیث غریب ہے) جس وقت میں نے آپ کی ہمراہی میں ایک دھما کا سنا آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے جو سو برس ہوئے جہنم میں چھوڑا گیا تھا اِس وقت اُس کی تہ پر پہنچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر) قیامت کے دن آدمی پر دوزخ کا کمترین عذاب یہ ہوگا کہ اُسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اُس کا مغز اُبلنے لگے گا۔

ابن عبد البر نے یہ روایت کی ہے کہ دنیا کی آگ ستر بار رحمت کے پانی سے دھوئی گئی ہے۔ اِس لئے اُس میں

موٹائی اور اونچائی اتنی ہو کہ ہر طرف سے وہ آسمان سے مَس کرے اور پھر تو ایک چھوٹے سے پرند کو حکم دے کہ وہ صرف ایک ہزار برس میں ایک پھیرا کرے اور اس باٹ میں سے رائی کے دانہ کے ۱/۴ حصہ برابر اُٹھالے اور تو ہم سے وعدہ کر کہ جب اس صورت سے یہ پرند کل باٹ کو اُٹھالے تو ہم تمہیں دوزخ سے رہائی دے دیں گے مگر افسوس یہ بھی نہیں اور اتنی مدت کے بعد بھی ہماری رہائی ممکن نہیں۔

جو تاجر کہ اپنے ہمسایوں کے ہاتھ اپنا مال تجارت گراں قیمت میں فروخت کرتے ہیں ان کے لئے اس قسم کی دوزخ ہوگی کہ جس کوٹھری میں وہ قید کئے جائیں گے اُس کا دروازہ صرف اتنا بڑا ہوگا کہ ایک چھوٹی سی چوہیا چلی جائے مگر جانے کے بعد وہ بھی نکل نہ سکے گی۔ اسی دردناک کوٹھری میں وہ شاعر قید کئے جائیں گے جنہوں نے کسی کی ہجو کی ہوگی اور وہ لوگ جو اپنے عالی نسب اور حسب اور جلیل القدر عہدے پر فخر کریں گے اُن کا قیام بھی اسی کوٹھری میں ہوگا۔ تمام نجومی تمام کا فراسی آتش خیز مقام میں ہمیشہ کیلئے رکھے جائینگے

سنہ ۱۸۶۲ء میں ایک کتاب شایع ہوئی تھی جس کا نام "ڈیکو کا خواب" تھا جس خواب میں ڈیکو کے آگے دوزخ کی پوری کتاب

اتنی تیزی نہیں ہے جتنی کہ دوزخ کی آگ میں ہے۔ ایک حدیث میں دوزخ کی آگ کی تصریح یوں ہوئی ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ ہزار برس جھونکی گئی یہاں تک کہ لال ہوگئی پھر جھونکی گئی یہاں تک کہ سفید ہوگئی پھر جھونکی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی - اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری و مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے) دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا الٰہی میرے حصہ نے بعض کو کھالیا اُس کو اجازت ملی کہ دو سانس لے لیا کر ایک جاڑے میں اور ایک گرمی میں پس موسم گرما میں جو تمہیں سخت گرمی معلوم ہوتی ہے یہ اُسی کے سانس کی حرارت ہے اور جاڑے میں جو شدت کا جاڑا معلوم ہوتا ہے تو اُسی کے سانس کی تاثیر ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیامت کے دن نازپروردہ دولتمند کافر کو لائیں گے اور پھر اُسے آگ میں غوطہ دیا جائے گا - دو غوطوں کے بعد اُس سے دریافت کیا جائے گا بتا تو سہی تو نے دنیا میں کبھی آرام پایا تھا وہ کہے گا نہیں اور مسلمانوں میں سے جسے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف ہوگی لائیں گے اور جنت میں غوطہ دے کے کہینگے کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف اُٹھائی ہے وہ کہیگا کہ نہیں۔

کھُل گئی تھی جس کتاب میں اس نے بہت سی عجیب وغریب چیزیں پڑہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ جب میں نے روحانی گھوڑے پر سوار ہوکے دیکھا تو کھولتے ہوئے پانی کے چشمے اور پگھلے ہوئے دہات کے دریا بہ رہے تھے اور ان میں دوزخی نالہ و بکا کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔

ملٹن کی دوزخ جو ذکی تہ میں واقع ہے مختصراً اسکا بیان یوں کیا گیا ہے ایک جنوبی قطبی ملک آگ اور برف سے پرُخوفناک اولوں اور ہمیشہ جلنے والی گندہک سے بھرا ہوا اُس کا فاصلہ آسمان سے ہمارے سلسلۂ دنیا کے تین نصف قطروں کے برابر ہے۔ شیطان کا قد آسمان تک پہنچتا ہے - چار ناری دریا کافروں کے علم الٰہی سے نکلے ہیں - اس جغرافیائی صورت میں لیتہ بھی ہمزبان ہے دوسری طرف خود فراموشی کے طوفان میں ایک منجمد برف کا بڑا اعظم ہے - یہاں تمام جہنمی تیز قدموں سے جلتی ہوئی آگ سے منجمد برف کے بر اعظم پر دوڑیں گے - دوزخ کے دروازوں پر گناہ اور موت کا پہرہ ہوگا اور جن کی صورت دیکھتے ہی جہنمی اُن کی اصلی حقیقت سے واقف ہوجائیں گے - دوزخ سے اس منجمد بر اعظم تک ایک پُل بنا ہوا ہے جس میں فن عمارت کی عمر گی ختم ہوگئی ہے - اسکے علاوہ ملٹن نے دوزخ کی تکالیف کا جو بیان کیا ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ کا شاعرانہ ہے مگر اُسنے بہ نسبت اپنے پیشوایان دین کے دوزخیوں کو زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔

فہین کیٹلس ہل کہتا ہے کہ دوزخی ایک پنجرے میں بند کیا جائیگا اور پھر اُس پنجرے میں آگ لگا دیجائیگی اور وہ ہمیشہ تک جلتی رہے گی پھر اُسی پنجرے میں اُس کے بھالے چھوڑے جائیں گے وہ دیو اُسپر ہر وقت حملہ کرینگے - ان دیووں کی صورت تیندووں کی سی ہوگی - اُن کا جسم سانپوں کا سا - اور اُن کے بازو اُس جانور کے سے ہوں گے جسکا آدہا دھڑ سیمرغ کا اور آدھا شیر کا ہوتا ہے اور اُس کا دھڑ بھی اسی قسم کے ایک جانور کا ہوگا - اُن کے کاٹنے کے نشان بالکل عیاں ہوں گے - یہ کتاب جسمیں دوزخیوں کی تکالیف کا مفصل ذکر ہے ۱۸۶۸ء میں چھپی تھی اس کے دیباچہ میں پینا مونٹی کہتا ہے کیا تمہیں خیال ہے کہ میں نے دوزخ کی تکالیف کے بارے میں

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں اگر مسجد میں لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ ہوں اور ایک دوزخی سانس لے تو سب کے سب آناً فاناً میں مرجائیں گے۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ آیت "تلفح وجوھھم النار" سے یہ مراد ہے کہ آگ انہیں لپیٹ لے گی جس سے کسی ہڈی پر گوشت باقی نہ رہے گا اور تمام گوشت ایڑیوں پر گرادے گی۔

دوزخیوں کے بدن کی پیپ بہت ہی سڑاندی ہے پیپ اسقدر بہے گی کہ دوزخی اس میں ڈوب جائینگے اور اسکا نام غسّاق ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا (ترمذی) کہ اگر ایک ڈول جہنم کے غساق کا دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام باشندے متعفن ہو جائیں۔ یہی دوزخیوں کو پینے کے لیئے دیا جائیگا جب انہیں پیاس بہت لگے گی۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی وابن ماجہ) کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر پڑے تو اہل دنیا جینے سے بتنگ آجائیں تو اُن لوگوں کا حال جن کی غذا یہ ہوگی اسی سے قیاس کرلینا چاہیئے۔

مبالغہ کیا نہیں بلکہ میں نے بیلہ حصہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس کتاب میں تصاویر بھی بنائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو کیونکر تکلیفیں پہنچائی جائیں گی۔ کسی دوزخی کے جسم میں آگ لگی ہوئی ہے اور کسی کے سانپ لپٹ رہے ہیں کسی پر فولادی آگ کے گرز پڑ رہے ہیں۔ اس کتاب میں علیحدہ علیحدہ باب ہیں اور اُن میں خاص خاص تکالیف کا بیان ہے ایک باب میں صرف تکالیف کی تعداد اور جہنمیوں کے رہنے کے کمروں کا ذکر ہے جن میں ظالم۔ کنجوس۔ شرابی۔ کافر اور اوباش عورتیں رکھی جائیں گی۔ سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بے ایمان دوزخی ہونے کی نشانی ہے

ایلس ون کا بیان ہے کہ مجھے خواب میں ایک فرشتہ دوزخ کی سیر کرانے لیگیا جہاں اُس نے دیکھا کہ آتش کا ایک سیلاب آرہا ہے اور جتنی تکالیف کہ بہت فکر کے بعد انسان کے خیال میں آسکتی ہیں سب کی وہاں تکمیل ہوگئی ہے۔

جوناتھن ایڈورڈس کا بیان ہے کہ دوزخی جب ایک زمانہ مدید دوزخ میں گزار چکیں گے یعنی وہ زمانہ جس میں چاند سورج اور تمام سیاروں اور ستاروں کی عمر ختم ہو جائے گی اور وہ آہ وزاری کریں گے کہ اب ہمیں دوزخ سے نجات دی جائے تو انہیں یہ جواب ملے گا کہ تمہیں کوئی امید نجات کی نہ کرنی چاہیئے تمہیں ہرگز ایک لحظہ کا بھی آرام نہ دیا جائے گا اور جب تم ایسے ہزار زمانے اور طے کرلوگے تو اُس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ جتنی تکالیف تمہارے لئے خاص کی گئی ہیں اُن کا ایک لاکھواں حصہ بھی تم نے پورا نہیں کیا اب بھی وہی رونا ہے وہی درد سے غل مچانا ہے اور وہی ہائے ہائے کرنا ہے۔ تمہارے اجسام جو کروروں برس سے جل رہے ہوں گے اب بھی اُسیطرح تازے رہیں گے اور تمہیں غیر خالی عرصہ تک ان ہی اجسام پر یہ تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی۔

ایک اور پیشوائے دین مسیحی کا قول ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کو ایک تکلیف میں دیکھیں گے۔ بچے اپنے ماں باپ کو جانکندنی

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی) کہ دوزخیوں کو اس لئے بھوک لگے گی تاکہ اُنہیں عذاب کی تکلیف پوری پوری ہو پھر وہ کھانے کے لئے فریاد کرینگے تو اُنہیں کانٹوں کی غذا دی جائے گی جس سے نہ پیٹ بھرے نہ بھوک دور ہو جب وہ پختہ کھانے کی فریاد کریں گے تو کھولتا پانی لوہے کے آنکڑوں سے اُنکے قریب کیا جائے گا جوں ہی وہ مُنہ لگائیں گے جھلس کے کوئلہ ہو جائینگے اور جب وہ پانی پیٹ میں جائے گا تو اندرونی اعضا سب جل جائیں گے۔ پھر وہ جہنم کے داروغہ کو پکاریں گے داروغہ آئے گا تو وہ کہیں گے کہ تو اپنے رب سے دعا کر کہ کسی دن ہمارے عذاب میں تخفیف ہو جائے داروغہ جواب دے گا کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزے نہیں لائے تھے وہ جواب دینگے لائے تھے داروغہ کہے گا تو پھر فریاد کیا کرو تمہاری کوئی نہ سُنیگا۔ پھر جہنمی اپنے رب کو پکاریں گے کہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے رب کی طرف سے جواب ملے گا تم ہمیشہ دوزخ ہی میں رہو۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ رب سے کہنے اور جواب پانے میں ایک ہزار برس کا عرصہ لگے گا پھر وہ اس جواب پر کہیں گے الٰہی ہم بدبختی کا شکار بن گئے۔ الٰہی ہمیں اس بلا سے نکال اگر پھر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔ خداوند کریم سے اُنہیں جواب ملے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے تم دوزخ ہی میں پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔ یہ جواب سُن کے دوزخی مایوس ہو جائینگے اور چیخنا غل مچانا آہ وزاری کرنا شروع کریں گے۔

میں نظر کریں گے۔ بی بیاں اپنے خاوندوں کو دیکھیں گی اور خاوند اپنی بی بیوں کو نظر حسرت سے ملاحظہ کریں گے مگر ایک دوسرے کے درد کا کوئی علاج نہ کر سکے گا۔

ایبی کو سنل اپنی کتاب کو اس بیان سے شروع کرتا ہے۔ تمام اچھی چیزیں وسط میں رکھی جاتی ہیں۔ بیج میوے کے بیچ میں ہوتا ہے۔ بیت المقدس دنیا کے وسط میں آ کے واقع ہوا ہے۔ آفتاب ہمارے سلسلۂ عالم کے وسط میں ہے۔ دوزخ ناف زمین میں ہے چوڑا رستہ بہ نسبت تنگ رستہ کے زیادہ آسان ہے فلسفی مدبران سلطنت۔ شاعر۔ مورخ۔ مصور۔ ریاضی داں بہا حسین مستورات۔ سب دوزخ میں جائیں گی۔

چاٹا برینڈ نے کتاب لیس مرٹائرس میں دوزخیوں کی تکالیف کا بیان کیا ہے لیکن اُس کا رجحان زیادہ تر جسمانی تکالیف سے روحانی تکالیف کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے اور اس میں نہایت دلچسپی سے بیان لکھا گیا ہے۔ جس کے چند فقرے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں "شیطان پارہ پارہ ہو کے اپنی بداعمالیوں کے بوجھ کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ موت مثل ایک سیاہ داغ کے ظاہر کی جائے گی اور پھر اُسے دوزخ کی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ شعلے مارتی ہوئی آگ اُس ... کو خاک سیاہ کر دے گی اور اُس کا نام ونشان صفحۂ ہستی پر باقی نہ چھوڑے گی۔ شیطان غریبوں کی آہ وزاری پر خندہ کرے گا۔ دوزخ کے عمیق غار کے وسط میں خون اور آنسوؤں کے سمندر کے بیچ میں ایک سیاہ محل بنایا گیا ہے جس پر دائمی طوفان کی آفتیں برپا رہیں گی۔ ایک خشک درخت اُس کے دروازہ پر لگا ہوا ہے جس پر غرور کا پھریرہ ربانی روشنی کے ساتھ اُڑتا رہتا ہے۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (ترمذی) کہ جب پانی جہنمی کے پاس کیا جائے گا تو وہ اُس سے ناک چڑھائے گا مگر جب اُس کے منھ سے لگایا جائے گا تو اُس کا منھ جھلس دے گا۔ اور سر کی کھال گرا دیگا اور جب پیئے گا تو انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری بروایت ابوہریرہ و مسلم بروایت جابر) جس شخص کو خدائے تعالی نے مال دیا اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہ دی تو اُس کا مال قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت بنایا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اُس شخص کے گلے میں لپٹ کے دونوں باچھیں پکڑ کے کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں بختی اونٹوں کی گردن کے برابر سانپ ہوں گے اگر وہ ایک بار کاٹیں گے تو اُس کا اثر چالیس برس تک رہے گا اور اس میں بچھوا تنے بڑے ہوں گے جیسے پالان اُن کے ڈنک کی سوزش چالیس برس تک رہے گی۔ بچھو اُن لوگوں کو کاٹیں گے جنھوں نے دنیا میں بخل۔ بدخلقی اور لوگوں کی ایذارسانی میں زندگی بسر کی ہوگی اور جو ان باتوں سے دنیا میں محفوظ ہے دوزخ میں ان زہریلے کیڑوں سے محفوظ رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کی ڈاڑھ دوزخ میں مثل اُحد کے پہاڑ کے ہوگی اور اُس کے جسم کی کھال کی موٹائی تین دن کے سفر کے برابر ہوگی۔

پولاس اپنی کتاب کورس آف ٹائم میں یہ تحریر کرتا ہے کہ دوزخ کی دیوار اتنی بلند ہے کہ امید جد و جہد کے بعد بھی اس پر نہیں جا سکتی غمگین صورتوں کا نشان دوزخ کی آگ میں ملے گا۔ وہ کیڑے ہوں گے جن کی خوراک انسان کے دل ہیں اور جو کبھی نہ مرینگے اس کتاب میں بھی تصویریں بنائی گئی ہیں اور دکھایا ہے کہ کیڑے کیونکر دوزخیوں کے دل کھا رہے ہیں اور وہ اس درد سے کیونکر تڑپ رہے ہیں۔

دی امے ھقسٹیڈ اپنی کتاب بریوا فرا ھلویڈی میں جو ۱۸۵۸ء میں طبع ہوئی تھی لکھتا ہے کہ اگر حق پوچھو تو یہ ہے کہ اُن کی گردن میں پھندا پڑا ہوگا اور تیس ٹکڑے جلتی ہوئی چاندی کے اُن کی ہتیلیوں پر رکھے جائیں گے اور جب وہ اُنھیں تپش کے سبب سے پھینک دیں گے تو پھر وہ ٹکڑے اُچھل کے اُن کی ہتیلیوں پر آ پڑیں گے۔ ہم پر یہ بپتا کیوں ڈالی گئی اور یہ کب تک رہے گی بڑے بڑے پادریوں اور بطریقوں کے نالہ و بکا کی آوازیں بلند ہوں گی۔ وہ خود دریافت کرینگے کہ اے دوزخ تو کتنی دور ہے اور جو کچھ عذاب کی عجیب و غریب باتیں تیری نسبت بیان کی گئی تھیں اُن میں سے ایک بھی غلط نہیں نکلی۔

اس کتاب میں آگے چل کے یہ بیان ہوا ہے۔ دوزخ میں گرجے بنے ہوئے ہیں۔ پادری وعظ کہنے والے ہوں گے۔ شیرخوار یا نابالغ بچے دوزخ میں نہیں ہیں۔ دوزخ میں تھیئٹر بھی ہیں ناچ گھر بھی ہیں۔ کمروں میں میزوں پر طرح طرح کے ناول بھی رکھے ہوئے ہیں ڈاکخانے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ڈاکخانہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جو عرضیاں دوزخی روانہ کریں یا عذاب کی نسبت باہم خط کتابت کریں وہ پہنچ سکیں۔

پادری دیورنلڈ جے فرنس نے ایک کتاب دی سائٹ اف ھیل نامی تصنیف کی ہے جس کے دیباچہ میں وہ یہ لکھتے ہیں

ایک حدیث میں آیا ہے (ترمذی بروایت ابو سعید) کہ قیامت کے دن کافر اپنی زبان دوزخ کے بندی خانہ میں گھسیٹیں گے اور لوگ اُسے پاؤں کے نیچے ملیں گے اور باوجود جسم کے بڑے ہونے کے آگ انھیں برابر جلاتی رہے گی۔ نئے نئے گوشت اور تازہ تازہ کھالیں دم بدم برابر بدلتی رہیں گی۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آگ دوزخیوں کو ایک دن میں ستر ہزار بار کھالیا کرے گی جب وہ کھا چکے گی تو فوراً حکم ہوگا کہ ان کی کھال تازہ ہو جائے چنانچہ کھال فوراً تازہ ہو جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم بروایت ابن مسعود) جہنم کو اُس روز اس طرح لائیں گے کہ اُسکی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے لگے ہوں گے۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابن ماجہ بروایت یزید رقاسی) کہ دوزخیوں کو رونے کی قوت دی جائے گی وہ اتنا روئیں گے کہ آنسو نہ رہیں گے پھر خون روئیں گے یہاں تک کہ چہروں میں دراریں پڑ جائیں گی ایسی اگر اُن میں کشتیاں چھوڑی جائیں تو بہ نکلیں اور جبتک اُنھیں رونے چیخنے اور واویلا اور تباہی پکارنے کی اجازت رہے گی کچھ آرام ملتا رہے گا مگر پھر ان باتوں سے بھی روک دیے جائینگے۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوزخی پانچ بار دعا مانگیں گے چار کا تو خدائے تعالیٰ جواب دے گا جب پانچویں دعا کریں گے تو پھر اُنھیں بولنا نصیب نہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری بروایت ابن عمر و مسلم بروایت ابو سعید) کہ قیامت کے دن موت کو حاضر کریں گے اور اُس کی صورت سفید مینڈھے کی سی ہوگی پھر وہ مینڈھا دوزخ اور جنت کے بیچ میں ذبح کر دیا جائے گا پھر اہل جنت سے کہا جائیگا کہ تم بآرام زندگی بسر کرو موت ذبح کردیگئی اور اہل دوزخ سے کہا جائیگا کہ بغیر موت کے سدا رہنا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص ہزار برس بعد دوزخ سے نکلیگا وہ میں ہی ہوں تو کیا اچھا ہو۔ ایک بار کسی نے آپ کو ایک گوشہ میں بیٹھے روتا دیکھا دریافت کیا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپنے فرمایا مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں خدائے تعالیٰ مجھے دوزخ میں ڈال دے اور پھر خبر نہو۔ فقط

کدیں سنے پچوں کے بارے میں تحریر کی ہے اس کتاب میں سخت دہشناک اور دوزخ کے خوفناک عذابوں کا ذکر ہے چنانچہ لکھتے ہیں سولہ برس کی لڑکی جلتے ہوئے روشن صحن پر برہنہ پا پھرائی جائے گی اور ایک لڑکے کے گلے میں آگ کے جلتے ہوئے شعلوں کا طوق ڈالا جائے گا اور ایک شیر خوار بچہ آتشیں تنور میں سخت درد ناکی سے تڑپتا اور غل مچاتا نظر آئے گا

سینٹ ٹینز کا یہ بیان ہے کہ کرۂ آفتاب ہی دوزخ ہے اور کل دوزخی مرنے کے بعد کرۂ آفتاب میں چلے جاتے ہیں جو کتاب اس شخص نے دوزخ کے بیان میں تصنیف کی ہے اُسکا نام ٹریولس ان ھیل ہے۔ یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے اور اس میں نہایت دلچسپ طریقہ سے حالات دوزخ بیان کئے گئے ہیں چنانچہ دوزخ کی شکل اور صورت کی نسبت یہ تحریر ہوا ہے کہ یہ ہشت پہلو

یہاں تک حدیثیں اور اقوال پیشوایان دین اسلام بیان ہوئے اب ہم اس پر بحث کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اتنی سخت سے سخت تکالیف بیان کرنے کا منشا، بانی اسلام کا کیا ہے اور دوزخ کی حقیقت اخیر کیا سمجھ میں آسکتی ہے۔ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہم نے نقل کی ہیں وہ اس امر کی تہ تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں کہ دوزخ چیز کیا ہے اور اس کے عذاب ایک عاقل کی نگاہ میں کیا چیز ہیں جس طرح شارع اسلام نے جنت کی نعمتیں ہر شخص کے مذاق کے بموجب بیان کی ہیں اسی طرح دوزخ کے عذاب ہر شخص کی عقل اور فہم کے مطابق بیان فرمائے ہیں اگر کل حدیثیں اور روایتیں صحیح بھی تسلیم کر لی جائیں تو اس سے اس زمانہ کی طبائع کا لحاظ کر کے زیادہ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ عربوں کی طبائع کی سختی اور انتہا درجہ کی درشتی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ معمولی تکالیف انہیں کچھ معلوم ہی نہ ہوتی تھیں صحرائے لق ودق کی زندگی اور سنگلاخ چٹانوں کی معاشرت نے انہیں سخت سخت مصائب کا عادی بنا دیا تھا جو غیر عرب سے کبھی برداشت نہیں ہو سکتیں اور جن کا خیال ایک متمدن قوم کے افراد کو پریشان کر دیتا ہے۔ بچھونا ان کا چٹان اور تکیہ تپتا ہوا پتھر تھا۔ قتل و غارت خونریزی انکی

مربع۔ گول اور مثلث نما ہے لیکن عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ دوزخ مربع شکل کی ہے۔ گو اس کا رقبہ ٹھیک طور پر نہیں معلوم"
جب ملکہ الزبتھ مر گئی اور جیمس اول تخت نشین ہوا تو ایک آئرش پادری نے جسکا نام سیلڈن تھا گرجا میں جا کے یہ وعظ کہا۔
شاید تم یہ دریافت کرو کہ یہ باتیں کس نے بیان کیں تو تم سمجھ لو کہ اس قسم کے سوال اور ایسی باتیں گرجا میں کرنی زیبا نہیں ہیں جو ہم بیان کریں اسے حق سمجھو اور یہ نہ دریافت کرو کہ یہ باتیں ہمیں کہاں سے معلوم ہوئی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان آزمایش میں ضرور پڑے گا اور ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اسکی کیا کیفیت ہوگی ۱/۲ سے زیادہ مخلوق یقیناً دوزخ میں جائے گی۔ تمام بڑے مصنفوں اور فلاسفہ کے لئے دوزخ کے سخت ترین طبقے تیار کئے گئے ہیں افلاطون۔ ارسطو۔ سقراط۔ ٹراجن۔ ایپک ٹیٹس یہ سب دوزخی ہیں اور دوزخ میں ان کی جگہ تجویز کی گئی ہے۔

غالباً پچاس برس ہوئے ہوں گے کہ ڈاکٹر ایمنس ایک امریکہ کے پادری نے اس مضمون پر "کفار کی مایوسانہ حالت" ایک وعظ کہا اور انہوں نے بیان کیا کہ دہریے۔ کافر۔ موحد۔ صوفی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صرف اہل تثلیث کے لئے جنت بنی ہے۔

"ڈاکٹر ریڈکس کہتا ہے کہ جہنمی وہ ہیں جو گناہ کو گناہ نہ سمجھیں اور بری باتوں کو برا نہ خیال کریں اور اسی فطرت کی بہت سی باتوں کو ملنیر فرینسس کولیوتے ایک دلچسپ کتاب مشرکوں اور بت پرستوں کی آئندہ زندگی پر تحریر کی ہے اسکی اشاعت سترہ صدی کے آغاز میں ہوئی اس کتاب کا نام ڈی اینی میبس پیگے نورم لبری کوںکو ہے اس کتاب میں عالمانہ بحث کی گئی ہے اور بڑے بڑے علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں اس کے پورے ۹۰۰ صفحے ہیں۔ اس کتاب میں سب سے زیادہ افسوسناک مقام وہ ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت ہرزہ درائی کی گئی ہے چونکہ عیسائیوں کا یہ مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنی بیوی کے کہنے سے اخیر زمانہ میں بت پرستی کرنے لگے تھے اس لئے اس مصنف نے انکی بعض پیاری اور خاص بی بیوں کی فہرست دی ہے اور انہیں جہنمی قرار دیا ہے۔

اینٹی بنیٹ نے ایک کتاب صرف آیندہ زندگی پر تحریر کی ہے جس میں اسنے علانیہ خیفتا غورث۔ سینیکا تھامس کو جہنمی قرار دیا ہے

دل لگی تھی۔ دنوں بے آب و دانہ رہنا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ غرض وہ درندے جانوروں سے کسیطرح بھی کم نہ تھے بلکہ سختی اور صحرائی مصائب برداشت کرنے میں وہ ان جانوروں سے بحیثیت انسان ہونے کے زیادہ سخت تھے۔ اُن کی ماتمی اور شادی کی تقریبات میں سوائے ہولناک باتوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔ کسی کو قتل کر ڈالنا یا میدان جنگ میں جان دیدینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ شدید سے شدید زخموں میں اُف تک نہ کرنا یہ اُن کی فطرت تھی۔ صدہا واقعات تواریخی موجود ہیں کہ ابتداے اسلام میں جو لوگ ایمان لے آئے تھے اُن پر کفار مکہ اس قدر سختیاں توڑتے تھے جن کا بیان اب تک کلیجہ تھرا دیتا ہے مگر اُنہیں پروا بھی نہوتی تھی اور نہ یہ سُنا گیا ہے کہ اُن سخت ترین مصائب کو برداشت کرکے اُن کے سر میں کبھی درد بھی ہوا ہو۔ حضرت بلال کا جانکاہ واقعہ موجود ہے کہ جب اُنہوں نے کلمہ طیبہ پڑہا اور زمرۂ غلامان نبی میں داخل ہوئے تو اُن کے آقا نے ایک جلتے ہوئے چٹان پر لٹا کے ایک وزنی پتھر اُن کی چھاتی پر رکھ دیا تھا اور کہا تھا جب تک تو اسلام سے توبہ نہ کرلے گا ہرگز تجھے اس مصیبت سے رہائی نہ دیجائے گی۔ اُنہوں نے اِس سختی کی جو محض اسلام کے لیئے اُن کے آقا کی طرف سے کی گئی ذرا بھی پروا نہ کی اور وہ اِس قابل رحم حالت میں برابر کلمہ طیبہ پڑہتے رہے۔ آفتاب کی تیزی اور جھُلستی ہوئی بادِ سموم کے جھکڑ زمین آگ کی طرح جلتی ہوئی اوپر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا اور پھر اپنے ارادہ اور عزم میں خفیف سی جنبش نہوئے رہنا اس امر کی شہادت ہے کہ بچپن سے وہ ایسی ایسی تکالیف سہنے کے عادی تھے اخیر چوبیس گھنٹے یا دو دن اسی حالت میں گزرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے روپیہ دے کے حضرت بلالؓ کو رہائی دلوائی جب اُنہوں نے اِس بلا سے خلاصی پائی۔ تو تکلیف کے خفیف سے آثار بھی اُن کے چہرہ پر ہویدا نرہے یہاں تک کہ سر میں خفیف سا درد بھی نہوا تھا۔ عام طور پر غرض کُل عربوں کی جہاں ہمارے نبی برحق و معصوم مبعوث ہوئے تھے۔ یہی کیفیت تھی جو سزائیں کہ دوزخ کی بیان ہوئی ہیں وہ عام طور پر عربوں میں دی جاتی تھیں۔ کھولتا ہوا پانی یا گلا یا ہوا تانبا اُن پر ڈالا جاتا تھا اُنہیں کانٹوں پر بٹھایا جاتا تھا اُنہیں زہریلے جانوروں سے

سویڈن بارگ نے بڑی بسط سے بحث کی ہے اور اخیر اُس نے پولوس مقدس اور حضرت داؤد کو جہنمی قرار دیا ہے۔ اور جارج ثانی اور ولیم چارم کو فرشتوں کے زمرہ میں شامل کردیا ہے۔

گیولی مس پیری سٹن سس نے اُن شیاطین کی جو دوزخ میں متعین ہوں گے ۲۵۵۶ ۲ ۴ ۴ ۴ تعداد لکھی ہے یہ بھی لکھدیا ہے کہ حسب ضرورت اُن کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان شیاطین کی خارجی شکلیں اور اندرونی حالت بھی مفصل طور پر ظاہر کی گئی ہے۔ اُن کے اجسام خاکی نہیں ہیں بلکہ وہ کسی قدر روحانیت کا مادہ رکھتے ہیں یا روحانی اجسام سے مشابہ ہیں جان واٹر نے کئی ہزار صفحے کی ایک کتاب اسی بیان میں لکھی ہے جس میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ دنیا شیاطین کا مسکن ہے وہ لکھتا ہے کہ بہتر شہزادے شیاطین میں ہیں جن کی رعایا کی تعداد ۶ ۲ ۶ ۹ ۵ ۰ ۴ ۷ ہے۔ شیطان کی شکل عام طور پر بکرے سے مشابہ ہے دو سینگ آگے ہوتے ہیں اور دو پیچھے مگر وہ مینڈک مکھی اور بندر کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بلیک نے

کٹوایا جاتا تھا۔ جب اِس قسم کی سختیاں سہنے کے وہ پہلے ہی سے عادی تھے اور انہیں بھی وہ معمولی خیال کرتے تھے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ روحانی تکلیف ہوگی اور خدائے ذوالجلال کی حضوری حاصل ہونے کا عذاب تمام دنیا کے عذابوں سے بڑھ جائے گا وہ کیونکر خوف کھاتے اور کونسی صورت تھی جس سے وہ راہ راست پر آتے۔ اور اُن میں یہ قوت کہاں پیدا ہوتی کہ وہ یورپ کو تہذیب سکھاتے اور عالم کو متمدن بناتے۔ اگر اُن سے جنت کی کیفیت یہ بیان کی جاتی کہ اُس کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ کسی زبان نے اُس کا مزا لیا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا اور دوزخ کی کیفیت صرف اس قدر بیان کر دیتے کہ دیدار باری نصیب نہ ہوگا اور ایسی جگہ رہوگے جہاں اُس کے نور کی شعاعیں نہ پہنچ سکیں گی تو وہ کیونکر مسلمان ہوتے اور یہ حکیمانہ الفاظ اُن کے دل میں امید اور خوف کا کیا خاک نقشہ کھینچتے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر مخاطب کی عقل کے مطابق گفتگو نہ کی جائے تو اس سے زیادہ جنون ہو نہیں سکتا۔ قرآن میں جہاں دوزخ کا ذکر آیا ہے اُس سے حقیقی معنی سمجھ لینے اور یہ خیال کر لینا کہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہی حقیقت ہے

شیطان کو کٹری کی صورت میں دیکھا تھا۔ اُس کا یہ بھی بیان ہے کہ شیطان سوائے فاختہ اور بھیڑ کے ہر جانور کی شکل میں حلول کر سکتا ہے۔ افریقیہ والوں کا شیطان سفید رنگ کا ہوتا ہے اور اہل یورپ کا شیطان سیاہ رنگ کا۔ بوڑھا شیطان سانپ ہے جس نے حضرت آدم کو بہکا کے جنت سے نکالا تھا اُسی کی اس دنیا میں حکومت ہے اور وہی اُس کا متعلق لعنان حکمران ہے ہوا اور تاریکی پر بھی اُسی کا قبضہ ہے۔

لیوسیفر نے شیطان کی شکل اژدہے کی بتائی ہے اور اُس کے سر پر سات تاج۔ دس سینگ اور بڑی لمبی چوڑی دُم بیان کی ہے اُس کے دو ماتحت مُعتمد کام کرنے والے ہیں ایک اُن میں سے سمندر ہے جس کے اپنے آقا سے زیادہ تین تاج ہیں۔ یہ مینڈے کی صورت میں ظہور کرتا ہے اس کے پیر ریچھ کے اور دُم شیر کی ہوتی ہے دوسرا معتمد زمین ہے جو چوپائے کے نام سے مشہور ہے اس کے صرف دو سینگ ہوتے ہیں۔

اس کے بعد لیوسیفر نے جنات کا بیان کیا ہے اور اُن کی تقسیم کر کے لکھا ہے کہ جنات ہی میں فرشتے بھی ہیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ اس کے سوا جنات کا ایک گروہ سمندر میں رہتا ہے جو ہمیشہ جہازوں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے ان ہی جنات میں وہ گروہ بھی ہے جو ہمیشہ لوگوں کی بصارت کھونے کسی کا مال غائب کر لینے میں لگا رہتا ہے بعض جنات بس ایسے بھی ہیں جو لوگوں کو پوشیدہ خزائن کا پتا بتا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر لوئیس ڈی مولن جو سنہ ۱۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا لکھتا ہے کہ میں نے انجیل مقدس سے ثابت کیا ہے کہ حضرت آدم سے لیکے ہمارے وقت تک ایک لاکھ میں سے ایک شخص بمشکل دوزخ کے عذاب سے بچا ہوگا۔ پروفیسر مذکور کا یہ عام اصول ہے کہ کل کاذب جہنمی ہیں۔

کیوسر ہو کہتا ہے کہ سات اور بارہ برس کی عمر کے بچے جنت میں جائینگے اور باقی سب جہنمی ہیں جتنی اس دنیا کی آبادی ہے وہ سب جہنمی

سخت غلطی ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قرآن اگرچہ خدا کا کلام ہے مگر نازل ہوا ہے انسان کی زبان اور محاورہ میں اس لئے کلام خدا کو بھی اُسی حد میں محدود ہونا پڑا جو زبان عربی کی حد ہے زبان عربی میں یا دنیا کی اور زبانوں میں جب ایسے الفاظ ہی پیدا نہیں ہوئے جو چیز کی اصلی ماہیت کو بیان کر سکیں تو پھر دوزخ اور جنت کے عذاب اور راحت کی حقیقت کیونکر بیان ہو سکتی ہے۔ اس بنا پر ہم یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں سب تمثیلی ہیں اور اُن ہی سے ایک عاقل شخص قیاس کر سکتا ہے اور اپنے مذاق اور طبیعت کے موافق اسے سمجھ سکتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ دنیا میں آ کے اپنے خالق کو نہ پہچاننا ایک سنگین جرم ہے جس نے تمام نعمتیں اُس کے لئے مہیا کیں اُس سے روگردانی کرنا ایک ایسا جرم کبیرہ ہے جو اندازہ میں بھی نہیں آسکتا۔ ایسے شخص کے لئے روحانی عذاب ہزار دوزخوں سے زیادہ ہے کہ اُسے دیدار باری تعالیٰ نصیب نہو اور جب کہ اُس کے اور بھائی دائمی رحمت اور قادر ذوالجلال کی روشنی میں اُسکے سامنے روحانی زندگی بسر کریں اور وہ اُس سے محروم رکھا جائے۔

قرآن مجید میں جہاں دوزخ کے عذابوں کا بیان ہولناک الفاظ میں کیا گیا ہے وہاں یہ حکیمانہ مقولے بھی ہیں کہ بدکاروں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح نہ ہوگی۔ در اصل یہ بہت بڑا حکیمانہ قول ہے اور اس سے معقول پسند طبائع بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

عذاب و ثواب کا محسوس کرنا اور اُس سے متاثر ہونا مختلف طبائع پر موقوف ہے۔ ایک وہ شخص ہے کہ دنیا کی ذلیل ترین اور سخت ترین حالت بھی اُس کے لئے محض معمولی ہے۔ مثلاً ایسے اشخاص دکھائی دیتے ہیں

عام طور پر دوزخ کے چار حصے کئے گئے ہیں سب سے نیچے کے حصے میں جنات رکھے جائیں گے۔ اور اسی درجہ میں ان جنیوں کی روح بھی داخل ہوگی جنکے اجسام قیامت کے بعد اس میں ڈالے جائیں گے۔ دوزخ کے دوسرے درجہ کو اعراف کہتے ہیں جہاں آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے مگر کبھی کبھی اُس کی تپش کم بھی ہو جاتی ہے۔ تیسرے درجہ میں وہ بچے ہوں گے جو بپتسمہ لینے سے پہلے مرگئے ہیں چوتھے درجہ میں بڑی عمر کے لوگ داخل کئے جائیں گے تیسرے درجہ میں دوزخیوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں ملنے کی۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسانی آبادی کے ⅓ حصہ کی تعداد اُن بچوں کی شمار کرنی چاہیئے جو بغیر بپتسمہ لئے فوت ہو گئے پادریوں کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ قوی اور دولتمندوں کے لئے نہیں بلکہ محض کمزوروں اور غربا کے لئے دوزخ بنائی گئی ہے وہ کہتے ہیں بے گناہی کوئی چیز نہیں ہے اور ہم اس کی حقارت کرتے ہیں۔ دوزخ مثل مکڑی کے جالے کے ہے جو بے جرم غریب مکھی کو قید کر لیتا ہے۔ کرنیل انگوسولس نے جانوروں کی کہانیوں کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں شیر کہتا ہے البتہ میں مطلق بے قصور ہوں اگر کوئی شخص میری بے جرمی کا منکر ہو تو اُسے کہو میری طرف قدم بڑھا کے دیکھ لے۔ لومڑی کہتی ہے مجھے پرندوں کے مارنے کی معافی دیگئی ہے۔ بھیڑیا کہتا ہے میں گوالئے پر اس لئے حملہ کرتا ہوں تاکہ بھیڑ کو اُس کے قبضہ سے نجات دوں۔ بندر کہتا ہے وہ میں ہی ہوں جسے شریر کہتے ہیں۔ ایک دن میں بہت بھوکا تھا ایک بستی میں

کہ جیل خانوں میں جانا اور رہنا اُنہیں محض معمولی معلوم ہوتا ہے اور وہ ذرا بھی اس کی پروا نہیں کرتے۔ وہ بھی لوگ ہیں جو ذرا سی چشم نمائی یا الفاظی توہین سے زہر کھا کے خودکشی کر لیتے ہیں اور گوارا نہیں کرتے کہ جب عام جلسہ میں اُن کی توہین ہوئی وہ دنیا کو پھر مُنہ دکھائیں۔ بہت سی عورتیں عام طور پر بازاروں میں شرمناک پیشہ میں مبتلا دکھائی دیں گی۔ اُن کے چہروں پر تازگی ہوتی ہے اُن کی آنکھ میں شرم نام کو نہیں ہوتی وہ اسی شرمناک حالت میں بخوشی و خرمی اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر اس طبیعت اور فطرت کی عورتوں کو عذاب دوزخ کا خوف دلایا جائے گا تو اُس کے لئے وہی لفظ استعمال کئے جائیں گے جو ایک عصمت پناہ خاتون کے لئے زیبا ہیں یا دوسرے قسم کے الفاظ۔ اس بازاری عورت کو ہزار فولادی گرزوں کی مار اور لاکھ کیڑوں اور سانپوں کا اثر اتنا نہ ہوگا جتنا ایک عصمت پناہ خاتون کو یہ کہنا کہ تمہاری نیک چلنی مشتبہ ہے۔ طبائع کی اُتار چڑھاؤ اور رنگ کو دیکھ کے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اور دوزخ کی نسبت بیان کیا گیا ہے اُس میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہیں اور ان حکمتوں کے نتائج بیّن ہیں۔ اِن باتوں نے جو کچھ اثر کیا اور اُس اثر کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ عالم پر ظاہر ہے۔ خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ایک شخص بھی دنیا میں نہ دکھائی دیتا۔ اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا اور اُس کی اشاعت اِس کثرت سے نہ ہوتی تو ہم سوال کرتے ہیں کہ موجودہ زمانہ ہی میں خیال کرو ایک شخص بھی ایسا ہے جو مسلمان نہ ہوا اور خدائے مطلق و

جا نکلا اور وہاں میں نے چار راہبوں کی بہت کٹیا کھالی۔ پھر وہ لکھتا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں طبیب کسی ایسی چیز کو کھاتے دیکھے گا کہ وہ تمہیں جسمانی قوت پہنچانے والی ہے تو وہ غل مچا دے گا نہ کھاؤ تمہارے لیئے یہ زہر ہلاہل ہے جب خدا تمہیں وہ اعمال کرتے دیکھتا ہے جو تمہاری روحانی مرض کا باعث ہیں تو وہ کہدیتا ہے تم جہنمی ہو۔ فقط

یہاں تک ہم نے عیسائیوں کے پیشواؤں کی اُن کتابوں سے دوزخ کا بیان انتخاب کیا ہے جو صدہا برس تک یورپ میں مروج رہیں اور اب بھی مذہبی آدمیوں میں اُن کی وہی کیفیت ہے۔ ان تمام بیانات کو غور سے پڑھ کے تمثیل ہی کے طور پر کوئی شخص ایک سچا نقشہ عذاب دوزخ کا نہیں کھینچ سکتا۔ جہاں شیرخوار بچوں کے لئے ایک طبقہ دوزخ تجویز کیا گیا ہے وہاں پادریوں کی سنگدلی اور بے رحمی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرتے صرف اسی قدر لکھدینا کافی ہے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اُس میں ایک عجیب بات یہ پائی جاتی ہے کہ ہم اُس کی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ خاص خاص لوگوں کا نام گِنانا اور موحدین کو دوزخیوں میں شمار کرنا ایک ایسا لغو استدلال ہے کہ تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ مذہب مسیحی کی بداخلاقی اور صریح اور علانیہ نیکی سے روگردانی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے پہلو بحث کرنے کے لئے ہمنے اپنے ناظرین کے واسطے چھوڑ دیے ہیں تاکہ اُنہیں عیسائیوں اور مسلمانوں کی دوزخ کا مقابلہ کرنے میں لطف حاصل ہو +

واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرتا ہو جن باتوں کے نتایج ایسے اعلےٰ درجہ کے ہیں تو افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نئی روشنی کا شخص اُس پر مضحکہ اُڑائے اور اپنے تعصب کی رو میں جو چاہے لکھ دے۔ وہ روایتیں جو ہم نے اخیر صفحوں میں لکھی ہیں جن میں قبر اور کیڑے گفتگو کر رہے ہیں خیالی نہیں ہیں۔ بیشک قبر تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہے اور قبر ہی تمام مصائب کا گڑھا ہے۔ اِس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قبر میں تاریکی نہو گی اور کون اسکے خلاف دلیل لا سکتا ہے کہ وہاں کیڑے نہونگے۔ یہ انسان کی اخیر حالت ہے جو بادشاہ اور فقیر کے ساتھ لازمی کر دی گئی ہے۔ مُردے پر عذاب دوزخ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے واقف کار اُس پر لعنت ملامت کریں اور اُس کی قبر پر ٹھوکر مار کے چلیں۔ روحانی عذاب تو حساب کتاب ہونے کے بعد ہی شروع ہو گا یہ اسلام کا متفق علیہ اصول ہے کہ قیامت کے دن جب سب کے اعمال کی تحقیق ہو جائے گی اُس وقت دوزخ کے جانے والے دوزخ میں جائیں گے اور جنت والے جنت میں جب تک حساب کتاب نہو گا دوزخی اور جنتی مثل حوالات اور مقامات آسایش کے اپنی اپنی جگہہ رہیں گے اور اُن سے کچھ سروکار نہو گا۔ کہاں رہیں گے ؟ اس میں اختلاف ہے اس لئے کوئی ایک رائے قایم نہیں ہو سکتی۔

بہرحال جو ہمیں دوزخ کے بارے میں لکھنا ہے وہ یہ ہے کہ نیک و بد اعمال کی ضرور سزا و جزا دیجائے گی اگرچہ اس سزا کی حالت سوائے تمثیل کے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ فطرت اللہ اس کی مقتضی ہے کہ جن جرائم کی سزا کبھی کوئی قانون نہیں دے سکتا اُن کی بازپرس ہو۔ بہت سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے اور بہت سے جرائم ایسے ہیں جو نہ ظاہر ہو سکتے ہیں نہ اُن کی سزا کوئی قانون تجویز کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دل میں منکر خدا ہے یا دل میں کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے یا دل میں اس کا ارادہ زنا بالجبر کرنے کا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے اُسکا وہ جرم جس کا دل میں ظہور ہو رہا ہے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے جب معلوم نہیں ہو سکتا تو اُس پر قانون ملکی قانون انجمن احتسا قانون حکومت کا نفاذ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اب لازم یہ آتا ہے کہ جس طرح یہ جرم پوشیدگی میں کیا گیا ہے اسی طرح اس کی سزا اسی حالت میں دی جائے جسے کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ سزا سوائے آخرت کی سزا کے اور صورت سے ممکن نہیں۔ ایک شخص مطلق العنان حکمراں ہے اور اُسکی ذات تمام قسم کے قوانین سلطنت سے بری کی گئی ہے اُس کی غلط کاریوں اور بداعمالیوں کی سزا سوائے قادر مطلق کے اور کوئی شخص نہیں دے سکتا اس سے لازم آتا ہے کہ آیندہ زندگی ضرور ہو اور اُس میں یہ جزا و سزا دی جائے۔ اِس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادر مطلق مثل معمولی آدمیوں کے کیا دنیا میں ایسے بادشاہ کو سزا نہیں دے سکتا۔ جس پر کسی قانون سلطنت کی حکومت نہو ؟ تو جواب یہی دیا جائے گا کہ قوانین قدرت کے خلاف دنیا میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ خدا تعالےٰ ہر بات پر قادر ہے مگر اُس کی عادت نہیں ہے کہ اپنے کامل قوانین میں نقص ثابت کرے اور اُنہیں روزمرہ بدلتا رہے۔ یہ یقینی ہے کہ ایک بادشاہ کی نیکیاں معمولی آدمی سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوں گی اسیطرح اُسکی بداعمالیوں کی ایک غریب شخص کے مقابل میں کوئی بھی ہستی نہیں ہو سکتی۔ قوانین قدرت میں جب کہ موت سے

زیادہ کوئی سخت چیز نہیں رکھی گئی ہے اور پھر شاہ کے جرم پر خیال کیا جائے تو موت کی سزا اس کے آگے کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہوا کہ اُسے روحانی سزا دی جائے اور روحانی سزا کا دیا جانا بغیر آیندہ زندگی کے ممکن نہیں۔

اِس بداہت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ روحانی تکلیف جسمانی تکلیف سے دنیا ہی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے ایک عزت دار شخص کی بے عزتی اُس کے کسی عضو ٹوٹنے سے بدرجہا تکلیف دہ ہے۔ ہزاروں آدمی ہر صدی میں ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اپنی روحانی تکلیف کا لحاظ کرتے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ غدر میں صدہا عصمت پناہ خواتین صرف اس لئے کہ غیر شخص اُن کی صورت نہ دیکھ لے کوؤں میں گر گر کے جان بحق تسلیم ہوگئیں۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے جب جسم میں ہو کے روحانی تکلیف کی یہ کیفیت ہے کہ اُس کا برداشت کرنا محالات سے ہوجاتا ہے پھر جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اُس کی کیا کیفیت ہوگی۔

لطف یہ ہے کہ آیندہ زندگی کا انکار موجودہ سائنس داں یا دہریے بھی نہیں کرتے اگرچہ اُنھوں نے اپنے مذاق اور محدود خیال کے مطابق آیندہ زندگی کو نئی صورت میں بیان کیا ہے اُن کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد ثواب و عذاب کوئی چیز نہیں ہے خون کی حرکت بند ہونے کا نام موت ہے اور جب مُردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو چند روز کے بعد گل سڑ کے خاک ہوجاتا ہے اور پھر مٹی میں مٹی مل جاتا ہے مگر اتنا وہ ضرور مانتے ہیں کہ ہمیں وہ کام کرنا چاہئے کہ مرنے کے بعد ہماری نسل اُس سے مستفید ہو ملک میں ترقی ہو۔ تمدن اور تہذیب بڑھے اور ہم ایک زمانہ مدید تک قوم کے سردار گنے جائیں۔ یہ آرزو بھی آیندہ زندگی کی بہت کچھ خبر دیتی ہے اور اس سے بھی ایک قسم کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو مذاہب نے پیدا کیا ہے۔ تاہم یہ خیال بالکل ہی محدود ہے اور محدود بھی ایسا کہ کم عقل سے کم عقل اور معصوم بچہ چار پانچ برس کا یہ خیال اُن سے بہتر ذہن نشین کرسکتا ہے جس طرح ایک صغیر بچہ کو اپنی آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کا کچھ خیال نہیں ہوتا اسی طرح ایک فلسفی یا دہریے کو بھی کوئی خیال نہیں اسی طرح جانور بھی اپنی آیندہ زندگی کا کوئی خیال نہیں کرسکتا اِس لحاظ سے گو یا دہریے ناسمجھ بچے اور جانور کی ایک حالت ہوئی ہم ایسی ذلیل حالت میں زندگی گزارنا اپنے اعلےٰ منصب انسانی کے خلاف سمجھتے ہیں ہم اس مقام سے بلند پروازی کرکے بہت بلند اُڑتے ہیں اور اس مرتبہ پر پہنچنا چاہتے ہیں جو انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے جبکہ موجودہ سائنس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ انسان کائنات کا لُب لباب ہے اور انسان کائنات کے سرپر کھڑا ہے تو پھر کتنی افسوس کا مقام ہوگا کہ ایسی بزرگ اور اعلےٰ چیز تو بہت جلد فنا ہوجائے اور وہ چیزیں جو اُس سے ارذل ترین ہیں مدت مدید تک زندہ و سلامت رہیں۔ عقل ہرگز نہیں مانتی کہ چیل۔ گدھ اور کوّے تو کئی کئی صدی تک زندہ رہیں اور انسان ساٹھ ستر اسّی برس کے بعد فنا ہوجائے۔ عقل نہیں چاہتی کہ پہاڑوں کی زندگی تو ہزاروں برس کی اور اشرف المخلوقات چشم زدن میں فنا ہوجائے نہیں انسان کی زندگی بہت بڑی زندگی ہے اور اُسکا قیام اِس دنیا اور آخرت میں دائمی مسلم ہے۔ وہ ہماری آنکھوں سے چھپ جاتا ہے مگر ہم میں ہر وقت زندہ رہتا ہے ہماری ہر مشکل کام میں مدد کرتا ہے۔ ہمیں نصیحت کرتا ہے ہمارے فسردہ دلوں کی ڈھارس بندھواتا ہے غرض

زندگی میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

اے نبی پاک برحق۔ معصوم تیرے سارے اقوال سچّے ہیں تو حقیقت میں کائنات کا سردار ہے۔ جو کچھ تونے فرمایا ہے وہ راست ہے جن کی سمجھ میں نہ آئے اُن کی فہم کا قصور ہے۔ **اے** برگزیدہ رب الافواج تیرے حکیمانہ مقولے اختتام دنیا تک بنی آدم کی رہنمائی کریں گے تو نبیوں کا سرتاج ہی نہیں ہے بلکہ تو اُن کا سچا محسن ہے۔ تونے آئندہ عذاب و ثواب کی خبر جو کچھ ہمیں دی ہے وہ بالکل برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے جو تیری حکمت کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں جو تیری نصائح سے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں ہونے دے جو تیری ہدایتوں پر خندہ زنی کرتے ہیں کرنے دے۔ تیری ذات اطہر و اقدس اِن سب باتوں سے اعلےٰ ہے۔ تیرے جلال کو ہزار آفتابوں کا نور بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تیرے دین کے ساکن سمندر میں یہ چھوٹے چھوٹے بادِ مخالف کے جھونکے کچھ بھی اثر نہیں کر سکتے۔

اے معصوم نبی اِس وقت ⅓ دنیا تیرا کلمہ پڑھتی ہے اور تیرے جلال کے سایہ کے نیچے پرورش پا رہی ہے **اے** پاک محمد عربی تیری ذات سے کسی کو نسبت دینی سخت بے ادبی ہے تو کامل نور کامل سچائی اور کامل علم ہے تو خدائے عزوجل کا برحق قاصد ہے اور تیری فطرت میں تمام عالم کی نیکیاں ودیعت ہوئی ہیں +

قیامت

جہاں دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں بعض اصول میں اتفاق ہے وہاں مسئلہ قیامت میں بھی سب کو اتفاق ہے اگرچہ رمز و بوم کے اختلاف سے واقعات کے بیان کرنے میں ہر ایک مذہب نے نرالی طرز پیدا کی ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سب کا رجحان ایک ہی جانب ہے اور کسی نے اس اہم مسئلہ کو فروگزاشت نہیں کیا۔ یہودی اس کے قایل ہیں کہ دنیا کا خاتمہ ہوگا اور مسیح پیدا ہوگا۔ عیسائی بھی اس یقین پر تلے ہوئے ہیں کہ حضرت مسیح حسب وعدہ آئیں گے اور اپنے معتقدین کو ہمیشہ کی زندگی اور آسمانی بادشاہت عطا فرمائیں گے۔ مسلمان بھی اِس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ امام مہدی تشریف لائیں گے اور تمام دنیا میں امن کرنے کے بعد قیامت برپا ہوگی اور خداوندی عدالت میں مخلوق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ دہریے بھی موجودہ سائنس سے اِس دنیا کا خاتمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور نئی نئی وجوہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہو جائے گا۔ خواہ زمین دُمدار ستارے سے ٹکرا کے پاش پاش ہو جائے خواہ آفتاب کی حرارت کم ہونے سے ذی روح مخلوق فنا ہو جائے غرض یہ سب کا عقیدہ ہے کہ ایک دن وہ ہونے والا ہے کہ یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اُس کا خاتمہ سخت ہولناک ہوگا۔ جن خوفناک الفاظ میں قرآن نے خاتمہ عالم کا احوال لکھا ہے اُن ہی الفاظ میں انجیل[۵] بھی اختتام دنیا کی گواہی دیتی ہے اور یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اتنی بڑی دنیا کا خاتمہ ہوگا خواہ علوم جدیدہ

---

[۵] اناجیل میں بھی خوب زور شور سے صریح الفاظ میں قیامت کے دن کی کیفیت بیان کی ہے (چنانچہ انجیل متی باب ۲۴ درس ۲۹ لکھا ہے) اُن دنوں کی مصیبت کے بعد فوراً سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔ ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی۔ تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا اور اُس وقت زمین کے سارے گھرانے چھاتی پیٹیں گے اور ابن آدم کو بڑی قوت اور جلال کے ساتھ آسمان کی بدلیوں پر آتا دیکھیں گے۔ وہ نرسنگھے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کی اس حد سے اُس حد تک جمع کریں گے۔ اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو کہ جب اُس کی ڈالی نرم ہوتی اور پتے نکلتے تم جانتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے۔ اسی طرح جب یہ سب دیکھو تو جانو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ ہی پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب کچھ ہو نہ لے۔ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائیں گے آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتوں تک کوئی نہیں جانتا جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ فقط۔

پھر دوسرے باب میں یہ لکھا ہے۔

جب ابن آدم اپنے جلال سے آئے گا اور سب پاک فرشتے اُس کے ساتھ ہوں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور کُل قوم اُس کے آگے حاضر کی جائے گی اور جس طرح گڈریا بھیڑوں کو بکریوں سے جُدا کرتا ہے وہ ایک دوسرے سے جُدا کرے گا اور

کے اصول پر یا مذاہب کے مقرر کردہ قواعد کی رو پر توضرور ایک ہولناک سانحہ پیش آئے گا وہ سانحہ جس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنی تفسیر میں چونکہ جا بجا قیامت کی آیتوں پر بحث کریں گے اس لیئے اس مقام پر ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ لفظاً لفظاً کل آیتوں کو جمع کر کے اُن کا ترجمہ کر دیں بلکہ ایک انتخاب قرآن مجید کی اُن متعدد آیتوں کا کرتے ہیں جن میں قیامت کا ذکر ہے یا جو واقعات قیامت کے دن گزریں گے اُنہیں نہ صرف قرآن مجید سے بلکہ صحیح احادیث اور روایات سے بھی دہرا دیں تاکہ پھر ہم ایک عام رائے قایم کر سکیں۔

وہ آیات یہ ہیں۔ آسمان چرچرا جائیں گے۔ ستارے خوف کے مارے گر پڑیں گے۔ اُن کا نور جاتا رہے گا آفتاب کی دہوپ ماند پڑ جائے گی۔ پہاڑوں کو حرکت ہوگی۔ بیاہی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی جنگل کے وحشیوں میں بھاگڑ پڑے گی۔ زمین پھیلائی جائے گی۔ زمین بھونچال سے لرز جائے گی اور چاندی سونے کے تمام بوجھ نکال کے پھینک دے گی۔ پہاڑ اور زمین اُٹھا کے پٹک دی جائے گی۔ آسمان پھٹ جائیں گے اُن کی بنیادیں کھوکلی ہو جائیں گی فرشتے زمین کے کناروں پر کھڑے ہوں گے۔ خدا کا تخت بجائے چار فرشتوں کے آٹھ اُٹھائیں گے اُس دن مخلوق کی پیشی ہوگی اور کسی کا کوئی بھید چھپا نہ رہے گا۔ زمین کھوکھلی ہو جائے گی۔ پہاڑوں کو چلنے کا حکم ہوگا۔ اُن میں لرزہ پیدا ہوگا اور وہ پارہ پارہ ہو جائیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ ماں اپنے شیر خوار بچہ کو پھینک دے گی۔ لوگ نشہ میں

بھیڑوں کو دہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ تب بادشاہ اُنہیں جو اُس کے دہنے میں ہوں گے کہے گا اے میرے باپ کے مبارک لوگو اُس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے سے تمہارے لیئے تیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ اُس وقت راستباز اُسے جواب میں کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا اور کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اُتارا یا ننگا دیکھا اور کپڑا پہنایا ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کے تیرے پاس آئے۔ تب بادشاہ اُن سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تم نے میرے اُن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ پھر وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا اے ملعونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اُس کے فرشتوں کے لیئے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی۔ پھر وہ بھی جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ پھر وہ اُنہیں جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے

دکھائی دیں گے یہ وہ نشہ نہو گا جو کسی منشی چیز کا ہوتا ہے بلکہ ان پر خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو گا۔
لوگ خدائے رب العرش کی حضوری کے لیئے نکل کھڑے ہوں گے۔ پہاڑ اُڑتے اِدھر اُدھر پریشان
ہو جائیں گے۔ زمین چٹیل میدان کر دی جائے گی۔ ٹیلے اور پہاڑ زمین میں کچھ نظر نہ آئیں گے جو پہاڑ اس وقت
جمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ بادل کی طرح حرکت میں معلوم ہونگے۔ آسمان پھٹ کے گلابی لال چمڑے
کی طرح ہو جائیں گے۔ ہر گنہگار دم بخود ہو گا۔ ماتھے کے بالوں سے گنہگاروں کے پاؤں جکڑ دیے جائیں گے
ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی اور بدی اپنے آگے کھڑی دیکھے گا۔ ہر شخص آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور میری
بداعمالی میں فاصلہ ہو جائے۔ زبانیں گونگی ہو جائیں گی مگر ہاتھ پیروں میں گویائی ہو جائے گی۔ وہ دن ایسا ہے
کہ اُس کی یاد نے سید المرسلین کو بوڑھا کر دیا تھا۔ یعنی جب حضرت صدیق اکبر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا
یا رسول اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اُسکی بہنوں نے
بوڑھا کر دیا (یعنی اُن سورتوں نے جن میں قیامت کا ذکر ہے)

اس کے بعد قیامت کے جو متعدد نام ہیں وہ ہدیۂ ناظرین ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس اہم مسئلہ کا اسلام
سے کتنا تعلق ہے اور اسی لئے روز قیامت پر ایمان لانا اسلام کی نشانی قرار دیگئی ہے۔ (وہ نام یہ ہیں)
روز قیامت۔ روز حسرت۔ روز ندامت۔ روز حساب۔ روز محاسب۔ روز سوال۔ روز سبقت جوئی۔

پر راست باز ہمیشہ کی زندگی میں — متی باب ۲۵ آیت ۴۶-۳۱ (پھر مرقس کی انجیل باب ۱۲ آیت ۲۷-۱۸) پھر صدوقی جو قیامت
کا انکار کرتے ہیں اُس پاس آئے اور انہوں نے اس سے سوال کر کے کہا اے اُستاد ہمارے لئے موسیٰ نے لکھا ہے کہ اگر
کسی کا بھائی مر جائے اور اُس کی جورو رہے اور فرزند نہو تو اُس کا بھائی اُس کی جورو کو لیلے تاکہ اپنے بھائی کے لئے اولاد
پیدا کرے اب سات بھائی تھے پہلے نے جورو کی اور بے اولاد مر گیا تب دوسرے نے اُسے لیا اور مر گیا اُس کا بھی کوئی فرزند
نہ رہا اور اسی طرح تیسرے نے یوں ہی ساتوں نے اُسے لیا اور اولاد نہیں چھوڑ گئے سب کے پیچھے وہ عورت بھی مر گئی قیامت
میں جب وہ اُٹھیں گے وہ اُن میں سے کس کی جورو ہو گی کیوں کہ وہ ساتوں کی جورو ہوئی تھی یسوع نے جواب میں اُنھیں کہا
کہ کیا تم اس سبب سے بھول میں نہیں پڑے ہو کہ تم نہ نوشتوں کو نہ خدا کی قدرت کو جانتے ہو کیونکہ جب مُردے اُٹھیں گے
تو وہ نہ بیاہ کریں گے نہ بیاہے جائیں گے بلکہ جیسے فرشتے جو آسمان پر ہیں ویسے ہوں گے۔ اور مُردوں کے جی اُٹھنے کی
بابت کیا تم نے موسیٰ کی کتاب میں نہیں پڑھا کہ خدا نے جھاڑی میں سے اُس سے کیونکر کہا کہ میں ابرہام کا خدا اور اضحاق کا
خدا اور یعقوب کا خدا ہوں وہ مُردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہے پس تم بڑی غلطی کرتے ہو۔

روز تنازع ۔ یوم الرعب ۔ زلزلے کا دن ۔ اُلٹ دینے کا دن ۔ روز واقعہ ۔ روز قارعہ ۔ روز راجفہ ۔ روز رادفہ
روز غاشیہ ۔ روز مصیبت ۔ روز طامہ ۔ روز صاخہ ۔ روز تلاق ۔ روز فراق ۔ روز مساق ۔ روز قصاص ۔ روز تناد
روز مآب ۔ روز عذاب ۔ روز گریز ۔ روز قرار ۔ روز لقا ۔ روز جزا ۔ روز بلا ۔ روز گریہ ۔ روز حشر ۔ روز وعید ۔ روز پیشی
روز وزن ۔ روز حق ۔ روز حکم ۔ روز فصل ۔ روز جمع ۔ روز فتح ۔ روز رسوائی ۔ روز عظیم ۔ روز عقیم ۔ روز عسیر ۔
روز دین ۔ روز یقین ۔ روز نشور ۔ روز مصیر ۔ روز نفخہ ۔ روز صیحہ ۔ روز رجفہ ۔ روز جنبش ۔ روز توبیخ ۔ روز نشر
روز خوف ۔ روز اضطراب ۔ روز منتہے ۔ روز مادی ۔ روز میقات ۔ روز میعاد ۔ روز مرصاد ۔ روز قلق ۔ روز عرق
روز افتقار ۔ روز انکدار ۔ روز انتشار ۔ روز انشقاق ۔ روز وقوف ۔ روز خروج ۔ روز خلود ۔ روز تغابن ۔
روز عبوس ۔ روز معلوم ۔ روز موعود ۔ روز مشہود ۔ یا وہ روز جس میں شک نہیں ۔ وہ روز جس میں دل کے
بھیدوں کا امتحان ہو ۔ وہ روز جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں آنکھیں اوپر کو
وہ روز جس دن کوئی رفیق کسی رفیق کے کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے ۔ وہ روز
جس میں دوزخ کی طرف دھکیلے جائیں ۔ وہ روز کہ باپ بیٹے کے کچھ کام نہ آئے ۔ وہ روز جس میں آدمی اپنے
باپ بھائی ماں بہن سے بھاگے گا ۔ جس روز نہ بولنے کی اجازت ہوگی کہ عذر کرنے کی ۔ جس روز کہ لوگ نکل
کھڑے ہوں گے ۔ جس روز کہ لوگوں پر آگ کا عذاب ہوگا ۔ جس روز کہ اولاد اور والدین فایدہ نہ دیں گے جس روز
کہ ظالموں کا عذر اُن کے کام نہ آئے اور اُنہیں لعنت اور بُرا ٹھکانا نصیب ہو ۔ جس روز کہ عذر نا منظور ہو
اور بھیدوں کی جانچ ہو اور دل کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں اور پردے کُھل جائیں ۔ جس روز آنکھیں نیچی
ہوں اور آوازیں ساکن اور ایک دوسرے کی طرف کم نظری ہو اور چھپی باتیں علانیہ اور خطائیں واضح ہوں
جس روز بندے لے جائے جائیں ۔ اور اُن کے ساتھ گواہ اور لڑکے بوڑھے ہو جائیں تو
اُس دن ترازوئیں قایم ہوں گی اور اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے ۔ دوزخ ظاہر کی جائے گی ۔ پانی گرم
جوش دیا جائے گا ۔ آگ دہڑ دہڑ جلے گی ۔ کافر نا امید ہوں گے ۔ رنگ متغیر ۔ زبانیں گونگی اور ہاتھ پیر بولتے ہونگے ۔
ہر شخص سے ایک ایک تنکے کا حساب ہوگا ۔ آسمان کے کناروں سے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور
نہایت موٹے ۔ تند خو ۔ درشت فرشتے اُتریں گے اُنہیں حکم ہوگا کہ گنہگاروں کے سر کے بال پکڑ کے
جبار کے سامنے پیش کرو ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابو داؤد نے بروایت جابر نقل کیا ہے) کہ
خدائے عز و جل کے ہاں ایک فرشتہ ہے جس کی دونوں آنکھوں کی پلکوں کا فاصلہ ایک برس روز کی سفر کی راہ
ہے ۔ اس ڈیل ڈول کے فرشتے بھی اُس دن کی پریشانی سے شکستہ حال اور غضب جبار کو جو اُن پر عیاں
ہوگا بندوں سے کے لئے اپنا شعار بنائے ہوں گے اُنکے اُترنے کے وقت نبی اور صدیق اور نیک بندے
سجدے میں گر پڑینگے اِس خوف سے کہیں ہم بھی نہ پکڑے جائیں ۔ جب مقربوں کا یہ حال ہے تو گنہگاروں
اور نافرمانوں پر کیا گزرے گی ۔ اُس وقت بعض لوگ شدت خوف سے فرشتوں سے دریافت کریں گے کہ

ہمارا پروردگار تمہیں میں ہے۔ کیونکہ اُن کا رُعب اور ہیبت کمال درجہ کی ہوگی۔ فرشتے اُن کے سوال سے کانپ اُٹھیں گے کہ خدائے تعالیٰ کی شان کو دیکھو اور اُس ذات وحدہ لاشریک کا ہم میں ہونا دیکھو۔ وہ پکار کے کہیں گے ہمارا رب پاک ہے اور وہ ہم میں نہیں مگر آگے آتا ہے تاکہ اہل زمین کا وہم دُور ہوجائے۔ اب فرشتے خلق کو چاروں طرف سے گھیرے پرا باندھ کے کھڑے ہوں گے اور ہر شخص پر ذلت وخواری کا لباس اور صورت سے خوف وہیبت برستی ہوگی اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کو سچا فرمائے گا "فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین" یعنی سو ہمیں دریافت کرنا ہے اُن سے جنکے پاس رسول بھیجے تھے اور ہمیں دریافت کرنا ہے رسولوں سے پھر ہم اپنے علم سے اُنہیں احوال سُنائیں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔

انبیا سے سب سے پہلے پرسش ہوگی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہوا ہے "یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لاعلم لنا انک انت علام الغیوب" یعنی جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہیگا تمہیں کیا جواب دیا بولیں گے ہمیں خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا۔ اُس دن انبیا کی عقلیں چکر میں آجائینگی اور علم شدت ہیبت کی وجہ سے محو ہو جائیں گے۔ اِس لئے اُن سے جب یہ سوال ہوگا کہ تمہیں جو خلق کی طرف بھیجا تھا تو اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ انبیا کو اس سوال کا جواب معلوم تھا مگر عقل زائل ہوجائیگی اور شدت ہیبت سے یہ نہ جانیں گے کہ کیا کہیں سوا سے اسکے اور کوئی جواب ہی نہ دیں گے "لاعلم لنا انک انت علام الغیوب" عقلیں پرواز کر جائیں گی۔ علوم مٹ جائیں گے۔ بجز لاعلمی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں قوت عنایت کرے گا پھر حضرت نوح علیہ السلام کو بُلایا جائیگا اور دریافت کیا جائیگا تم نے رسالت کو پہنچایا وہ عرض کرینگے ہاں پھر اُن کی امت سے پوچھا جائے گا تمہیں پیام پہنچا وہ عرض کرینگے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر حضرت عیسیٰ کو بلا کے خطاب احدیت ہوگا کیا تُنے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا سوائے معبود برحق کے بناؤ وہ اُس سوال کے جواب میں برسوں مضطرب رہیں گے۔ اس دن کی وسعت قابل غور ہے جس میں انبیا علیہم السلام پر ایسے سوالوں کی سیاست قائم کی جائے گی پھر فرشتے آئیں گے اور ایک ایک کو پکاریں گے کہ اے فلاں شخص فلاں عورت کے لڑکے پیشی کے مقام پر حاضر ہو اس آواز سے شانے تھرا جائینگے اور اندام میں لرزہ پڑجائے گا عقلیں چکر میں آجائیں گی۔ بعض لوگ تمنا کریں گے کہ ہمیں دوزخ میں ڈالدیا جائے ہم اپنے اعمال بد حساب کے لئے پیش نہوں اور نہ ہمارا پردہ خلق کے سامنے فاش ہو۔

سوال سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہوگا اور میدان محشر اُس نور سے چمکنے لگے گا۔ ہر متنفس کو اُس وقت یہی گمان ہوگا کہ خدائے تعالیٰ بندوں کی بازپرس کے لئے متوجہ ہے اور ہر ایک یہی سمجھیگا کہ میرے سوا کوئی اُسے نہیں دیکھتا اور بازپرس صرف مجھی سے ہوگی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم جبار جل شانہٗ

کا پہنچے گا کہ میرے پاس دوزخ کو لے آ حضرت جبرئیل دوزخ کے پاس آئیں گے اور اُس سے فرمائیں گے کہ اپنے مالک
اور خالق کے حکم کی تعمیل کر اور حاضر حضور ہو وہ اُس وقت غیظ اور غضب میں ہوگی اور آواز سنتے ہی ہیجان میں
آ جائے گی اور جوش کھائے گی اور مخلوق کی طرف غل مچائے گی خلقت اُس کا جوش دیکھے گی اور اُسکا غل و شور
سُنے گی اور اُس کے محافظ اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے خدائے تعالیٰ کا حکم نہیں سُنا اور نافرمانی کی اُٹھیں گے
لوگوں کے دل خوف اور رعب سے پاش پاش ہوں گے وہ زانو کے بل گر پڑیں گے اور پیٹھ پھیر کے بھاگیں گے
کُل قومیں گھٹنے کے بل گری ہوئی نظر آئیں گی اور بعض مُنہ کے بل اوندھے گریں گے۔ نافرمان اور ظالم تباہی اور
خرابی پکاریں گے کہ ہائے تباہ ہوئے ہائے مرے اور صدیق نفسی نفسی کہتے ہوں گے یہ اس حال میں گرفتار ہونگے
کہ دوزخ دوسری چیخ اور مارے گی اُس وقت لوگوں کا خوف دُگنا ہو جائے گا اور قوٰی سُست ہو جائیں گے۔
اب اُنہیں اپنی گرفتاری کا علم ہو جائے گا۔ پھر تیسری چنگھاڑ مارے گی تو لوگ مُنہ کے بل گر پڑیں گے اور آنکھیں
پتھرائی ہوئی رہ جائیں گی۔ بعض دزدیدہ نظروں سے دیکھیں گے اُس وقت ظالموں کے دل ٹوٹ کے گلے میں حلقہ
بن جائیں گے اور سعید و بدبخت دونوں کی عقلیں بالکل زائل ہو جائیں گی اس کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء سے
خطاب کرکے فرمائے گا "ماذا اجبتم" تمہیں کیا جواب دیا۔ جب یہ سیاست اور ڈانٹ دیکھی جائے گی
تو گنہگاروں پر اور بھی خوف طاری ہوگا باپ بیٹے سے بھائی بھائی سے اور شوہر منکوحہ سے بھاگیں گے اور
ہر شخص کو اپنی ہی فکر ہو گی دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ پھر ہر ایک سے اُس کے کل نیک و بد اعمال کی نسبت سوال
کیا جائے گا اور تمام اعضا گویا ہونگے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت
کے دن کیا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا بھلا جب دوپہر کو آفتاب پر کوئی بادل چھایا ہوا ہو
تو اُس کے دیکھنے میں کچھ مخالفت تم میں تو نہیں پیدا ہوتی عرض کیا کچھ نہیں آپ نے فرمایا اگر چودہویں
رات کے چاند میں کوئی بادل حائل نہ ہو تو تم اُس کے دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا
قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خدائے تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کچھ شک و تامل نہ کروگے
پھر خداوند تعالیٰ بندے سے ملکر اُس سے ارشاد فرمائے گا کیا میں نے تیرے اوپر اکرام نہیں کیا تھا کیا تجھے
سردار نہیں بنایا تھا تیرا جوڑا نہیں دیا تھا گھوڑے اونٹ تیرے تابع نہیں کئے تھے تجھکو رئیس نہیں بنایا تھا بندہ
عرض کرے گا یہ سب نعمتیں دی تھیں پھر فرمائے گا بھلا تجھے گمان تھا کہ مجھسے ملنا ہے وہ عرض کرے گا نہیں
فرمائے گا اچھا ہم بھی تجھے بھول جاتے ہیں جیسا تو ہم کو بھول گیا۔

فرشتے دونوں بازو پکڑے کھڑے ہوں گے اور خداوند تعالیٰ بالمشافہ اپنے بندوں سے سوال کرے گا کیا ہم نے
تجھے جوانی کی نعمت نہ دی تھی بتا کس چیز میں اُسے برباد کیا اور کیا تجھے زندگی سے مہلت نہیں دی اُسے کس
چیز میں ڈبویا مال جو میں نے تجھے دیا اُسے تو نے کیونکر صرف کیا علم کی دولت جو تجھے دی تو نے اُس سے کیا عمل کیا

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (مسلم) آپ از خود ہنسے پھر فرمایا تم جانتے ہو میں کس چیز سے ہنستا ہوں ہم نے عرض کیا خدائے تعالیٰ اور اُس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے بندہ کا خطاب اپنے پروردگار سے یاد آیا جو یوں عرض کرے گا الٰہی تو نے ظلم سے جو مجھے پناہ دی ہے حکم ہوگا کہ ہاں ظلم نہ ہوگا وہ عرض کرے گا تو میں جب قایل ہوں گا کہ کوئی گواہ مجھی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا "کفی بنفسک الیوم حسیبا" تو ہی بس ہے آج کے دن حساب لینے والا۔ اور ساتھ ہی کرام کاتبین کی گواہی کافی ہے۔ پھر بندہ کے مُنھ پر مُہر لگا دی جائے گی اور اُس کے اعضا کو بولنے کا حکم ہوگا اعضا حکم ہوتے ہی اُسکے اعمال پورے کہدیں گے۔ پھر جب اُس کے مُنھ کی مُہر توڑ دی جائے گی تو اپنے اعضا سے کہے گا تم پر تباہی اور بربادی ہو میں تو تمہاری ہی طرف سے لڑتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرگوشی کی گفتگو کرتے کیسے سُنا حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا ہے (مسلم) کہ تم میں کا ایک شخص اپنے پروردگار سے اتنا قریب ہوگا کہ وہ اپنا شانہ اُسپر رکھے گا اور پوچھے گا کہ تو نے فلاں فلاں قصور کیا وہ عرض کرے گا کہ ہاں میں نے کیا پھر پوچھے گا تو نے فلاں فلاں خطائی وہ عرض کرے گا کی اللہ جل شانہٗ فرمائے گا میں نے اُن خطاؤں کو دنیا میں پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہونے دیا آج اُنھیں تیری خاطر بخشے دیتا ہوں۔

آنحضرت نے فرمایا ہے جو شخص دنیا میں کسی مومن کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کا عیب چھپائے گا۔

قیامت میں گنہگاروں کے سر کے بال پکڑ کے آگے کو کھینچیں گے اُس وقت دل دھڑکے گا عقل گم ہوجائیگی شانے تھرانے لگیں گے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑجائے گا۔ رنگ بالکل متغیر ہوجائے گا۔ شدتِ خوف سے عالم سیاہ معلوم ہوگا۔ ہر شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا اور صفیں چیرتا جاتا ہوگا۔ کوتل گھوڑے کی طرح بھگاتے ہوئے مجرم کو لئے جاتے ہوں گے۔ ساری خلقت اسکی طرف دیکھتی ہوگی یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے عرش کے سامنے لیجاکے اُسے ڈال دیں گے۔ اور اللہ جل شانہٗ اپنے باعظمت کلام سے یوں پکارے گا۔ اے آدم کے بیٹے مجھسے قریب ہو تو دل مضطر غمگین وخائف اور شکستہ ہے۔ اُس وقت نامۂ اعمال ہاتھ میں ہوگا جسمیں ادنےٰ سے اعلےٰ تک سب خطائیں لکھی ہوں گی۔ بہت سی بُرائیاں جو فراموش ہوگئی ہیں یاد آجائیں گی اُسوقت خجالت اور بُزدلی میں انسان ڈوب جائے گا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو نے مجھ سے حیا نہ کی اور بُرائی سے میرا سامنا کیا اور میری مخلوق سے میرے مقابلہ میں حیا کی کیا میں تیرے آگے اپنے بندوں سے بھی زیادہ ذلیل ترین تھا تو نے میرے دیکھنے کی کچھ وقعت نہیں کی اور میرے سوا دوسرے کی نظر کی تجھے بڑی پروا رہی۔ کیا میں نے تجھے انعام نہیں کیا تھا۔ پس کس چیز سے تجھے میرے مقابلہ میں مغالطہ ہوا کیا تو یہ سمجھتا تھا کہ میں تجھے نہ دیکھتا تھا یا تو مجھسے نہ ملیگا (یہ حدیث مذکور جسمیں صرف خلائی سزا بچشم نمائی ہی بغور پڑھنی چاہیئے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک سے خدائے تعالیٰ اس طرح سوال کرے گا کہ نہ کوئی حجاب ہوگا نہ کوئی بیچ میں بیان کرنے والا۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری بروایت عدی بن حاتم) تم سے ہر شخص خدائے تعالیٰ کے آگے اس طرح کھڑا ہوگا کہ تم میں اور اس میں کوئی پردہ حایل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے ارشاد فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر انعام نہیں کیا تھا۔ کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا وہ عرض کرے گا کیوں نہیں پھر پوچھے گا کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا وہ عرض کرے گا بھیجا تھا پھر وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہی نظر پڑے گی پس چاہیئے کہ تم میں سے ہر شخص اُس آگ سے بچے۔ گو نصف خرمہ ہی صدقہ دے کر ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کلمہ طیبہ پڑھ کے بچے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں تم سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے سامنے اس طرح اکیلا ہوگا جیسے چودھویں رات کے چاند کے سامنے علیحدہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم مجھ پر تجھے کس چیز نے فریب دیا اے ابن آدم تو نے جو کچھ جانا اُس پر کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اے ابن آدم کیا میں تیری آنکھ کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُس سے وہ چیز دیکھتا تھا جو تجھے جایز نہ تھی کیا میں تیرے کانوں کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُن سے ناجایز باتیں سُنتا تھا اسی طرح فرماتا جائے گا یہاں تک کہ تمام اعضا کا شمار کرے گا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے پاؤں خدائے تعالیٰ کے سامنے جنبش نہیں کھانے کے جب تک اُس سے چار باتوں کی پرسش نہ ہولے گی۔ ایک تو عمر کا حال کہ کس چیز میں گزاری۔ دوسرے علم کا حال کہ اُس سے کیا عمل کیا تیسرے جسم کا حال کہ کس چیز میں اسے مبتلا رکھا چوتھے مال کا حال کہ کہاں سے اُس کو پیدا کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔

اس کے بعد **میزان** کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کا خیال قیامت کی میزان کی نسبت کیا ہے اور باطناً اُن کا اصلی منشا کیا ہے۔ اور مخلوق خدا کو کن پُراثر الفاظ میں نیک بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جب سوال ہوچکیں گے تو آدمیوں کے تین گروہ کر دیے جائیں گے ایک تو وہ گروہ ہوگا جس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہوگی اُن کے لئے ایک سیاہ مُنہ دوزخ سے نکلیگا اور جس طرح پرند دانہ چُن لیتا ہے اس طرح وہ اُنھیں اُٹھا کے دوزخ میں ڈال دے گی دوزخ فوراً اُنہیں نگل جائے گی۔ اُنہیں بدبختی میں پڑ کے پھر کبھی سعادت نصیب نہ ہوگی۔ دوسرا وہ گروہ ہوگا کہ اُس کے پاس کوئی بدی نہ ہوگی پس ایک آواز آئے گی کہ جو لوگ ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوں اس آواز کو سُن کے حمد کرنے والے کھڑے ہوں گے اور جنت کو چلے جائیں گے پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ کیا جائے گا پھر اُن لوگوں کے ساتھ جنہیں خدائے تعالیٰ کی یاد سے نہ دنیا کی تجارت نے روکا ہوگا نہ بیع نے اُن پر سعادت کا حکم پکار دیا جائے گا جس کے بعد پھر بدبختی باقی نہ رہے گی۔

تیسری قسم میں وہ لوگ ہوں گے اور اُن کی تعداد دونوں گروہوں سے بڑھی ہوئی ہوگی جنہوں نے نیک و بد دونوں عمل کیئے ہوں گے وہ خود تو نہ جانتے ہوں گے مگر خدائے تعالیٰ کے علم میں بہت کچھ ہوگا آیا اُن کی نیکیاں زیادہ ہیں یا بدیاں مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ اُنہیں بھی حقیقت حال بتائے تاکہ معاف کرنے کے وقت اُسکا فضل اور سزا دینے کے وقت اُسکا عدل ظاہر ہو۔ اسی لئے وہ نامۂ اعمال جن میں نیکیاں اور بدیاں ہوں گی اُڑائے جائینگے اور ترازو کھڑی کی جائے گی۔ اور لوگوں کی آنکھیں نامۂ اعمال کو تکتی ہوں گی کہ دیکھئے داہنے ہاتھ میں پڑتا ہے۔ یا بائیں ہاتھ میں۔ پھر ترازو کے کانٹے کی طرف نظر دوڑائیں گے کہ نیکیوں کی طرف جھکتا ہے یا بدیوں کی طرف یہ وقت حقیقت میں بڑے خوف کا ہے جس سے کسی کی بھی عقل درست نہ رہے گی۔

حضرت حسن بیان کرتے ہیں (ابوداؤد) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد تین مقام پر اپنے گھر والوں کو آخرت میں یاد کریں گے ایک تو اُسوقت جب ترازوئیں کھڑی کی جائیں اور عمل تلنے لگیں یہاں تک کہ آدمی دیکھ لے کہ میری ترازو ہلکی ہوئی یا بھاری اور ایک نامۂ اعمال کے اُڑنے کے وقت حتیٰ کہ اُسے نظر آجائے کہ میرا نامہ داہنے ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں اور ایک پُل صراط پر۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آدمی کو قیامت کے دن لاکے میزان کے دونو پلڑوں کے بیچ میں کھڑا کر دیں گے اور اُس پر ایک فرشتہ مقرر رہے گا اگر اُس کا پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ پکارے گا کہ فلاں شخص ایسا بدبخت ہوا ہے کہ کبھی سعید نہ ہوگا اور نیکی کے پڑلے کے ہلکے ہونے کی صورت میں دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز ہاتھ میں لئے ہوئے اور آگ کے کپڑے پہنے ہوئے دوزخ کے لوگوں کو دوزخ میں لے جائیں گے۔ اور بدی کے پڑلے کے ہلکے ہونے کی وجہ سے پکارے گا کہ تو سعید ہوا اور ایسا سعید ہوا جسے شقاوت پھر نصیب نہ ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو پکارے گا اور ارشاد کرے گا اے آدم کھڑا ہو اور جتنے آدمی دوزخ میں جانے کو ہیں اُنھیں بھیج حضرت آدم کہیں گے الٰہی وہ کتنے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ فی ہزار نوسو ننانوے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سُنا تو نہایت غمگین ہوئے یہاں تک کہ اُن کی صورت سے رقت کے آثار ہویدا ہو گئے۔ جب آنحضرت نے صحابہ کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا (بخاری و مسلم بروایت ابو سعید) تم نیک عمل کرو اور خوش ہو۔ اِس لیئے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ تمہارے مقابلہ میں وہ مخلوق ایسی ہے کہ اُن سے تم بدرجہا بہتر ہو۔ تم آدم کی اولاد ہو اور وہ شیطان کے بچے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کونسی قومیں ہیں آپ نے فرمایا کہ یاجوج و ماجوج ہیں۔ یہ سُن کے صحابہ بہت خوش ہوئے پھر آپ نے فرمایا تم عمل کرو اور خوش ہو۔ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم لوگ قیامت میں ایسے ہوگے جیسے اونٹ کے پہلو میں سفید داغ ہوتا ہے۔ یا گھوڑے وغیرہ کی آنکھ میں تل ہوتا ہے۔

خصومت و حقوق

جس شخص پر کسی کے حقوق ہوں گے اُسے قیامت کے دن لوگ آگھیریں گے کوئی ہاتھ پکڑے گا کوئی ماتھے کے بال کوئی گریبان۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ پر ظلم کیا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھے گالی دی کوئی کہے گا تو نے میرے ساتھ تمسخر کیا۔ کوئی کہے گا تو نے میری غیبت کی۔ کوئی کہے گا تو میرا ہمسایہ تھا مجھے ایذا دی۔ کوئی کہے گا تو نے مجھ سے معاملہ میں دغا کی۔ کوئی کہے گا تو نے خرید و فروخت میں مجھے لوٹ لیا اور اپنی چیز کا عیب چھپائے رکھا۔ کوئی کہیگا تو نے اپنے اسباب کے مول بتانے میں جھوٹ بولا کوئی کہے گا تو نے مجھے حاجتمند دیکھا اور باوجودیکہ تو غنی تھا تو نے مجھے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھلایا۔ کوئی کہے گا تو نے مجھے مظلوم پایا اور گو تو مجھے ظالم کے ظلم سے رہائی دلوا سکتا تھا مگر تو نے عمداً درگزر کی۔ حقدار اُس شخص کے جسم میں ناخن گڑائیں گے۔ گریبان ہاتھ سے مضبوط پکڑ لیں گے پھر وہ اُن کی کثرت تعداد سے حیران و پریشان ہوگا یہاں تک کہ عمر بھر میں جس سے ایک درم کا معاملہ ہوا ہوگا یا ایک مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہوگا اور اُس کا حق کسی پر رہا ہوگا اُس نے حقیر نگاہ سے کسی کو دیکھا ہوگا سب اُس کے گرد جمع ہوں گے۔ پھر وہ شخص مایوس ہوکے اپنی گردن اپنے خالق برحق کی طرف اس نظر سے کہ وہی اُن کے ہاتھ سے نجات دے۔ اُٹھائیگا اسکے جواب میں آواز جبار جل جلالہ کی یہ آئے گی "الیوم تجزیٰ کل نفس ما کسبت لا ظلم الیوم" یعنی اپنے کیئے کا ہر شخص ویسا ہی بدلہ پائے گا۔ آج ظلم نہیں ہے۔ اُس وقت اُس ستمدیدہ کا دل مارے ہیبت کے نکل پڑے گا اور اُسے اپنی تباہی کا یقین ہو جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جانتے ہو مفلس کون ہے لوگوں نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور سامان نہو آپ نے فرمایا مفلس میری امت میں سے وہ ہے کہ قیامت کے دن روزہ نماز لیکے آئے گا۔ کسی کو گالی دی ہوگی کسی کو زنا کی تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال لیا ہوگا کسی کا خون کیا ہوگا کسی کو مارا ہوگا تو اُس کے کل حسنات اُن سب حقداروں کو جدا جدا دیے جائیں گے اور اگر اُسکے پاس نیکیاں نہ رہیں گی اور اس پر اخیر حکم نہوا ہوگا تو حقداروں کی خطاؤں کا بوجھ اُس پر رکھ دیا جائے گا۔ پھر دوزخ میں چلا جائیگا قیامت کے دن تمام مخلوق اُٹھے گی چرند پرند کیڑے مکوڑے وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کا عدل اس حد تک پہنچے گا کہ بے سینگ جانوروں کا حق سینگ والے جانوروں سے دلوایا جائے گا۔ پھر فرمائے گا مٹی ہو جاؤ۔ کافر بے ساختہ بول اُٹھے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی "انک میت و انھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون" یعنی بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر قیامت کے دن تم اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ گناہوں کے ساتھ کیا ہم پر وہ معاملے بھی اضافہ کئے جائینگے جو دنیا میں ہمارے آپس میں ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بے شک یہ معاملے بھی بھگتنے پڑیں گے۔ یہاں تک کہ

سب حقداروں کو اُن کا حق دلوایا جائے گا حضرت زبیر نے عرض کیا کہ بخدا پھر تو بڑا سخت معاملہ ہے پس اسلئے اُن کی کتنی سختی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگزر نہوگی۔ نہ طمانچہ نہ لقمہ اور نہ کلمہ سے چشم پوشی کی جائے گی یہانتک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لے لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے "یحشر اللہ العباد عراۃ غرلا بھما" یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کا حشر ننگے۔ بے ختنہ مفلس اور غیر مریض حالت میں کرے گا۔ عرض کیا کہ "بھما" سے کیا غرض ہے۔ آپ نے فرمایا اُن کے پاس کچھ نہو گا۔ پھر اُن کا پروردگار ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور اور نزدیک والے سب یکساں سُنیں گے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہوگا میں بدلہ لینے والا شہنشاہ ہوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی اگر اُس پر دوزخی کا کوئی حق ہو بغیر حق ادا کئے جنت میں جائے نہ کوئی دوزخی دوزخ میں جا سکتا ہے جب تک جنتی کا حق نہ ادا کر دے حتیٰ کہ طمانچہ کا بھی ہم نے عرض کیا کہ یہ عوض کس طرح ہوگا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حضور بے ختنہ کئے ننگے اور مفلس حاضر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نیکیوں اور بدیوں سے عوض دلایا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم (ابن ابی الدنیا وحاکم در مستدرک) ایک دن تشریف رکھتے تھے کہ یکایک آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ پر یارسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں کس بات سے ہنسی آئی آپ نے فرمایا کہ دو شخص میری اُمت میں سے خدائے تعالےٰ کے آگے دوزانو ہوئے اور ایک نے جناب الٰہی میں عرض کیا الٰہی میرا حق اس میرے ساتھی سے دلا دے۔ خدائے تعالیٰ نے دوسرے سے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق دیدے اُس نے عرض کیا الٰہی میرے گناہ اس شخص پر ڈالدے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رونے لگے۔ پھر فرمایا یہ دن بہت بڑا ہے اس دن آدمی اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی اُنکی طرف سے اُن کے گناہ اپنے ذمہ کرلے۔ پھر فرمایا باری تعالیٰ کا طالب سے ارشاد ہوا کہ اپنا سر اُٹھا کے جنت میں دیکھ اُسنے سر اُٹھایا اور عرض کیا الٰہی مجھے چاندی کے شہر بلند اور سونے کے محل موتیوں میں جڑے معلوم ہوتے ہیں۔ بار خدایا یہ کون سے نبی کے ہیں یا کون سے صدیق کے یا کس شہید کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محلات اُس کے ہیں جو انکا مول ادا کرے اُس نے عرض کیا اُن کے مول کا مالک کون ہے کس سے دیا جا سکتا ہے۔ فرمایا اُن کا مول تیرے پاس ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق معاف کرنا اُس نے عرض کیا الٰہی میں نے اُسے معاف کیا۔ حکم ہوا اس کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اللہ تعالیٰ ایمانداروں میں خوب میل کراتا ہے ؛

پُل صراط

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے" فاحدوهم الی صراط الجحیم وقفوهم انهم مسئولون" یعنی پھر چلاؤ اُنکو دوزخ کی راہ پر اور کھڑا رکھو اُنہیں ان سے پوچھنا ہے۔ احوال مذکورہ بالا کے بعد صراط کی طرف لیجائینگے وہ ایک پُل ہے جو دوزخ کے اوپر بنا ہے تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ پس جو شخص دنیا میں راہ راست پر سیدھا رہے گا وہ آخرت کے پُل صراط پر آسانی سے گزر جائے گا اور نجات پائے گا۔ اور جو راہ مستقیم سے روگردانی کرے گا اُس کی پشت گناہوں کے وزن سے بھاری ہوگی وہ پُل صراط کے اول ہی قدم میں لغزش کرے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) پُل صراط دوزخ کے بیچ میں رکھا جائے گا اور جو شخص رسولوں میں سے اپنی امت کو ساتھ لیکے اُترے گا وہ میں ہونگا اور اُس روز سوائے رسولوں کے اور کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہوں گے اللّٰھم سلّم اللّٰھم سلّم۔ الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ اور دوزخ میں کانٹے سعدان[1] کے کانٹوں کی شکل کے ہوں گے۔ بھلا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں آپنے فرمایا کہوں گے تو اُسی شکل کے مگر کتنے بڑے ہوں گے۔ سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ آدمیوں کو اُن کے اعمال کے موافق آ چمٹینگے۔ پس بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہی ہو جائیں گے اور بعض بچ بچ کے رائی جیسے ہو جائیں گے۔ اور پھر بچ جائیں گے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے (بخاری ومسلم باختلاف الفاظ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی دوزخ کے پُل پر گزریں گے اور اُس پر گوکھرو کے کانٹے اور آنکڑے ہوں گے کہ لوگوں کو دہنے اور بائیں لپٹینگے اور اُس کی دونوں طرف فرشتے کہتے ہوں گے الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ پس بعض لوگ تو مثل بجلی کے گزریں گے اور بعضے ہوا کی طرح۔ بعضے دوڑتے گھوڑے کی طرح اور بعضے بھاگتے ہوئے جائیں گے بعضے گھٹنوں کے بل اور بعضے چوتڑوں چلیں گے اور دوزخ کے لوگ جو اُس میں رہیں گے وہ نہ مریں گے نہ جئیں گے مگر جو لوگ گناہوں اور خطاؤں میں پکڑے جائینگے وہ جلکر مثل کوئلہ سیاہ ہو جائیں گے پھر شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے نقل کیا ہے) اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں غرض سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ چالیس برس تک آسمان کی طرف آنکھیں کیئے کھڑے رہیں گے اور فیصلہ کے حکم کے منتظر رہیں گے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود نے ایمانداروں کے سجدے کے وقت تک بیان کیا اور فرمایا پھر اللہ تعالیٰ مومنین کو حکم کرے گا اپنے سر اٹھاؤ وہ سر اٹھائیں گے پس اُن کے اعمال کے موافق نور عطا ہوگا۔ بعض کو تو بڑے پہاڑ کے مطابق نور ملے گا اور اُن کے سامنے سامنے

[1] سعدان ایک قسم کی گھاس ہے جسے اونٹ بہت چبا چبا کے کھاتا ہے۔ اسکا کانٹا پستان کی شکل کا ہوتا ہے۔

چلے گا اور بعض کو اُس سے کچھ کم ملے گا۔ اور بعض کو خرمے کے درخت کے برابر ملے گا۔ اور بعض کو اُس سے بھی کم یہاں تک کہ اخیر ایک شخص کو پاؤں کے انگوٹھے پر نور عنایت ہوگا۔ وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہوجائیگا۔ جب چمکے گا تو وہ پاؤں بڑھائے گا۔ اور جب گل ہوجائے گا تو کھڑے کا کھڑا رہ جائے گا۔ پھر پُل صراط پر گزرنے کا ذکر فرمایا کہ اپنے نور کے موافق اُس پر گزریں گے بعض تو چشم زدن میں گزر جائیں گے اور بعض بجلی کی طرح اور بعض بادل کی طرح اور بعض ٹوٹتے ہوئے ستاروں کی طرح۔ بعض ہوا کے مانند بعض دوڑتے ہوئے گھوڑے کے مانند بعض بھاگتے ہوئے آدمی کے مانند یہاں تک کہ جس شخص کے پاؤں کے انگوٹھے پر نور ملا ہوگا وہ اپنے مُنھ اور دونوں ہاتھ پاؤں پر گھسٹتا چلے گا۔ ایک ہاتھ بڑھائے گا تو دوسرا رہ جائے گا۔ اسی طرح ایک پاؤں بڑھانے سے دوسرا نہ اُٹھ سکے گا۔ اُسکے دونو پہلوؤں پر آگ لگتی ہوگی۔ غرض اسی طرح گرتے پڑتے پار ہوجائیگا۔ جب اِس آفت سے نجات ملے گی تو وہاں کھڑے ہوکے کہے گا خدا کا شکر ہے مجھے اسی طرح نجات دی مجھے اسوقت بچایا جب میں اُس کا مزا چکھ چکا۔ پھر اُس شخص کو جنت کے دروازہ کے پاس ایک چشمہ پر لیجائیں گے اور وہاں وہ غسل کرے گا۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں (بیہقی در شعب بسند ضعیف و بروایت زیاد نمیری عن انس بھی مروی ہے اور احمد نے بروایت عایشہ نقل کی ہے اس میں ابن لہیعہ ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سناہے کہ پل صراط تلوار کی تیزی یا بال کی تیزی کی مثال ہے۔ فرشتے مومن مردوں اور عورتوں کو بچاتے ہوں گے۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہوں گے اور میں کہتا ہوں گا۔ الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ مگر لغزش کرنے والے مرد اور عورتیں اُس روز بہت ہوں گے فقط۔

یہ حدیثیں جو ہم نے قیامت۔ میزان اور پل صراط کے بارے میں نقل کی ہیں ان سے ایک منصف اور محقق شخص جو کچھ نتیجہ نکال سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک خاص سزا کو مختلف طور پر بیان کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سارے واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہیں۔ اِس سے غرض یہ ہے کہ کوئی خفیف سے خفیف جرم ایسا نہیں ہوگا جس کی سزا وہاں نہ دی جائے۔ بڑی بات جو قیامت کے واقعات بیان کرنے میں مدنظر رکھی گئی ہے وہ حق العباد ہے جس مذہب نے ایک ناواجبی طمانچہ کی سزا اور کسی کے مضحکہ اُڑانے کا جُرم ناقابل معافی رکھا ہو اُس سے زیادہ اخلاق کی تعلیم کون دے سکتا ہے۔ اب صرف ایک بات غور کے قابل ہے اور وہ یہ ہے۔ آیا مُردے اپنی قبروں میں سے ان ہی اجسام کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے یا اُن کے اجسام دوسرے ہوں گے۔ اِسکا سر دست حل کردینا محال ہے۔ ہم خداوند تعالیٰ کو قادر مطلق جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ پریشان ذرّوں کا دوبارہ ایک جگہہ جمع کردینا کچھ زیادہ حکمت نہیں چاہتا۔ نہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے۔ علوم جدیدہ اِس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز نہ فانی ہوسکتی ہے اور نہ اس کرۂ باد سے جو کرۂ زمین کے محیط ہو رہا ہے نکل کے جاسکتی ہے اسی عظیم الشان کرۂ باد میں ہزارہا برس سے رنگ بدلتی رہتی ہے اور یہیں مقید رہتی ہے ظاہر بینوں نے تغیر الوان اور ہیئت کا نام فنا رکھ لیا ہے۔ مثلاً ہم نے ایک لکڑی کو جلایا۔ اُس کے ذرّے تھے وہ دھوئیں کی صورت

میں ہوا میں جا کے مل گئے۔ اور جو ذرّے راکھ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں وہ بھی بجلد یا بدیر کسی دوسری صورت میں جلوہ دیں گے۔ اس سے علوم جدیدہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ درصل کوئی چیز فنا نہیں ہوسکتی۔ ہاں ہیئت بدلجاتی ہے اور ہیئت بدل جانے کا نام فنا رکھا گیا ہے۔

انسان کی پیدائش پر اگر نظر غایر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بظاہر ایک شخص ایک شہر میں پیدا ہونے سے اُسی شہر کے نام سے منسوب ہوجاتا ہے۔ اُسے کسی خاص شہر کا کہنا غلطی ہے کیونکہ وہ درحقیقت دنیا کا باشندہ ہے اور اُسکے لئے دنیا کا باشندہ ہونا زیبا بھی ہے۔ کیونکہ اُسکی زندگی اور صحت دنیا کے دُور و دراز حصص کی اُن اشیا سے بنی ہوئی ہے جو وہ شب و روز اپنے استعمال میں لاتا ہے وہ نہ صرف اپنی شہر کی جہاں وہ پیدا ہوا ہے بلکہ دوسرے شہروں اور بیرونی ممالک کی اشیاء اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ وہ بمبئی کے پیوندی آم بھی کھاتا ہے عرب کی کھجوریں بھی استعمال کرتا ہے۔ وہ لندن کی خوردنی اشیا رکھاتا ہے۔ وہ ترکی اور روس کی بکثرت اشیاء خوردنی اپنے کام میں لاتا ہے۔ ان سب چیزوں سے اس میں خون پیدا ہوتا ہے اور اُس خون سے پھر دُوسرا آدمی اُسی کی پشت سے پیدا ہوتا ہے۔ اب خداوند تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ ایک انسان کو اُس نے دنیا بھر کے مادّے جمع کرکے بنایا تو پھر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اس میں تمام دنیا کے جوہروں کے جمع کرنے کی قدرت ہے تو یہ قدرت بھی ضرور ہونی چاہیئے کہ جب وہ ذرّے جن سے انسان مرکب ہے پراگندہ ہوجائیں تو اُنہیں جب چاہے ایک جگہ جمع کرلے۔ اس میں اس لیئے زیادہ تعجب کی ضرورت نہیں ہے کہ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے یہ تماشہ ہو رہا ہے۔

اب یہ امر کہ قیامت کی کوئی مدت قرار دینا اور صُور کی بابت بحث کرنا فضول ہے۔ دنیا کی تاریخ اور علم ہیئت سے جو لوگ واقف ہیں وہ اِس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ دنیا ایک نہ ایک دن مٹ کے رہے گی صُور کا پھُکنا اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کے نابید ہونے سے ایک زلزلۂ عظیم پیدا ہوگا جس کا اندازہ کبھی نہیں سکتا ہو یہاں بھی صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ مسلمان صُور کہتے ہیں۔ علوم جدیدہ کے ماہر دُمدار ستارے سے ٹکرانا بیان کرتے ہیں غرض خاتمۂ دنیا دونو خیالات کے بموجب مسلم ہے۔ صرف تبدیل الفاظ پر گفتگو کرنی اور کسی خاص محاورہ پر مضحکہ اُڑانا شان تحقیق و تصنیف سے مستبعد ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ہم قوانین قدرت کی الف بے تک ابھی تک نہیں پہنچے۔ علوم جدیدہ کے اصول کی روزروز کی تبدیلی اس امر کی شہادت ہے کہ اصلی معاملہ ابھی ہم سے بہت دُور ہے۔ زلزلہ یا بھونچال ایک معمولی بات ہے۔ اُس کے سبب حدوث کو علوم جدیدہ ابھی تک نہیں پاسکے اور روزمرہ نئے اصول بنائے جاتے ہیں اور روزمرہ پھر اُن میں ترمیم ہوتی ہے۔ علوم جدیدہ کا باوا آدم سر اسحٰق نیوٹن صاف طور پر اقرار کرتا ہے کہ قوانین قدرت کا جسقدر علم ہمیں ہے اُس کی بعینہٖ یہی مثال ہے کہ ہم ایک بحر بے پایاں کے کنارے تک پہنچے ہیں اور اُسے عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تو خدا جانتا ہے کہ اخیر میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے مگر زمانہ کی موجودہ حالت سے صاحب بصیرت یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن اصول کے قایل اور ماننے والے ابتدائے دنیا سے کروڑوں آدمی چلے آتے ہیں اُن اصول کو شکست دینا ایک بڑا

کام رکھتا ہے اور علوم جدیدہ کی بساط سے باہر ہے جب تک علوم جدیدہ اپنی کوئی خاص صورت نہ پیدا کرلیں گے جب تک اُن کے اصول کسی ایک خاص بناء پر قایم نہ ہوجائیں گے۔ وہ قدیمی مسلّمہ اصول سے جو مستحکم و قایم ہیں کبھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ برسر آنا اور فتح پانا تو کجا۔

ابھی بہت سے راز ہیں جن کا پتہ ہمیں نہیں لگا۔ ہم ہی میں ہزاروں اسرار ہیں جن کی کنہہ کو یورپ کی طبعی تحقیقات نہیں پہنچی۔ انسان کی قدر و منزلت کا ابھی تک ۱/۱۰۰۰ حصہ بھی نہیں جانا گیا۔ جو کچھ پیغمبران ادیان نے فرمایا ہے اُنہیں غلط بتا کے نئے اصول اُن کی جگہہ قایم کرنے کا حوصلہ ابھی تک ہم میں پیدا نہیں ہوا۔ افسوس علوم جدیدہ کے بڑے سے بڑے ماہر اور ایک وحشی کے خیالات کی ایک حالت ہے۔ وحشی بھی روز جزا کو نہیں جانتا۔ اور آخرت کا قایل نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی دائرہ میں ہیں اور اِس صورت سے دونوں پر ایک ہی حکم عاید ہوسکتا ہے۔ مذہب نے اِن دونو کے خیالات میں ایک محاکمہ کیا ہے اور وہ ایک ایسا اصول قایم کرتا ہے جس کا ماننا ہزارہا برائیوں سے بچاتا ہے۔ اور جس کا نہ ماننا بارہا مہلک ثابت ہوچکا ہے۔

وحشی اور علوم جدیدہ کا ماہر موت کو زندگی کا اختتام سمجھتا ہے۔ مگر ایک مذہبی شخص اس جسم خاکی کے بیکار ہونے پر کائنات کے لب لباب یعنی انسان کو ہمیشہ کے لیئے معدوم نہیں تسلیم کرتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحشی کا خیال گویا پہلی سیڑھی تھی اور دوسری سیڑہی وہ ہے کہ انسان کی آیندہ زندگی لازمی ہے۔ جوں جوں انسان نے ترقی کی اُس کے خیالات شایستہ اور مہذب ہوتے گئے۔ اور اُسے گوارا نہوا کہ وہ انسان جیسی اشرف المخلوقات کو اس آسانی سے برباد ہونے دے اور بھی ہمیشہ کے لیئے کہ بمثل چوپاؤں کے اُسکا نام و نشان تک نہ رہے

قیامت کا وہ بیان جو قرآن مجید میں ہوا ہے اور وہ ذکر جو احادیث نبوی میں آیا ہے اُس سے صرف ایک ہی مفہوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے۔ خواہ بھلا یا بُرا اس کا نتیجہ اُنہیں بھگتنا پڑے گا۔

اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ باتیں ناممکن الوقوع ہیں تو پھر عالم کا وہ انتظام جو اسکے سہارے سے چل رہا ہے کتنی جلدی درہم برہم ہوجائیگا۔ ایسے خیالات بالخصوص اُن ہی چند افراد کے لیئے سزاوار ہیں جو اپنی نیکنامی یا دانشمندی کے خوف سے بیجا افعال کرنے کی جرأت نہیں کرتے مگر تھوڑی دیر کے لیئے تسلیم کرلو کہ مشرق و مغرب عوام الناس کے بھی یہی خیالات ہوجائیں اُسوقت دنیا کی کیا حالت ہو اور یہ انتظام جو بظاہر تلوار کے زور سے ہو رہا ہے کیونکر سلامت رہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قوانین قدرت یہی چاہتے ہیں کہ عام طور پر ایسے ہی خیالات ہوں اور لوگ ضرور روز آخرت پر ایمان رکھیں۔ قوانین قدرت کا ایسا منشا ہونا خدا کا منشا ہے۔ جب خدا کا منشا ہے تو جو کچھ قرآن مجید یا اور الہامی کتابوں میں آخرت کیلئے ظاہر کیا گیا ہے خدا کا کلام ہے۔ جبکہ یہ مسلم ہے کہ قوانین قدرت کی خلاف ورزی ہمیشہ ہلاکت کی باعث ہوتی ہے۔ اسی لئے آخرت کے خیالات سے دست بردار ہونا دنیا میں ہلاکت کا باعث ہے۔ آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا خیال کچھ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ نے ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ کئی ہزار برس پہلے

مقدمہ

تفسیر الفرقان

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ ربیع الاول ۔ سنہ ۱۳۱۷ھ

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک للعہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہان شد

قیمت فی جلد ....

بہت سے حکمائے یونان مثلاً حکیم زینو اور حکیم ایپی کیورس وغیرہ کا بھی یہی خیال تھا جنکا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور جنہیں چند فلسفی یا قدیم فلسفہ پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں۔

بہر حال بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے نہیں بلکہ بحیثیت ایک سائنس داں اور علوم جدیدہ سے ماہر ہونے کے ہمارا یہ خیال ہے کہ قیامت کے حدوث کا ہم انکار اس لئے نہیں کر سکتے کہ ہمارے لئے اُس کا یقین کرنا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ اور ہم قوانین قدرت سے انحراف کرنے والے کو انسان نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ انسان کی سی شکل و صورت کیوں نہ رکھتا ہو۔

اے برگزیدہ مخلوق خدا تیرا ایک ایک قول ہزار حکما کے مجموعۂ اقوال سے بدرجہا بہتر ہے۔ تیری ایک ایک بات میں وہ وہ باریکیاں بھری ہوئی ہیں کہ اُن کے قریب عقل جس قدر پہنچتی جائے گی وہ دور ہوتی جائیں گی۔

اے ہاشمی قریشی نبی تیری حکمت کو وہی پہچان سکتا ہے جس کا دل اور آنکھیں تجلیات ربانیہ سے منور ہیں۔ تیری ذات اقدس و اطہر عالم کے لیئے رحمت ہے۔ **اے** انبیاء سابقین کے سچے محسن تیری عاقلانہ ہدایتوں کا ظہور دن بدن ہوتا جاتا ہے۔ آج ساری دنیا تیرے نام کو بلند آوازی سے پکارتی ہے۔ تیرا اسلام اب بھی زندہ و توانا ہے اور اُس میں خواطر خواہ نمو کی قوت موجود ہے۔ تیرا پاک دین علوم جدیدہ کو جس کے ساتھ اب وہ دست و گریبان ہو رہا ہے ایک دن فاش شکست دے گا۔ تیرے دین کا جلال ابد تک قایم رہے۔ آمین۔

پانچواں باب

الہام اور وحی

الہام اور وحی کی بحث جسقدر مفید اور ضروری ہے اُسی قدر اہم اور پیچیدہ ہے مگر ہم اُسے ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کریں گے۔ اور اس خاص مسئلہ کو اپنی بساط کے موافق حل کریں گے۔ شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں اور اپنی تفسیر کے ناظر کا کسی حد تک اطمینان کر سکیں۔

پہلے ہم الہام پر بحث کرتے ہیں جس پر اسلام کے ایک بڑے گروہ کا دارومدار ہے۔ اکثر اولیاء اللہ کی حکایات خاص الہام کی نسبت بہت کچھ سُنی جاتی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ اُن کی ہدایات کا اکثر حصہ اور ارشادات کا بڑا جزو الہام سے مملو ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر وسیلہ فرشتہ جو چیز بے خیالی میں محض بنظر تائید کسی خاص برگزیدہ بندہ کے دل میں خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اُسے الہام کہتے ہیں۔ وہ برگزیدہ شخص اس الہام سے بڑے بڑے کام لیتا ہے چھپی ہوئی باتیں بعض اوقات بتا دیتا ہے۔ اور لوگوں کے اُن سوالات کے جواب دیتا ہے جو اپنی کسی دنیاوی یا دینی ضرورت کے لیئے کرتے ہیں۔ اسی الہام نے اسلام میں اولیاء کرام کی مسلمانوں سے بے حد توقیر کرائی اور بعض معتقد تو اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے اپنے پیر کو اسلام میں ایک اعجوبہ شخص سمجھ لیا۔ اِس الہام نے اگرچہ ایک حد تک بہت کچھ کارنمایاں کیئے مگر بعض صورتوں میں اس کا اثر عوام جُہلا کے لیئے سمِ قاتل بن گیا۔ ایک تو وہ برگزیدہ گروہ ہے جن کی نسبت یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انہیں الہام ہوتا ہوگا اس گروہ نے کوئی بین خرابی اعتقادات اسلام میں پیدا نہیں کی۔ دوسرا وہ گروہ ہے کہ جس نے اپنے کو صاحب الہام محض دنیا طلبی کے لئے بنایا اور خدا کی ہزارہا مخلوق کے دلوں میں نئے وسوسے اور خدشے قایم کر دیے اور اُنہیں کہیں کا بھی نہیں رکھا اُن کی بعینہ یہی مثل ہوئی۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادہر کے رہے نہ اُدہر کے رہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ الہام چیز کیا ہے۔ یا بالفاظ دیگر الہام کسے کہتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ الہام کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک جگہہ آیا ہے چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے" فالھمہا فجورہا و تقوٰہا" اس کے سوا تمام قرآن مجید میں الہام کا لفظ ہی نہیں آیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الہام کا ترجمہ انداختن کیا ہے۔ مگر حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے الہام کا ترجمہ "ڈالی" یعنی انداخت کیا ہے۔ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے اس کا ترجمہ "سمجھہ دی" کیا ہے۔ درحقیقت یہ سب ترجمے حاصل بالمعنی ہیں۔

"لھم" اور "الہام" کے معنی دراصل نگلنے اور نگلانے کے ہیں چنانچہ قاموس میں یہی معنی لکھے ہیں" لھمہ لھما تلمۃ و التھمتہ ابتلعتہ بمرۃ" یعنی ایک ہی دفعہ میں اُس کو نگل گیا۔ یہاں تک تو لغت کی تحقیق ہوئی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ تفسیر کبیر میں ہمارے امام فخر الدین رازی کیا لکھتے ہیں۔ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں دراصل الہام کے معنی عربوں کے اس قول سے

پائے جاتے ہیں" لھو الشئ والتھمتہ اذا ابتلعہ والھمت ذلک الشئ ای ابلعتہ" یعنی جب کوئی شخص کسی شئے کو نگل جائے تو کہتے ہیں لھو الشئ یا کہتے ہیں التھمت اور جب کوئی چیز کسی کو نگلائی جائے تو کہتے ہیں الھمت ذلک الشئ اس سے آگے امام صاحب تحریر فرماتے ہیں یہ تو اصلی معنی تھے پھر اسکا استعمال اسپر ہوگیا جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے کیونکہ وہ بھی بمنزلہ نگلا دینے کے ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں "ثم استعمال ذلک فیما یقذفہ اللہ تعالیٰ فی قلب العبد لانہ کالابلاغ۔ قاموس میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے "الھمہ اللہ خیلا" یعنی اللہ نے اُسے نیکی سمجھائی واحدی کا قول ہے" التعلیم والتعریف والتبیین غیر الالھام غیر فان الالھام ان یوقع اللہ فی قلب العبد شیئاً یعنی سکھانا اور بتانا اور بیان کرنا دوسری چیز ہے اور الہام دوسری چیز ہے کیونکہ الہام وہ ہے جو اللہ کسی بندے کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔

حضرت امام غزالی رحمہ نے اپنی بے نظیر کتاب" احیاء العلوم" میں الہام کی بابت بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جسکا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں" جو علم بدیہی نہیں اور دل میں کبھی کبھی آتے ہیں ان کا دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو وہ دل میں اس صورت سے آتے ہیں گویا بیخبری میں کسی نے دل میں ڈالدیا کبھی بطریق تعلم و استدلال کے حاصل ہوتے ہیں پس جو علم کہ بغیر اکتساب و دلیل کے حاصل ہوتے ہیں اُنہیں" الہام" کہتے ہیں۔ اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُنہیں" اعتبار" اور" استبصار" بولتے ہیں۔ پھر علم اول کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بندے کو یہ خبر نہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا اس کو تو" الہام" اور" نفث فی القلب" کہتے ہیں اس کی خصوصیت اولیا اور اصفیا کے لئے ہے دوسرے یہ کہ جس ذریعہ سے وہ علم حاصل ہو وہ بندے کو معلوم ہو جائے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے نظر آجائے اُس کو" وحی" کہتے ہیں اور یہ انبیا کے لئے مخصوص ہے اور علم جو استدلال اور اکتساب سے ہوتا ہے وہ علما کے لئے مخصوص ہے اور اصل یہ ہے کہ خود قلب میں اس امر کی استعداد فطری طور پر ودیعت ہوئی ہے کہ امر حق معلوم ہو جائے مگر وہی پانچ وجہیں جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے اسے مانع ہوتی ہیں۔ تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح کے بیچ میں حجاب ہو جاتی ہیں۔ لوح محفوظ وہ ہے جس پر تمام شدنی امور قیامت تک کے منقوش ہیں۔ لوح محفوظ سے حقائق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا جیسا ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ محاذی میں معلوم ہوتا ہے اور جس طرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی ہاتھ سے سرکا دیتے ہیں اور کبھی ہوا سے سرک جاتا ہے اسی طرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ کے سامنے سے پردہ سرک جاتا ہے تو بعض چیزیں جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کہ اُس سے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر موقوف ہے کیونکہ موت کی وجہ سے انکشاف تام حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اُٹھتے ہی پردہ غیب سے علوم کی عجیب و غریب باتیں دل پر منکشف ہو جاتی ہیں مگر یہ انکشاف بعض اوقات بے در بے ایک حد تک گزرتا رہتا ہے اور اس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے کہ" الہام" اور" اکتساب" میں نہ تو نفس علم میں فرق ہے

نہ محل اور سبب میں بلکہ اگر کوئی فرق ہے تو صرف حجاب کے زایل ہونے کا فرق ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وحی میں وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دلوں میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی فرشتوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء" یعنی اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اُس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانے والا بھیجے پھر جو چاہے حکم اُسے پہنچا دے۔ اب اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اہل تصوف علوم الہامی کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں مگر علوم تعلیمی کی طرف اُن کی توجہ مایل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مصنفین زمانہ کی کتابیں نہیں دیکھتے اور نہ ادلّہ سے بحث کرتے ہیں بلکہ اُنکا یہ قول ہے کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہیئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کرکے بہمہ تن اپنی ہمت کو خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ اور جب یہ بات حاصل ہوجائے گی تو خدائے تعالیٰ خود اپنے بندہ کے قلب کا متولی اور متکفل ہوجائے گا اور جب وہ متولی ہوگا تو اُس پر سایہ رحمت کرے گا۔ قلب میں نور چمکنے لگے گا۔ سینہ کھلجائیگا اور ستر ملکوت اُس پر ظاہر ہوگا۔ قلب کے آگے سے حجاب دُور ہوجائے گا۔ امور الٰہیہ کے حقایق اُس میں روشن ہوجائینگے انبیا اور اولیا کے دل پر جو صدہا اسرار منکشف ہوجاتے ہیں اور دلوں پر نور پھیل جاتا ہے وہ تعلیم اور نوشت و خواند کتب سے نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں زہد کرنے اور علایق سے منقطع ہونے اور اشغال دنیاوی سے فارغ البال ہونے اور اپنی تمام ہمت متوجہ الی اللہ کرنے سے ہوتا ہے۔ فقط

یہ تقریر ہے جو ہمارے بزرگ اور واجب الاحترام امام نے الہام کی بابت کی ہے۔ ابھی ہم اس پر کچھ اپنی رائے نہیں دیتے اور چند علما کا قول بابت الہام کے نقل کرتے ہیں پھر بالتفصیل اُس پر اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

علامہ مرتضیٰ حسینی نے تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو بطور فیض کے دل میں ڈالا جائے۔ اور اللہ اور ملأ اعلیٰ کی طرف سے مختص ہو۔ الہام کے معنی کسی چیز کے دل میں پڑنے کے بھی کہے گئے ہیں جس سے دل میں طمانیت ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو الہام سے مختص کرتا ہے۔ اس کی عربی یہ ہے "والالھام ما یلقی فی الروع بطریق الفیض ویختص بما من جھۃ اللہ والملأ الاعلے ویقال ایقاع شئ فی القلب یطمئن لہ الصدر یختص اللہ بہ بعض اصفیائہ"

واحدی کا قول ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو اللہ کسی بندہ کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شرح صدر کے لیئے قانون تجویز کرنے میں اصحاب طریقت کے مختلف قول ہیں مگر خدا نے مجھے الہام کیا ہے کہ جو طریقہ سلوک مجھے عطا ہوا ہے وہ طریقوں کا قریب ترین طریقہ ہے۔ اُن کی عربی عبارت یہ ہے "افترق اصحاب الطرق فی تقنین قانون شرح الصدر علی اقوال شتی اما انا فالھمنی اللہ سبحانہ انی اعطیتک طریقا من السلوک ھو اقرب الطرق و اوثقھا"

شاہ صاحب ممدوح ایک مقام پر اعمال علوی و تسخیر کواکب و روحانیات کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے

الہام ہوا کہ جو کوئی ان اصول کو جو میں نے بیان کیئے ہیں جان لیگا وہ عالموں کی دعوت کرنے کی تمام باتوں کو جان لے گا۔

ہمارے شاہ صاحب نے ایک اور عجیب وغریب الہام اپنا تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے" بسرم درداوند کہ ایں تقریبا معلوم بر ساں کہ ایں تفسیر السنۃ شئے وار و بیک لسان ولی اللہ بن عبدالرحیم ہست و بدیگرے انسان ہست و بدیگرے نامی و بدیگرے جسم و بدیگرے جوہر و بلسان آخر ست و باعتبار لسان ہم حجر م و ہم شجرم ہم فرس ہم فیل و ہم غنم۔ تعلیم اسماء آدم رامن بودم آنچہ بر نوح طوفان شد و سبب نصرت او شد من بودم و آنچہ برابراہیم گلزار گشت من بودم۔ توریت موسیٰ من بودم۔ احیاء عیسیٰ رامن بودم۔ قرآن مصطفیٰ من بودم۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں" میں نے روح کی طرف اور باریتعالیٰ کے استغراق کی طرف جو غیب کے پردوں سے ہی اُدھر ہے توجہ کی مجھے اُسکے حضور سے عجیب خطاب کیا گیا مجھے کہا گیا انسان کو واجب ہے کہ حضور میں اُس کی توجہ اور استغراق لوگوں کی توجہ اور استغراق کے مانند ہو میں سمجھا کہ یہ اشارہ اجنہ کی حقیقت کی طرف ہے۔ فقط۔

اِس تمام بحث اور علماء کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الہام کیا چیز ہے اور آیا وہ خاص مسلمانوں ہی سے تعلق رکھتا ہے یا غیر اسلام کو بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اِس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس مشکل مسئلہ کو ایک حد تک سُلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے کام میں کامیاب ہوں۔

الہام کی تعریف تو یہی ہے کہ ایسا خیال دل میں گزرے جسکا اس سے پہلے کبھی سان وگمان بھی نہو اس لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان خواہ وہ کسی مذہب وملت کا ہو ایسا نہیں ہے جس کے دل پر پے درپے ایسے خیالات نہ گزرتے ہوں جن کا اُسے پہلے وہم وگمان بھی نہو اور اُس کے خیالات یا الہام ہمیشہ اُس سے دست وگریبان ہوتے نہ رہیں۔ انسان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اُسکی قوتِ متخیلہ ہر وقت اُس کے آگے نئے نئے اور اعجوبہ عالم بنا کے کھڑے کر دیتی ہے لیکن یہ اعجوبۂ عالم خاص اُس کے مذاق سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک مصوّر کو ہمیشہ تصویر ہی کے متعلق الہام ہوگا اور ایک بادشاہ کا الہام ہمیشہ امور سلطنت اور ملک گیری سے تعلق رکھے گا اسی طرح ایک صوفی کا الہام ربانی مدارج کے ترقی اور تنزل پر موقوف ہے۔ دماغ یا ضمیر انسانی انسان کی رہنمائی اُسی رستہ پر کرے گا جس پر وہ چل رہا ہے۔ ایک خستہ جگر عاشق کے مجروح قلب پر جو الہام ہوگا اُسکا یہی مفہوم پیدا ہوگا کہ اُس کا معشوق فلاں وقت آکے اُس سے مل جائے گا۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ الہام خواہ صوفی کا الہام ہو یا مصوّر کا یا بادشاہ کا یا خستہ جگر عاشق کا دوسرے شخص کے مطلب کا نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ جسے الہام ہوا ہو اُسکی تسکین ہو جائے۔ یا بالفاظ دیگر اُسے قلب مطمئنہ حاصل ہو جائے کسی ایسی بات کا دل میں پیدا ہونا جس کی طرف کبھی ذہن نہ گیا تھا یہ حکم رکھتا ہے کہ ایک پوشیدہ اور رازدارانہ قوت کی وجہ سے اُسے تحریک ہوئی۔ بس یہ خیال اُس کے لیئے ایک کافی سرمایہ آسایش وراحت کا پیدا کر دیتا ہے۔

ہمارے واجب الاحترام امام غزالی رہ کا یہ تحریر فرمانا کہ دنیاوی معاملہ سے قطع تعلق کرنے کے بعد جب ضمیر انسانی خدائے واحد کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو غیب کے اسرار اُس پر کُھل جاتے ہیں اور وہ حجاب جو عبد اور معبود کے درمیان ہے اُٹھ جاتا ہے ایک عجیب بات ہے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ ایسا ہو سکتا ہے تو ایسے بے تعلق ہونے اور ربانی مدارج پر پہنچنے کا فایدہ سوائے اُس نفس کے اور کسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو صریح قوانین قدرت اور منشائے باریتعالیٰ کے خلاف پڑتی ہے۔ تعلقات دنیا سے کوئی نبی نہیں بچا۔ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ختم رسل مفخر انبیا ہونے کے بھی امور دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتے تھے اور کبھی کوئی لمحہ آپ کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ آپ نے مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی تدابیر نہ سوچی ہوں گھر سے بے گھر آپ ہوئے۔ کفار مکہ نے نہایت ناانسانیت اور سنگ دلی سے جلا وطن آپ کو کیا۔ مختلف لڑائیاں آپ سے لڑے سفارتیں آپ نے شاہانِ مشرکین کے پاس بھیجیں۔ لاکھوں نصائح نشست و برخاست اور بتمدن اسلامی کے بارے میں آپنے فرمائیں جو کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی ⅓ آبادی کلمہ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پڑھتی ہے۔ اگر آپ کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے اور مجاہدے فرمایا کرتے تو اسلام کا کوئی نام بھی نہ جانتا اور آج ایک پیشانی بھی ایسی نہ ملتی جو خدائے واحد کے حضور جُھکتی دکھائی دیتی۔ صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہماری پیدایش کی غایت کیا ہے۔ اور کیا ہم دنیا میں اسی لیئے پیدا ہوئے ہیں کہ صرف اپنی ذات کے لیئے بہت کچھ سامان کر لیں ملا اعلےٰ میں جا ملیں اور اپنے خالق کے برحق دین کی تمام عمر کچھ خدمت نہ کریں اُس کی مخلوق سے اس طرح بھاگیں جیسے کوئی بُری چیز سے بھاگتا ہے۔ اور ذرا بھی اُسکی مدد نہ کریں۔

ہم صرف الہام کو تخیل کی بلند پروازی سمجھتے ہیں اگرچہ ایسے تخیل کی ہم قدر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جب اس تخیل نے شجاعان عرب کو اُبھارا ہے تو چشم زدن میں زمانہ کی ہوا بدل گئی ہے۔ کام کرنے والے کا الہام یا تخیل گوشہ نشین کے الہام یا تخیل سے بدرجہا بہتر اور شریف ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کا الہام جو اُنہیں احادیث جمع کرنے کا ہوا صوفی کے اُس الہام سے بہتر ہے جو اُسے ملأ اعلےٰ میں شامل ہو جانے کا ہوتا ہے۔ ہم نے مانا اور تسلیم کیا کہ صوفی کو ربانی مدارج میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا مگر مخلوق خدا اور دین خدا کا اُس سے کیا فایدہ ہوا اُسکی مثال تو بالکل اُس شخص کی ہے جس نے تمام عمر دنیا میں آکے دولت کمائی اپنے لیئے ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کیا مگر ایک پیسہ کا بھی کسی کو اُس سے فائدہ نہیں ہوا۔ اُس کا دنیا میں ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ ہم اُس الہام کی قدر کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظمؓ کو فتح ممالک اور اشاعت اسلام کا ہوا تھا جس سے آج ہندوستان جیسے دُور و دراز ملک میں سلطنت جاتی رہنے کے بعد بھی اسلام دکھائی دیتا ہے۔ ہم صوفیوں کی دل سے توقیر کرتے ہیں ہمیں اُن کی مُنکسرانہ طبیعت میں اخلاق محمدی کا رنگ معلوم ہوتا ہے ہمیں اُن کا قلب مطمئنہ دیکھ کے حد سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مگر جو گہری بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کا الہام جب وہ ملأ اعلیٰ میں جا ملیں دین خدا اور مخلوق خدا

گو کیا فایدہ دے سکتا ہے۔ کس صوفی کے الہام نے جب وہ ملأ اعلےٰ میں جا ملا اسلام کی نازک حالت میں مدد کی ہے ؟ اندلس برباد ہو گیا بغداد ہولاکو خاں کی تلوار سے خون میں نہا گیا۔ ہندوستان ہاتھ سے نکل گیا مگر کوئی صوفی ایسا نہوا جو کچھ بھی مدد کر سکے۔ صوفی اور اُن کا الہام صرف اُسی قدر تعظیم کے لایق ہے جیسے ایک دولتمند کی دنیا میں خواہ مخواہ تعظیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ تعظیم کرنے والوں کو در حقیقت اُس سے کوئی بھی فایدہ نہیں ہوتا۔

اب یہ بات کہ خداوند تعالی اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے نہایت صحیح ہے خدائے تعالی کی اپنے بندہ سے باتیں کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کے عام وہ کام جن میں صلاح و فلاح دین و دنیا مضمر ہے برابر اُس کے خیالات کے مطابق پے در پے نتیجہ بخش ثابت ہوتے رہیں ایسے لوگوں کی خود روح القدس مدد کرتی ہے۔ اور ایسی حالت میں جو خیالات اُس کے ضمیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ محض بتائید روح القدس پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ روح القدس کی تائید خدا کی طرف سے ہوتی ہے اسلئے اُن خیالات کو خدا کی طرف سے سمجھ لینا غلطی نہیں ہے تو بھی ہم اُن کی عجیب وغریب حالتوں سے انکار نہیں کرتے جس کا بیان بالتفصیل ہمیں بزرگ صوفیوں کی کتابوں میں ملا ہے اور جن کا مختصر اشارہ حضرت امام غزالی رح اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے کیا ہے۔ آخر الذکر فاضل نے جو یہ لکھا ہے کہ میں سب کچھ تھا میں ہی قرآن تھا اور میں ہی توریت تھا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں گو بظاہر ناممکن الوقوع ہوں گی مگر غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ دل میں ایسی باتوں کا ظہور ہونا علوے روحانیت کی دلیل ہے اور ہمیں اُن الفاظ پر بھی تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ انسان کی اصلی حقیقت سے کہ فطرت نے اُس میں کیا کیا جوہر پوشیدہ کیئے ہیں ہنوز کوئی واقف نہیں ہوا ہے نہ علوم قدیمہ سے اس کا پتہ لگ سکا نہ علوم جدیدہ نے اُن جوہروں کے پتہ لگانے میں کامیابی حاصل کی ممکن ہے کہ صدہا برس گزرنے کے بعد شاید اُن چھپے جوہروں تک کوئی پہنچ سکے۔ فی الحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موجودہ فلسفہ کے پہلو پر انسان کی بابت کچھ بحث کریں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ صوفیا نے عجائبات قلبی کا جو بیان کیا ہے اُس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں کیا عقل جان سکتی ہے کہ وہ بیان محض محدود اور معینہ الفاظ کے دایرہ سے نہیں نکل سکتے۔ اور الفاظ کی یہ کیفیت ہے کہ اُنسے ہم کوئی معمولی حالت ضمیری بھی نہیں بیان کر سکتے۔ پھر ہم کیونکر بزرگان دین صوفیائے کرام کی اس گوناگون قلبی حالت کو سمجھ سکتے ہیں جو اُنہوں نے بیان کی ہے۔ بہرحال ہمارے ذیل کے بیان سے جو ہم انسان کی بزرگی کا کریں گے ایک حد تک اُن عجیب وغریب اقوال اور عجائبات قلبی کی جو ظاہر اطور پر قابل مضحکہ سمجھے جاتے ہیں تصدیق ہو جائے گی اور سمجھ میں آجائے گا کہ انسان کی بزرگی خیال سے بھی بلند ہے اور اس کی کسی ایسی صفت پر جو اپنی سمجھ میں نہ آئے خندہ زنی کرنی ناجایز اور خلاف عقل ہے۔

انسان کائنات کے سر پکڑا ہوا ہے۔ ہم اُس عجیب جلال اور بزرگی کا جو اُس کی ذات میں خدائے برحق کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے ایک ناقص خیال لا سکتے ہیں۔ ہم صرف اُس کی ظاہری حالت کی طلب ... نی کرتے ہیں۔ ہمیں اُس کے اندرونی جوہروں کا شمہ برابر بھی علم نہیں ہے۔ مثلاً ہم نے گلاب کے درخت کی شاداب

شاخیں۔ سبز پتے اور کٹورے سے کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کے تعریف کردی مگر اُس بیج کی ماہیت پہچاننے میں قاصر ہیں جس سے یہ درخت بنا۔ جب ہم اُن فطری قوتوں کا خیال کرتے ہیں جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئی ہیں اور جس کی ساخت صرف ایک قطرہ سے ہوئی ہے جو بظاہر ایک بے وقعت چیز ہے تو اور بھی ہمارا تعجب بڑھتا ہے اور ہمیں بڑی دیر تک ایک سکتہ ہو جاتا ہے۔ انسان بغیر کسی مقابلہ کے فطرت کا ایک اعلیٰ ترین حصّہ ہے لیکن اُس کے مرتبہ کی بزرگی اُسکے مطابق ہنوز نہیں پہچانی گئی ہے۔ اور ہمیں اُس کی حقیقی تعریف کرنے کے الفاظ نہیں ملتے۔ دنیا میں اسی چیز کی زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جس کی ساخت میں اعلیٰ درجہ کی صناعی کا خرچ کیا گیا ہو اور جس میں علاوہ زر کثیر کے وقت کا گرانمایہ حصّہ صرف ہوا ہو۔ اسی پہلو سے جب ہم انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اُسکی تعریف اس لیئے کرنی پڑتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُسے جامۂ انسانیت پہنانے کے لیئے کس کثرت سے انبیا بھیجے اور کے ہزار بلکہ لاکھ برس سے انسان کے آہستہ کرنے کی تدبیر کی جارہی ہے۔ ان لاکھوں برس کی تعلیم اور بنانے سنوارنے کے بعد آج ہم اتنا سمجھ سکے ہیں کہ جسے کامل انسان کہنا چاہیئے۔ اُس کا مرتبہ ابھی ہم سے بہت اعلےٰ ہے تو بھی موجودہ حالت انسان ایک بڑی تعریف کی مستحق ہے جو ہم سے پُورے طور پر نہیں ہو سکتی۔

ہم انسان کی بے انتہا قوتوں کا کیوں کر خیال کر سکتے ہیں؟ ہر ہر گوشہ میں ہمارے ساتھ موت اور زندگی کی مخفی قوتیں رہتی ہیں جن کی ماہیت کو جاننا ہماری زندگی کا جزو اعظم ہے۔ اُن کی مشتملہ نیابت سے انسان کی ساخت ہوئی ہے اور وہ ساخت ایسی کامل ہے اور اس میں ربانی عطایات کا ایک اتنا بڑا ذخیرہ مضمر ہے کہ ہم نے اُسکا نام عالم صغیر رکھا ہے۔ کیونکہ بلاشک اُس کی ساخت کے مشتملہ جوہر کائنات کے لب لباب ہیں۔ انسان خود فطرت ہے فطرت کی واجب التوقیر کوششیں خاص اس امر کے لیئے کہ اُس کی اصلی ماہیت کو پہچانا جائے انسان کی اندرونی اور بیرونی حالت سے بہت مشابہ ہیں۔ انسان دوسرے حیوان سے اسی لیئے امتیازیہ درجہ رکھتا ہے کہ اسکی ذات میں نامحدود ترقی کرنے کی بہت سی قوتیں ہیں۔ جبکہ یہ مسلّمہ ہے کہ فطرت کے بہت سے اسرار ابھی تک نہیں کھلے۔ اسی طرح یہ بھی مسلّم ہے کہ انسان کی ذات کے بھی بہت سے اسرار ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اس خیال کو کہ ہمارا تعلق نوع انسان سے ہے دل سے محو کردیں اور پھر اُسے ہم ذہنی روشنی سے نہیں بلکہ خارجی روشنی سے ملاحظہ کریں تو ہم انسان کو کائنات کی غیر منتہی بلندی پر پہنچا ہوا دیکھیں گے۔ اور اسے سب سے بڑا اور فطرت کا سب سے پُرجلال انکشاف ملاحظہ کریں گے۔ اگر ہم آسمان کے ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں اور پھر اس خوبصورت زمین پر اور اُس کی رنگارنگ چیزوں پر نظر کریں اور پھر ہماری نگاہ انسان پر جا پڑے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسان اپنی مُرتفع فطرت میں ممتنع الفہم اور قیاسات سے بدرجہا بلند بزرگی رکھتا ہے جس نے انسانیت کی انمول عظمت اور بزرگی کو نہ پہچانا یقیناً اُس نے فطرت کو نہیں جانا۔ کیونکہ انسان بجائے خود ایک مادی فطرت کا نام ہے۔

ہم اپنے خیالات کے ہاتھ باگیں دیں اور انہیں بے انتہا دوڑنے دیں اور پھر لاانتہا تصور کی تکمیل کریں اُس وقت سوائے اس کے ہمیں کچھ نہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس وقت بے انتہا قوت بے انتہا عظمت اور بے انتہا جلال انسان کا دیکھیں گے اور فطرت کی ہم مرکز قوتیں ہمیں ایک جگہہ جمع نظر آئیں گی -

جب ہم انسان کے علو مرتبت کا تصور کرتے ہیں اور اُس کی عجیب وغریب قوت کو ملاحظہ کرتے ہیں جن سے علوم و فنون اور اخلاقی و تمدنی قوانین پیدا ہوئے ہیں اور جب اُس جوہر کا خیال کرتے ہیں جس سے اُس نے فطرت کی بہت سی قوتیں اپنے مطالب حاصل کرنے کا ذریعہ بنالی ہیں اور جس باعث سے وہ دوسری مخلوق کا آقا اور سردار معلوم ہوتا ہے تو ہمیں ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی غیر محدود قوتوں اور صفات کا مالک ضرور اپنے عالی مرتبہ کا علم رکھتا ہے اور اِس صورت سے اسے بالکل آزاد اور غیر مقید زندگی بسر کرنی چاہیئے - صدہا قسم کے اعجوبہ ظہور جو روزمرہ اسکی ذات سے حادث ہوتے ہیں اور جن کا نام مختلف محاورے اور اصطلاح میں نئے نئے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تعجب سے نہیں دیکھے جا سکتے بلکہ انہیں ہم معمولی سمجھتے ہیں اور اس سمجھنے کی یہ وجہ ہے کہ انسان کی ذات ان کراماتوں اور خرق عادات سے بہی زیادہ ارفع ہے - مگر افسوس صد افسوس موجودہ خیالات کی رو سے یہ اعجوبہ باتیں مافوق الفطرت کے دایرہ میں مقید کیجاتی ہیں اور انہیں ناممکن الوقوع سمجھ کے اُن پر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے انسان میں قدرتی طور پر خودداری اور آزادی کا ایک مادہ پیدا ہوا ہے اور اسی کو آجکل ایک سخت عیب خیال کیا جاتا ہے ہماری تمام کوششیں اور ہماری کل سعی ہائے جلیلہ اخیر کیا چاہتی ہیں ؟ صرف یہ کہ ہمیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہو کہ ہم کامل آزاد بن جائیں - مگر ہم انہیں ذلت کے پھندہ میں پھنسا کے ایک جگہہ رکھنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہمارے خیالات کی رسائی ہے اس سے آگے انسان کا بڑہنا خلاف فطرت ہے -

حق تو یہ ہے کہ انسان سے خواہ کچھ ہی ظہور کیوں نہو تعجب سے نہیں دیکھنا چاہیئے ہاں یہ ضرور خیال ہو سکتا ہے کہ اس عجیب کرشمہ سے جو ہمیں دکھایا گیا ہے مخلوق کا اس میں کیا فایدہ ہے - الہام کی نسبت ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان - عیسائی ہو یا یہود - آتش پرست ہو یا بودھ الہام پیدا ہوتا ہے اور اُن الہاموں میں اُن کے نتایج کی وجہ سے فرق ہے - الہام درحقیقت ایک خیال کا نام ہے جس کا انسانی قلب میں پیدا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے جس طرح ایک مصور اور مدبر سلطنت کے الہام میں فرق ہوگا اسیطرح ایک فاسق اور زاہد کے الہام میں فرق ہوگا - ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو توریت و قرآن بن گئے ہیں اسکے کیا معنی ہیں ؟ صرف یہ ہیں کہ آپ کا تخیل روحانیات کی دنیا میں اپنی شتابانہ دوڑ دکھاتا تھا اور آپ یہ سمجھ گئے تھے کہ جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں اور ایک طرح سے یہ خیال بھی حضرت شاہ صاحب کا صحیح تھا کیونکہ تعلقات انسانی ایسی گہرائی میں پہنچے ہوئے ہیں کہ اگر انہیں کامل طور پر سمجھ لیا جائے تو انسان اپنے کو کسی سے جدا نہیں سمجھتا ہمارے شاہ صاحب فخر ہندوستان و عرب نے ان گہرے تعلقات پر کافی نظر کرلی تھی اور وہ جانتے تھے کہ اصلی حقیقت کیا شے ہے اسی وجہ سے آپ ہر گزشتہ چیز کے لیئے خود موزوں ہوئے ہیں - یہ انسانی خیالات ہیں

جن کی کوئی حد و پایاں نہیں - ہر انسان خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو ہر لمحہ ہزاروں خیال کرتا ہے مگر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ وہ کسی کے آگے اظہار نہیں کرتا کیونکہ لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں مثلاً اگر حضرت شاہ صاحب اُس زمانے میں ہوتے جب بیچارے بیگناہ منصور پر آفت برپا ہوئی تھی تو بیشک آپ بھی نہ بچتے اور بلا سبب سلطنت کی طرف سے آپ پر بھی عقوبت توڑی جاتی - یہ ساری سمجھ کا قصور ہے - انسان کے دلی جذبات اور خیالات پر کبھی ردوقدح نہیں ہوسکتی - اگر ایک شخص کہہ رہا ہے کہ میں خدا ہوں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اُسنے کسی کو کیا اذیت پہنچائی مُفت میں اُس کے درپے ہوجانا اور اُس کی جان کے پیچھے پڑجانا رحم اور انصاف دونوں سے بعید ہے -

اگر ایک شخص کا قول دوسرے شخص کے خیال میں نہ آئے تو اُن لوگوں کو جو اُس کی تائید نہیں کرتے ہرگز مجاز نہیں ہے کہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اور اُسے نادان یا بے دین سمجھیں کون جانتا ہے کہ کس کی رائے غلطی پر ہے اور کون اندازہ کرسکتا ہے کہ سچا کون ہے -

ہم نے جو کچھ الہام کی نسبت لکھا ہے اُس سے ایک منصف غیر طرفدار شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے استدلال یا اوتہ یا تحقیق کہاں تک ٹھیک ہے اور ہم نے اسے سُلجھانے میں کہاں تک کوشش کی ہے - اسمیں شک نہیں کہ ہم اُن لوگوں کی سخت حقارت کرتے ہیں جو اپنے الہام کی وجہ سے دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں - اور اُن لوگوں کی افسوسناک حالت سے ہمیں ہمدردی ہے جو اُن کے الہام کے جال میں پھنس کے اپنا دین و دنیا کھو بیٹھتے ہیں - اگر فرض کرو کہ ایک شخص کو الہام ہوتا ہے تو پھر ہمیں کیا اور ہمارا اس میں کیا فایدہ ہے اگر ایک شخص عالم ملکوتی میں پہنچ گیا ہے تو اس سے ہماری نجات کی امید کیا ہوسکتی ہے الہام وہ الہام ہے جو محض ذاتی اغراض پر مبنی نہو اور اُس میں خدا کے کنبہ یعنی عامۂ خلایق کا فایدہ متصور ہو اور جب الہام اپنی شیخوخیت اور جاہل لوگوں میں اپنی عظمت بڑھانے کے لیئے دکھایا جاتا ہے تو ہم ایسے الہام کی بالکل قدر نہیں کرتے اور اُس الہام کو ایک مکر سے زیادہ نہیں جانتے -

ہمیں الہام کی بابت جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے اور جو کچھ ہمارا خیال تھا وہ ہم ظاہر کرچکے صرف اتنا بیان کرنا اور باقی رہ گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سب سے زیادہ الہام کا چرچا ہوا ہے اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی صوفیوں نے بھی الہام کو اپنے ہاں رواج دے لیا - خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ محمود و مسعود میں کسی صحابی کو الہام نہیں ہوا - کوئی معتبر شہادت ایسی نہیں ملی کہ کسی صحابی نے حضور انور رسول خدا کے حضور میں اپنے الہام کی بابت کچھ عرض کیا ہو - نہ چار خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی صاحب الہام تھا - ہاں ایسی تو بہت سی روایتیں ملتی ہیں جیسی یہ ہے کہ جب جنگ قادسیہ ہو رہی تھی اور ایک مقام پر بہادر ضرار کو خطرناک ہزیمت ہوئی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہوگئے تھے - اور جس صبر اور تن دہی سے آپنے فوج جمع کرکے میدان جنگ میں روانہ کی ہے وہ واقعہ تاریخ عالم میں یادگار رہے گا

اسی اثنا میں جب آپ فوجیں بھیج رہے تھے نماز پڑھنے مسجد نبوی میں گئے دیکھا کہ ایک موٹا تازہ عرب ایک کونہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنے مجاہدہ میں مستغرق ہے آپ نے اُسے آواز دی وہ نہ بولا پھر آپ نے زور سے للکارا تو اس کی آنکھیں کھلیں آپ نے فرمایا تو کیا کر رہا ہے اُس نے کسی قدر بے رخی سے جواب دیا کہ میں یاد خدا میں غرق تھا۔ آپ نے کئی درّے رسید کر کے فرمایا کہ تیرے بھائی تو سر بکف میدان کارزار میں دشمنان اسلام کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اسلام کی عظمت اور وقار قایم رکھنے کے لیئے اپنی جان دینے پر تیار ہیں اور تو مجاہدے میں غرق ہے تیرا یہ مجاہدہ کس کام کا ہے اور اسلام یا مسلمانوں کو اس سے کیا فایدہ ہے اُٹھ تلوار پکڑ اور میدان جنگ میں جا تاکہ اسلام کے سچے شیدائیوں میں ہو۔

اس قسم کی روایتیں تو بہت ہیں مگر ایسی روایتیں نہیں ملتیں کہ کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابائے راشدین کے وقت میں وہ دعوے کیئے ہوں جو بعد میں کیئے گئے اور اس زمانہ میں وہ الہام ہوئے ہوں جو اب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی باتوں کے لیئے وہ زمانہ زیادہ موزوں تھا۔

اگر ہم غور سے تاریخ کے صفحے اُلٹیں گے تو ہمیں اس بات کا پتہ لگ جائے گا کہ جب سے ایرانی مسلمان ہوئے ہیں تصوف اسلام کی ایک شاخ بن گیا کیونکہ ایرانیوں کا یہ مذاق قبل ظہور اسلام موجود تھا اور نوشیرواں کے وقت میں اس مذہب کو بہت عروج تھا۔ مذہب اسلام میں تمام قسم کی مین میگ ان ہی ایرانیوں نے نکالی ہے ورنہ مذہب اسلام تو اس قدر سادہ اور آسان تھا کہ صرف پانچ منٹ میں ایک جاہل جنگلی بدوی سمجھ لیتا تھا اور ایسا زبردست مسلمان بنجاتا تھا کہ اُسے تمام دنیا کی مشتملہ قوت بھی جنبش نہ دے سکتی تھی جتنے بڑے بڑے محدث فقیہ اور مفسر ہوئے ہیں سب ایرانی یا افواج ایران کے ہیں الا ماشاء اللہ اسی وجہ سے اسلام میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کی گئی ہیں کہ غیر مذہب والا اُنہیں دیکھ کے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ سخت اور مشکل مذہب کوئی بھی نہو گا۔ بہرحال ہم ان دقایق و غوامض پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتے اور ہم اپنے خیال میں انہیں سبب رحمت سمجھتے ہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ عوام کی نگاہ میں اُن باریکیوں سے مذہب اسلام ہوّا بن گیا ہے۔

وحی

اصل میں وحی وہ چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کھل جاتی ہے۔ اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے
اول یہ کہ خدا سے اُسکا پیغام سُنا جائے۔
دوسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔
تیسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔
چوتھے۔ یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مشاہدے کے پیغام الٰہی پہنچے۔
پانچویں یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے۔
چھٹے۔ یہ کہ خواب میں یا اور طرح پر بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو۔
وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیا کے سوا اور لوگوں پر اُترے "محدثیت" کہتے ہیں۔ اور پانچویں قسم کو "الہام" اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیا پر بھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علما نے وحی کی قسمیں بنائیں اور انبیا اور غیر انبیا کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے۔ اگرچہ علمائے کرام کا یہ فعل نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے لیکن میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس امر کا قابل ہوں کہ غیر نبی پر بھی وحی نازل ہوسکتی ہے۔ وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں ڈالا جائے اور اُس پیغام میں اوامر و نواہی کے احکام مضمر ہوں اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہو اور نہ وہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدیل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان اُس جیسا بنا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لیئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہاں اُس کے مقابل میں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کے لیے فرمایا ہے۔ اس سے کلی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہوگیا۔ ایک تو یہ امر کہ ہم نے اُسے وحی کی کہ یہ کر اور یہ نہ کر اور ایک یہ بات کہ ہم نے قرآن نازل کیا جس کی مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی۔ ہم پہلے قرآن مجید کے اُن مقامات کو نقل کرتے ہیں جن میں وحی غیر نبی پر آئی ہے پھر ہم بتائیں گے کہ اس لفظ وحی سے کیا مراد ہے۔ آدمی تو آدمی شہد کی مکھیوں کے پاس وحی کے آنے کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے" واوحیٰ ربک الی النحل" پھر آسمانوں کو وحی بھیجی گئی ہے" واوحی فی کل سماء"
اب اس سے ایک عاقل شخص کیا سمجھ سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنے چھتے پہاڑوں میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک ناواقف شخص اچھل پڑے گا کہ جب خدا انسان تو انسان جانوروں اور وہ بھی ادنے مکھیوں کے پاس وحی بھیجتا ہے تو پیغمبر اور نبی کی اس میں خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے صرف اس وحی کی وجہ سے ایک کو تمام دنیا کی حجت اور ہدایت مانیں اور دوسرے کو معمولی خیال کریں۔ ایسے خیال کا آنا ممکن ہے مگر دراصل یہ بات نہیں ہے وحی کے

معنی "فطرت" کے ہیں اور شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کے مقصود کو اس طرح بیان کرنے کا ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت۔ جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کندہ کرتا ہے اور اپنا قادر مطلق ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آئے اور سمجھے کہ ہم بڑے سے بڑے اور ادنےٰ سے ادنےٰ معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ شہد کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے اپنا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی اُن کی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتہ بنائیں۔ آسمانوں کے پاس وحی بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام آسمان جکڑے ہوئے ہیں ہم اُن پر حکمرانی کرتے ہیں اور ہماری خدائی اُن کی ہستی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ ہمارے خیال میں اس وحی کے معنی اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے علاوہ مکھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا منشائے باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔

اب وہ آیتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں مقدس لوگوں پر وحی آنے کا ثبوت ملتا ہے پوری آیتیں نقل کرنے کے بعد ہم اُس پر بحث کریں گے۔

سورۃ القصص آیت ۷۔ "واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ فاذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین"۔ یعنی اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی ماں کو کہ اُسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اس کا ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔ ہم تیری طرف اُسے پھر پہنچا دینگے اور اُسے رسولوں میں سے کرینگے۔

حضرت موسیٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے اُن پر وحی آنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر سورہ کہف میں فرماتا ہے۔ سورہ کہف آیت ۸۷۔ "قلنا یاذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا۔"
اے ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا اُن میں خوبی رکھ۔

پھر سورہ مریم میں فرماتا ہے۔

سورہ مریم آیت ۱۶ الغایت ۲۲۔ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یعنی اور ذکر کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے ایک شرقی رُخ جگہہ جا بیٹھیں اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس اُنکے پاس بھیجی وہ اچھے بھلے آدمی کی شکل بنکے اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی وہ (اُسے دیکھکر) کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ) (روح القدس) بولی میں تو بس تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں؛

(اور) اس لیئے آیا ہوں) کہ تمہیں (ایک) پاک طینت لڑکا دوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ کبھی میں بدکار رہی (روح القدس نے) کہا (جیسا میں کہتا ہوں) ایسا ہی (ہوگا) وہ ہم پر آسان ہے اور ہم اُسے اپنی قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پا چکی ہے۔

پھر سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۴۵ "اذ قالت الملٰئكة يٰمريم ان الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى ابن مريم وجيها فى الدنيا والاخرة ومن المقربين" یعنی جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربوں میں سے۔

پھر سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے" واذ اوحيت الى الحواريين ان امنوابى وبرسولى قالوا امنا واشهد باننا مسلمون " یعنی اور جب میں نے حواریوں کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر یقین لاؤ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔

ان کل آیتوں سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ غیر نبی کے پاس بھی وحی آتی ہے یہانتک کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل انسان کی صورت بن کے بی بی مریم کے پاس آئے حالانکہ وہ نبی نہ تھیں۔ ہم ملائکہ کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی خصوصیت انبیا کے لیئے نہیں ہے بلکہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی تائید ہر نیک بندہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کہ دنیا پر روح القدس یا جبرائیل کا آنا بند ہوگیا محض غلط ہے بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لمحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا۔ یہ عادت خداوندی ہے کہ اُس نے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہادئ برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیا سے بھی فضیلت دی ہے۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور ہم انہیں لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں اور اُس کی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو

پہلی آیت میں خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہے کہ تو اُسے یعنی موسےٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نہ کر ہم اُسے رسول بنائیں گے۔ ایسی نازک حالت جو حضرت موسیٰ کی ماں کی تھی اُس میں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے اُنہیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچہ کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر اُن کے دل پر پیدا ہوگا وہ سوائے اسکے ہو نہیں سکتا کہ خدائے تعالیٰ مجھے اور میرے بچہ کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہے۔ یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دل میں آیا کرتا ہے۔ اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے ہر وقت

اپنے کُل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادرِ مطلق تصور کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو وکُل کے اُسی کو ہیں اسی خیال سے یکایک تسکین ہوتی ہے اور پھر اسی تسکین کو خداوند تعالیٰ وحی یا القا یا الہام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں بھی اُس کا جلال اور لازوال قدرت کا نقشہ کھنچتا ہے۔ اور یہی منشائے باری تعالیٰ ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنی عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقتوں پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے اور ناسمجھ لوگوں کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنا لے۔

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ مگر ہاں ان کے مدارج ضرور ہیں اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم و برحق کا مرتبہ وہ اعلےٰ ہے کہ کسی کو میسر نہیں ہوا۔ حضرت مریم کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقت کے لیئے تھا۔ اور ہمارے ہادی برحق کے پاس روح القدس کا شب و روز رہنا مداومت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی سادے اور عام فہم الفاظ میں بالکل یہی مثال ہوسکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اُس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبہ کا مالک ہو اور اُس حکمران پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے جس کی عملداری بہت وسیع ہو۔ بادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک سلطان اعظم ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کر لیتا ہے۔ ہمکلام ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوئی مگر کلام کلام میں فرق ہے۔ اسی طرح اُس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھیجی جاتی ہے اور اُس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھیجی جاتی ہے اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

وحی جس کے معنی ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جس کا ظہور ہر لحظہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے۔ یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس اور وہ برس جاتا ہے۔ ہوا کو وحی کی جاتی ہے کہ تو چل اور وہ چلنے لگتی ہے۔ پانی کو وحی بھیجی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے۔ انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام کائنات کو جکڑا ہے اُن زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہوسکتا ہے اُسی طرح وحی اُسی طرح القا اور اُسی طرح الہام اور اُسی طرح حکم خدا۔ اگر غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور ان کے معنی اور مفہوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔

خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اُس کے لیئے قوانین بنائے جنہیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین بنائے کہ جب تک کائنات کا وجود ہے وہ قوانین بدل نہیں سکتے۔ اس نے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے اور اُس کے قوانین کا عام اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز حادث نہیں ہوتی۔ اس لیئے اسے شایاں ہے اُس ذات پاک وحدہٗ لاشریک کو سزاوار ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور ادنےٰ سے ادنےٰ کام کی نسبت اپنے

ساتھ کرے اور اُس کی اس نسبت کرنے کی غایت بہت بڑی یہ ہے کہ نافہم انسان اُس کی مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند سورج کو اپنا معبود نہ بنا لے حضرت موسیٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیرخوارگی کی حالت میں تھے اُس نے اپنی طرف اسی لیئے منسوب کیا ہے تاکہ کم عقل پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کرلیں جو حقیقی خالق کے لئے شایاں ہے۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کی ماں سے کہا تھا کہ تو اُسے دریا میں ڈالدے اور کچھ خوف نہ کھا۔ یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام توسب قوانین قدرت یالوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں مگر خداوند تعالیٰ ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور در اصل یہی مدعائے قوانین فیج رہے

اس کی لازوال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہورہی ہے۔ ہر لمحہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر شہادت دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے۔ دنیا میں تبدیل ہیئت کا نام فنا ہے۔ مگر ایک گہری نظر سے اگر دیکھو تو یہ بات نہیں ہے۔ فنا ہونے کا خاص وقت جو مقرر ہوچکا ہے اور جس کا ہمیں علم نہیں کہ کب ہوگا۔ فنا تو اُسی وقت ہوگی۔ اب تو تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو اپنے گل پتے گرادے وہ گرا دیتا ہے۔ پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں مل جاؤ وہ مل جاتے ہیں۔ پھر اُس خاک کو وحی ہوتی ہے کہ تو دوبارہ درختوں کو بار آوری کی طاقت دے اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہے کہ تمہیں خوراک پہنچ چکی اب تم سبز پتے اور پھل دو۔ چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں۔

ہر شے میں اُس کا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اُسکے حکم یعنی قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا۔ اور ہلے کیونکر وہاں تو عظیم کُرہوں سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خورد بین سے بمشکل نظر آتے ہیں۔ قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنی ابتدا سے جو قاعدہ اُن کے لیئے مقرر کر دیا ہے اُس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ اگر تجاوز کر جائیں تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ جو بات ہوتی ہے ان ہی قوانین کے دائرہ میں۔ اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی اُن ہی قوانین کے دائرہ میں معمولی آنکھ جب عجیب حادثے دیکھتی ہے تو اُسے اِس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ قوانین قدرت یالوح محفوظ میں اتفاق کا لفظ ہی سرے سے نہیں ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہے کہ کتاب فطرت کی الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک ہمیں نہیں ہے تو بھی اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے اور اسلام اِس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وحی کی خصوصیت درحقیقت انبیا کے لیئے نہیں ہے ہاں اُس کے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اوپر بیان کر چکے ہیں۔ وحی ہر شخص اور ہر چیز اور ہر جاندار اور ہر بیجان حتےٰ کہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا۔ ہمارے علمائے کرام نے ایسی

وحی میں جو انبیا کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیا کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنی اُن کے جدا جدا نام رکھے ہیں اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے اُن کے صفات میں ہم فرق کر سکیں

چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے "قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر" یعنی پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے امتوں میں الہام والے لوگ تھے پھر اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے۔ اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام یا صاحب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو بات کہ اِس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ خصوصیت کیوں کی گئی جبکہ اوروں کا بھی قوانین قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے۔ سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص معاملات میں آپ کی رائیں بالکل اُن احکام کے مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے از راہ محبت سے ایسا فرما دیا۔ کہ میری امت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے اگر بغور اُنکو دیکھا جائے تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی۔ کیونکہ ان الفاظ سے ایک طرح کی اعلےٰ درجہ کی صفت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ماں کہہ سکتی ہے کہ میری دست گیری کرنے میں میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ باقیماندہ بیٹے کبھی اپنی ماں سے کوئی سلوک ہی نہیں کرتے نہیں سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام یعنی صاحب وحی ہے مگر ہاں الہام اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیا ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں پر بھی نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچویں قسم جب نبی پر نازل ہوتی ہے کبھی "نفث فی الروع" بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہے تو اس کو "سکینہ" کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے۔ مشکوٰۃ فی باب التوکل والصبر " قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی " اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے۔ " مشکوٰۃ فی باب مناقب عمر " ما کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر وقلبہ " یعنی سکینہ عمر کی زبان سے اور دل سے بولتی ہے۔

ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب کو وحی القا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آ کے وحی القا کرتی تھی۔ مذکورہ صحیح حدیث سے اُسکا ثبوت ہو گیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک روح القدس نے ڈالا میرے دل میں۔

اسلام نے ان مسئلوں میں جنکو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ اُنھوں نے اِس قسم کے کُل مضامین یہودیوں یا نصرانیوں سے لے لئے ہیں سراسر اتہام ہے - یہودی یا نصرانیوں کو خواب میں بھی وہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیونکر پیدا کرتے - وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور آیا مذہب کسے کہتے ہیں مذہب کے یہ معنی کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے اخیر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے اُن قوانین کو توڑے جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں اور کُل نظام کائنات کا دارومدار صرف ان ہی پر ہے مگر مذہب کی شان یہ ہے کہ اُس کے تمام اصول قوانین قدرت کے ہو بہو مطابق ہوں اور کبھی اُنکی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے -

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم ہے - اگرچہ اُس کی تشریح اُنھوں نے نہیں کی - وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی حتّیٰ کہ مکھیوں کو بھی ہوتی ہے بالکل یہ اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے - اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ فطرت باری تعالیٰ کے خلاف ہے - وحی کا عام ہونا انبیا علیہم السلام کی برترین شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا جبکہ مدارج کا بیّن تفاوت موجود ہے - اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگا کے چار روپے کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے - مگر کیا وزیر کے رُتبہ کو کوئی ادنےٰ شخص پہنچ سکتا ہے ؟ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا - ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر یعنی پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے - ہمارے واجب التوقیر علما بھی اس طرف گئے ہیں مگر اُنھوں نے وضاحت سے اِس مسئلہ پر بحث نہیں کی جتنے انبیا کو وحی آئی وہ سب معنا تھی یعنی الفاظ خداوندی نہوتے تھے - بلکہ مفہوم ربانی تھا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے - اور فخر انبیا قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اُس کے الفاظ اور اُس کا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہمارے نبی معصوم خود ایک مجسم وحی تھے - اور آپ میں سے ہر وقت - ہر گھڑی اور ہر لحہ صدہا چشمے وحی کے اُبلا کرتے تھے - آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپ کی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی - آپ کا ہر بُن مو ایک فوارہ تھا ربانی وحیوں کا - روح القدس جب آپ کی پاک زندگی کے ساتھ لازم ملزوم ہو گئی تھی - پھر آپ کو خاص طور پر وحی کے نازل ہونے کا انتظار کرنے کی فطرت کیوں تکلیف دیتی - ہمارا یہ ایمان ہے آپ پشت پدر سے نبی بن کے جُدا ہوئے - آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی تھے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں - اگرچہ پہلو کے چاک ہونے اور آلایش نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور حدیث کی مستند کتاب میں درج ہے مگر ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے اور خبر احاد کے نمرہ میں رکھتے

اُس کی طرف سے توجہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمارا تو یقین ہے اور قرآن جابجا سے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوئے روح القدس کی گود ہی میں آپ پاک اور معصوم تھے اور تمام وہ پاکیاں اور تقدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپ کو مل چکی تھیں۔ پھر اس کی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپ کے دل میں نور بھرتا خدا جانتا ہے اُس ذات اطہر اور پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اُسکی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلیٰ تھا۔ روح القدس۔ وحی۔ الہام۔ یہ سب اُسکے پاک خون میں آمیز ہو رہے تھے۔ وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا اور اپنے کمال انسانی کو ظاہر کر کے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ایسا ساتھ ہے کہ جاں کندنی کی سخت ترین حالت میں اسکا نام مبارک لے لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔

فطرت کی کتاب کو آنکھیں کھول کے دیکھو اور کچھ دیر اُس کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ ایک قوت ہے جو عظیم الشان کرہوں سے لگا کے ذرہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرت کی جو قوت آفتاب کے کرہ میں خرچ ہوتی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف میں آتی ہے؟ اس کا جواب بآسانی ایک بچہ بھی دیسکتا ہے۔ کہ اس میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا آفتاب اور ذرہ میں ہے جب فطرت کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجایش نہیں ہے عالم فطرت کی سیر اپنے ناظر تفسیر کو تھوڑی دیر کے لیئے کرانا چاہتے ہیں تاکہ اُسے فطرت کے اتار چڑھاؤ معلوم ہو جائیں اور وہ سمجھ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوتی تھی اور اُس وحی میں جو قریشی نبی پر نازل ہوتی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لیئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک اور قطرہ سے لگا کے سمندر تک مدارج قایم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو۔

جب ہم اُن زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان نئی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور ہماری نظر اُن امتیازیہ مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے اُن میں ودیعت کئے ہیں اُن گوناگون اشکال کا امتحان اُن کی بناوٹ کی جانچ اور اُن کے استعمال کے طریقے سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کے مدارج اور مراتب جس طرح گوناگون ہیں اسی طرح اُن کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور ایسی گرد ہیں کہ اُٹھتے بیٹھتے ہمیں اُن سے مفر نہیں یا بالفاظ دیگر ہماری زندگی کا بالکلیہ دارومدار اُن ہی پر ہے۔ مثلاً ہوا۔ جنگل۔ کھیت۔ پانی۔ طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکم خدا یا الہام کا سلسلہ قایم ہے یا کل مخلوق اُس وحی سے دم بھر کے لیئے جدا نہیں ہوسکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردین بن رہا ہے۔ اسپر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگارنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی کم عقل سے کم عقل بھی خیال کرسکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت

یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت اور شکل سے ایک لمحہ بھی قایم رہ سکتے ہیں؟ - اور آگے بڑھ کے پہاڑوں کو دیکھو- تاریک کانوں پر نظر کرو- عمیق غاروں میں نگاہ دوڑاؤ- سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تو تمہیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دیگا کہ تم حیران ہو جاؤ گے - کہیں تو یہ چیزیں تمہیں ایک بے قاعدہ صورت میں دکھائی دیں گی جو پریشان اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ ششدر رہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا- اخیر یہ انتظام کس چیز سے ہو رہا ہے- اور کس زبردست قوت نے اُنہیں اپنی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے؟ جواب یہی دیا جائے گا کہ قانون قدرت یا حکم خدا یا وحی یا الہام نے؟

ایک ایسا ناظر جس نے اِن قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اُٹھے گا کہ اس کا سلسلہ نا متناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذرّوں کا سمندر کے کنارے پر مگر وہ ناظر جو فطرت کی کتاب تھوڑی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُن کی علیحدہ علیحدہ قسمیں بتا دیگا اور اُن کے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دے گا کہ یہ چیز کیا ہیں- ان کی ہستی کیا ہے قدرت نے انہیں کیوں پیدا کیا ہے- ان چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالدیا اور ہزاروں آدمی ان کی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے اُنہیں آدمی کا خدمت گزار قرار دیا- اور اُنہیں صرف یہی درجہ عطا کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں- قرآن تو جابجا یہی بیان شد و مد سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اس فطری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے اُس کی تعریف ہم نہیں کر سکتے- چنانچہ وہ فرماتے ہیں-

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار | شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بذات خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگون ودیعتوں کا پتہ نہیں لگا سکتا- پھر بھی اُس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگا لیا ہے اور اُنہیں اپنی زندگی کے لیئے ایسا کارآمد ثابت کیا ہے کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں- جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہر شے میں اُس کا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہے کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی- اس میں شک نہیں کہ جتنے کام ہوتے ہیں خداوند تعالیٰ اپنی طرف اُنھیں منسوب کرتا ہے اگرچہ اُسنے اُن کے حدوث کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنے کا شایاں ہے حضرت موسیٰ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے اُس سے کہا کہ تو نہ غم کھا نہ خوف کھا- ہم اسے یعنی تیرے بچہ کو پیغمبر بنائیں گے- یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوئی جب اُنہیں اس بات کا خوف ہوا کہ اِس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کریں گے- تو فوراً خیالات نے اس امر کی طرف عود کیا کہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے بغیر اُس کی مرضی کے پتہ تک نہیں ہلتا- چونکہ وہی قادر مطلق ہے

جو چاہے کرے۔ اس خیال نے انہیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہم نے اپنی روح القدس کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ علی قدر مراتب ذرہ سے لگا کے انسان تک کے ساتھ رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے انہیں یہ قلب مطمئنہ حاصل ہوا جسے خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ ہم بتا چکے۔ شریعت نے جس طرح اُسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے۔ ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔ اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ تاہم ابھی یہ دیکھنا ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے جو طریق محدثین اور مفسرین نے بیان کئے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

اول وحی بواسطہ جبرائیل

جبرائیل کے معنی خدا کے بندہ کے ہیں مگر زبان شریعت میں اسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرائیل کئی صورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرائیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ کبھی اجنبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل مسافرانہ صورت نہایت سفید لباس میں ظاہر ہوکے حضرت رسالت مآب کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کرنے لگے۔ آپ کی جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالت مآب نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے تمہیں ایمان و اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے۔

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرائیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخر وقت۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن ماحصل سب کا یکساں ہے۔ اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا مگر نہیں ہم ہر روایت تسلیم کرتے ہیں اور اس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدیل نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جبرائیل طرح طرح کی صورتوں میں وحی لیکے تشریف لاتے تھے نہ صرف وحی لیکے بلکہ معمولی باتیں سمجھانے کے لیئے بھی آپ کا نزول ہوتا تھا مثلاً مسجد میں مع جوتوں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت جبرائیل نے فوراً مطلع کیا کہ آپ جوتی اُتار ڈالیئے کیچڑ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے فوراً جوتی اُتار ڈالی جب صحابہ نے نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو آپ نے

سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اُتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو دیکھ کے آپ نے فرمایا میری جوتی میں چونکہ کچھ لگی ہوئی تھی اس لئے جبرائیل نے مجھے آگاہ کیا میں نے جوتی اُتار ڈالی۔ یہ ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گزر کے ہزاروں تک پہنچتی ہے بالکل صحیح ہیں۔ ہر لمحہ ہر کام کے لیئے خواہ وہ کتنا ہی ادنے کیوں نہو حضرت جبرائیل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں جبرائیل یا ناموس اکبر یا روح القدس کی آمیزش ہوگئی تھی۔ اور آپ کی ذات مطہر و مقدس کی روح القدس لازم بن گئی تھی۔ آپ کا روح القدس میں کامل استغراق بلکہ مجسم روح القدس ہوجانا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ بعض وقت ایک بینا شخص آپ کو مجسم روح القدس معلوم ہوتی ہو اور آپ کی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسے آدمی کی صورت میں دیکھ لیتے ہوں مسمریزم گویا اس درجہ تیقن کی جو انبیا کو حاصل تھا الف بے تے ہے۔ اور یہ علم کوئی بُرا نہیں ہے اگر اس سے کوئی بُرا کام نہ لیا جائے تو بہت سی مفید باتیں اس سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ سلب مرض باآسانی ہوسکتا ہی۔ بغیر دیکھے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی نہیں ہے جس شخص کو اس فن میں غلو ہوجاتا ہے اسے مشکل نہیں ہے کہ جس چیز کا خیال کرے وہ اُس کے آگے مجسم آکے کھڑی ہوجائے اور اُس سے باتیں کرے۔ اس کی باتوں کا جواب دے اور خود اُس سے سوال کرے۔ ہمارے نبی معصوم کی شان اس سے بھی بہت بلند ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض اوقات غلبۂ روحانیت کی وجہ سے روح القدس آپ کو مجسم دکھائی دیتی تھی اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس کی تائید میں تھے۔ اس لیئے اُنہیں بھی نظر آجانا کچھ بات نہیں۔ کون ہے جو نبوت اور اس کے راز سے ذرہ بھر بھی واقفیت رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے اُن تعلقات کو پہچانا ہے جو مخصوص بندہ اور خالق کے درمیان قایم ہیں۔ معمولی باتوں کو لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرنا اور اُسی سے اپنے ہادی برحق کی تعریف سمجھ لینی سخت غلطی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے ہماری طرح پرورش پائی۔ ہماری طرح بڑے ہوئے۔ پھر بھی امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہی جس کی بلندی پر ہمارا خیال نہیں جاسکتا وہ کائنات کا لب لباب روح القدس کے مجسم آنے یا جبرائیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے۔ وہ خود ہی روح القدس ہے۔ خود ہی ناموس اکبر ہے۔ خود ہی جبرائیل ہے اور خود ہی میکائیل ہے۔ یہ اُس کی صفتیں ہیں جن کے علیحدہ علیحدہ نام گنائے ہیں ورنہ ہیں یہ کُل صفتیں اُس ذات میں جسے محمدؐ کے نام سے پُکارتے ہیں۔ خدا کی خاص صفتیں ہیں جو اُس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں۔ کوئی اُنھیں نہ سمجھے اور اُن کے اٹکل پچو معنی لگائے یہ اُسکی خوش فہمی ہے۔

کہاں ہے یہ تاثیر کسی نام میں (اگرچہ بہت سے پیغمبر گزر گئے اور بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا) اب بھی وہ نبی امّی اپنے روضۂ مبارک میں سے کروروں بندگان خدا کو کلمہ توحید پر قایم رکھے ہوئے ہے۔ اور اب بھی اُس کے مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت باقی ہے۔ اب بھی میدان جنگ میں اُسکا پُرجلال نام تیغ و سناں کا کام دیتا ہے۔

اے معصوم ہاشمی نبی تیری بزرگی بہت بڑی ہی تو بلا شک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا۔ تو اپنا ثانی آپ ہی ہی ابھی تک ہم تیرے عالی مرتبہ کو نہیں پہچان سکے ہم اپنی محدود عقلوں اور اپنی بساط کے موافق تیری صفات کی جستجو کرتے ہیں مگر جیسا کہ چاہیئے ہم

اُنہیں نہیں پاتے۔

دوم وحی بواسطۂ آواز

کبھی جرس کے مانند آپ کو ایک آواز سُنائی دیتی تھی جیساکہ صحیح بخاری اور مُسند احمد بن حنبل میں ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔خود نبی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت بیان نہیں فرمائی ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں۔بعض کا بیان ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔بعض کہتے ہیں مُتنبہ کرنے کے لیئے پہلے سے آواز آجاتی تھی وغیرہ وغیرہ جب خود اُس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبورًا علما نے اپنی طرف سے رائے لگا دی مگر پھر بھی وہ اُس کی کُنہ تک نہ پہنچ سکے۔جب انسان کسی خیال میں غرق ہوتا ہے تو اُسے اُسی رنگ کی نئی نئی آوازیں سُنائی دیتیں اور شکلیں نظر آتی ہیں جنکو وہ سُنتا اور دیکھتا تو ہے مگر اُن کی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔غلبۂ روحانیت یا غلبۂ روح القدس کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت میں تغیر ہوجانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گزرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی راحت اور ایک اعلیٰ درجہ کا قلب مطمئنہ حاصل ہوتا تھا۔اور خداوند تعالیٰ کی لازوال قوتوں کا پُورا اندازہ کرکے اُس سے لذت روحانی حاصل کیجاتی تھی۔ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق و باد کی آوازیں بھی کلام خدا بنجاتی ہیں۔ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلام خدا ہیں بے شک ان کے ذریعہ سے خدا اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اُسے معلوم ہے
تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

موسیٰ سے کوئی پوچھے کہ تمہیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا جہاں سے اُنہوں نے خداوند تعالیٰ سے باتیں کی تھیں وکلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ **مصرع** قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی۔ نہیں جان سکتے وہ لوگ جو اس کوچہ سے واقف نہیں ہیں۔نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنہوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں جانا۔ ظاہر بین ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھ معنی لگاتے ہیں اور ہم اُن کے کچھ معنی سمجھتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بے شک آوازیں آتی تھیں اور حقیقت میں وہ خدا کی آوازیں تھیں۔جو اپنے بندہ سے باتیں کرتا تھا۔بجلی کی آواز بھی اُسے نیا پیغام پہنچاتی تھی۔بادل کی گرج اُس کے لیئے نئی ہدایتیں لاتی تھی اور وہ آوازیں جو اُس کے دل سے اُٹھتی تھیں اور جن سے اُس کی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھیں۔اس کا اُٹھنا بیٹھنا چلنا۔پھرنا۔باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا۔اِس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پُورے غلبہ میں اُسے مسموع ہوتی تھی خدا کی طرف سے تھی اور بلاشک خدا اُس سے خود کلام کرتا تھا۔یہ وہ عجیب معارف و دقایق ہیں جن کی تہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام

نہیں ہے ۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے ہمیں اُس نے اسی خدمت کے لیئے چُن لیا ہے ۔ اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اُس کی روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے ۔ ہمیں اسی کی مرضی پر جینا ۔ اُسی کی مرضی پر کام کرنا اور اُسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے ۔ دعا ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اُسی کے سایہ اور اُسی کی سرپرستی میں یہ عظیم الشان کام انجام دیں ۔

سوم وحی بواسطۂ تجلیات ربّانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت بیداری میں وحی نازل ہوتی تھی اور اُسکی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات ربانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرما لیتے تھے ۔ اس صورت سے کل اسرار غیبی آپ پر عیاں ہو جاتے تھے جیسا نماز کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی تھی ۔

یہ بھی بالکل صحیح ہے ہم یہ تو نہیں مانتے کہ صرف نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی ۔ اور جب آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے ۔ تجلیات ربانی یعنی روح القدس آپ کی ہمدم و ہمقرین رہتی تھی ۔ وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں ۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبی نہ عیاں ہوتے ہوں ۔ قرآن مجید کی آیتوں یا سورتوں کا بروقت ضرورت نزول اس امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرائیل کی مجالست سے علیحدہ نہیں ہوئے اور یہ کیوں کر ہو سکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لیئے پیدا ہوں ۔ جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لیئے تمام ربانی تجلیوں کا ہجوم چاہیئے ۔ کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پوری ہمقرین ہوئے بغیر ممکن نہیں ۔ لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صدہا برس گزرنے کے بعد ویسا ہی پُرزور رہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے ۔

اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپ کی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی ۔ آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان کے پیدا کرنے کی کیا غایت ہے ۔ خود خداوند تعالیٰ نے کلام مجید میں فرما دیا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے ۔ یہ ایک بڑا پُر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر سے نہیں ہوئی ۔ ہم نے وحی کے نازل ہونے

ہیں سلف سے مطلق اختلاف نہیں کیا ہے۔ فرق صرف اِسقدر ہے کہ اُنہوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کئے ہیں۔ اور ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مُراد لیتے ہیں۔ ہیں سب کے ایک ہی معنی اور سب کا ایک ہی مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں۔ نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علمانے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغام خدا ایک صورت سے نازل ہونا چاہیئے۔ وقتاً فوقتاً اُس کی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا۔ ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول اور پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔ خداوند اپنی ہر ارذل ترین مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے ساتھ اُس نے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اُس سے ہی تجاوز نہیں ہو سکتا۔ وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے اُسکے ہمکلام ہونے کا ایک نیا قاعدہ ہے اور اس سے تجاوز ممکن نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی تو روح القدس اُفق پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتی تھی اور اس صورت سے پیغام باری تعالیٰ پہنچاتی تھی اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز بن کے سُنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہنکر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نور بن کے آنکھوں کے سامنے چکر لگنے لگتی تھی۔ یہ ساری باتیں تراشی ہوئی ہیں۔ جن کو نزول وحی کے راز سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر بھی اگر ہم ان کُل صورتوں کو تسلیم بھی کرلیں تو صرف اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسی طرح وحی کے اُس چشمہ میں جو ہر وقت قلب محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیاتِ ربانی کی شعاعیں اُس جوش زن چشمہ میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی تھیں جن کی کُنہ کو سوائے اُس ذات کے جس کے دل میں یہ چشمہ وحی اُبلتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نہ وہ خود اُسکی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کر سکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اُس کی کیفیت غیر محدود پھر کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اُس کا راز ادا ہو سکتا یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے۔ کبھی اُسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی کبھی تجلیات ربانی کی مثال دے کے سمجھایا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی کیونکہ اُن تمثیلوں کو بھی سمجھانا محالات سے تھا۔ نہ خداوند تعالیٰ نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان فرماویں اور بس۔ کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبرًا مانو اور اُس پر عمل کرو۔ اس کی تائید خود کلام پاک میں موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے"۔ کلام کی یہی خوبی ہے کہ وہ خود بخود دل میں گھر کرتا جائے۔ اور اُس کے نقش بغیر کسی کوشش کے از خود دل میں بیٹھتے جائیں۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ اِس قدر احسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب

نہیں ہوا۔ قرآن مجید سے بھی خود اس کی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے "نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کی جائے"۔ یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنی نرم بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالیٰ تھا جس کی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ تمثیلوں میں بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہوسکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحب وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں۔ مگر جن کی نظر نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں جنہیں نبوت اور اس کے راز کا اوپری علم بھی ہے اور جو محمدؐ اور خدا کے تعلقات سے واقف ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب حل ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے۔ ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتا جائے اور اس کی ترکیب دریافت کرنے کی میزبان کو تکلیف دے صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ کیونکر پکایا گیا۔ ہاں پکانے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے۔ اسی طرح ہمیں وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف اتنا ہی فرمادینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھ پر نازل ہوا ہے اس میں یہ اوامر ہیں اور یہ نواہی ہیں۔ اس کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھ پر وحی نازل ہونے کا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہوجاتی ہے۔ اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت دیکھ کے یہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرمادیا بھی ہو مگر آپ کا وہ فرمانا محض تمثیلی خیال کیا جائے گا حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا۔ جب راحت و درد کھٹاس مٹھاس کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہوسکے گی۔ جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ اُسی قدر ہے جتنا خدا نے ہمیں آگاہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے "قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن الله" یعنی کہ جو کوئی روح القدس کا دشمن ہوا کرے مگر اُس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے حکم سے اُتارا ہے"۔ اس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ اُبلتا تھا اس لیئے کہ روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا۔ اور ایک آیت سے اس کی تشریح اور بھی واضح طور پر ہوگئی۔ جہاں خداوند رب العرش ارشاد کرتا ہے "یلقی الروح من امره علی من یشاء" یعنی خدا روح القدس کو جس میں چاہے القا کرتا ہے۔ یا خدا روح القدس کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیجدیتا ہے اس سے یہ بات تو نہیں پیدا ہوئی کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آکے بلفظہ قرآن سُناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کردیتی تھی۔ آگے آنے والی آیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہورہے ہیں دُور ہوجائیں گے۔ چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین ۰ وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین وما ھو علی الغیب بضنین وما ھو بقول شیطن رجیم فاین تذھبون ۰" یعنی یہ قرآن اُس رسول کریم (یعنی روح القدس) کا کلام ہے جو صاحب قوت اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا نبی (محمد) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جائے) اور اُس نے روح القدس کو (اس کی صورت اصلیہ) افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدایش سے آپ کی ہمقرین تھی اور آپ کی ذات اقدس و اطہر کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہو گئی تھی جو کچھ آپ فرماتے تھے روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو اُفق پر دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اِس سے یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ایک مجسم چیز اُفق پر ایک بار دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی بلکہ روح القدس کی اصلیت کو بلندی پر دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اعلٰے درجہ کی روح القدس آپ کی ہمقرین بنائی گئی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہم نے لکھا تھا کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے اسکی اِس آیت سے شہادت مل گئی۔ اُفق پر روح القدس کو دیکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ کی ذات میں جو روح القدس ثبت ہوئی تھی وہ اعلٰے درجہ کی اور بلند تھی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرائیل کا ایک جسم قرار دے کے اُفق پر کھڑا کریں اور اُن کے بڑے بڑے بیان کریں اور اُن کی صورت ایک ایسے خوفناک دیو کی بیان کریں جو ہمارے مشرقی قصہ نویسوں نے زیادہ تر اپنے فسانوں میں لکھے ہیں۔ ایک کامل نور کامل ہدایت کو ایک ہیبت ناک جسم میں مقید کرنا یہ ہمارے بعض علماء کرام کا شیوہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کرتے۔

ربّ العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمد کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ روح القدس آپ کی ذات اقدس و اطہر میں بولتی تھی اور اِس قدر وابستہ ہو گئی تھی کہ جو کلام آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا اُسمیں روح القدس کی تائید ضروری تھی۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" قل نزلہ الروح القدس من ربک بالحق" یعنی تو کہہ اِس قرآن کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اُتارا ہے۔ اس میں شک کرنا اور اُس کی صداقت میں کلام کرنا سخت نافہمی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کے ذریعہ نازل ہوا وہ حق ہے اور سوائے صداقت کے اُس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اُس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے بخوبی واضح ہو گئی ہوگی۔ زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہاں تک منشائے باری تعالیٰ کے موافق ہے اور اُسکا تطابق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے۔ قوانین قدرت شاہد ہیں کہ الہام

سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آجانے والا مذہب دنیا میں کوئی نہیں۔ یونانی فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھا تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے اُنہوں نے ہر طرح سے پرکھا مگر کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادیٔ راے ہونی چاہیئے۔ تعصب اندھا کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے تو صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتہ کسے کہتے ہیں۔ نزول ملائکہ کے کیا معنی ہیں الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے۔ مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی میں نہیں پہنچے۔ اُنہوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قایم کیا ہے۔ مثل انسان کے فرشتے آتے ہیں اور اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ مثل انسان کے جو پیغام سُناتے ہیں اُس میں آواز بھی ہوتی ہے اور الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ آسمان پر چلے چلے جاتے ہیں۔ یہ خیالات افریقیہ کی وحشی اقوام کے لیئے زیادہ موزوں ہیں۔ اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو ان سے کچھ علاقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ یورپ میں عیسائیت مٹتی جاتی ہے اور اُسکا دائرہ اسقدر تنگ ہوتا جاتا ہے کہ چند روز میں سوائے قومیت کے عیسائیت کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا

قرآن مجید اُس شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا جس نے تقلید کا جامہ پہن لیا ہے۔ یا تعصب نے اُس کی عقل کو بے کار کر دیا ہے۔ قرآن میں معجزہ یہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق وہ جواب دیتا ہے اور اُس کا اطمینان کر دیتا ہے جس قدر گہری نظر کرتے جاؤگے نئے نئے مطالب حل ہوتے جائیں گے۔ اور وہ وہ باریکیاں نکلیں گی جو دیدہوں نہ شنید۔ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص مفسر پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اُس سے اچھی بات بھی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے ہو نہیں سکتا۔ غیر طرفدارانہ طور پر توریت اور اناجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو۔ تو ایک عظیم فرق پاؤگے۔ توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرت ملیں گی جنہیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائیں گی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہی اسنے مُنہ کی کھائی اور سخت خفت اُٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے ادق مضمون تھے مگر قرآن مجید نے ایسے حل کیئے کہ ایک حکیم سے لگا کے ایک بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے۔ پڑھنے والے اگر پیچیدگی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اُنکی عقل کا قصور ہے۔ اُس کی بالکل یہی مثال ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست   در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہاں تک تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی اب ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے۔ یہ بحث ہمارے علمائے کرام کی بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پرستی کرتا ہو اور اُسکے

دین اور دینی عقاید کا دار و مدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو۔ ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوئی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بہی کام لینا جانتا ہے وہ ہماری بحث کو سمجھے گا بہی اُس سے لطف بہی اُٹھائے گا اور ممکن ہے کہ اُسے کچھ فایدہ بہی ہو۔ چنانچہ وہ بحث یہ ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو یعنی قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنی حدیث قدسی یا سنت۔ یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی آمیزش سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اور جو کچھ آپ کے دل میں القا ہوتا تھا اُسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہوں۔ چونکہ اُن احادیث کا طرز کلام قرآن کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کہاتا۔ اس لیئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اُس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لیئے جُدا جُدا نام ٹھیرا دیئے۔ ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنی سنت اور حدیث قدسی کہا۔ اب یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس دم بھر آپ سے جُدا نہیں ہوتی تہی اور ہر وقت آپ کی زبان سے بولتی تہی غرض جو کلام آپ فرماتے تہے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بہی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چسپاں ہی نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں یہ صرف ہماری ہی راے نہیں ہے بلکہ علما کا ایک بڑا گروہ اِس طرف گیا ہے۔ الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگرچہ مطلب کچھ نہ کچھ ہونا ممکن ہے۔ چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے۔ یہ بہی نہیں کہا جاسکتا کہ حضور انور نے تمام زندگی میں جتنی باتیں کیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے وہ سب اسی شان اور اسی عظمت کے تہے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کا قلب پر کامل غلبہ اُسی وقت ہوتا تھا جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تہی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کرلو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اُس کے قلم سے نکلتے ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو اُس کی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب اور شان میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ کبہی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اُس تقریر سے مطابق ہوجائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی ہے۔ لاکھ ہمیں بولنے کی مشق ہو پھر بہی بہت بڑا فرق ہوگا۔ یہ مثال اگرچہ بہت ادنیٰ مثال ہے پھر بہی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن کی زبان میں اور احادیث کی زبان میں کیوں بہت بڑا فرق ہے سفرق تو فرق کچھ نسبت ہی نہیں ہے۔

اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالت مآب تک یکساں رہا

یا کچھ بدل گیا۔ قرآن مجید سے تو صریح طور پر یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ اور تھا اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدل گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں لیکن اب اسے بالتفصیل لکھتے ہیں۔ انبیا پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ در اصل اُس القا کا (جو خدا کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی) مفہوم بیان کر دیتے تھے۔ روح القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہوتی تھی۔ تورات اور اناجیل میں خدا کو متکلم کہیں نہیں بنایا گیا ہے مگر قرآن مجید میں خدا ہر جگہہ متکلم بنایا گیا ہے۔ بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ لے آئیں اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ درحقیقت کلام خدا ہی ہے۔ یہ اعتراض اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی کیونکر القا ہوتی تھی اس لیئے تورات اور اناجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں جس طرح سلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح تورات واناجیل کے قصص جمع ہوئے پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع وتنقید اور تورات واناجیل کی جمع وتنقید میں بہت بڑا بل ہے۔ ہمارے ہاں اسماء الرجال گویا صحیح اور غیر صحیح پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ مگر تورات واناجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اسوقت تک ایجاد نہیں ہوئی۔ ہمیں یہاں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں۔ صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ جو کلام خدا فرماتے تھے اگر اُسی وقت لکھ لیا جاتا تو ضرور اس پر غور کیا جاتا اور جب کلام خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اُس میں کلام ربانی کی شان ہی کیونکر پائی جا سکتی ہے۔ ہم اس بحث کے بعد یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علمائے نصاریٰ کا خیال ہے وہ صحیح ہے جیسا کہ ہیو سوبر اور لیافان صاحب لکھتے ہیں "روح القدس نے جسکی تعلیم اور مدد سے انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے اُن کے لیئے کوئی زبان نہیں ٹھیرا دی تھی بلکہ اُس نے اُنکے دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچا لیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ اور عبارت میں اس کو ادا کرے اور جیسے ہم اُن پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کے موافق اُن کی کتابوں میں فرق پاتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے ماہر ہوگا متی۔ لوقا۔ پال اور یوحنا کے محاورہ میں فرق پائے گا اگر روح القدس حواریوں کو عبارت بتا دیتی تو یہ بات ہرگز نہ ہوتی بلکہ اس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر کتاب کا محاورہ علیحدہ ہوتا۔" اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے ایک تو کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا۔ دوسرے یہ بھی ہدایت کر دی کہ اپنے محاورہ کے مطابق اسے بیان کرنا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر روح القدس چاہتی بھی جب بھی صدی ڈیڑھ صدی کی گزشتہ باتوں کا حواریوں اور انجیل نویسوں کے دلوں میں القا نہیں کر سکتی تھی۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہوگیا کہ بطور مضمون کے وحی القا ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا انبیا علیہم السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مان لیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور انبیا سے بہت اعلیٰ ہے کہ روح القدس

کلام خدا آپ میں القا ہی کرتی تھی اور اُس کی عبارت ہی بتا دیتی تھی اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو پادری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قایم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم کرلیں کہ سوائے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے اُنہیں الفاظ اور عبارت نہیں بتائی جاتی تھی اور پھر اخیر میں یہ طریقہ بدل دیا گیا تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب خدا کی حجت پوری ہوئی اور اس نے دیکھ لیا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہ دیکھے تھے بہت کچھ اُس میں تبدیلیاں پیدا کردیں۔ اور جس نے جو کچھ چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اس اثنا میں سلسلۂ نبوت برابر جاری تھا اور اخیر میں نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کو تھا اس لیئے یہ حکمت تھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سان وگمان بھی نہ رہے سلسلہ نبوت ختم ہوچکا ہے۔ اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا (کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے الفاظ میں ڈھلکے اور نئے نئے محاوروں میں آکے لازمی ہے) تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت داعی ہوتی تاکہ وہ بتائے کہ کلام خدا میں یہ یہ تحریف ہوئی تھی۔ اور جب خدا کو سلسلۂ نبوت ہمارے معصوم وبرحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمہ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونے کی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی اور ہر ہر لفظ پر مُہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور اُس کی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اُس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا جو آسمان پر ستاروں میں الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراض کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظہ کیا اور لفظ بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سُنایا۔ اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اُس وحی کو کہتے ہیں جس کے الفاظ بھی خدا سے ہی ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے ادنے ہے۔ اسی بنا پر مسلمان فخر انبیا حضرت رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں۔

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القائے وحی کی تبدیلی تکذیب نبوت پر اس لیئے دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہوسکتا ہے کہ خدا کو خلاف عادت کیا ضرور تھا جیسا کہ عیسائیوں کا دین ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے مر کے زندہ ہوئے اور پھر معہ جسم آسمان پر اُٹھا لیئے گئے۔ اِس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو ضرورت کیا تھی۔ اب جو جواب پادری صاحب اس کا دیں گے وہی جواب مسلمان طریقہ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیدینگے۔

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظر تفسیر کی تسکین کے لیئے بہت کافی ہوگی وہ اس تمام بحث کو بغور پڑھ کے سمجھ جائیگا کہ ہمارے نبی معصوم وبرحق خود مجسم وحی تھے۔ آپ کے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح القدس کے ذریعہ سے اُبلتے تھے۔ آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے بلکہ روح القدس

بولتی تھی۔ آپ در اصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح القدس کلام کرتی تھی۔ قرآن مجید خود اس امر کی شہادت ہو کہ اُس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیئے دنیا کے کُل مذاہب سے کنارہ کرلو اور پھر غیر طرفدارانہ قرآن پر غور کرو تو تمہیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائی دے گا۔ یہ کتاب جیسی پُرانی ہے ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اس کے ایک ایک جملہ میں ایک زندہ روح ہے جسکی قوت تیرہ سو برس سے جوں کی توں باقی ہے۔ زمانے بدل گئے مذاق بدل گئے خیالات بدل گئے مگر اُسکے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہہ قایم ہیں۔ اور کسی کو جرات نہیں ہوسکتی کہ ذرا بھی سوء ادبی سے اُس کی طرف دیکھ لے۔ جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب اُن کے قول کے مقابلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے تو پھر اُن میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا اور وہ اپنی سلامتی خاموشی میں دیکھتے ہیں۔ ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت کر رہی ہے۔ اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بوسیدہ دکھائی دیگی اور ہر جگہہ طوائف الملوکی یعنی مذہب سے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی اور جب ادہر غور کروگے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن کی حکومت میں اب بھی دم خم باقی ہے اور جو رعب اُس کا ایک غریب شخص پر ہے وہی شہنشاہ بحروبر پر ہے۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح۔ حرارت اور قوت پائی جاتی ہے۔ اور اُس کا سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور انجیل وحی غیر متلو یعنی اُس کے الفاظ بھی روح القدس کے الفاظ ہیں اور انجیل کے الفاظ روح القدس کے الفاظ نہیں ہیں۔

اے انبیا کے سچّے محسن تیری شان برتر و اعلےٰ ہے تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے۔ اب بھی روح القدس اُس میں اُسی روحانیت سے موجود ہے۔ اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی ہے۔ اے ہادی برحق تو اب بھی ہم میں وعظ فرماتا معلوم ہوتا ہے۔ جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے تو تیری موجودگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھچ جاتا ہے۔ کچھ تو ہے جس کا یہ اثر ہے۔ اور کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسّی میں سب کو جکڑ رکھا ہے۔ اے قریشی نبی تیری ہی کتاب کی رہنمائی سے تجھے پا سکتے ہیں۔ اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اختلافات نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیرا اور تیری کتاب کا اے اُمّی نبی ہر فرقہ وہی احترام کرتا ہے۔ تیری روشن کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت چشم زدن میں ہزارہا اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔ کیوں نہو تو رب العرش کا سچا پیغمبر ہے اور تیری کتاب روح القدس کی تائید سے ترتیب دی گئی ہے ✦

چھٹا باب

سحر یا جادو

نہ صرف[1] مشرقی دنیا میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی جادو کا عقیدہ مدت تک باقی رہا۔ اور ہنوز موجود ہے۔ کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ یورپ بالخصوص لندن میں تو وہ داخل قانون ہو گیا تھا۔ اس جادو کے عقیدہ نے بیگناہوں پر ظلم کیئے ہیں۔ گھروں کو برباد کیا ہے۔ اور قوموں کی قومیں اسی ظالم عقیدہ کے لپیٹے میں آ کے صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے انکار نہیں کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی تردید نہیں کی۔ مگر ہمارے برحق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس وہمی علم کی بلکہ اس شخص کی جو جادو جاننے کا معترف ہو سخت تضحیک کی ہے اور انہیں حقیر جانا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سحر یعنی جادو کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر ان مقامات کو غور سے پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت جادو کوئی چیز نہیں۔ اور جو اس وہمی علم پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ مرتبۂ انسانیت سے بھی خارج ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں پر افسوس کیا گیا ہے جو جادو اور اسکے وہمی اثرات کو مانتے ہیں اور ہر ایسی شے

---

[1] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اور قوموں کے عقاید اور خیالات جادو کی نسبت مفصل بیان کیئے جائیں چونکہ یہ ایک ضروری اور دلچسپ مضمون ہے اس لیئے اس سے جادو کی نئی دنیا کے عجائب وغرائب منظر معلوم ہوں گے اور اس بات کا علم ہو گا کہ جو تعویذ گنڈے اب جاری ہیں یہ قدیمی ایجاد ہے اور اس پر عقیدہ رکھنے والے وحشی اقوام میں کئی ہزار برس سے چلے آتے ہیں۔ جاہل اور سست عقیدہ مسلمانوں نے اُن کی تقلید کی اور اسلام کے روشن احکام کی پیروی پر لات مار کے اس قسم کے وہموں میں پھنس گئے۔ ایسے وہم جن کی تضحیک اور تحقیر قرآن پاک میں جابجا موجود ہے۔

قدیم قوموں میں سحر یا جادو کی یہ تعریف ہے " جادو وہ علم ہے جو عجیب وغریب واقعات کے حدوث کی تعلیم کرتا ہے۔ اور اُس سے خلاف امید باتوں کا ظہور ہو جاتا ہے " جادوگر ہمیشہ علم نجوم۔ علم غیب۔ افسونگری میں اپنی اوقات بسر کرتے تھے اور پہلی سیڑھی اُن کی یہ ہوتی تھی کہ وہ روحوں اور شیاطین کو مسخر کریں۔ کوئی عجیب چیز جسکا ظہور قوانین قدرت کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے جادو کے عقیدہ نے نہ صرف علم کے حق میں اُسے مضر ثابت کیا بلکہ لوگوں کے دماغ میں اپنا ایسا زہریلا اثر قایم کر دیا کہ صدہا برس کے تغیر و تبدیل کے بعد بھی نہیں نکلا۔ پلینی کا بیان ہے کہ جادو نے اگرچہ عامۃ الخلایق کے عقاید کا ستیاناس کر دیا پھر بھی اس سے تین قسم کا علم جو بجائے خود واجب التوقیر ہے حاصل ہو گیا۔ اس میں کسی کو بھی شبہ کرنے کی گنجایش نہیں ہے کہ جادو کا علم طب سے نکلا ہے۔ طب کے عجیب وغریب کرشموں نے لوگوں کے دلوں میں جادو کے عقیدہ کو مستحکم کر دیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اتنی جلدی صحت ہو جانا ضرور ارواح اور شیاطین کی مدد سے ہوا کرتا ہے۔ اصل حقیقت کو سمجھنے والے تو بہت کم ہوتے ہیں

کو جو اُن کی سمجھ میں نہ آئے جادو کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کفار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور قرآن کو جادو سے تعبیر کرتے تھے ایسے اشخاص انلی گمراہ تھے جو جادو کی ایک ہستی قایم کر کے انتخاب کائنات کی نسبت یہ ہرزہ درائی کرتے تھے۔ ہم قرآن کی اُن آیتوں پر جن میں جادو کا بیان ہے مضمون کے اخیر حصّہ میں بحث کریں گے۔ پہلے ہم تو دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علمائے کرام کا سحر کی نسبت کیا خیال ہے اور وہ اسے کیا سمجھتے ہیں اگرچہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ جادو کو برحق سمجھنا بعض غلط فہمی کی وجہ سے ہمارے عقاید میں داخل ہو گیا ہے۔ تاہم ہمیں اس کی گہری تحقیق کرنی چاہیئے اور بتانا چاہیئے کہ قرآن مجید اس کی نسبت کیا رائے دیتا ہے۔ اور ہمارے علما کیا فرماتے ہیں۔

سحر کی ابتدا یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جن شیاطین اور آدمی مِل جُل کے رہتے تھے۔ شیاطین یا جنوں نے حضرت سلیمان کی امت کو ارواح خبیثہ کی پرستش کے طریقے اور اُن پر قبضہ پانے کے قاعدے بتانے شروع کیئے اِس تعلیم سے خدا پرستی میں فرق آنے لگا جب حضرت سلیمان کو یہ حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ سب جن اور شیاطین کو حاضر ہونے کا حکم دے چنانچہ وزیر نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ کُل طُرق اور قواعد ارواح پرستی کے تم ایک کتاب میں قلمبند کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کیگئی اور اُن اسما کی ایک کتاب بن کے تیار ہو گئی حضرت سلیمان نے اُس کتاب کو اپنی کرسی کے نیچے جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے دفن کر دیا۔ اِس کے یہ معنی ہوئے کہ پھر ارواح پرستی کا علم ہٹ گیا۔ جب تک حضرت سلیمان زندہ رہے یہی کیفیت رہی مگر جب آپ کی وفات ہو گئی اور آپ کا وزیر آصف بن برخیا بھی رحلت کر گیا تو جنوں اور شیاطین نے عجیب چالاکی کی یعنی لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان نے جادو کے زور سے یہ کُل حکومت کی تھی اور اسی سحر کی وجہ سے وحشی۔ جن شیاطین سب اُن کے مطیع ہو گئے تھے۔ وہ اُن کُل جادوؤں کی کتاب اپنی کُرسی کے نیچے دفن کر گئے ہیں اگر وہاں سے

مگر ظاہری حالات کو دیکھ کے حکم لگانے والے ہمیشہ کثرت سے ہوا کرتے ہیں۔ پھر یہ علم نجوم میں جا کے مِل گیا اس وجہ سے کہ نافہموں نے یہ خیال کر لیا کہ ہر چیز کا ظہور آسمان سے ہوتا ہے ضرور ستاروں اور سیاروں کا ہم پر اثر پڑتا ہے۔

اگر پیا نے جادو کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ فطری۔ علوی۔ اور مافوق القدرت۔

فطری جادو وہ ہے جس سے قوانین قدرت کے موافق عجائبات کا ظہور ہوتا ہے اور نظام کائنات اسی فطری جادو سے قایم ہے۔ مرنا جینا سب اسی جادو سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بہت سے عجائبات سماویہ مطلق سمجھ میں نہیں آتے جو روزمرہ یا کبھی کبھی ہماری آنکھوں کے آگے حادث ہو کے معدوم ہو جاتے ہیں جن کا سبب ہم نہیں دریافت کر سکتے۔ اور جن کے حادث ہونے کے صحیح اسباب ہماری ضعیف اور محدود عقول نہیں پا سکتیں۔ تو بھی اس صورت سے ہمارے بہت سے تجربے فطری فلسفہ بالخصوص بجلی علم مناظر و مرایا اور علم قوت مقناطیسی اسی قسم کے جادو کی ایک شکل پیدا کرتے ہیں۔ ناواقف اور وحشی لوگ ان ہی کو کرامت سمجھتے ہیں۔ رجواڑوں میں جب نئی ریل جاری ہوئی ہے تو ہزاروں ہندوؤں نے انجن کو سجدہ کیا تھا اور اُسے دیوتا مانتے تھے اب بھی

کھود کے نکال لی جائے تو تمام جادو بآسانی آسکتے ہیں اور ہر شخص حضرت سلیمان کی طرح تمام عالم کی مخلوق پر قبضہ رکھ سکتا ہے۔ شیاطین اور اجنہ کے اس اغوا میں آکے لوگوں نے کرسی کے پایہ والے مقام کو کھود ڈالا اور اس میں سے وہ کتاب نکال لی جو جادو کے اسم اس میں تحریر تھے سب پڑھنے شروع کیئے۔ ان سے عجائب وغرائب چیزوں کا ظہور ہوا۔ الہامی کتابوں کو لوگوں نے مطلق پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور ہر شخص سحر کی کتاب کو ازبر کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اُن کی تمام ہمت افسوں گری اور جادو ٹونے میں مصروف ہونے لگی۔ تمام وہ خیالات جو حضرت سلیمان خدا پرستی کی بابت اُن میں رائج کر گئے تھے بتدریج نسیاً منسیاً ہوگئے۔ ہر قسم کے افسوں اُن کے معبود بن گئے اور وہ ان ہی فاسد خیالات کی پرستش کرنے لگے۔ جب اجنہ اور شیاطین نے یہ دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت پوری گم راہ ہوئی اور اب یہ کبھی بھولے سے بھی خدائے عزوجل کا نام نہیں لیتی وہ رفتہ رفتہ گم ہونے شروع ہوئے اور اخیر لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ اس وجہ سے یہودیوں کے دین کو سخت صدمہ پہنچا۔ کتب اللہ سے اعراض کرنے سے اُن کے روحانی امراض بڑھنے لگے۔ بتوں اور ارواح خبیثہ

ہندوستان میں لاکھوں بلکہ کروروں آدمی اس قسم کے ہیں جو انگریزوں کو جادوگر خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ جادوگر کہلاتے تھے جو فطری علوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور روزمرہ اپنے علم کے ذریعہ سے نئے نئے تجربات دکھاتے تھے۔ مثلاً کیمیا کے بہت سے پُراثر تجربے ہیں کہ اگر ناواقف کے آگے دکھائے جائیں تو وہ انہیں جادو سے تعبیر کرے گا۔ اور اسے یقین ہو جائے گا کہ عامل میں مافوق الفطرت ملکہ ہے۔

بپٹنا پوڈا نے ایک علیحدہ ضخیم کتاب فطری سحر پر لکھی ہے جس میں اُس نے اُن فطری اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے عجیب عجیب مشاہدے ہوتے ہیں۔ کیلڈیا والوں کا فطری سحر سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ معدنیات کی قوتوں کو دریافت کریں یا بالفاظ دیگر وہ معدنی طاقتوں کو فطری سحر سمجھتے تھے لیکن سحر یا جادو جسے وہ اپنی زبان میں ھتیو دگیا کہتے تھے اُنہیں دیوتاؤں اور ارواح کی تقربات شامل تھیں تاکہ وہ اُن کی نذرانوں اور قربانیوں کو قبول کرلیں۔ وہ سمجھتے تھے اگر ہماری یہ نذریں اور قربانیاں قبول ہوجائیں گی تو ہم ان کے ذریعہ سے خدا سے باتیں کرلیں گے اور امراض کو اچھا کردیں گے۔

علوی جادو وہ ہے جسکے ذریعہ سے ہر قسم کی ارواح اور تمام ستاروں پر پوری حکومت ہو جائے اور پھر انسان پر پورا قبضہ ہو جائے۔ اِن ہی اصول پر انہوں نے ایک مضحکہ خیز سلسلۂ علم قایم کیا ہے۔

مافوق الفطرت سحر میں شیاطین اور اجنہ کی تسخیر ہے یعنی وہ جادو جس سے شیاطین اور اجنہ مسخر ہو سکیں اس کے اثر بہت بیان اور مضر بیان کیئے گئے ہیں اگرچہ اُن کے عجیب وغریب ہونے میں شک نہیں کیونکہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات فطرت کی قوتوں پر اپنے عمل کے زور سے غالب ہوجاتا ہے مگر اصل یہ ہی کہ یہ ساری باتیں محض افسانہ ہیں کبھی ایسے عجیب مشاہدے نہیں ہوئے۔ خیالات اور مشرقی فسانوں میں ان کی گنجایش رہی اور یہ وہیں مقید ہوگئے۔ ظہور ان کا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔ فطری قوتوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ یہ امکان سے باہر ہے اس امر کا یقین کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔

اور اسلاف شیاطین کے ناموں کے ورد نے انہیں دین و دنیا کا نہ رکھا۔ وہ ان روحوں اور بتوں پر نذریں اور قربانیاں چڑھانے لگے اور اُن کی پرستش کرنے لگے۔ یہی گویا کفر کی پہلی سیڑھی تھی۔ دوسرا کفران کا یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کی طرف سوءظنی کرنے لگے اور انہیں یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان بھی بُت پرستی کرتے تھے۔ اور اُن کا پختہ عقیدہ ہو گیا کہ حضرت سلیمان بہت بڑے جادوگر تھے۔ یہ اُن کے کفر کا دوسرا درجہ تھا۔

ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے محمد کو دیکھو صادقوں کے ساتھ کاذب کو بھی ملاتا ہے۔ حالانکہ سلیمان بُت پرست اور جادوگر تھا اُسے یہ معصوم پیغمبروں کی فہرست میں رکھتا ہے۔ وہ ایسا جادوگر تھا کہ اپنے جادو کے زور سے ہوا کو گھوڑا بنا کے اُس کی پیٹھ پر سوار ہوتا تھا' جب یہودیوں نے اس کا غل و شور مچایا تو خداوند تعالیٰ نے فرقان کریم میں فوراً اُس کی تردید کر دی جہاں فرمایا ہے" وما کفر سلیمان" یعنی سلیمان ہرگز کافر نہ تھا۔ اگر کوئی پیغمبر ایسا کرے تو وہ کبھی کفر سے نہیں بچ سکتا۔ وہ تو حضرت سلیمان نے معجزے دکھائے تھے۔ اِس لیئے جن اور انس اور خدا کی دیگر مخلوق اُن پر ایمان لے آئی تھی۔ بھلا معصوم پیغمبروں کو سحر افسوں گری اور بتوں پر نذر و قربانی چڑھانے سے کیا تعلق۔ چونکہ یہودیوں نے حضرت سلیمانؑ کی ذات پر بہتان

ہمارے پاس اس یقین کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں کہ اِس قسم کے جادو کی بنیاد سب سے پہلے مصر میں پڑی جہاں بُت پرستی خوب زور و شور سے رائج تھی۔ اور یہ خطہ بُت پرستوں کے خدا کے نام سے مشہور تھا۔ تاریخ میں اول ہی جادوگر مصری لکھے گئے ہیں۔ مصری۔ شیاطین پر اِس امر کا یقین رکھتے تھے کہ جادو کے بہت بڑے اور زبردست موکل بھی ہیں مگر انہوں نے ان شیاطین یا اجنہ کو اربع عناصر پر بھی پوری قدرت دے دی تھی۔ اور اُن کا یقین تھا کہ ہوا آگ اور پانی پر یہ پوری حکومت رکھتے ہیں۔ اور انسانی کل معاملات بالکل ان کے قبضہ میں ہیں جہاں انہیں کوئی خفیف یا شدید مرض ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ شیطان یا جن کا اثر ہے اور کوئی سبب مرض کے حادث ہونے کا نہیں ہے۔ مثلاً جب کسی شخص کو بخار چڑھتا تھا تو ہرگز اُس بخار کے فطری سبب کی جستجو نہ کی جاتی تھی۔ فوراً جادوگر یا عامل سے تعویذ گنڈے وغیرہ لاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ بغیر اِس ترکیب کے صحت ناممکن ہے

یہ مافوق الفطرت باتیں مصر سے تمام مشرق میں پھیل گئیں یہاں تک کہ جب یہودی بابل میں گرفتار ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی اس پر عمل پیرا ہونا شروع کیا۔ اس کا اثر انجیل نویسوں پر بھی پڑا۔ اُنہوں نے تمام مریضوں کو حضرت عیسےٰ سے جھاڑ پھونک کرا کے ہی اچھا کرایا ہے۔ چاروں انجیلوں میں موجود ہے کہ جب کوئی مریض حضرت مسیح کے پاس آتا تھا تو آپ کبھی یہ نہ فرماتے تھے کہ تم طبیب کے پاس جاؤ۔ بلکہ آپ کچھ دم فرماتے تھے اور وہ چنگا ہو جاتا تھا۔ حکیم فیثا غورث اسی قسم کا جادو کیلڈیا اور مصر سے سیکھ کے آیا تھا۔ جس کی تعلیم اُس نے افلاطون کے شاگردوں کو یونان میں کی تھی۔ فیثا غورث کے سوانح عمری میں اِس کا بیان مفصل کیا گیا ہے کہ وہ اور اُس کے شاگرد کیوں کر جادو کی تعلیم کرتے تھے اور کیسے کیسے عجیب افعال اُن سے سرزد ہوئے تھے جمبلیکس کا بیان ہے کہ فیثا غورث کے شاگرد اپنے جادو سے اکثر مریضوں کو اچھا کر دیتے تھے۔ پروفری کہتا ہے کہ فیثا غورث کے مرید نہ صرف امراض جسمانی بلکہ دماغی یا ضمیری بیماریوں کو بھی جھاڑ پھونکی سے چنگا کر دیتے تھے۔ یہی کالدوائی بعینہ مصری

عظیم اُٹھایا تھا اس لیئے وہ کافر مطلق ہو گئے۔ اور اُن کے کفر میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں رہا۔ وہ اسی وجہ سے لوگوں کو سحر کی تعلیم کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے "ویعلمون الناس السحر" یعنی لوگوں کو اعمال سحر کی تعلیم کرتے تھے اُن کے افترا اور دروغ سے لوگوں نے دھوکا کھا کے جادو اور افسوں گری میں اپنے کو متوجہ کر لیا۔ عام طور پر یہ پورا یقین ہو گیا تھا کہ درحقیقت سحر بذات خود کوئی بُری چیز نہیں۔ کیونکہ جب پیغمبروں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی بلکہ اپنی کامیابی کا اسے بہت بڑا آلہ بنایا پھر اسکا سیکھنا کسی طرح بھی بُرا نہیں ہوا۔ وہ جادو کے سیکھنے میں بتوں کی وہ تعظیم کرتے تھے جو رب العزت کی شایان شان تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان ارواح خبیثہ کو غیب دانی میں بہت بڑی دستگاہ حاصل ہے۔ وہ مشکل کشائی میں ید طولےٰ رکھتی ہیں۔ اگر انہیں مسخر کر لیا جائے تو دین و دنیا کی ہر چیز بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہمارے علمائے کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کا سحر جس میں غیر اللہ کی قربانی کی جائے۔ ارواح کو عالم غیب اور مشکل کشا سمجھا جائے یا بتوں کو سجدہ کیا جائے بہت بڑا کفر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے اور اُس پر فتوائے ارتداد جاری ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُس کے توبہ کی بھی مُہلت دی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد ہے تو اُسے تین دن کی مُہلت دینی چاہیئے تاکہ وہ توبہ کرے اور ایسے قول و فعل پر لعنت کرے۔ اور اگر تین دن تک وہ توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دینا چاہیئے اور اُس کا جنازہ نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن

پیشواؤں کی تھی جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ موکلوں یا جنات سے تعلقات رکھتے ہیں اور اُنہیں اُن پجاریوں نے مقدس راگوں اور عملوں کے زور سے مسخر کر لیا ہے۔ فیثا غورث کا بیان ہے کہ جس پر جن بھوت پریت یا آسیب کا سایہ ہو وہ عمل کے موکلوں کی مدد سے بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں سے بھی اچھا ہو سکتا ہے اور جادو کے راگوں سے بھی اُسے چنگا کر سکتے ہیں۔ اور کبھی صرف گانے سے ایسا مریض صحت پا سکتا ہے۔

فاضل موسیٹم کا بیان ہے کہ قدیم مشرقی اقوام کا یہ عقیدہ ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے پڑھنے سے جن بھوت پریت اور تمام ارواح پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے بھی الفاظ ہیں جو روحوں کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں اور ایسے بھی الفاظ ہیں جو آسیب وغیرہ کو زیادہ مرغوب ہوتے ہیں۔ جب یہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ کسی جن کو تسخیر کیا جائے تو جادوگر وہ راگ گانا شروع کرتے ہیں جو اُس جن کے مرغوب طبع ہوتا ہے۔ اس صورت سے وہ اُس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جب وہ کسی جن کو بھگانا یا جلانا چاہتے ہیں تو وہ راگ گاتے ہیں جو اُس جن کے تن بدن میں سوئیاں لگا دیتا ہے اور پھر وہ جن غل مچاتا ہے۔ اور بھاگ جاتا ہے یا جل جاتا ہے۔ ساتھ ہی دوسری ترکیب یہ کی جاتی ہے کہ ایک تقطیع سونے کی یا چاندی کی جن زدہ کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اور اُس میں وہ نقش کندہ کیئے جاتے ہیں جو جن کو مرغوب نہیں ہیں اور اُس نقش یا حروف سے اُس جن کے سوئیاں چُبھنے لگتی ہیں اور پھر آگ لگ جاتی ہے۔

سیری نکس سامونیکس لکھتا ہے کہ لفظ ابراکاڈابرا ایک ایسا زوداثر لفظ ہے جس سے بخار اور معمولی بیماریاں

کیا جائے۔ نہ مسلمان اُسے ہاتھ لگائیں اور نہ اُس کی ہر گز کوئی فاتحہ درود کی جائے اور نہ صدقات دیئے جائیں اور اگر کوئی عورت ہے اور اُس نے ایسا کیا ہے تو ہمارے امام شافعی رح کی تو یہ رائے ہے کہ مرد کی طرح اُسے بھی تین دن کی مہلت دینی چاہیئے اگر تین دن میں وہ باز آگئی اور اُس نے توبہ کر لی تو خیر نہ توبہ کی تو اُسے بھی قتل کر دینا چاہیئے۔ اور جو مرد کے جنازے کے ساتھ سلوک ہوا ہے وہی اُس کے ساتھ بھی کیا جائے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی یہ رائے ہے کہ جب تک وہ توبہ نصوح نہ کرے اُسے قید رکھنا چاہیئے۔

اس کے بعد جادو کی ایک اور صورت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر جادو کے عمل سے کوئی صورت ارتداد اور کفر کی نہ پائی جاوے مگر جادو کرنے والا یہ دعوےٰ کرے کہ مجھ میں وہ طاقت ہے کہ اپنے جادو سے خدا کا کام کر سکتا ہوں مثلاً آدمیوں کو جانور اور جانوروں کو آدمی بنا سکتا ہوں یا پتھر کو لکڑی اور لکڑی کو پتھر کر سکتا ہوں یا پیغمبروں کے سے معجزے دکھا سکتا ہوں جیسے کہ پرند بنا کے ہوا میں اوڑانا یا ایک سال کی مسافت کو چشم زدن میں طے کر سکتا ہوں وہ شخص بھی مُرتد اور کافر ہے۔ ہاں اگر وہ یہ بیان کرے کہ یہ اعمال میں نے اِس لیئے سیکھے ہیں کہ میں اس سے قتل نفس کر سکتا ہوں یا بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنا سکتا ہوں اور امن میں خلل ڈال سکتا ہوں یا فساد رفع کر سکتا ہوں تو ایسا شخص فاسق اور مزوّر ہے۔ اِس جادو کو فسق اور تزویر کہیں گے۔ اخیر ایسے شخص کو بھی قتل کر دینا چاہیئے کیونکہ اُس کی ذات سے فساد کا اندیشہ ہے اور وہ ضرور بے گناہوں کو دق کرے گا اور اُنہیں ستائے گا۔ اِس حکم میں ساحرہ اور ساحر میں کچھ فرق نہیں ہے دونوں کی ایک ہی سزا ہے۔ ہمارے امام فخر الدین رازی اور زاہدی کا اسپر صاد ہے اور وہ اِس رائے سے متفق اور علما کے اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ میں جادو کرتا ہوں یا ثبوت ہو جائے کہ وہ جادوگر ہے تو اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے۔ اس کو توبہ کی بھی مہلت دینے کی ضرورت

زایل ہو جاتی ہیں اور وہ الفاظ جن کے پڑھنے سے جن کچھ کام کرتا ہے یا دوسرے کو ستاتا ہے یا اور کوئی نیا کرتب کرتا ہے یہ ہیں "ڈائش۔ مائش۔ جسکٹ۔ بینی۔ ٹوبیٹ۔ ڈاڈویما۔ ایبی ٹیماس" اور بھی صدہا قسم کے الفاظ ہیں جو نہ صرف عبرانی بلکہ مختلف زبانوں سے لیئے گئے ہیں۔

جب سے کہ علوم جدیدہ نے اپنی روشنی پھیلائی۔ یورپ اور ایشیا کی مہذب قوموں سے یہ فاسد عقاید ہٹ گئے ہیں۔ اب کوئی اپنا عزیز وقت اِن بیہودگیوں میں صرف نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے معتقد کچھ نہ کچھ دنیا کے ہر حصّہ میں موجود ہیں۔ چین و افریقہ ان ہی قسم کے خیالات سے بھرا پڑا ہے اور ہندوستان و ایران و شام و روم میں جو لوگ ناتعلیم یافتہ ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اب تعویذ گنڈوں کی کیفیت سُنیئے۔ یہ طریقہ بھی قدیم مصری قوموں کا ایجاد کیا ہوا ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی رایج ہو گیا۔ ہم یہاں نقش۔ تعویذ وغیرہ کی کچھ کیفیت لکھنا چاہتے ہیں۔

نہیں ہے۔ اور اگر وہ کہے بھی کہ میں توبہ کرتا ہوں اور جادو سے دست بردار ہوتا ہوں پھر بھی اُسے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ ایسے شخص کی توبہ کبھی پذیرا نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر وہ اِس امر کا ثبوت دیدے کہ میں نے پہلے جادو کا عمل کیا تھا مگر اب ایک مدت سے اُسے چھوڑ رکھا ہے تو اُسے معاف کر دینا اور اُسکے قتل سے دست بردار ہو جانا چاہیئے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے جادو کرکے کسی کو مار ڈالا اور پھر خود اقرار بھی کرلیا کہ میں نے جادو سے اسے مارا ہے اور میرا جادو ہمیشہ مہلک ثابت ہوا ہے تو اسپر قصاص واجب ہوگیا۔ بے شک وہ شخص فوراً قتل کر دیا جائے اور اگر اپنے اظہاروں میں یہ بیان کرے کہ میرے جادو سے تو یہ مرا ہے مگر میرا جادو کبھی مہلک ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے تو گویا یہ قتل شبہ عمد میں داخل ہے اور اُس پر احکام شبہ عمد جاری ہونے چاہئیں اور اگر وہ اپنے یہ اظہار دے کہ جادو تو میں نے دوسرے شخص پر کیا لیکن چونکہ متوفی اُسکا ہمنام تھا اس سبب سے میرا جادو اس پر چل گیا اور یہ ہلاک ہوگیا۔ یا یہ بیان کرے کہ جادو کے موضع میں یہ چلا گیا تھا اس وجہ سے اس کی ہلاکت ہوئی تو اس قتل کو قتل خطا کہیں گے۔ خطا کے احکام اسپر جاری ہونے چاہئیں

ہمارے علمائے کرام کا یہ بھی مذہب ہے کہ خارق عادت افعال جو محض خدا کی قدرت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اکثر اوقات اولیاء سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً صورتوں اور اشکال کا بدل دینا۔ مُردوں کا زندہ کرنا اور برسوں کی مسافت چشم زدن میں طے کر جانا جو کام پیغمبروں کے ہیں اولیا بھی کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان اولیا کے واقعات زندگی لکھے ہیں وہ انہیں کرامات بیان کرتے ہیں۔ اور ایسی کرامتوں کا ذکر اُن کے مناقب

مربع سحر۔ ایک ایسا مربع جو ریاضی کے اصول سے بنایا جائے اور اُس میں خانے بناکے ہندسے لکھے جائیں اور جس صورت سے اور جس رُخ سے اُن ہندسوں کو جمع کیا جائے حاصل جمع ایک ہی ہو۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو مثلاً ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ وغیرہ ۲۵ تک اگر فطری مربع ہوگا تو باقاعدہ شمار کرنے سے ۶۵ حاصل جمع ہوں گے۔ اور اگر اُن ہندسوں کو اس صورت سے رکھیں گے کہ جس طرف سے شمار کرو ۶۵ ہی ہوں تو وہ مربع سحر ہو جائے گا جسکا نمونہ حسب ذیل ہے۔

فطری مربع

۱	۲	۳	۴	۵
۶	۷	۸	۹	۱۰
۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵
۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰
۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵

مربع سحر

۲۵	۲	۸	۱۴	۱۶
۹	۱۱	۲۰	۲۲	۳
۱۷	۲۳	۴	۶	۱۵
۱	۱۰	۱۲	۱۸	۲۴
۱۳	۱۹	۲۱	۵	۷

ہیں بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر نسبت فعل الٰہی بغیر کفر کے ہے تو بھی اس جگہ کفر لازم آتا ہے اور اگر ان کی نظر اسباب ظاہری پر ہے اور وہ غیر ہیں تو ہرگز کفر نہیں ہے جب یہ بات ہے تو ساحروں کو کافر اور واجب القتل کیوں شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو حاضرات وغیرہ کرتے ہیں اور چلے کھینچتے ہیں اُن کی مشابہت بھی جادوگروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اُنہیں بھی جادوگر کہنا چاہیئے۔ اِس کا جواب ہمارے علمائے کرام نے یہ دیا ہے کہ خارق عادات افعال خواہ اُن کی شبیہ پیغمبروں کے معجزوں سے ہو خواہ وہ دوسری جنس سے ہوں۔ مقدور قدرت الٰہی ہیں خدا ہی کے حکم سے اُن کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہ افعال جو اولیاء کے ہاتھوں سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ افعال جنہیں جادوگر کرتے ہیں اس میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ اولیا ایسے افعال کا صدور خدا کی طرف کرتے ہیں اور جادوگر اپنی طرف یا اپنے موکلوں کی طرف کرتے ہیں۔ اور اُن افعال کو اپنے قابو کا جانتے ہیں اور اپنی قدرت پر گھمنڈ کرتے ہیں۔ اور اپنے اصنام اور ارواح خبیثہ پر قربانیاں کرتے ہیں اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ اس میں شرک صریح لازم آتا ہے اور یہی کفر ہے۔ اسیطرح اوراد

یہ نقش جو ہم نے درج کیئے ہیں کئی ہزار برس پہلے مصریوں میں رائج تھے اور نقشوں کا نام بھی ہوتا تھا۔ چمڑے۔ پتوں اور سونے چاندی کی تقطیعوں پر لکھ کے اُنہیں جن زدہ یا مریض کے گلے میں ڈالا کرتے تھے اور تمام مافوق الفطرت ظہور انہی نقشوں سے خیال کرتے تھے۔ ہر ہندسہ پر ایک موکل قرار دیا جاتا تھا اور اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ہر ہندسہ کا نگہبان ایک جن یا موکل یا شیطان ہے جو لمحہ بھر کے لیئے اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ یہ دونوں نقش نیک باتوں کے لئے استعمال کئے جاتے تھے اور اُن سے کوئی بُرائی پیدا نہیں ہوتی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ طلسم نویسوں اور نقش بنانے والوں نے ریاضی میں دخل در معقولات دے کے مُفت میں اُسے ستیاناس کر دیا اور جو مطالب کہ ریاضی سے پیدا ہوئے یا اُسوقت ہوتے اُن پر پانی پھیر دیا۔ اب جبکہ ریاضی نے وہ کام کیا ہے جس پر حیرت ہوتی ہے اور جس سے قومی اور ملکی ترقی وابستہ ہے افسوس ہے کہ اب بھی اسی فضول رستہ میں ریاضی جیسا شریف اور نجیب علم کس بے دردی سے برباد کیا جاتا ہے اور جس سے قدرت کے کرشمے اور فطرت کے عجیب منظر شاہد ہوتے ہیں اُسے جھاڑ پھونکی میں صَرف کر کے اپنی انسانی فضیلت کو مٹایا جاتا ہے۔ اور اُن ہندسوں کو جن سے تمام عالم کے نظامات وابستہ ہیں کیا تو گھول کے پلایا جاتا ہے یا تقطیع پر کندہ کرا کے کسی کے گلے میں ڈلوا دیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اِن جادو کے مربعوں کا موجد سب سے پہلے ایک یونانی مصنّف موکوپولس ہوا ہے۔ اور جہاں تک معلوم ہوتا ہے اُس نے اِن نقوش سے کسی قسم کا ریاضی کا کام نہیں لیا تھا بلکہ مافوق الفطرت اثرات پیدا کرنے کے لیئے استعمال میں لایا کرتا تھا۔ اُس نے چند قواعد چھوڑے ہیں جن کی رو سے اس قسم کے نقش بن سکتے ہیں

کارنی لیس الگو پیا جو بجائے خود جادو کا بہت بڑا مخالف تھا سات نقشوں کا موجد ہوا ہے جو ابھی تک اُس کی کتاب میں موجود ہیں۔ اس کے بعد ان سات نقشوں پر سب کا عملدرآمد رہا۔ اور سب نے انہیں پسند کیا۔ ہر نقش اگو پیا اور اُس کے

دینا۔ توسیع رزق۔ اور شفائے مریض کر کے اپنی ارواح خبیثہ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری قدرت اور اُن کی کوشش سے اولاد پیدا ہوئی یا رزق میں وسعت ہوئی یا مریض شفا یاب ہوا۔ ان کے خلاف اولیا بھی یہ ساری باتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کرتا ہے خداوند تعالےٰ کرتا ہے۔ ہم تو صرف کسی مطلب حاصل ہونے کے لیئے دعا کرتے ہیں اور ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد ہمارے علماء نے سحر کی حقیقت اور اُس کے اقسام بیان کئے ہیں جو ہم اپنی تفسیر کے ناظر کے آگے پیش کرتے ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ کونسا جادو کفر ہے۔ کونسا فسق۔ کونسا مباح جو شریعت میں جائز ہو۔

جادو یا سحر اسے کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے افعال عجیبہ اور خارق عادات بغیر امداد الٰہی کے قبضہ ہو جائے۔ چونکہ خفیہ اسباب عالم میں کئی قسم کے ہیں اس لئے جادو کی بھی کئی قسمیں ہوئیں خفیہ سبب یا تو روحانیات کی تاثیر سے یا جسمانیات اور روحانیات کی مشتملہ قوت کی تاثیر سے یا صرف جسمانیات کی مطلق تاثیر سے۔ کبھی روحانیات کواکب و افلاک پر قبضہ پانے سے کبھی روحانیات عناصر پر کبھی روحانیات امراض وجن و شیاطین و نفوس مفارقہ بنی آدم پر تصرف حاصل کرنے سے افعال عجیبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اور بھی بہت سی صورتیں بیان کی گئی ہیں جنہیں ہم بسبب طول کے نہیں لکھتے۔

علماء نے جادو کی عمدہ اقسام میں سحر کلدائن اور سحر بابل کو قرار دیا ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مذاہب باطلہ کے رد اور اُن کے عقاید کے ابطال کے لیئے مبعوث ہوئے تھے۔ جادو کا علم ہاروت اور ماروت سے نکلا ہے کہ بابلیوں نے اِس علم کو اُن سے سیکھ لیا تھا۔ اور اسی علم میں تعمق بہت کرتے تھے اور کلدانی

شاگردوں کی تحریر کے مطابق ایک ایک سیارے کے لیئے مخصوص ہے۔ مثلاً ۳ کا مربع زحل کے لئے مخصوص ہے ۴ کا مربع مشتری کے لیئے ۵ کا مربع مریخ کے لیئے۔ ۶ خورشید کے لیئے ۷ زہرہ کے لیئے ۸ عطارد کے لیئے ۹ چاند کے لیئے۔

بچیت لکھتا ہے کہ میں نے جادو کے مربعوں کا علم بہت دنوں تک حاصل کیا اور اُس نے ان سات نقوش کے علاوہ دو نقش ۲۵ اور ۴۹ کے ایجاد کیئے جنہیں اُس نے بہت کار آمد پایا۔ اسکے بعد فرہے نکل پیدا ہوا جس نے اِس علم کا مطالعہ کیا اور اُس میں ایک حدتک بڑی قابلیت حاصل کرلی۔ ایک بڑے جبر مقابلہ جاننے والے کا بیان ہے کہ سولہ عدد جن سے ایک مربع بنے وہ مختلف طرق سے ایک فطری مربع میں ۲۰۹۲۲۷۸۹۸۸۸۰۰۰ پر تقسیم ہوسکتے ہیں مگر یہ جادو کے مربع میں صرف سولہ مختلف طرق سے زیادہ تقسیم نہیں ہوسکتے لیکن فرہے نکل کا بیان ہے کہ سولہ عدد جادو کے مربع میں ۸۸۰ طرق سے تقسیم ہوسکتے ہیں۔ اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے کس قدر بڑھ گیا ہے۔

اپنی اِس تحقیق میں اُس نے ایک اور مشکل بات شامل کردی ہے جو پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ مثلاً ۷ کا مربع سحر لو اور اُس کے ۴۹ خانے بھرو۔ اگر خانہ کی موافق قطاریں لیجائیں اور ساتھ ہی عمودی قطاریں خانہ کی شمار کی جائیں جو وسط مربع سے بہت دور ہوں یعنی تمام کنارہ یا محیط مربع لے لیا جائے تو پھر ایک ایسا مربع رہ جائے گا جس کی اصل ۵ ہوگی

جو بابل کے رہنے والے تھے اسی علم میں زیادہ تر مشغول تھے۔ علمائے مورخین کا بیان ہے کہ بابل کے حکیموں نے نمرود کے زمانہ میں جو بابل کا بادشاہ تھا چھ طلسم بنائے تھے جو وہم اور ادراک میں نہ آتے تھے۔ اور ان کے سمجھنے سے عقل چکر میں تھی۔ ان طلسموں میں ایک بط تھی جو تانبے کی بنائی گئی تھی اُس میں یہ عجیب جادو رکھا تھا کہ جہاں کوئی جاسوس شہر میں آیا اور اُس بط نے غل مچانا شروع کیا۔ وہ بط اس زور سے غل مچاتی تھی کہ اُس کی آواز شہر کے کل آدمی اچھی طرح سُن لیتے تھے وہ آواز سُن کے سمجھ جاتے تھے کہ کوئی جاسوس آیا ہے یا کوئی چور شہر میں وارد ہوگیا ہے فوراً اُس جاسوس اور چور کو گرفتار کر لیتے تھے۔ دوسرا طلسم ایک نقارہ تھا جس میں یہ جادو رکھا گیا تھا کہ اگر کسی کا کوئی عزیز قریب رشتہ دار گم ہو جاتا تھا تو وہ شخص اُس کے پاس آتا تھا اور ایک چوب اُس نقارہ پر مارتا تھا وہ طبل غل مچا کے کہتا تھا کہ تیرا دوست یا رشتہ دار یا تیری فلاں چیز فلاں جگہہ اور فلاں مقام پر ہے۔ وہیں وہ شخص یا وہ چیز ملجایا کرتی تھی۔

تیسرا طلسم ایک آئینہ تھا جو چھپی ہوئی چیزوں کا عکس دکھا دیتا تھا۔ خواہ وہ چیز زمین کی تہ میں ہو خواہ پانی میں ہو معلوم ہو جاتی تھی۔

چوتھا طلسم ایک حوض تھا جس کے کنارے پر سالانہ ایک جشن ہوا کرتا تھا اُس جشن میں اعیان واشراف شہر جمع ہوتے تھے اور ہر شخص قسم قسم کے شربت اور مربے لاکے اُس حوض میں ڈال دیتا تھا۔ پھر مہ روساقی اُس حوض کے کناروں پر بیٹھتے تھے اور جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی اُس حوض میں سے پیدا ہو جاتی تھی خواہ کسی قسم کا شربت ہو خواہش کے مطابق اُس حوض میں سے نکل آتا تھا۔

اور جس میں ۵ ۲ خانے ہوں گے۔ اب یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مربع جادو کا مربع نہیں رہا بلکہ فطری مربع ہو گیا۔ کیونکہ بڑی قطاریں پہلے شمار کرنے سے نظر انداز کر دی گئی تھیں صرف وہی خانے شمار کیئے جاتے تھے۔ جو وسط میں تھے۔ اور جن کا شمار سات ہوتا ہے۔ اِس طرح سے جب ایک خانہ کو دوسرے خانہ سے ضرب دیں اور پھر دو خانوں کو بیچ میں سے نظر انداز کر جائیں ظاہر ہے کہ اُن کے حاصل جمع سے مطلوبہ عدد پیدا نہیں ہوگا۔ لیکن تو بھی فرےنکل کو اطمینان نہیں ہوا جبکہ مربع سحر یا اُس کا کنارہ الگ کر دیا گیا پھر بھی باقیماندہ مربع مربع سحر ہی رہا۔ اِس میں شک نہیں کہ اخیر صورت میں ضرور باقیماندہ مربع مربع سحر ہی ثابت ہوتا ہے۔

پھر اُس نے اِس صورت کو بھی پلٹ دیا اور بیان کیا کہ چاہے کوئی سا محیط مربع لے لو تو بھی کئی محیط دائرے مربع سے بالکل علیحدہ ہوں گے یعنی اُنہیں علیحدہ کرنے سے یہ مربع سحر نہیں رہنے کا۔

اصل یہ ہے کہ فرےنکل نے اپنے مربعوں کے قواعد منضبط نہیں کیئے اور جو کتاب اُس نے تصنیف کی ہے اُسکی زندگی میں اُس کی اشاعت بھی نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد ۱۶۹۳ء میں اُس کی کتاب کی اشاعت ہوئی تھی۔

۱۶۸۸ء میں پانگناڈ نے ایک کتاب صرف جادو کے مربعوں کے بیان میں شایع کی اُس سے پہلے سوئے فطری

پانچواں طلسم ایک تالاب تھا جو قضیے اور جھگڑوں کے رفع کرنے کے لیئے بنایا گیا تھا جب دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہوتا تھا وہ دونوں تالاب پر چلے آتے تھے اور تالاب میں کود پڑتے تھے جو شخص حق پر ہوتا تھا۔ تالاب کا پانی اُس کے ٹخنوں تک آجاتا تھا اور جو شخص ناحق پر ہوتا تھا تالاب کا پانی اُسے ڈبو دیتا تھا۔ ہاں اگر اس نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور توبہ کی تو نجات مل جاتی تھی ورنہ ڈوب جانے میں ذرا بھی توقف نہ ہوتا تھا۔

چھٹا طلسم ایک درخت تھا جو نمرود کے محل کے دروازہ پر لگا ہوا تھا اس درخت کی عجیب خاصیت تھی جہاں اسکے نیچے لوگ جمع ہوئے اُس کا سایہ بڑھتا گیا۔ جوں جوں آدمیوں کی کثرت ہوتی گئی سایہ میں وسعت ہوتی جاتی تھی یہاں تک کہ ایک لاکھ تعداد تک درخت کا سایہ برابر وسیع ہوتا جاتا تھا جب ایک لاکھ آدمیوں کی تعداد پوری ہوجاتی تھی تو وہ درخت سب کو اپنے سایہ میں کرلیتا تھا اور جہاں ایک لاکھ سے ایک شخص بھی زیادہ بڑھا وہ سایہ یکایک گم ہوجاتا تھا اور سب لوگ اپنے کو دھوپ میں بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا دیکھتے تھے۔ بس یہ چھ طلسم تھے جو ہمارے علما اور مورخین نے بابل کے بیان کیئے ہیں اور نہایت استعجاب سے دیکھا جاتا ہے کہ جادو کو کوئی چیز اور حق سمجھنے نے اُنہیں اِن فرضی قصے کہانیوں کے ماننے پر بھی مجبور کردیا۔ ہم اس پر اخیر میں ایک مبسوط بحث کرینگے یہاں تو ہمیں صرف اپنے علما اور مورخین کے خیالات دکھانے ہیں۔

ہمارے علما کا یہ بھی بیان ہے کہ اِس قسم کے جادو حاصل کرنا بہت مشکل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صعوبتیں اُٹھا کے جادو حاصل کرلے تو پھر تمام دنیا کے جزو وکل پر اُس کا قبضہ ہوسکتا ہے۔ ادنے درجہ یہ ہے کہ وہ ایسے امراض کا علاج کرسکتا ہے جو اطبا سے کبھی نہیں ہوسکتا مثلاً برص۔ جذام۔ یا اسی قسم کے وہ امراض جو طبیب اچھے نہیں کرسکتے۔ جادوگر بہت جلد اپنے جادو کے زور سے کلی شفا دیدیتا ہے۔ کسی پہاڑ یا محل کا اُکھڑوا کے منگا لینا یا کسی شہر کو غارت کردینا یا اشرفیوں اور روپوں کا مینھ برسا دینا یہ اِس قسم کے جادوگروں کے بائیں ہاتھ کا داؤں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے جادو کو حاصل کرے بلکہ مدتوں ناقابل برداشت آفتیں اور مصائب اُٹھانے کے بعد یہ جادو حاصل ہوتا ہے۔ اور تو سب کچھ ہی لیکن

مربعوں کے سلسلہ کے اِس ملک میں جادو کے مربعے نہ تھے۔ یہ شخص بروسل کا رہنے والا تھا وہاں اسے کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن پانگناڈ نے دو بڑی بڑی ترقیاں اس میں کیں۔ بجائے اسکے کہ وہ ہندسوں کی کل تعداد لے جن سے کہ مربع بنا ہے مثلاً ۶۴ کا شمار جو فطری مربع کے کُل خانے پُر کرتا ہے جس کے ایک خانہ میں چھ کا ہندسہ ہی وہ صرف وہی تعداد لیتا ہے جو مربع میں اکائی کی ہے اور جو اس حالت میں چھ کی ہے اور یہ چھ کا ہندسہ وہ اس ترکیب سے مربع کے ۶۴ خانوں میں درج کرتا ہے کہ ان میں سے کسی خانہ کا ۶ کا ہندسہ خواہ اسے سرے سے شمار کرو یا بیچ سے یا ترچھی صورت سے تو حاصل جمع وہی ۳۶ ہوتے ہیں پانگناڈ کی کتاب نے ایم ڈی لاہائر کی توجہ اس طرف پھیری جس سے اُس نے جادو کے مربعوں کا ایک اصول قایم کرلیا پہلے اُس نے غیر مادی مربعوں پر خیال رجوع کیا۔ کیونکہ گزشتہ موجدوں نے مساوی مربعوں پر طبع آزمائی کی تھی اور

جادوگر کی قوت یہاں تک بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی دشمن ملک پر حملہ کرے اور اُس ملک میں وہ جادوگر ہو تو وہ اکیلا آگ اور اولوں کا مینھ برسا کے حملہ آور کی ساری فوج کو ہلاک کر سکتا ہے گویا اس میں معاذاللہ ساری خدائی طاقتیں آجاتی ہیں۔ جسے چاہے فنا کر دے اور جسے چاہے حیات مستعار بخشدے۔ تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص میں یہ تمام کمالات موجود ہیں جو اوپر بیان ہوئے تو پھر ایسے شخص کا ہلاک کرنا جیسا ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ اور ہمارے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فتوے دیا ہے۔ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اگر ممکن بھی ہو تو دل نہیں چاہتا کہ ایسا باکمال شخص قبل از وقت عالم سے مٹا دیا جائے۔

حکیم ارسطو جسے معلّم اول کہتے ہیں جادو کا معتقد تھا اُس نے خود ایک روایت بابل کے دو جادوگروں کی بیان کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے (یہ قول ارسطو بھی ہمارے علمائے کرام ہی نے بیان فرمایا ہے) شہر بابل کے دو نامور جادوگر برہماطوس اور بیداغوس تھے۔ ان دونوں میں کچھ تنازع ہوا۔ جب کشید گی زیادہ بڑھی اور گفتگو تیزی کے ساتھ ہونے لگی اور طرفین سے آتشیں طیش انگیز کلمے زبان سے نکلنے لگے تو بیداغوس نے کہا تو قوت اور طاقت میں مجھ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے تو نہیں جانتا کہ مریخ اور زحل تو میرے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تیری تو کیا حقیقت ہے دم بھر میں تجھے خاک سیاہ کر سکتا ہوں۔ یہ سُنتے ہی برہماطوس کے آگ لگ گئی اور وہ غصہ کے مارے کانپ گیا فوراً اُس نے مریخ کی روح سے استعانت کی اور دم بھر میں لاف زن بیداغوس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس قسم کا جادو شرک صریح اور کفر محض ہے اور ایسے جادوگر کے کافر ہونے میں مطلقاً شبہہ کی گنجایش نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے جادو کی کئی شرطیں ہیں جن سے ایمان و اسلام بجا نہیں رہتا اور وہ یہ ہیں۔ اوّل شرط یہ ہے کہ ارواح کو قلوب پر حاوی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ روحوں کو دلوں کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے اگر ایسا یقین نہ رکھے گا تو کبھی قیامت تک روحیں اُس کی التجا نہ سنیں گی نہ اُس پر کار بند ہوں گی۔ دوم کواکب کی روحانیات کی دعوت کرنے میں اول قمر کی دعوت کرے کیونکہ وہ ہماری دنیا سے سب سے قریب تر ین

اور اُنہیں اسی میں زیادہ مشکلات پڑی تھیں۔ اب مذکور الصدر موجد نے یہ بات پیدا کی کہ اگر ہندسوں کی تعداد غیر مساوی ہو تو وسط میں اس قسم کی رقمیں لکھی جائیں کہ جو غیر مساوات کا اثر مطلوبہ حاصل جمع پر ہونے دیں۔ یہ بات حقیقت میں بہت ہی مشکل تھی اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی نہ تھی۔ فرض کرو خانوں کا ایک ایسا مربع ہے جس کی اصل غیر مساوی ہے مثلال کے طور پر ۷ کا ہندسہ لو اور اس مربع کے ۴۹ خانے ہیں جادو کے طور پر بھرنے ہیں تو ایم ڈی لا ھا ئر ایک طرف سے تو اول ہی کے سات عدد لیتا ہے اور اُنہیں اکائی سے شروع کر کے ۷ کی اصل پر ختم کر دیتا ہے اور دوسری طرف سے ۷ کا عدد معہ تمام اُس کے مضروب الیہ عددوں کے ۴۹ تک بلا شرکت غیرے یعنی فرداً فرداً لے لیتا ہے اور چونکہ ان کا شمار چھ ہے اس لیئے اُن میں صفر (۰) اور جوڑ دیتا ہے صفر چھ کے شمار کو سات کر دیتا ہے یعنی ۴۲ ۳۵ ۲۸ ۲۱ ۱۴ ۷ و ۰۰ اس سے وہ اصل مربع کو بطور جادو کے پُر کر دیتا ہے۔ اس بنا پر وہ سرے کے سات خانوں میں جس ترتیب سے چاہے لکھدیتا ہے

ستارہ ہے پھر قمر کے وسیلہ سے عطارد کی دعوت کرے یوں ہی ایک کے وسیلہ سے ایک کی دعوت کرتا چلا جائے قمر کی دعوت میں ایک نقش تیار ہوتا ہے جس پر یہ عبارت لکھی جاتی ہے "ایھا الملك الكريم والسيد الرحيم ومنزل النعمة" اور جب عطارد کی دعوت ہوتی ہے تو نقش پر لکھ کے یہ پڑھا جاتا ہے "ما حصل لی من الخير فهو عنك وكل ما يند فع من الشر منی فهو منك" اس عبارت کو چالیس بار پڑھ کے پھر گیارہ بار یہ پڑھتے ہیں "ایھا السيد الفاضل الناطق العالم بخفيات الامور المطلع على السرائر" بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے قول منافی اسلام و توحید و ملت حنیفی ہے۔ اس قسم کا جادو جو ان الفاظ کے پڑھنے سے حاصل ہو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کا عامل نہ صرف کافر ہے بلکہ گردن زدنی بھی ہے۔ بابل والے ہاروت و ماروت کی تعلیم سے تمام کلی اور جزئی روحانیات سے استعانت طلب کرتے تھے۔ اور کل علوی۔ سفلی۔ فلکی عنصری روحانیات کو تمام عالم پر محیط تسلیم کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امراض کی روحانیات اور غیر مذاہب کی روحانیات کی بھی تسخیر کیا کرتے تھے۔

دوسری قسم کا جادو وہ ہے جس سے جن اور شیاطین کی تسخیر ہوتی ہے اور موجودہ زمانہ میں اُسی کا بہت بڑا زور ہے۔ اکثر اہل ہنود اور مسلمان اپنے خیال میں اس فن میں یدطولےٰ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو جن کو اُتارتا اور بھوت پریت کو جلاتا ہے ہر شہر اور قصبہ میں بکثرت ہے۔ ناواقف اور جاہل مرد اور عورتیں بہت جلد اُن کا شکار بن جاتی ہیں۔ اور اپنی زندگی کا سرمایہ جو بڑی جاں کاہی سے کمایا ہے اُن کی نذر کر دیتی ہیں۔ بعض اوقات اپنی عزیز جان تک دے دیتی ہیں۔

اور وہ سات عدد بالکل آپس میں مختلف ہوتے ہیں وہ بیان کرتا ہے کہ یہ سات عدد ۰ ۴ ۰ ۵ مختلف طرق سے ترتیب پا کے داخل ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کرو کہ مربع کے سرے کی پہلی قطار کو ہم نے سات عددوں سے بھرا اور وہ سات عدد اپنی فطری صورت میں یہ ہیں ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷۔ اس کے بعد کی دوسری قطار خواہ ۳ خواہ ۴ خواہ ۵ خواہ ۶ سے بھری جائے مگر اس مثال میں ۳ کے عدد سے شروع ہوتا ہے تو اس لحاظ سے تیسری قطار کو ۵ کے عدد سے شروع کرنا چاہیئے۔ چوتھی کو ۷ سے پانچویں کو ۲ سے۔ چھٹی کو ۴ سے اور ساتویں کو ۶ سے ہم تین نقش یا جادو کے مربعے بناتے ہیں جن سے ہمارا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ سارے نقش جو اب بدقسمتی سے ہماری قوم میں رائج ہیں ان کی ایجاد مصر۔ یونان اور یورپ کے دیگر شہروں میں صدیوں پہلے ہو چکی تھی۔ اور وہ لوگ ہماری طرح جن آسیب شیطان بلا بھوت پریت اُتارنے یا بیمار کو صحت بخشنے میں کام میں لایا کرتے تھے۔ اُن کی بڑی بڑی کتابیں ان تعویذ گنڈوں پر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور جو کچھ اُنہوں نے اس غیر ضروری اور فرضی علم کو چھانا ہے ہمارے موجودہ تعویذ اور گنڈے والے تو خیال میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے۔

تیسری قسم کا جادو وہ ہے کہ اسم کے زور سے بھوتوں یا شیاطین یا اجنہ کے گروگھنٹال کو حاضر کیا جائے اور پھر اُس سے اپنا کام لیا جائے۔

چوتھی قسم کا جادو صرف روحانیات اور تخیلات سے تعلق رکھتا ہے جس میں اپنے خیالات کے زور سے بعض جنی ذرائع سے دوسرے پر اثر ڈالا جاتا ہے شاید مسمیریزم کو سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کو غالباً مسمیریزم کہتے ہیں جس کا رواج یورپ میں بہت ہے۔ اگرچہ اس میں سوائے روحانی قوت کے جنات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کا سحر بنفسہ کفر نہیں ہے ہاں اگر اُس سے کسی کو تکلیف پہنچائی جائے یا کسی کو دغا دی جائے تو سخت گناہ کبیرہ ہے۔ کفر جب بھی اس سے لازم نہیں آتا لیکن ہاں کسی شخص کے خیال کے تصرف میں جنوں کی روحوں سے وہ التجا کی جائے جو سزاوار خداوندی ہے تو کفر ہو جاتا ہے۔

وہ نقش جس کی بابت اوپر لکھا جا چکا ہے۔ یہ ہے۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قطار کے ہندسہ تو اپنی خوشی سے چاہے جو کچھ لکھ دیئے جاتے ہیں مگر دوسری قطاروں کے اعداد چار مختلف طرق سے لکھے جاتے ہیں کم سے کم ۲۰۱۶۰ طریقے ہیں جنسے ۷ کا نقش لکھا جاتا ہے مثلاً دو نقش یہ ہیں

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶

سحر کی پانچویں قسم صرف اوہام کی جولانی ہے جو قدیم زمانہ میں بکثرت ہوتا تھا۔ مگر اُس کا نام و نشان نہیں ہے۔ اپنی قوتِ متخیلہ کے زور سے دوسروں کے آگے سنئے نئے کرشمے کئے جاتے تھے۔ اِس قسم کے جادو کو تعلیق الوہم بھی کہتے ہیں۔ اِس جادو کی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ صورت واقعہ کو پیش نظر رکھ کے، وہم کو اُس کی تحصیل کے لیئے متعلق کرتے ہیں۔ اس کے لیئے تقلیل غذا اور اختلاط الناس سے پرہیز لازمی ہے۔ اُن کا مقولہ ہے کہ بغیر اِس قسم کی محنت کے مطلوبہ امر حاصل نہیں ہوتا۔ شاید چلّہ کشی اور وظیفہ و ظائف پڑھنا اسی جادو میں داخل ہے۔ اب اِس میں یہ بات ہے کہ اگر یہ امر کسی مباح غرض کے لیئے کیا گیا ہے، مثلاً کسی کافر یا ظالم کی ہلاکت کی غرض ہے یا بین الزائمین تفریق غرض ہے تو یہ جادو حلال اور جایز ہے اور اگر کوئی ایسی غرض ہے جس سے بین الزوجین تفریق ہو یا کسی معصوم کی ہلاکت کا مطلب ہو تو یہ جادو حرام ہے۔ تو بھی یہ جادو فی نفسہ قبیح نہیں ہے اور اس کا کرنا جایز ہے۔

اور بھی تین نقش ہیں جو اپنی نوعیت میں نرالے ہیں اور جو اپنا اثر جُدا جُدا رکھتے ہیں جنہیں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲
۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴
۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵
۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷
۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸
۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰
۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱

۱	۹	۱۷	۲۵	۳۳	۴۱	۴۹
۲۴	۳۲	۴	۴۸	۷	۸	۱۶
۴۷	۶	۱۴	۱۵	۲۳	۲۱	۳۹
۲۱	۲۲	۳۰	۳۸	۴۶	۵	۱۳
۳۷	۴۵	۴	۱۲	۲۰	۲۸	۲۹
۱۱	۱۹	۲۷	۳۵	۳۶	۴۴	۳
۳۴	۴۲	۴۳	۲	۱۰	۱۸	۲۶

چھٹی قسم کا جادو وہ ہے جو خواص اشیا سے کرشمے دکھائے مثلاً انگلیوں کا آگ سے روشن کر لینا اور اُس کی ترکیب یہ لکھی ہے کہ تھوڑا سا کابلی شورہ سرکے میں تر کیا جائے اور اُس میں تھوڑا سا کف دریا ملا دیا جائے اور اُسے انگلیوں سے مل لیا جائے پھر اگر چراغ سے اُن انگلیوں کو روشن کیا جائے گا تو انگلیاں مثل شمع کے روشن ہو جائیں گی مگر جلنے کی نہیں۔ عرفاً اِس جادو کو شعبدہ بازی بھی کہتے ہیں جو مداری اکثر اِس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔

ساتویں قسم کا وہ جادو ہے جو آلات سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً کلوں کا کپڑا بُننا۔ تار برقی کا دوڑنا اور ریل جہازوں وغیرہ کا چلنا۔

آٹھویں قسم جادو کی ہاتھ کی چالاکی ہے جو عموماً تاش وغیرہ کھیلوں اور غیب سے روپیہ منگانے میں کی جاتی ہے۔ آخرالذکر تین قسمیں ہمارے علمائے کرام نے حلال قرار دی ہیں۔ ہاں ان سے اگر کوئی فاسد غرض ہو تو حرام مطلق ہیں۔

ہمارے واجب التوقیر علمار نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُمّت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اذکیا نے بہت سے جادوؤں کی اصلاح بھی کی ہے اور اُن جادوؤں سے کفر اور شرک کو دُور کر کے استعمال کیا ہے پہلی قسم کی اصلاح کو دعوت علوی سمجھنا چاہیئے جس سے فرشتوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور اُن کا تسخیر کرنا اسم اعظم الٰہی اور آیات قرآنیہ سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی اصلاح دعوت سفلی ہے کہ ارضی موکلوں اور جنوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور یہ تسخیر ایسی آیتوں سے ہوتی ہے جو شائبۂ کفر سے بہت دور ہوتی ہیں بلکہ حکومت اور غلبہ اُن میں پایا جاتا ہے۔ تیسری قسم کی اصلاح یہ ہے کہ صلحا اور اولیا کی پاک روحوں سے ربط بڑھایا جائے۔ اسکا عمل اکثر حضرت اویس قرنی کے پیرو کیا کرتے ہیں۔ اِس سے دوسرے لوگوں کی ضرورتیں بہت نکلتی ہیں اور صدہا کا بھلا ہوتا ہے۔ اِس جادو کی تحصیل میں طہارت لازمی ہے اور صدقات۔ ارسال ثواب وغیرہ بھی ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چوتھی قسم کی اصلاح عقد ہمت ہے جسکا ظہور مشایخ کبار اور اولیائے ابرار سے مشکلات کے حل کرنے کے لیئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسمیں استغراق بھی ہوتا ہے۔ اور روحانیات کے عالم کی سیر کی لذت خوب حاصل کی جاتی ہے۔

اور بھی بہت سے نقوش ہیں جو ہم نے غیر ضروری سمجھ کے چھوڑ دیئے۔ ہمارے خیال میں صرف اسی قدر کافی ہیں۔ اب ہم اختصاراً کے طور پر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یورپ نے جادو کے اس ظالم عقیدہ سے کیا کیا ظلم کیئے۔ کتنے بے گناہ زندہ جلا دیئے گئے۔ اور کتنی مظلوم عورتیں قتل کی گئیں۔ ۱۴۸۴ء میں انوسینٹ ہشتم روم کے معصوم پوپ نے اپنے مشہور بُل یعنی حکم سے جو عام خیالات جادو کی بابت عوام میں پھیلے ہوئے تھے اُنہیں چرچ کی طرف سے تسلیم کیا یعنی مذہبی اعتقادات میں جادو کا عقیدہ شامل کیا گیا۔ اُس نے منادی کرا دی کہ جادوگر اور جادوگرنیاں تلاش کی جائیں اور اُنہیں صلیب دی جائے تاکہ انکے

چھٹی قسم کی اصلاح یہ ہے کہ خواص آیات اور اعداد میں تعمق کیا جائے۔ اور تصویر اوفاق مبارکہ اور الواح
متفاوتۃ الخواص اور مطالب محمودہ میں سے کوئی مطلب اُس سے حاصل کیا جاتا ہے۔ تعویذوں کی کتابوں
میں قرآن مجید کی آیتیں معہ قیود اور شروط کے واضح طور پر تحریر کی گئی ہیں۔ اس جادو میں خواص عنصریات
خواص بروج اور درجات میں تعمق کرنا پڑتا ہے مگر اس میں ذکر اللہ کو ممزوج کر لیتے ہیں۔

غرض وہ جادو کفر قرار دیا گیا ہے جس میں غیر اللہ مثلاً ارواح کواکب یا ارواح خبیثہ سے استعانت لیجاتی ہو
جب یہ وجہ اُڑا دی جاتی ہے تو پھر حلت و حرمت اغراض مقصودہ پر موقوف ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کا جادو
اسی قسم کا تھا کہ وہ ارواح خبیثہ کو مالک و مختار بنا کے اُن سے طلب مدد کیا کرتے تھے اور جو سحر کہ ہاروت اور ماروت
دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا اُسے اول قسم کا سحر کہنا چاہیئے اور وہ سحر نہ صرف حرام مطلق بلکہ صریح کفر تھا کیونکہ
اس میں عالم کی ارواح مدبرہ کو خدا سمجھ لیا گیا تھا۔ (معاذ اللہ)

قصۂ ہاروت و ماروت

ہاروت و ماروت کو ہمارے علمائے کرام نے بہت بڑا زبردست جادوگر اور صاحب قوت مانا ہے چنانچہ اُنکی
عدیم المثال جادوگری اور اُس کی بے نظیر قوت کا یہ بیان کیا گیا ہے اور ایک معتبر سند سے اُسے ثابت کیا
ہے۔ حاکم نے سند صحیح سے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے
روایت کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک عورت قبیلہ دومۃ الجندل میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے وصال کے بعد حضور انور کی تلاش میں آئی اور کہنے لگی کہ مجھے حضرت رسولِ خدا سے کچھ دریافت کرنا تھا
حیف صد حیف کہ آپ نے رحلت فرمائی جب وہ میرے پاس آئی تو میں نے اُس سے دریافت کیا تیری کیا حاجت
ہے اور تو کیا کہنا چاہتی ہے مجھ سے کہہ۔ اُس نے کہا میرا خاوند مجھ سے بہت بدسلوکی کیا کرتا تھا اور کمبخت نے
کبھی صلح کی طرف میل نہیں کی اور میں اس جاں کندنی میں ہر وقت سولی پر رہتی تھی کہ ایک دن ایک بُڑھیا
میرے مکان پر آئی میں نے اپنی مصیبت اُس سے بھی دوہرائی اور اپنا افسوس ناک حال کہا اُس نے جواب

جادو سے غریب عیسائی محفوظ رہیں معصوم پوپ کے حکم سے بڑی سرگرمی سے جادوگروں اور جادوگرنیوں کی تلاش ہونے
لگی صرف دو گواہ کسی کو جادوگر کہنے کے لیئے کافی تھے اُسے فوراً صلیب پر کھینچ دیا جاتا تھا۔ صدہا ایسی عورتوں کو بھی صلیب
دی گئی جو حاملہ تھیں یا اُن کے ننھے ننھے بچے تھے جنہیں وہ دودھ پلاتی تھیں۔ تمام یورپ میں یہی آفت برپا ہو گئی جرمنی
میں دو انسپکٹر جادوگروں اور جادوگرنیوں کے ڈھونڈھنے کے لیئے مقرر ہوئے۔ انسپکٹروں سے بھی حسب منشا کام
نہ چلا اخیر ایک پادری صاحب اُن کے ساتھ مقرر کیئے گئے جو کامل طور پر سراغ رسانی کریں اور اُن لوگوں کو شناخت کریں
جن پر جادوگری کا الزام لگایا گیا ہو اور وہ انکار کرتے ہوں۔ صرف جادو کی سزاؤں کا ایک وسیع قانون منضبط ہوا اور اس میں

دیا بیٹی یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہوں اگر تو اُس پر مستعد ہو جائے تو تیرا شوہر تیرا غلام بنجائے گا
اور اگر تو بیٹھے بیٹھے جوتی اور اُٹھتے لات مارے گی وہ اُف تک نہیں کرنے کا۔ میں نے جواب دیا میری جان سخت
عذاب میں ہے بڑی بی جب میرا خاوند ایسا مطیع ہو جائے گا تو جو کچھ تم بتاؤ گی میں کرنے کو موجود ہوں غرض جب
اخیر شب ہوئی وہ بڑھیا میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ دو کالے کتے لائی۔ ایک کتے پر آپ سوار ہوئی اور دوسرے
کتے پر مجھے سوار کیا۔ اور پھر ہم دونوں روانہ ہوئے۔ اِدہر گھر سے باہر نکلے تھے کہ شہر بابل میں پہنچ گئے میں نے
وہاں جا کے دیکھا کہ دو مرد اُلٹے لٹک رہے ہیں اُنہوں نے میری صورت دیکھتے ہی کہا تو یہاں کیوں آئی بڑھیا
کے اشارہ سے میں نے یہ جواب دیا کہ جادو سیکھنے آئی ہوں۔ دونوں نے کہا کہ جادو کفر ہے اور جو اسے سیکھتا ہے
کافر ہو جاتا ہے جا اپنے گھر جا اور اپنا کام کر۔ اس جنجال میں پڑ کے دین ہاتھ سے کھو بیٹھے گی۔ میں نے کہا میں بغیر جادو
سیکھے یہاں سے نہیں ٹلنے کی چاہے جو کچھ ہو جائے۔ وہ جوں جوں مجھے منع کرتے تھے میں اُسی قدر اصرار کرتی
تھی۔ جب میری الحاح وزاری کو بہت طول ہوا تو اُنہوں نے ناچار مجھسے کہا کہ اس تنور کے قریب جا کے اُس پر
پیشاب کر دے۔ جب میں اُس تنور کے پاس پہنچی تو مجھے سخت خوف معلوم ہوا اور میں وہاں سے پھر کے پھر
اُن مردوں کے پاس آئی اور میں نے اُن سے کہا کہ میں پیشاب کر آئی ہوں اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے
وہاں کچھ دیکھا بھی میں نے انکار کیا اُنھوں نے کہا تو جھوٹ بولتی ہے تو نے پیشاب نہیں کیا بس اب تیرے لیئے
یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلی جا تا کہ تو کافر نہ ہو جائے میں نے کہا میں ہرگز نہیں جانے کی اُنہوں نے کہا جب
تو نہیں مانتی اور ضد کیئے جاتی ہے تو جا اور تنور میں پیشاب کر۔ میں پھر دل مضبوط کر کے گئی پھر وہی خوف وہراس
مجھپر طاری ہوا بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور کلیجہ کانپنے لگا۔ میں گھبرا کے اور ڈر کے واپس چلی آئی۔ پھر اُنہوں
نے باز رہنے اور گھر جانے کے لیئے مجھسے کہا غرض میں سہ بارہ پھر گئی اور پیشاب کر دیا۔ پیشاب کرتے ہی میں نے
ایک گھوڑے سوار تنور میں سے نکلتا دیکھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ سر پر خود فولادی بدن میں زرہ
سینہ پر چار آئینہ لگائے ہوئے اس سج دھج اور خوفناکی سے نکلا کہ میں دہل گئی وہ تنور سے نکلتے ہی آسمان کی
طرف اُڑا چلا گیا اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ پھر میں اُن کے پاس گئی اور میں نے سوار کا حال بیان کیا اُنہوں
نے کہا اب تو سچ کہتی ہے وہ سوار تیرا ایمان تھا جو تجھمیں سے نکل کے آسمان پر چلا گیا۔ بس اب جا تو جادو کے فن

صدہا دفعات جادوؤں اور سزاؤں کی رکھی گئیں اُس کی تعمیل حکومت کے احکام کی تعمیل تھی اور اُس ضابطہ سے انحراف کرنا
اپنی جان خطرہ میں ڈالنا تھا۔ اس ضابطہ سحر کا نام "میلیوس میکادم" تھا۔ اس ضابطہ نے وہاں اس عقیدہ کو مجنونانہ طور پر پھیلا
دیا کہ جادو کوئی چیز ہی نہیں بلکہ برحق ہے اور کرنے والا کافر اور گردن زدنی ہے۔ اب ملک بھر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو جادو
کو نرا خیالات باطلہ اور اوہام کاذبہ کا نتیجہ خیال کرتا ہو۔ اسکے بعد الگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں لیو دہم نے ۱۵۲۱ء میں
اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں اُن قواعد وضوابط کو کافی نہ سمجھکر اور زیادہ سخت اور ہیبتناک دفعات کا اُن میں اضافہ کیا

میں کامل ہو گئی۔ میں نے اپنی رفیقہ بڑھیا سے کہا کہ میں تو جادو سیکھنے آئی تھی اب تک میں نے کچھ نہیں سیکھا نہ ان مردوں نے مجھے کچھ تعلیم کی۔ بڑھیا نے کہا تیرا خیال غلط ہے تو نے ہر چیز سیکھ لی اب جو کچھ تو چاہے گی وہ ہو جائے گا۔ ان کی تعلیم اسی قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے اُس بڑھیا سے کہا کہ میں کیونکر یقین کروں کہ مجھے جادو آگیا ہے اُس نے کہا تو ایک گیہوں کا دانہ زمین میں ڈال اور کہہ اے دانہ تو اُگ آ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہ دانہ فوراً اُگ آیا۔ پھر میں نے کہا بڑا ہو پھر کہا خوشہ لا خوشہ لایا پھر کہا خشک ہو خشک ہو گیا پھر کہا گیہوں بن جا گیہوں بن گیا۔ جب میں نے ہر طرح آزما لیا اور میں پوری اُتری تو اب ایمان کے خیال سے میری آنکھیں کھلیں میں سخت نادم ہوئی اور مجھے ایمان جانے کا بہت افسوس ہوا میں نے حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حال سُنا اور میں حضور میں اس لیئے حاضر ہوئی تھی کہ میرے دردِ دل کا کچھ علاج ہو اور میرا گیا ہوا ایمان واپس آ جائے۔ اے مادرِ مومنین اب تک میں نے کسی کو نہیں ستایا نہ کسی کو تکلیف دی اور میں سچ کہتی ہوں کہ میں کسی کے اذیت دینے سے ابتک بچی ہوئی ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کے صحابہ موجود ہیں اُن کے پاس جا اور یہ کیفیت بیان کر شاید تیرے ایمان واپس آنے کی وہ کوئی تدبیر بتائیں۔ وہ عورت ہر صحابی کے پاس گئی مگر کسی کو اُسکا ایمان واپس بُلانے کی تدبیر نہ سُوجھی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض صحابہ نے کہا کہ اس سے بہتر تدبیر اور نہیں ہے کہ اگر تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہو تو اُس کی خدمت کر تیرا ایمان واپس آ جائے گا۔

دوسری روایت ابن المنذر نے اوزاعی سے کی ہے اور اوزاعی نے ہارون بن رباب سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن عبد الملک بن مروان سے ملنے گیا میں نے دیکھا کہ اُس کے پاس ایک شخص مسند پر گاؤ تکیہ لگا کے بیٹھا ہے میں نے اہلِ دربار سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جو بادشاہ کے برابر مسند پر بیٹھا ہے اہلِ دربار نے کہا کہ یہ اِس بات کا فخر کرتا ہے کہ میں ہاروت و ماروت کو دیکھ کے آیا ہوں میں نے کہا یہ وہی شخص ہے اُنھوں نے کہا ہاں۔ میں اُس کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ تو قصہ ہاروت و ماروت کا میرے آگے بیان کر۔ یہ سُنتے ہی وہ شخص آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اُس نے کہا میرا قصہ یہ ہے کہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا میرے باپ کی جوانی میں وفات ہو گئی تھی۔ وہ بہت دولت چھوڑ مرا تھا اور وہ کل زر و مال میری ماں کے قبضہ میں آیا۔ میری ماں مجھ سے بہت

سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا۔ ان مذکور شہنشاہوں کی اِس طرزِ عمل سے عامۂ خلایق پر جادو کی طرف سے سخت ہیبت اور خوف پھیل گیا۔ کسی کے سر میں درد ہونا۔ غیر معمولی طور پر کسی کو بخار چڑھ آنا۔ چلتے چلتے گر پڑنا۔ کسی کام کا اچانک کرتے کرتے بگڑ جانا۔ کسی کا یکایک مرجانا۔ آندھی کا آنا۔ طوفان کا برپا ہونا۔ کسی جانور کا بغیر کسی ظاہری سبب کے مرجانا۔ کسی کنبہ پر کوئی آفت آنا۔ کسی مکان یا دیوار کا گر پڑنا۔ گھوڑے پر سے گر کے مضروب ہونا۔ غرض یہ سارے واقعات جو لازمی طور پر تمام دنیا میں ہوتے رہتے ہیں وہاں جادو کی وجہ سے سمجھے جاتے تھے۔ قدرتی ضابطہ کے سبب اور نتیجہ کے یہ معنی لگائے تھے۔ تاریخ سیویلیزیشن ان انگلینڈ (یعنی تمدن انگلستان میں) مصنفہ فاضل بکل اور کانفلکٹ بٹوین سائنس اینڈ ریلیجن (یعنی نزاع علوم جدیدہ اور مذہب میں)

محبت رکھتی تھی۔ جو کچھ میں اُس سے مانگتا تھا دے دیتی تھی اور میں اناپ شناپ روپیہ اُڑاتا تھا تو بھی میری ماں
مجھ سے نہ دریافت کرتی تھی کہ میں روپیہ کس بے دردی سے لُٹاتا ہوں۔ جب میں جوان ہو گیا اور مجھے کچھ عقل وشعور
آیا تو میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میرے باپ کے پاس اسقدر مال ودولت کہاں سے آئی تھی۔ میری ماں نے کہا لے
پیارے بیٹے تجھے اس بات سے کیا تعلق جتنا تجھ سے خرچ کیا جائے خرچ کر خوب عیش اُڑا۔ مزے کر۔ مگر دریافت نہ کر
تیرے لیئے یہی بہتر ہے۔ میں نے سخت التجا کی اور آہ وزاری کرنے لگا میری ماں میرا ہاتھ پکڑ کے ایک کوٹھری میں
لے گئی میں نے دیکھا کہ جواہرات اور اشرفیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اُس نے یہ زر کثیر مجھے دکھا کے کہا یہ
روپیہ اور زر وجواہر تیری کئی پشت کے لیئے کافی ہے تجھے ضرورت کیا پڑی کہ خواہ مخواہ اِس کے سبب دریافت کرنے
میں اصرار کرتا ہے کہ یہ دولت تیرے باپ نے کہاں سے کمائی تھی۔ پھر بھی اپنی ضد اور اصرار پر جما رہا۔ ناچار اُس نے
مجھ سے کہا کہ تیرا باپ جادوگر تھا اُس نے صرف جادو کے زور سے یہ دولت جمع کی تھی۔ یہ سُنتے ہی میں نے کہا کہ موروثی دولت
پر قناعت کرنا ہمت اور اولوالعزمی کے خلاف ہے۔ میری ماں نے ہر چند سمجھایا کہ باپ کی دولت ہے اور تو ہی اُسکا اکیلا
وارث ہے تیرے خیال میں یہ بے موقع الوالعزمی پیدا ہو جانا میری پریشانی قلب کا باعث ہے۔ میں نے ایک
بات بھی نہ سُنی اور باصرار اپنی ماں سے کہا کہ یہ تو بتاؤ میرے والد کا کوئی دوست بھی ایسا ہے جو اُن کے علم کے
راز سے واقف ہو اور اُسے جادو کی کیفیت معلوم ہو۔ میری ماں نے مجبور ہو کے کہا کہ ہاں فلاں شخص ہے اور
فلاں جگہہ رہتا ہے۔ میں نے ایک کی نہ دو سیدھا اُس شخص کے پاس دوڑا ہوا گیا۔ بڑے ادب سے جھک کے سلام
کیا اور دست بستہ دوزانو اُس کے سامنے بیٹھ گیا اُس نے مجھے پہچانا نہیں۔ دریافت کرنے لگا تو کون ہے اور
کہاں سے آیا ہے میں نے جواب دیا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں میرے باپ کا نام سُنتے ہی مجھے اُٹھ کے گلے
سے لگا لیا اور بہت مہربانی کی اور مرحبا مرحبا کہنے لگا۔ اور پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کس ضرورت کے لیئے آیا ہے اور
تیری کیا حاجت ہے۔ تیرا باپ تو اسقدر مال چھوڑ کے مرا ہے کہ تیری کئی پشتوں کو بھی کافی ہے تو اپنی کئی پیڑیوں
تک کسی کا بھی محتاج نہیں ہو سکتا۔ میں نے صاف صاف کہدیا اور ذرا بھی لگی لپٹی نہ رکھی کہ مجھے مال کی ضرورت
یہاں نہیں لائی ہے بلکہ میں جادو سیکھنے کے لیئے آیا ہوں۔ اُس شخص نے کہا اے پیارے بھتیجے ہرگز یہ خیال

مصنفہ فاضل ڈریپر میں مفصل کیفیت جادو کی لکھی ہوئی ہے جس سے ہم یہ مضمون انتخاب کر رہے ہیں کہ جادو کے عقیدہ نے کرکن
بیگناہ مردوں عورتوں اور بچوں پر چھری پھیری ہے۔ اور صدیوں تک اس باطل خیال نے خدا کی پیاری مخلوق کو کس طرح برباد
کیا ہے۔ جادو کے ملزم کی سزا ایسی خطرناک تھی کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب کسی عورت یا مرد پر جادو کا جرم قایم
کیا جاتا اور وہ گرفتار ہو کے آتا تو وہ فوراً اقبال جرم کر لیتا تھا اس لئے انکار سے اس پر وہ عقوبتیں توڑی جاتی تھیں جو صلیب سے
بھی بہت خوفناک ہوتی تھیں مثلاً انکار پر اُس کا سر مونڈا جاتا اور پھر پادری صاحبان بہت غور اور تامل سے اُسکے سر شیطانی
نشان ملاحظہ کرتے اگر کوئی غیر معمولی نشان کسی پھنسی وغیرہ کا مل جاتا تو پھر ثبوت جرم میں کوئی شک ہی باقی نہ رہتا اور اگر مجرم کی

نہ کیجو کیونکہ اس میں کسی قسم کی بھی بہبودی نہیں ہے میں نے کہا۔

دست از طلب ندارم تا کام جاں برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

جب تک آپ مجھے ایسا کامل نہ کریں جیسا میرا باپ تھا میں آپ کا دامن نہیں چھوڑنے کا اور کبھی اس خیال سے باز نہیں آؤنگا اُس نے یہ سن کے سخت تاسف کیا اور میری اس ضد سے اُسے بہت صدمہ ہوا ہرچند اس نے کوشش کی کہ میں سمجھ جاؤں لیکن میرے سر پر تو جادو سیکھنے کا جن چڑھا ہوا تھا بھلا میں کیونکر سمجھتا اور مجھے اُس کی نصیحت کیونکر پذیرا ہوتی۔ وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

یہ ساری باتیں میری سحر آموزی کے شوق کے آگے فضول تھیں اور ان کا اثر صرف اتنا تو ہوتا تھا کہ مجھے صدمہ اور رنج محسوس ہوتا تھا اور گریبان پھاڑنے کو جی چاہتا تھا کہ یہ انکار کیوں کیئے جاتا ہے۔ اخیر وہ مجبور ہوا اور اُسنے کہا اگر تو نہیں مانتا ہے تو یہاں قیام کر اور فلاں روز اور فلاں ساعت کا منتظر رہ۔ غرض خدا خدا کر کے وہ وقت بھی آ گیا میں فوراً اُسکے پاس بھاگا ہوا گیا اور اُس سے ایفائے وعدہ کی درخواست کی۔ پھر وہ مجھے سمجھانے لگا اور قسمیں دینے لگا اور منتیں کرنے لگا لللہ تو اس خیال سے باز آ میں انکار کیئے گیا جب وہ نصیحت کرتے کرتے تھک گیا تو اُس نے کہا میں تجھے اُس جگہ لیجاؤں مگر یہ یاد رکھیو کہ وہاں بھولے سے بھی خدا کا نام نہ لیجو میں نے حتمی وعدہ کر لیا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا وہ مجھے ایک تہ خانہ میں لیکے اُترا میں اندازہ سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم دونوں نے قریب تین سو زینوں کے طے کیئے ہوں گے باوجودیکہ تہ خانہ تھا مگر پھر بھی آفتاب کی روشنی اُسی قدر تیز تھی جتنی سطح زمین پر ہوتی ہے جب اخیر منزل پر پہنچے تو میں نے ہاروت اور ماروت کو لوہے کی زنجیروں میں معلق لٹکتا دیکھا اُن کی آنکھیں مثل بڑی بڑی ڈھالوں کے اور اُن کے پر اسقدر چوڑے اور چکیلے تھے کہ میں خوف کے مارے کانپ گیا اور میری زبان سے بیساختہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکل گیا یہ کلمہ سُنتے ہی اُنہوں نے اپنے پروں کو جنبش دی اور شور مچانے لگے اور پھر خاموش ہو گئے۔ مینے امتحاناً پھر یہی کلمہ پڑھا پھر اُنکی وہی حالت ہو گئی وہی آہ و زاری اور وہی پروں کا پھڑپھڑانا۔ اسکے بعد سکوت ہوا پھر میں نے یہی کلمہ دہورا یا پھر اُن کی یہی کیفیت ہوئی جب تیسری بار سکوت ہوا تو میں اُنکے آگے گیا اُنہوں نے مجھسے دریافت کیا کیا تو آدمی کی جنس سے ہے میں نے کہا ہاں مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کلمہ سے تمہاری یہ حالت کیوں ہو گئی اُنھوں نے کہا جب سے ہم عرش سے زمین پر آئے ہیں ہم نے یہ کلمہ آج ہی سُنا ہے اور ہم پر سخت عذاب نازل ہے تیری زبان سے جب یہ کلمہ سُنا تو ہمیں اپنی اصلی جگہ یعنی

بدقسمتی سے کوئی نشان نہ ملا تو پھر اقبال جرم کے لیئے جسمانی سزائیں دی جاتیں۔ اُنہیں گرم لوہے سے داغا جاتا مُشکیں کس کے ایک سر بے ہوا کوٹھری میں ڈال دیا جاتا سردی۔ بھوک اور تاریکی یہ اُن کے لیئے لازمی قرار دی جاتی۔ اُنہیں ایسی تنگ جگہ قید کیا جاتا کہ وہ ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکیں اِن سزاؤں کی دہشت سے وہ فوراً فرضی جرم کا اقبال کر لیتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ

گی یاد آئی ہمارے دل پر ایک چوٹ لگی اور ہم اس صدمہ سے غل مچانے لگے۔ اب تو بیان کر کہ کس پیغمبر کی امت میں ہے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا۔ وہ سنتے ہی بولے کیا محمد مبعوث ہو چکے میں نے کہا ہاں انہیں مبعوث ہوئے زمانہ ہوا آپ کی وفات بھی ہو گئی اور آپ کے بعد خلفا ہوئے اُنکی بھی وفات ہو گئی۔ پھر اُنہوں نے سوال کیا کہ آپ کی امت ایک ہی شخص کے تابع ہے یا گروہ گروہ علیحدہ ہیں اور اُن کا سردار جُدا جُدا ہے۔ میں نے کہا ایک ہی شخص کے تابع ہیں اُسے بادشاہ کہتے ہیں۔ یہ سن کے اُنہیں رنج ہوا اور وہ سخت ناخوش ہوئے پھر کہنے لگے اُن میں اتفاق ہے یا نفاق میں نے کہا دلوں میں نفاق رکھتے ہیں میرے جواب نے اُنہیں خوش کر دیا اور وہ اسقدر خوش ہوئے کہ ساری کدورت اُن کی جاتی رہی پھر دریافت کرنے لگے کہ محلات اور عالی شان عمارات کا سلسلہ بحر طبریہ تک پہنچ گیا ہے میں نے کہا اب تک نہیں پہنچا۔ یہ سن کے وہ پھر ملول ہوئے مجھے تعجب ہوا کہ امت محمدیہ کے ایک ہی بادشاہ کے تابع ہونے کی خبر نے انہیں کیوں غمگین بنا دیا۔ اخیر میں نے اُن سے یہ سوال بھی کیا کہ جب تم نے یہ سنا کہ امت محمدی ایک ہی بادشاہ کے تابع ہے تو تم کیوں رنجیدہ ہوئے۔ اُنہوں نے کہا تو کچھ اور خیال نہ کر ہمارے خوش ہونے اور ناخوش ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب ہم نے یہ سُنا کہ ابھی تک اتفاق ہے تو ہم پر ایک صدمۂ عظیم ہوا کیونکہ ہم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت تک ہم پر یہ عذاب رہے گا اور قیامت کے آنے کی نشانی یہ ہے کہ امت محمدیہ میں نفاق پھیلے گروہ گروہ ہو جائیں اور ہر گروہ اپنا سردار اور اپنا پیشوا الگ الگ بنالے تیرے کہنے سے ہمیں اس لئے رنج ہوا کہ ابھی قرب قیامت دُور ہے دوسری قرب قیامت کی یہ نشانی ہے کہ بحر طبریہ تک سلسلۂ عمارات پہنچ جائے۔ پھر میں نے کہا مجھے کچھ وصیت کیجے اُنہوں نے کہا کہ کم سو یا کر اور اس خطرناک حالت سے بیدار رہ جو عنقریب آنے والی ہے۔ اُنہوں نے مجھے جادو نہیں سکھایا اور نہ میرے رہنما نے مجھے سحر کی تعلیم کی۔ بس میں پھر وہاں سے چلا آیا۔

ہمارے بزرگان دین کا عقیدہ بڑے پُر زور الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ وہ جادو کے برحق ہونے کے قایل تھے۔ چنانچہ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ حاکم اور دوسرے مفسر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت

سزا انہیں برداشت ہو سکے گی اور پھر فرض کرو کوئی شخص ایسی سخت سزاؤں کو بھی برداشت کر کے زندہ رہے تو وہ کبھی چھوڑا انہیں جاتا بلکہ کوشش کی جاتی تھی کہ یہ کسی نہ کسی طرح اقبال جرم کرلے غرض بہرصورت اُسے اقبال جُرم کرنا پڑتا تھا اور یہی اُس کی نجات کا باعث ہوتا تھا۔ رحیم موت کا خواہشمند ایسا ہر مجرم رہتا تھا کیونکہ اُنہیں صرف موت ہی ایسی دکھائی دیتی جو اُن کی تمام جسمانی تکالیف کا سلسلہ قطع کر دیتی۔ اقبال جرم کے بعد مجرم نہ صرف صلیب دیے جاتے تھے بلکہ زندہ بھی جلا دیے جاتے تھے۔ زندہ جلا دینا پادری بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے اُن کا خیال تھا کہ خداوند مسیح تیسرے آسمان سے ہمارا یہ نیک کام دیکھ رہے ہیں اور ہم سے بہت خوش ہیں۔ اس آفت کا غضب خاص خاص اضلاع میں محدود نہ تھا بلکہ اس بلائے بے درمان نے تو بستیاں

امیر المؤمنین مرتضےٰ علی کرم اللہ وجہہ عبداللہ بن عمر اور مجاہد رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ہاروت و ماروت کی بابت یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کے اعمال بد نے آسمان پر پرواز کی تو فرشتوں میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال شروع ہوئی اور اُنہوں نے بنی آدم کی سخت تحقیر کی اور صرف توہین آمیز کلمے ہی نہیں کہے بلکہ اُن پر لعن طعن کرنے لگے۔ خدائے تعالیٰ نے اُنسے خطاب کرکے کہا تم بنی آدم پر اس قدر لعن طعن کیوں کرتے ہو اور اُن پر کیوں اسقدر خفا ہو چونکہ ہم نے اُن کی سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کو ملا دیا ہے اس لیئے اُن سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوتے ہیں اگر میں تمہیں بھی زمین میں نازل کروں اور تم میں بھی غضب اور خواہش نفسانی کی ترکیب کردوں تو تم سے بھی ایسے ہی گناہ سرزد ہونے لگیں۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار اگر ہماری سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کی آمیزش بھی ہو جائے جب بھی ہم کبھی ایسے کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہوں گے۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے گروہ میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرلو تاکہ اُنہیں زمین پر بھیجا جائے اور پھر تمہیں حقیقت کھل جائے۔ فرشتوں نے جب اپنے گروہ میں سے منتخب کیا تو ہاروت اور ماروت سے بہتر عبادت گزار اور ہر وقت تسبیح اور بندگی میں غرق کسی کو نہیں دیکھا اخیر سب نے متفق ہوکے ان دو فرشتوں کو منتخب کیا اور خداوند تعالیٰ کے حضور پیش کیا۔ باری تعالیٰ نے اُنکی سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کا مادہ ملا دیا اور دُنیا میں اُنہیں بھیجا تاکہ وہ لوگوں پر جاکے حکومت کریں اور اُنہیں آپس میں لڑنے جھگڑنے نہ دیں۔ قتل و غارت کو موقوف کریں اور عدل و انصاف کی چاشنی اُنھیں چکھائیں۔ فرائض عبودیت کی پوری تعلیم کریں اور ساتھ ہی یہ بھی رعایت کی گئی کہ وہ دن بھر تو اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی

کی بستیاں خالی کردی تھیں۔ ایک آفت برپا تھی اور یہ آفت ایسی تھی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ملک جرمنی کے چھوٹے سے ضلع لنڈام میں چار برس کے اندر آبادی کا پانچواں حصہ جادو کے جرم میں جلا دیا گیا۔ جنیوا میں تین مہینے کے اندر پانسو جادوگر اور جادوگرنیاں جلا دی گئیں۔ ضلع کومو میں ۱۵۲۶ء میں ایک ہزار آدمی اسی جرم میں جلائے گئے۔

ملکہ الزبتھ جو اول درجہ کی خدا پرست تھیں اور بڑی رحمدل مشہور ہیں اُنہوں نے جادو کے جرم کو اپنے ضابطہ ملکی میں اول درجہ کا قرار دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی قید لگا دی کہ نفس جادوگرنا ہی گردن زدنی کے لایق ہے اس سے غرض نہیں کہ وہ کسی کی نقصان رسانی کے لیئے کیا جائے یا نہیں۔

جیمس اول نے اس قانون کو ناقص سمجھ کے اور بھی زیادہ اُسے وسعت دی اور زیادہ صاف اور صریح الفاظ میں جادو کی سزا کے واسطے قانون جاری کیئے۔ اِس قانون نے نہ صرف سرکاری ملازموں تک جادوگروں اور جادوگرنیوں کی گرفتاری کے اختیارات محدود کیئے تھے بلکہ ہر شخص کو اختیار تھا کہ اُنہیں گرفتار کرے۔ صدہا آدمیوں نے اپنا یہ پیشہ کرلیا یہ لوگ گاؤں بہ گاؤں پھرتے اور گاؤں والوں سے ۲۰ شلنگ فیس لیتے تاکہ اُن کے گاؤں سے جادوگر و جادوگرنیوں کو خارج کردیں۔ گاؤں والے یہ سُنتے ہی اُنہیں ۲۰ شلنگ حوالہ کردیتے وہ فوراً مشتبہ مردوں اور عورات کو گرفتار کرلیتے اور سنذکور

کرتے رہیں اور شام کو آسمان پر اڑ کے چلے آئیں اس کے لیئے انہیں اسم اعظم سکھا دیا گیا تھا کہ وہ انہوں نے اسم اعظم پڑھا اور وہ آسمان پر اڑ کے چلے گئے۔ مہینہ بھر تک وہ یوں ہی آتے جاتے رہے اور انہوں نے ربانی فرائض کی حسب خواہش انجام دہی کی۔ ان کی شہرت بھی شہر میں بہت ہوگئی کہ دو شخص آسمان سے اترتے ہیں اور فلاں موضع میں رہتے ہیں نہایت نیک دل ہیں جو کچھ کہتے ہیں ہو جاتا ہے اور جو بات بتاتے ہیں بعد ازاں ٹھیک اترتی ہے اور مقدمات خصومات کا فیصلہ بھی حق حق کرتے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کی روایت کے بموجب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت زہرہ نامی ان کے پاس آئی یہ عورت جسقدر خوبصورت تھی اسیقدر عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی اس کا خاوند اسپر بہت زیادتی کرتا تھا اس نے ان دونوں فرشتوں سے دادخواہی کی یہ عورت ایرانی تھی۔ اس نے آکے یہ کہا مجھے اسم اعظم سیکھنے کا شوق ہے اور اسی لیئے میں آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں اگر مجھے اسم اعظم آجائیگا تو اس مصیبت سے رہائی پانے کی سبیل نکل آئے گی۔ ہاروت و ماروت نے جوں ہی اس کی صورت پر نظر کی دل ہاتھ سے دے بیٹھے اور اس پر فریفتہ ہوگئے تمام وعدے وعید جو اپنے خالق سے کیئے تھے دل سے محو ہوگئے ان کی بالکل یہی کیفیت ہوگئی

نہ تنہا در رہش بازم دل و دیں — فدائے جانِ شیریں جانِ شیریں

ہوش وحواس درست نہ رہے محبت کی آگ دل میں بھڑکی اور اسی بیخودی میں وصل کی درخواست کی۔ اس عورت نے کہا یہ ہوتا ایک محال امر ہے کیونکہ میرے اور تمہارے مذہب میں فرق ہے۔ میرا شوہر بہت بڑا باغیرت شخص ہے اگر اسے اشارتاً یہ معلوم ہوگیا کہ میرا اور آپ کا تعلق ہے تو وہ مجھے قتل کرڈالے گا۔ ہاں اس کی ایک

حلال کرنے کے لیئے انہیں سزائیں دلواتے اور بیسیوں بے گناہوں کو ظالم اپنے ۲۰ شلنگ کے لیئے مروا ڈالتے۔ جادو کی شناخت کے بہت سے طریقے رائج تھے منجملہ انکے یہ طریقے زیادہ عمل میں لائے جاتے تھے رسوئیاں نہایت بیرحمی سے جلدی جلدی ان کے تمام بدن میں چبھوئی جاتی تھیں اس تکلیف دہی سے کوئی خاص علامت جادو کی انہیں معلوم ہوجاتی تھی جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مشتبہ جادوگر یا جادوگرنی کے ہاتھ پاؤں باندھ کے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کے تالاب میں ڈال دیتے تھے جب وہ ڈوب جاتی تھی تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اصطباغ کے پاک پانی کا اسپر اثر ہے اور اگر تیرنے لگتی تو وہ جادوگرنی سمجھی جاتی۔ غرض دونوں صورتوں میں اس کا بچنا محال تھا اور اس کی موت یقینی تھی۔ تیرنے پر یہ اور غضب توڑا جاتا کہ اگر وہ بچ گئی تو زندہ جلا دی جاتی کیونکہ سطح آب پر آجانا جادوگر یا جادوگرنی ہونے کے لیئے کافی تھا۔

سترہویں صدی کے وسط میں جادو کے سراغ لگانے والوں کا ایک سرگروہ تھا جسکا نام تھا میتھیو ہاپ کنس تھا۔ سب سے زیادہ آدمی انگلستان میں اس زمانہ میں جلائے گئے جو لانگ پارلیمنٹ کہلاتا ہے ۱۶۴۵ء میں ایک نوجوان عورت اور اس کی نو برس کی معصوم بچی کو صلیب دی گئی۔ الزام یہ تھا کہ ان دونوں ماں بیٹیوں نے اپنی روح شیطان کے ہاتھ

ترکیب ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو تم میرے معبود کو سجدہ کرو اور پھر میرے خاوند کو قتل کر ڈالو میں تمہاری ہوجاؤں گی۔ یہ سنتے ہی ہاروت و ماروت نے کہا معاذ اللہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سوائے خدا کے ہم کسی کو سجدہ کریں اور کسی شخص کو بلاوجہ قتل کریں ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکے گا۔ توبہ توبہ ان باتوں کا ہمارے آگے نام بھی نہ لیجو۔ زہرہ یہ سن کے اُٹھ بیٹھی اور چلتے چلتے یہ کہہ گئی کہ اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر میرا وصل بھی ممکن نہیں۔ ہاروت و ماروت نے انکار کرنے کو تو کردیا مگر اُنکے دل میں محبت کی آگ بھڑک چکی تھی اور اُس کی لپٹیں زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔ اُنکی زہرہ کے چلے جانے پر بالکل یہی حالت ہوگئی تھی

زدیدہ رفتی و مردم ہماں نفس فریاد | کہ بے تو مُردم و الگاہ چنیں بہ آسانی
کسے کہ تشنہ لبِ ناز تست مے داند | کہ ہیچ آبحیات ست چین پیشانی
نشست غمزۂ اسلام دشمنت کہ دو روز | محبت تو کنم جمع با مسلمانی

جب بیتابی و پریشانی حد سے بڑھی تو دوسرے دن زہرہ کو پیغام بھیجا کہ ہم آج تیرے ہاں مہمان رہنا چاہتے ہیں۔ اگر تو قبول کرے گی تو ہماری اس میں بہت شرف افزائی ہے۔ زہرہ نے جواب میں کہلا بھیجا بسر و چشم تشریف لائیے آپ ہی کا گھر ہے۔ غرض یہ دونوں مقررہ وقت پر وہاں پہنچے زہرہ نے پہلے ہی سے مکان کی آراستگی کر رکھی تھی خود بھی خوب بن سنور کر آراستہ ہوگئی تھی۔ شراب کے شیشے بھی تیار رکھے تھے کہ ہاروت و ماروت پہنچے زہرہ نے بڑی خاطر کی اُس کی زبانِ حال سے بیساختہ یہ نکل رہا تھا

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے | کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلے سے بھی زیادہ اُس کا حسن و جمال اُن کے دل میں کھُب گیا اور ایک غیر معمولی جوش اُٹھا جس سے اُنکی خواہش وصل کا اظہار ہوگیا۔ زہرہ نے کہا سنو صاحب بات یہ ہے اگر آپ میری وصل چاہتے ہیں تو میں چار

فروخت کردی ہے اور اپنی جرابیں اُتار کے اور صابون گھول کے طوفان پیدا کیا تھا۔

۱۵۶۳ء میں اسکاٹلینڈ میں جادوگرنیوں کی سزا کے لیئے باضابطہ ایک قانون کی منظوری ہوئی۔

اسکاٹلینڈ کے بادشاہ جیمس ششم جب ڈینمارک سے شادی کرکے واپس آیا تو اُسے یہ خبر دیگئی کہ چند جادوگرنیوں نے رستہ میں جمع ہوکے طوفان برپا کرنے کے لیئے جادو کیا ہے اور اُن کی مراد یہ ہے کہ بادشاہ ہلاک ہوجائے بادشاہ نے یہ سنتے ہی اُن بے گناہ عورتوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہوکے بادشاہ کے آگے پیش کی گئیں پہلے اُنھوں نے انکار کیا مگر وہ جانتی نہ تھیں کہ انکار اُن کے حق میں زہر ہلاہل ہے فوراً انہیں جسمانی سزائیں ملنی شروع ہوئیں ناچار ایک عورت نے بڑی عقلمندی سے اقبال جرم کیا۔ اور کہا کہ شیطان جو بادشاہ کا بڑا دشمن تھا ہم سے ساز باز رکھتا تھا اور حضور کے قتل کی کوشش کرتا تھا۔ اِس مقدمہ کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔ کُل جادوگرنیاں جنکی تعداد ۲۰ تھیں گردن ماردی گئیں۔ اسی اثنا میں انگلستان میں جادوگرنیوں کو سزا دینے کے لیئے خاص ایک مجلس کا دائمی انعقاد ہوگیا تھا اور اُنکے

شرطیں پیش کرتی ہوں اُن میں سے کسی ایک پر اگر آپ عمل کرلیں گے تو میں آپ کی ہو جاؤں گی۔ ہاروت وماروت نے پُرشوق لہجہ میں دریافت کیا سرت گردیم وقربانت شویم فرمائیے اُس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میرے بُت کو سجدہ کرو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میرے خاوند کو مار ڈالو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو میرے ہاتھ سے جام شراب پی لو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو مجھے اسم اعظم سکھا دو۔ یہ چاروں شرطیں پیش کردی ہیں اب آپ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس شرط پر آپ آسانی سے عمل درآمد کرسکیں کرلیں میں حاضر ہوں۔ ہاروت ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ سجدہ کرنا خدا کے سوا دوسرے کو کفر ہے۔ قتل کرنا بھی جرم عظیم ہے جو کبھی معاف ہی نہیں ہو سکتا اسم اعظم بھی نہیں بتا سکتے کیونکہ یہ خدا کا بھید ہے۔ ہاں شراب پی لینا کچھ بڑا بھاری گناہ نہیں ہے۔ باہم اس امر کا فیصلہ کرکے اُنھوں نے شراب پی اور پی بھی اس قدر کہ بدمست ہوگئے۔ اُس بدمستی میں زہرہ کے بُت کو سجدہ بھی کیا۔ اُس کے خاوند کو قتل بھی کیا اور اُسے اسم اعظم بھی بتا دیا۔ بعض روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ جُوں ہی زہرہ کو اسم اعظم کی تعلیم ہوئی اُس کی روح نے آسمان کی طرف صعود کیا اور خدا کے حکم سے وہ روح سیارہ زہرہ کی روح کے ساتھ ملادی گئی جو اب تک آسمان پر چمکتی ہے۔ اِدھر جب ہاروت وماروت کو ہوش آیا تو اپنے کو اسم اعظم اور تجلیات ربانیہ سے خالی پایا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خالق ارض وسما نے فوراً فرشتوں کی طرف خطاب کرکے ہاروت وماروت کے حال کی طرف اُنکی توجہ دلائی اور ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں فرشتے باوجودیکہ میری تجلیات سے منور تھے اور شب بھر انھیں آسمان پر رکھا جاتا تھا تاکہ میرے نور کے قریب رہیں۔ دیکھو تو اس عنایت پر بھی یہ کیسی شرمناک معصیت میں گرفتار ہوئے۔ بیچارے بنی آدم کو یہ تجلیات اور حضوری کہاں اگر وہ گرفتارِ معصیت ہوں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے فرشتوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اہلِ زمین کے لیئے دعائے مغفرت کرنے لگے۔ جیسا حق تعالیٰ فرماتا ہے "والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔

لیئے قانون بھی منظور ہوگئے تھے۔ یہ اِس مجلس کے ممبر سارے میں دورہ کرتے پھرتے تھے۔ صرف گلاسگو کے ایک ہی دورے میں ستّرہ آدمی زندہ جلا دیئے گئے۔ ڈاکٹر اسپرنگ نے لکھا ہے کہ عیسائیوں نے **نوے لاکھ جادوگرنیوں کو زندہ جلا دیا"**

۱۵۶۳ء میں جرمنی میں ایک شخص ویر نامی پیدا ہوا جس نے جادو کو سب سے اول غلط بتایا۔ ۱۵۸۴ء میں دوسرا شخص پیدا ہوا اور اُس نے سابق الذکر کی تائید کی۔ اب جادوں کے منکروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ انگلستان میں ۱۷۲۲ء کے بعد زندہ جلانے کی رسم کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جرمنی میں ۱۷۴۹ء میں اور سوئٹزرلینڈ میں ۱۷۸۲ء میں اور ہوزن میں ۱۷۹۳ء میں

اب ہاروت و ماروت کی حالت سخت پشیمانی میں دن بدن زبون ترین ہوتی گئی ساطیروہ حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی پوری کیفیت بیان کی اور کہا آپ ہماری شفاعت خدا کے آگے کریں ہمارا قصور معاف ہو اور ہم اپنے اصلی جائے قیام پہ چلے جائیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا ٹھیرو جمعہ آنے دو میں تمہاری بابت رب العرش کے حضور عرض کروں گا۔ دوسرے دن ہفتہ کو یہ دونوں حضرت ادریس کے پاس آئے اُنہوں نے کہا میں نے تمہاری سفارش کی تھی قبول نہیں ہوئی اگلے جمعہ کو پھر دریافت کرونگا چنانچہ دوسرے جمعہ کو دریافت کیا گیا تو یہ جواب آیا کہ ہاروت و ماروت سے دریافت کیا جائے کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا اگر وہ دنیا کا عذاب چاہیں تو اُنہیں دُنیا کا دیا جائے اور جو آخرت کا عذاب چاہیں تو آخرت کا ہو۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے یہی فرمادیا۔ ہاروت و ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ عذاب دنیا فانی ہے اور عذاب آخرت باقی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم عذاب دنیا کو اختیار کریں۔ مشورہ کے بعد اُنہوں نے اپنی مرضی ظاہر کردی کہ ہم عذاب دنیا چاہتے ہیں حضرت ادریس نے بارگاہ عالی میں یہی عرض کردیا۔ فوراً فرشتوں کو حکم ہوا کہ لوہے کی آتشیں زنجیریں لیکے جاؤ اور اُن کا بند بند جکڑ کے کوئیں میں اوندھا لٹکا دو اور اُس کوئیں میں تیز آگ برابر بھڑکتی رہے اور باری باری سے ایک فرشتہ ہر وقت موجود رہے جو آتشیں کوڑوں سے شب و روز اُنہیں مارتا رہے جب تک قیامت نہ ہو اُن کی یہی کیفیت رہے اور اُن پر یہی عذاب ہوتا رہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک فرشتہ کوڑے بازی سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر نیا فرشتہ آتا ہے اور جو فرشتہ ایک بار ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں آتا۔ پیاس کے مارے اُن کے مُنہ میں کانٹے پڑ رہے ہیں اور زبان تالو خشک ہوا جاتا ہے۔ جب اُنپر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے تو اُن کے پاس پانی لیجاتے ہیں۔ جب وہ پانی کے لیئے مُنہ کھولتے ہیں تو پانی علیحٰ

بھی زندہ جلائے جانے کی رسم پائی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ ۱۸۶۶ء میں ایک شخص انگلستان میں ڈاکٹر ہیرس کی عدالت میں مجرم قرار دیا گیا کیونکہ اُس نے کہا کہ بیماری جادو سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اُسکو بھی جادو آتا ہے اور اُسی سے آرام ہو سکتا ہے۔ اکثر مریضوں سے اُس شخص نے روپیہ بھی جادو کی بیماری کو دُور کرنے کے لیئے وصول کیا تھا۔

یہ غضب تھا جو جادو نے مغربی دنیا پر برپا کیا۔ نوّے لاکھ عورتوں کا زندہ جلا دینا ایک ہیبتناک کارروائی ہے جو صدیوں تک یاد رہے گی اور جب تک تاریخ یورپ قایم ہے یہ دھبہ اُس کے دامن سے نہیں جا سکتا۔ جادو سے معتقد اب بھی یورپ میں بہت ہیں۔ بھوت۔ پریت اور ارواح خبیثہ کے اثرات کو ماننے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اُنکی اتنی تعداد نہیں ہے جتنی مشرقی دنیا میں جادو ٹونے کے معتقدوں کی ہے۔

ہمیشہ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ ایسی ہی خرابیوں کے باعث ہوا کرتے ہیں۔ جھوٹا ہے وہ مذہب جو اپنے معتقد

کرلیا جاتا ہے۔

یہ قصہ متعدد تفاسیر سنن بیہقی۔ مسند امام احمد میں بیان ہوا ہے اور کتب احادیث میں روایات متعددہ اور طریق مختلفہ سے کہ بہت صحیح مانے گئے ہیں مروی ہے لیکن مفسرین متکلمین نے اس قصہ کی صحت سے اختلاف کیا ہے مثلاً ہمارے امام فخرالدین رازی اور قاضی بیضاوی نے اس قصہ سے صریح انکار کیا ہے اور اسے محض ایک فسانہ سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا ہے اور اپنے اختلاف کی یہ وجوہات لکھی ہیں۔

اول یہ کہ فرشتے بالاجماع معصوم ہیں معاصی کبیرہ کا صدور اُن سے ممکن نہیں کیونکہ یہ منافی عصمت ہے۔

دوم۔ اُن دونوں فرشتوں کو اس شدید عذاب کی گرفتاری میں جادو کی تعلیم کی فرصت کہاں سے آئی۔ وہ بیچارے تو اپنے حال میں مبتلا ہیں اور لوگ اُن کے ملنے کے لیئے کیونکر جا سکتے ہیں اور پھر اُن کا آنے والوں کے ساتھ اختلاط پیدا کرنا کیسا۔

سوم۔ یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک فاجرہ عورت اسم اعظم پڑھتے ہی آسمان پر اُڑکے چلی گئی اور پھر وہاں ستارہ بن گئی جو ابھی تک چمک دے رہا ہے بجائے اسکے کہ اُسکے گناہوں۔ بدکاریوں اور فسق وفجور کی سزا دی جاتی اُلٹا اُس پر یہ احسان عظیم کیا گیا کہ آجتک کسی ولی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

چارم۔ یہ کہ زہرہ تو مشہور سیارہ ہے جو حضرت آدم کی خلقت سے پہلے موجود تھا اور اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت اس سیارے کا جو سبعہ سیارات میں سے ہے ظہور ہوا ہے۔

پنجم۔ یہ قصہ فرشتوں کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنہوں نے کہا اے باری تعالیٰ اگر ہم میں غضب اور خواہش نفسانی ہوتی پھر بھی ہم کبھی گناہ نہ کرتے حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ اگر تم میں انسانی غضب وغیرہ کا مادّہ ہوتا تو تم گناہ کبیرہ کرتے۔ اِس واقعہ سے جناب الٰہی کی صریح تجہیل اور تکذیب لازم آتی ہے اور یہ فعل شنیع منافی ایمان ہے

خیالات کا بانی ہو۔ لعنت ہے ایسے عقاید پر جن سے بے گناہوں کے گلوں پر چھری پھرے۔ شہر کے شہر برباد ہوں اور معصوم بچے اپنی ماؤں کی گود میں زندہ جلا دیے جائیں۔ ایسا عقیدہ یا مذہب شیطانی ہوتا ہے جس میں خدا کی کھیتی کو پامال کرنے کی تعلیم ہو۔ جتنے جادو کے جرایم میں خون ہوئے خواہ وہ عیسائی دنیا میں ہوئے ہوں یا اسلامی عالم میں اُس کے جواب دہ پیشوایان دین ہیں کیونکہ اُن ہی کے یہ مسئلے نکالے ہوئے تھے سو وہ کوئی عذر بھی خدا کے آگے نہیں کر سکتے۔ اور اُنہیں رب العرش کے حضور قیامت کے دن سرنگوں ہونا پڑے گا ؛

اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دو فرشتوں کے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مخلوق خدا میں جادو کی تعلیم پھیلے تو گویا خداوند تعالیٰ نے جادو کی تعلیم مخلوق کو خود دی اس لحاظ سے جادو علم خداوندی سے ہوا۔ حالانکہ یہ نہیں ہے۔

ہمارے متکلمین کا یہ ردو قدح ہے جو وہ قصۂ ہاروت و ماروت پر کرتے ہیں ہم ابھی اس پر کوئی رائے نہیں دیتے ابھی ہمیں جادو کی بابت اور بھی اپنے علمائے کرام کے اقوال نقل کرنے ہیں پھر بالتفصیل اپنی رائے کا اظہار کریں گے

ہمارے بعض علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ جادو فی نفسہ ایک بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس سے فایدے بہت ہوتے ہیں۔ جادو کی تعلیم کی وجہ سے معجزے۔ کرامت۔ شعبدہ بازی میں فرق بہت بڑا معلوم ہو جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے شر سے بچے گا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو جادو آتا ہے اور وہ اپنے جادو کو ناپسندیدہ موقع سے استعمال نہیں کرتا تو اُس سے زیادہ ثواب اور کسی کو نہیں ہو سکتا کہ باوجود قدرت گناہ رکھنے کے گناہ نہیں کرتا۔ اہلِ بابل پر تو اس لیئے عذاب نازل ہوا تھا کہ وہ جادو کی تعلیم سے مغرور ہو گئے تھے اور خدا کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے یہ جانتے تھے کہ تمام کائنات کا انتظام ہمارے ہی ہاتھ میں ہے جو سیاہ سفید ہم چاہیں کر سکتے ہیں۔ یہ باتیں خدا کو بُری معلوم ہوئیں اور اس نے اُنہیں غارت کر دیا۔ ہاروت و ماروت کے قصہ کو ہمارے بعض علما نے بالکل صحیح تسلیم کر لیا ہے اور وہ دعوے کرتے ہیں کہ جب اخبار او آثار سے مرفوعاً یہ قصہ تواتر کی حد تک پہنچا ہوا ہے پھر اسے نہ ماننے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اگرچہ امام فخرالدین وغیرہ مفسروں نے اس قصہ کی تکذیب کی ہے۔ ہم نے وہ روایتیں جو ہاروت و ماروت وغیرہ کی نسبت آئی ہیں عمداً قلم انداز کر دی ہیں کیونکہ اُنہیں ایک ہی جگہ جمع کرنے سے بے مزا طول ہو جاتا ورنہ بیان تو اس طول طویل طور پر ہوا ہے کہ جسکی حدو پایان ہی نہیں۔ اور اس قصہ کے مؤید اصحاب نے وہ وہ دلائل اس کی صحت میں پیش کیئے ہیں گو یا یہ قصہ یقینی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہے۔ اور کچھ ایسے بسط کے ساتھ بحث کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اس مسئلہ کو ایک اہم اور ضروری اصول اسلام کا خیال کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ زہرہ کی روح زہرہ سیارہ کی روح کے ساتھ بیشک مل گئی اور یہ بات ممکن ہے چنانچہ اُنہوں نے بڑی کوشش سے چند دلچسپ روایتیں بہم پہنچائی ہیں جن میں ایک ہدیہ ناظرین ہے

زبیر ابن بکار و ابن مردویہ و دیلمی حضرت امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (یعنی حضرت علی نے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مسخ شدہ صورتیں کتنی ہیں آپ نے فرمایا گیارہ ہیں۔ ہاتی۔ ریچھ۔ سور۔ بندر۔ مارماہی۔ سوسمار۔ طوطہ۔ بچھو۔ عموص۔ مکڑی۔ خرگوش سہیل۔ زہرہ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے مسخ ہونے کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا۔ ہاتی پہلے آدمی تہا۔ مگر اسے خلاف وضع فطری افعال کا بہت شوق تھا اور اس کی تمام عمر لواطت اور اسی قسم کے افعال شنیعہ میں گذری اخیر وہ ہاتی بنا دیا گیا۔ ریچھ مخنث تھا جو مثل عورتوں کے اپنے کو آراستہ کیا کرتا تھا۔ سور نصاریٰ کی ایک جماعت تہی جس نے مائدہ کی نازل شدہ نعمت سے کفران کیا تھا۔ بندر یہودی تھے کہ شنبہ کے دن اُنہوں نے

مچھلی کا شکار کیا۔ مار ماہی دیوث شخص تھا کہ اپنی بیوی اور غیر مردوں میں دلالی کرتا تھا۔ سوسمار ایک بادیہ نشین دہقان تھا کہ حاجیوں کے قافلہ کو لوٹا کرتا تھا۔ طواط وہ شخص تھا جو درخت سے میوے چرایا کرتا تھا بچھو ایک زبان دراز شخص تھا اور جس کی زبان درازی سے کسی کو پناہ نہ تھی۔ عموص چغل خور شخص تھا کہ اپنی چغلخوری کی وجہ سے اپنے دوستوں میں لڑائی کرا دیتا تھا۔ مکڑی ایک عورت تھی جس نے اپنے خاوند پر جادو کرکے اُسے قتل کرا دیا تھا۔ خرگوش بھی عورت تھی کہ ایام کے بعد غسل طہارت نہ کرتی تھی۔ سہیل یمن میں ایک چونگیا تھا جو لوگوں سے جبراً چیزیں چھین لیا کرتا تھا۔ زہرہ ایک پادشاہ کی لڑکی تھی جس نے اپنے حسن وجمال سے ہاروت وماروت کو اپنا مفتون بنا لیا تھا۔ اِس قصہ کے تتمہ پر تفسیر زاہدی والا لکھتا ہے کہ ہاروت وماروت اگرچہ جادو کی تعلیم کرتے تھے مگر پہلے سمجھا دیتے تھے کہ جادو سیکھنا سخت زبون ہے اور جب لوگ نہ مانتے تھے تو وہ مجبوراً تعلیم کر دیتے تھے ان کے جادو کی تعلیم مثل شیاطین کے نہیں تھی جنکا ارادہ خلق اللہ کو گمراہ کرنے کا تھا۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کہ شیطان روزمرہ صبح کے وقت اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے اور اپنے شیاطین کو زمین پر مخلوق خدا کے گمراہ کرنے کے لیئے روانہ کرتا ہے پھر شام کو اُن کے کاموں کا جائزہ لیتا ہے جو شیطان کوئی بڑا کام کرکے آتا ہے اُس کی وہ بڑی عزت کرتا ہے اور اپنے پاس بٹھاتا ہے۔ ایک شیطان اپنی کارگزاری اس طور پر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اسقدر ورغلایا کہ اخیر اُس نے زنا کیا یا شراب پی یا چوری کی ایک شیطان کہتا ہے کہ واہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا میں نے ایک عورت اور خاوند میں سخت نااتفاقی ڈلوا دی اور اُن کی جدائی کرا دی شیطان اس سے بہت خوش ہوتا ہے اُسے اپنے پاس بُلاتا ہے اور اپنے سینہ سے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بہت سعادتمند فرزند ہے۔

ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب اغانی میں عمر بن دینار سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن علیہ السلام نے قیس کے باپ ذریح سے کہا کہ آیا تیرے نزدیک حلال ہے کہ تو نے قیس اور لبنیٰ میں جدائی پیدا کر دی کیا تو نے یہ نہیں سُنا ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک جورو خاوند میں جدائی ڈالنا اور دونوں کی تلوار سے گردن اُڑا دینا برابر ہے لیکن مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ اتحاد رکھیں کیونکہ اُن کے جادو کا ادنےٰ کرشمہ میاں بیوی کی نااتفاقی ہے۔ یہودیوں کا ایک جادو بیان ہوا ہے جو اُنہوں نے بعض صحابہ پر کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہودی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو راعن کہا کرتے تھے جسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور منع کیا گیا ہے کہ نبی کو راعن نہ کہو۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی بعض ناسمجھ مسلمان بھی اپنے برحق نبی کی نسبت راعن کا لفظ استعمال کرنے لگے تو بیان کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اُن پر جادو کر دیا تھا وہ یہ سمجھ نہ سکے کہ راعن کا لفظ نبی معصوم کی نسبت استعمال کرنا کفر ہے۔ وہ بھی اُن کے ساتھ کہنے لگے کہ ایک دن حضرت سعد بن معاذ کا یہودیوں کے ہاں گزر ہوا۔ آپ کی ملاقات یہودیوں سے بہت تھی۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہودیوں نے راعن کا لفظ کہا۔ سعد کو بہت غصہ آیا اور کہا اے یہود تم نے اگر راعن کا لفظ کہا تو

میں گردن اُڑا دوں گا یہودیوں نے مکر سے بیان کیا کہ ہم نے بُری نیت سے یہ الفاظ استعمال نہیں کیئے ہیں۔ آپ کے اور بھائی مسلمان بھی بولتے ہیں۔ آپ اسی غصہ میں اُٹھ کے سیدھے حضور انور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ سے ابھی بیان نہ کیا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی " یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا الخ" غرض اسی قسم کی بہت سی روایتیں ہیں جو جادو کے معتقد جادو کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی برحق پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا اور اُس کا گونہ اثر بھی آپ پر ہوا تھا مگر ہم اسے نہیں مانتے ہمارا ایمان ایسی باتیں سُن کے کانپنے لگتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ کس غلط فہمی سے مسلمانوں نے خود ذات اقدس واطہر سے بھی جادو کے معاملہ میں درگزر نہیں کی۔ ہمارا جو کچھ مذہب ہے یہ ہے کہ اگر یقین بھی کر لیا جائے کہ جادو کوئی چیز ہے اور جتنی اُسکی قوت بیان کی گئی ہے تھوڑی دیر کے لیئے سب کو حق سمجھ لیا جائے اور چند منٹ کے لیئے تمام دنیا کو ہم جادوگروں سے بھرا ہوا تسلیم کر لیں اور اُن میں سے ایک ایک جادوگر ایسا ہو جو آسانی سے آسمان میں چھید کر سکتا ہو اور پھر وہ اپنی مشتملہ قوت سے مل کے ہمارے نبی معصوم و برحق پر جادو کریں بالکل محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ آپ پر اسکا خفیف سا بھی اثر ہو۔ جو ذات پاک عالم کے لیئے رحمت بنا کے بھیجا گیا ہو جبکی پیدائش ہی سے روح القدس ہمقرین رہی ہو جسکا ایک ایک لفظ بہت بڑا زبردست قانون کا حکم رکھتا ہو اُس پر ناپاک روحوں کی قوت کچھ بھی نہیں چل سکتی۔ اُس کی نگاہوں میں وہ تاثیر تھی کہ وہ ایک نظر سے صد ہزار جادوؤں کو توڑ سکتا تھا نگاہ کیا اُس کا مقدس نام ہزاروں سحر کے قلعوں کو تسخیر کے لیئے کافی تھا اب بھی اِس مقدس اور مبارک نام میں بہت بڑی قوت باقی ہے اور اب بھی اس میں زندہ روح موجود ہے۔ ہم اسے قیامت تک تسلیم نہیں کر سکتے کہ ناپاک روحوں کی قوت اس پر غلبہ پا سکے جس کی نسبت یہ یقین کرنا ہمارا ایمان ہو۔

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

اب ہم نفس جادو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے علما نے جادو کی نسبت لکھا ہے اگر اُسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُس سے کیا مستنبط ہوتا ہے اور جادو کی کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔ جس نے گزشتہ صفحوں کو بغور مطالعہ کیا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ جادو کے معنی غیر از خدا کی پرستش کرنے اور اُن سے نہ صرف مدد چاہنے بلکہ اُنہیں قادر مطلق سمجھنے کے ہیں چونکہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ اسی لیئے ہمارے فقہا نے ایسے مسلمان کی سزا جو جادوگر مشہور ہے یعنی ارواح خبیثہ کی پرستش کرتا ہے اور اُن ہی میں ساری قوت مانتا ہے گردن زدنی قرار دی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ اُسے تین دن کی مہلت دیگئی ہو کہ وہ اپنی حالت پر غور کرے اور غیر اللہ کی پرستش سے تائب ہو۔ جادو کے زور سے کسی شخص کو قتل کر ڈالنے کے یہی معنی ہیں کہ اسے خدائے واحد کی پرستش سے باز رکھ کے سورج۔ چاند۔ درخت۔ پہاڑ۔ پتھر۔ لکڑی کی

پرستش سے لگا دیا گویا اسے جان سے مارڈالا اور کہیں کا نہ رکھا۔ مگر غور سے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے
کہ مثل یہودیوں اور نصاریٰ کے مسلمانوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جادوگر مافوق الفطرت منشا ہو سے کرا دیتا ہے
آسمان سے مینھ کا برسادینا پتھروں کی بارش کرادینا کسی کو جان سے مارڈالنا کسی کو کسی جانور کی صورت میں
بنادینا یہ باتیں جادوگر کے دست قدرت میں ہیں اور وہ جب چاہے ایسے عمل بآسانی کر سکتا ہے۔ مگر یہ
ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں اور صدق کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے کہ جادو
کی روایتیں اس کثرت سے نقل کی گئی ہیں کہ اُن کا درجہ تواتر تک پہنچگیا ہے مگر جب اُن میں اختلاف ہے تو
ہم ایسے تواتر کو لیکے کیا جاٹیں۔ قرآن مجید ہمارا فیصلہ کرنے والا ہے اور اُسی سے ہم اپنے دعوے کی صداقت
لا سکتے ہیں۔ قرآن میں جہاں سحر کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی حقارت اور تضحیک کی گئی ہے اور سحر کی گفتگو
ہمیشہ کافروں کی زبان سے بیان کی گئی جہاں فرمایا ہے کہ کافر کہتے ہیں قرآن تو بالکل جادو ہے کافر کہتے
ہیں کہ محمد تو جادوگر ہے۔ اب اس کے کیا معنی ہوئے یعنی کفار کی یہ ساری باتیں ناقابل تسلیم اور محض لغو ہیں
کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے جیسا ہمارے عقاید کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ ایک
جگہہ قرآن مجید میں فرمایا ہے" ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا
ان ھذا الا سحر مبین" یعنی اے محمدؐ اگر تم ان سے کہو کہ میرے بعد تم دوبارہ زندہ اُٹھائے جاؤ گے
توجو لوگ مُنکر ہیں اُسے سُن کے ضرور کہیں گے کہ یہ تو صریح جادوگروں کی سی باتیں ہیں " یہاں خداوند تعالیٰ
نے منکران روز قیامت کا بیان فرمایا ہے اور یہاں جادوگر کے معنی فریبی پائے جاتے ہیں۔ مُنکران قیامت
نے خداوند تعالیٰ کے اِس قول کو کہ دوبارہ لوگ اُٹھائے جائیں گے محض دھوکا خیال کیا ہے اور اُنہیں
اس کا یقین نہیں آیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اُنہوں نے بیان کیا جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ایسی
باتیں کیا کرتے ہیں حق کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہے سحر کے معنی دہوکا اور فریب کے ہیں جسکا ذکر صاف
طور پر آگے کی آیت میں آگیا ہے جہاں فرماتا ہے " الا یوم یاتیھم لیس مصروفا عنھم وحاق بھم
ما کانوا به یستھزءُون " یعنی سنو جو وقت اُن پر عذاب نازل ہوگا پھر وہ کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں
اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑا رہے تھے وہ اُنہیں لپٹ جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ
کسی دہوکا دینے والی چیز پر انسان کا قہقہہ اُڑا کرتا ہے۔ جادو کو جب کفار حق سمجھتے تھے پھر اُس پر ہنسی اُڑانا
کیسا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے معنی فریب اور دہوکے ہیں اسی لیئے وہ اُس پر ہنسی اُڑاتے تھے مگر
اخیر ان کی ہنسی اُن کے لیئے خطرناک ثابت ہوئی اُنہیں حق پر دہوکا ہوا تھا چند ہی روز کے بعد حق چمکا اور
انہیں کھل گیا کہ جس چیز کو ہم نے دہوکا اور فریب سمجھا تھا وہ حق نکلی اور ہم ہی دہوکے میں رہے۔ ایک دوسرے
مقام پر قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے " واذا تتلیٰ علیھم اٰیٰتنا بیّنٰتٍ قال الذین کفروا للحق
لما جاءھم ھٰذا سحر مبین " یعنی اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ کے سنائی

مقدمہ

تفسیر الفرقان

جلد ۱ نمبر (۱۴)

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک للعہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع تزئین مقبول جہان شد

قیمت فی جلد ....

جاتی ہیں تو جو لوگ قرآن برحق کے منکر ہیں وہ اسکی نسبت کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے یعنی صریح دھوکا ہی۔ یہاں سحر سے اگر جھاڑ پھونک کی مطلب لیا جائے تو پھر اُن کا قول بے معنی سا ہوجاتا ہے جب جادو تھا تو ان پر اسکا اثر ہونا چاہیئے تھا اور جب اُن پر اثر نہوا تو پھر وہ جادو کیسا۔ بلکہ یہاں سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں اور اسکے معنی یہ ہیں کہ محمد جو یہ بیان کرتے ہیں قرآن خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے یہ تو صریح دھوکا ہے۔ بھلا کہیں ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے محمدؐ پر کلام نازل ہو۔ ہمارے اس قول اور دعوے کی شہادت کہ سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں نہ کہ اس جادو کے ہیں جو عوام میں ایک مافوق الفطرۃ قوت رکھنے والا سمجھا جاتا ہی آگے آنے والی آیت سے کھلے الفاظ میں ملتی ہے "اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰیهُ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَلَا تَمْلِکُوْنَ لِیْ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ" یعنی کیا یہ لوگ قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ اُسے اس شخص نے اپنے دل سے بنا لیا ہے۔ ای پیغمبر تم اُن سے کہو اگر میں نے قرآن کو اپنے دل سے بنایا ہوگا تو تم تو خدا کے مقابلہ میں میرے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ پُرانے عقیدوں کی پٹی کو آنکھوں سے کھول ڈالو اور نہایت انصاف سے بغور دیکھو کہ سحر کے کیا معنی خدائے تعالی نے فرمائے ہیں اور ہم سحر کے کیا معنی سمجھتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہی۔ خدا ہی کے بتاتے ہوتے کو لکھا ہے۔ ہم مٹ جائیں اگر ہم کلام باری کے علاوہ کسی لفظ کے معنی کہیں۔ اُسیوقت ہمیں نیست و نابود ہو جانا چاہیئے اگر ہمارے دلمیں بھولے سے بھی یہ خیال گزرے کہ منشائے باریتعالی کے خلاف ہم ایک حرف نکالنے کی جرأت کریں۔ اس سے زیادہ صریح سحر کی حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن نے کسی جگہ بھی جادو سے وہ مفہوم نہیں لیا ہے جو عام طور پر لیا جاتا ہے وہ علی الاعلان شہادت دے رہا ہے کہ سحر صرف دھوکا اور فریب ہے۔ ورنہ اُسکی کچھ حقیقت نہیں ہی۔ پھر ہمیں کب بیا ہے کہ غلط روایات کی بنا پر ہم جادو کی ایک نئی دنیا بنائیں اور اُسمیں وہ مافوق الفطرۃ باتیں ملاویں جن کا ظہور خود انبیاء سے بھی نہو سکا۔ اور سوائے قادر ذوالجلال کے اُن پر کوئی قادر نہیں ہے۔ جادو کی نسبت صراحت سے شعرا کی سورہ میں بیان ہوا ہے جہاں یہ حکایت جادوگروں اور حضرت موسیٰ کی لکھی ہی۔ اے پیغمبر ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمھارے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ ان ظالم لوگوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس جاؤ کیا یہ لوگ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے جھٹلائیں نہیں اور بات کرنے میں میرا دم رکتا ہی اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی تو ہارون کو کہلا بھیج کہ وہ میرا ساتھ دے اور میرے ذمہ قبطیوں کا ایک تاوان بھی ہی کہ میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا۔ تو میں ڈرتا ہوں کہیں اُس کے بدلہ میں مجھے نہ مار ڈالیں فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہونے پائیگا۔ اچھا تم دونوں بھائی ہماری نشانیاں لیکے جاؤ اور ہم تمھارے ساتھ ہیں اور جو گفتگو تمھارے اُن کے درمیان ہوگی اُسکو سنتے رہینگے۔ غرض تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم تمام جہان کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کیجیے۔ چنانچہ موسیٰ اور ہارون خدا کا حکم لیکے فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے کہا موسیٰ کیا تجھے ہم نے بچہ رکھ کے اپنے ہاں نہیں پالا اور تیری اتنی عمر ہونے آئی تو اپنی اس عمر میں سے برسوں ہمارے ہاں رہا۔ اور تو نے ایک حرکت اور بھی کی تھی جو کی تھی یعنی قبطی کو مار ڈالا تھا اور تو بڑا ہی

ناشکر ہے۔ موسیٰ نے کہا اُن دنوں میں وہ حرکت کر بیٹھا اور میں غلطی پر تھا۔ پھر جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تمھارے ہاں سے بھاگ گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد میرے پروردگار نے مجھے پیغمبری کے اختیارات عطا فرمائے اور پیغمبروں میں سے مجھے بھی ایک پیغمبر بنایا۔ اور یہ بھی کوئی احسان ہے جسکی آپ مجھپر منت رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ فرعون نے پوچھا اور تمام جہان کا پروردگار کیا ہے جسکی طرف سے تم نے اپنا آنا بیان کیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا وہی آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب کا پروردگار۔ اگر تم یقین کرو۔ فرعون نے اپنے مصاحبوں سے جو اُس کے گرد بیٹھے تھے کہا کیا تم موسیٰ کی باتیں نہیں سُنتے۔ موسیٰؑ نے کہا وہی تم لوگوں کا پروردگار اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار۔ فرعون نے پھر اپنے مصاحبوں سے خطاب کر کے کہا کہ ہو نہو یہ تمھارا رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی پورب اور پچھم اور جو کچھ اُن دونوں میں ہے اور سب کا مالک اگر تم عقل رکھتے ہو۔ آخر کار فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ اگر میرے سوا کسی اَور کو تو نے خدا مانا تو میں تجھے قیدیوں میں داخل کر دونگا۔ موسیٰ نے کہا کیا میں ایک کھلا ہُوا معجزہ بھی آپ کو دکھا دوں تو بھی۔ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اُسے دکھا۔ اسپر موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو ڈالدیا تو کیا دیکھتے ہیں وہ ایک صریح اژدہا ہے اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو نکالتے کے ساتھ ہی سب دیکھنے والوں کی نظر میں چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اُس کے ارگرد بیٹھے ہوئے تھے کہا اِس میں شک نہیں کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھارے ملک سے نکال باہر کرے تو اب تم لوگ کیا صلاح دیتے ہو۔ درباریوں نے عرض کیا کہ حضور موسیٰ اور اُس کے بھائی ہارون کے معاملہ کو چند روز ملتوی رکھیں۔ اور شہروں میں جادوگروں کے جمع کرنے کو ہرکارے روانہ فرمائیں کہ وہ تمام بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو سرکار میں لا حاضر کریں۔ غرض دن مقرر ہوا اور اُس روز مقررہ کے وعدے پر سب جادوگر جمع کیے گئے۔ اور لوگوں میں منادی کرا دی گئی کہ اب تک تو تم لوگ الگ تھلگ رہے ہو۔ اب ایسے موقع پر بھی تم لوگ جمع ہو گے یا نہیں۔ اگر جادوگر یعنی موسیٰ اور اُسکا ساتھی ہی غالب رہے تو شاید ہم اُن ہی کا دین اختیار کرلیں۔ تو جب جادوگر ملک کے اطراف و جوانب سے آحاضر ہوئے تو اُنھوں نے فرعون سے کہا۔ بھلا ہم ہی غالب رہے تو ہمیں سرکار سے کچھ انعام بھی ملیگا۔ فرعون نے کہا ہاں ضرور۔ اور انعام کا مذکور ہے۔ غالب رہنے کی صورت میں تو تم بارگاہ شاہی کے مقرب قرار دیئے جاؤگے۔ موسیٰ نے جادوگروں سے کہا جو کچھ تمھیں ڈالنا منظور ہو تم میدان میں ڈالو۔ اُسپر جادوگروں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں ڈالدیں۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ اسپر موسیٰؑ نے اپنا عصا میدان میں ڈالا تو بس وہ ان شعبدوں کو جو جادوگر بنا کے لائے تھے ایکدم سے لگا نگلنے۔ یہ دیکھکر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے پروردگار پر کہ وہ موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان لائے۔ فرعون نے کہا میں اِس سے پہلے کہ تمھیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو نہو موسیٰ تمھارا بڑا گرو ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہو۔ سو خیر تم کو اُس کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ ہم تمھارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹیں اور تم سب کو سولی دیں تو سہی وہ بولے کچھ حرج کی بات نہیں ہمکو تو بہر حال اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اور ہم امید رکھتے ہیں ہمارا

پروردگار ہمارے قصوروں کو معاف فرمائیگا۔ اس لیئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے“
قرآن مجید کے اس مضمون سے جادو کی حقیقت پوری پوری کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ فرعون بحیثیت ایک کافر ہونے کے بھی جادوگروں سے نفرت کرتا تھا اور نفرت صرف اس لیئے تھی کہ یہ لوگ شعبدہ باز تھے اور نہایت ارذل قوم میں سے تھے۔ اور اُن کا یہی پیشہ تھا جو آج کل مداریوں کا ہے جو ایک گھٹلی سے درخت پیدا کر دیتے ہیں اور رسی کا سانپ بنا دیتے ہیں یعنی در اصل وہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ فرعون کو حضرت موسیٰ کی تذلیل کرنی تھی اسلیئے اُس نے مداریوں کو بلا کر کہا کہ تم موسیٰ کا مقابلہ کرو۔ اُنہوں نے آ کے سوا اس کے کچھ نہیں کیا کہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں۔ خیال ہو سکتا ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی جادو تھا۔ جو لمبی چوڑی طول طویل باتیں قرآن سے علیحدہ جادو کی عظمت بیان کرنیکے لیئے نقل کی گئی ہیں قرآن میں اُن کا اشارہ تک نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کا شعبدہ بازوں کی لکڑیاں اور رسیاں نگلجانے کے یہی معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم اور دانا پیغمبر کے آگے اُنکی شعبدہ بازی کچھ نہ چلی جیسا کہ موجودہ مداری کسی عاقل شخص کو اپنی شعبدہ بازی سے دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ چونکہ ادنیٰ درجہ کے ذلیل لوگ تھے جب اُنہوں نے دیکھا کہ موسیٰ ہماری چالاکی یا شعبدہ بازی کو سمجھ گئے ہیں وہ سمجھ گئے کہ یہ بہت بڑا شخص ہے اس سے کسی حالت میں مخالفت ممکن نہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی جب اِن شعبدہ بازوں میں کوئی بڑا شعبدہ باز نکل آتا ہے اُسکے آگے کان پکڑ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ معاذ اللہ شعبدہ باز نہ تھے۔ مگر اُن کے شعبدوں کو اپنے آگے چلنے نہ دیتے تھے۔

قرآن نے تو جادو یعنی دھوکے فریب اور اس قسم کی شعبدہ بازی کی ہر جگہ حقارت کی ہے اور ان اعمال کو کفر بتایا ہے مگر تعجب ہے کہ ہمارے اکثر علما نے شعبدہ یا جادو کو ایک عجیب و غریب قدرت کا علم تصور کر کے ہزاروں روایتیں اپنی تائید میں بنا لیں۔ جسطرح بڑے بڑے لوگ اِس قسم کے شعبدہ بازوں کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے اسیطرح فرعون نے انھیں اچھا نہیں سمجھا اور محض حضرت موسیٰ کی تضحیک کرنیکے لیئے اُس نے یہ جلسہ کیا تھا۔ توریت میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔ مگر وہ اِن الفاظ میں بیان ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع توریت جادو کا قائل تھا تاہم اُس سے بھی محض ایک شعبدہ بازی پائی جاتی ہے جیسا کہ خروج باب ۷ ورس ۸۔ ۱۳ تک بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے
”اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو کہا کہ جب فرعون تمھیں کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون کو کہو کہ اپنا عصا لے اور فرعون کے آگے پھینک دے وہ ایک سانپ بن جائیگا۔ تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے آگے گئے اور اُنہوں نے وہ جو خداوند نے اُنہیں فرمایا تھا کیا۔ ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اُس کے خادموں کے آگے پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا پھر فرعون نے اپنے داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا۔ چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا۔ کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔ لیکن ہارون کا عصا اُن کے عصاؤں کو نگل گیا اور اُس نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اُس نے اُن کی جیسا خداوند نے کہا تھا نہ سُنی“

یہ ہی جادو یا سحر کی حقیقت جو ہم نے بیان کی۔ خدا شاہد ہے کہ اسلام اِن خیالات باطلہ اور اوہام ناقصہ سے بالکل

پاک ہی۔ اُس کے تمام اُصول قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اسی سے اُسے کل ادیان پر شرف حاصل ہی۔ اس نے ادنی ادنی باتوں کا بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا تعلیم کیا ہے۔ علماے کرام معصوم نہیں تھے کہ اُن کی ہر راے قابل تسلیم ہی ہو اور اُسمیں خطا کا احتمال نہو۔ وہ خود ہی قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے کہ کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ چاہے۔ اور پھر اُسکے مقابل میں جادو کو ایک ایسا قوی تسلیم کیا گیا ہے کہ اُسکی طاقت معاذ اللہ خدا سے بھی بڑھا دی ہی۔ یہ خیالات باطلہ مصریوں اور یونانیوں کے تھے۔ ایرانیوں نے اُن سے سیکھے اور جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اُنہوں نے اپنے قدیم خیالات کی تائید میں قرآن کی آیتوں سے اینچ تان کے مطلب نکال لیا۔ ہم پر فرض نہیں ہی کہ ہم خیالی روایتوں اور علماء کے اقوال کو زبردستی مان لیں۔ ہمیں خداوند تعالی نے فہم سلیم عطا کی ہے جس سے ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ حق اور ناحق کیا چیز ہے۔

اے روشن اسلام تو ان بیہودہ خیالات سے بہت ارفع و اعلی ہے۔ تیری بزرگی۔ تیرا جلال۔ تیرا انور ان اوہام کی تاریکی کو کبھی کا صاف کر چکا ہے۔ جو تیرے مقدس اُصول کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں۔ اُن کی عقل کا قصور ہے۔ اُن کی غلطی سے تجھ میں کچھ بھی نقص نہیں آسکتا۔ تیرا واجب الاحترام اور مقدس بانی عالم کی رحمت ہی۔ اُس نے نئے سرے سے اُس ان دیکھے خداے مطلق کی پرستش سکھائی۔ جس کی قدرت کے ہاتھ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جس کی عقل کامل ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اے سر دفتر پیغمبران تیرا جلال ابد تک قائم ہو۔ تو نے دنیا کو ہلاکت سے نجات دی۔ تجھ میں ان اوہام اور وساوس باطلہ کا نام و نشان کیوں ہونے لگا۔ تو ہر ایسے الزام سے پاک ہی۔ تیری عظمت مسلم ہے یہ تیری صداقت اور من اللہ ہونیکی شہادت ہی کہ آج تیرا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ اور تجھ میں وہی زندہ روح ہنوز باقی ہے جو ابتداے ظہور سے تجھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ تیری رو ان حس و خاشاک کو بہاکے لیجا رہی ہی جو تیرے رستہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں۔ تو خدا کا برگزیدہ ہی۔ اور تیری برگزیدگی مسلم ہے۔ جب کہ تیرا بانی انبیاے سابقین کا سچا محسن ہے۔ اس طرح تو بھی ادیان سابقہ کا مصلح ہے۔ جو تیری عظمت کو نظر انداز کرتے ہیں کرنے دے۔ دیکھ وہ کب تک تجھ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ ہم پر اپنا پورا انور چمکا اور ہمیں اپنے جلال میں لیلے۔ آمین ثم آمین۔
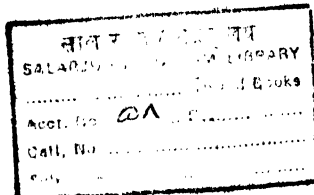
ساتواں باب

دعا و اجابت دعا

مثل اور مذاہب کے دعا بھی اسلام کی جزو اعظم ہے۔ اور جس طرح اسلامی کتب ہیں اور عظیم مسائل کے لیئے قرآنی آیتیں احادیث و آثار موجود ہیں اسیطرح دعا کے لیئے بھی نہ صرف قرآن مجید کی آیتیں بلکہ حدیثیں اور آثار بکثرت آئے ہیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہم آگے کرینگے۔ اسلام میں دعا کسے کہتے ہیں اور بانی اسلام کا منشا دعا سے کیا ہے۔ اور خداوند تعالی نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہے اور بزرگان دین کا عقیدہ دعا کی نسبت کیا ہے۔ ہم آگے بیان کرینگے۔ ابھی ہم حضرات معترضین کے اقوال اور نکتہ چینیاں قلمبند کرتے ہیں جن میں ہمارا کچھ دخل نہوگا۔ بلکہ ہم انھیں کے اقوال کا ترجمہ کر دینگے یا انہیں اپنی زبان میں دُہرا دیں گے۔ اور بس۔ اور جب ہم اُن کے اعتراضات ختم کر چکیں گے تو پھر قرآن و حدیث و آثار اور اپنی رائے اور استنباط سے اُن نکتہ چینیوں کا محققانہ جواب دیں گے۔

ہمارے بعض موجودہ زمانہ کے فاضل تو یہ فرماتے ہیں کہ دُعا عبادت ہی اور اُسکا مقبول و غیر مقبول ہونا صرف اطمینان قلب ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ نہیں دعا ضرور کوئی چیز ہے اور وہ کسی امر خاص کے لیئے خدائے تعالی کے حضور اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اقرار کرکے زاری اور فروتنی کے ساتھ عرض کرنا ہے۔ خواہ وہ عرض قبول ہو یا نہو مگر ان کا یہ خیال ہی کہ جو ارکان دعا کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں اگر اُن ہی ارکان سے کیجائے تو ضرور مقبول ہوتی ہے اور جس غرض اور مقصد کے لیے کیجاتی ہے وہ ایسے پوشیدہ ذرائع سے حل ہوجاتا ہے جن کا کبھی سان و گمان بھی نہ تھا اور نہ کبھی خیال ہو سکتا تھا۔ یہ خیال جہاں تک دیکھا جاتا ہے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ بلکہ کل اسلامی دنیا کا قریب قریب رہا ہے اور اس سے کسی نے صاف الفاظ میں انکار نہیں کیا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ کا فلسفہ اور سائنس ان قدیمی مسلّمہ اصول کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اُن کی تضحیک کرتا ہے اور اُس نے صدہا اعتراض نئے رنگ میں دعا اور اجابت دعا اور خدائے قادر مطلق کی انتظامی معاملات عالم میں دست اندازی کے بیان کیئے ہیں اور اُسکا دعوے ہی کہ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں۔ اور بڑھیوں کی کہانیاں ہیں کیسی دعا اور کس کی دعا کیسی اجابت اور کس کی مقبولیت ایسے خیالات مذہر کے تفصیل سے بیان کرینگی ہمیں اس لیئے ضرورت ہوئی کہ ہم بعد میں قرآنی بدیہات سے بحث کرینگے تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو علوم جدیدہ کے اصول موضوعہ اور قرآنی اصول متعارفہ سے مقابلہ کرنے میں لطف آئے اور وہ سمجھے کہ طبائع انسانی کا کس نے زیادہ پاس و لحاظ رکھا ہے اور قوانین قدرت کی کس نے زیادہ پابندی کی ہے۔ ہماری بحث جیسی محققانہ ہوگی اُسیطرح ہم انصاف کو بھی اپنے ہاتھ سے نہ دینگے اور نہایت معقول پیرایہ میں دونوں اُصولوں کو

مقابلہ کرکے دکھائیں گے۔ شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں۔ اور جس مضمون پر ہم نے قلم اٹھایا ہے شاید ہم اس سے ایک حد تک طرفین کا اطمینان کر سکیں۔

علوم جدیدہ کے ماہروں کا یہ خیال ہے

موجودہ صدی میں بتدریج انسانی عقائد میں ایک عجیب اور حیرتناک تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اور دن بدن برابر ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ تبدیلی مافوق الفطرۃ مذہب سے فطری مذہب کی طرف ہوئی ہے۔ دنیا میں انسانی ظہور سے اسوقت تک مافوق الفطرۃ مذہب کل ممالک اور کل حالات میں انسان کے ساتھ رہا ہے یا بالفاظ دیگر اس مذہب نے انسان کے ساتھ ایک ہی گہوارہ میں پرورش پائی ہے۔ اُس نے اس مذہب کی پرستش اور تحریم کو فطرۃ کی خارجی نیکیوں اور قوتوں کو جنہیں اُس نے اعلے درجہ کا تسلیم کیا ہے اپنا بڑا اصول قرار دے لیا ہے۔ اُس نے اپنے ہی خیالات سے ایک خاص ذات کو پیدا کیا اور اپنی تمام صفات و اعمال کو جو خود اُس کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یا جو حادثات اور واقعات وہ شب و روز اپنے گرد نظر کرتا ہے اُسکو سونپ دیئے ہیں اور ان سب معاملات کی باگ اُسی فرضی ذات کو دیدی ہے جس سے انسان نے اپنے قوانین مرتب کئے اور اپنے زندگی کے اعمال ایک تنگ دائرہ میں محدود کر دیئے اور اس پہلو سے اُس نے اس خیالی ذات کو دخل در معقولات کرنیکا بالکلیہ اختیار سونپ دیا۔

مافوق الفطرۃ ذات کے عقیدہ نے ہر قوم کا ایک نیا رنگ بدلا ہے۔ اور صدیوں پر صدیاں گزرتے گزرتے یہ عقیدہ خوب چھن گیا ہے۔ اور قدیم زمانہ کی نسبت اسمیں پاکیزگی اور عمدگی زیادہ آگئی ہے اور اسیصورت سے یہ مافوق الفطرۃ عقیدہ ہم میں جاری و ساری ہے۔ قدیم زمانہ میں انسان میں یہ فہم و دانش نہ تھی کہ وہ ان حادثات طبیعہ کی علت غائی پہچانتا۔ جو اُس کے گرد ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اس لیے اُس نے اِن کا ایک فرضی فاعل قرار دے لیا اور یہ سب قوتیں حدوث وغیر حدوث کی اُسی کے حوالہ کر دیں۔ اس بنا پر اُس نے خدا کو اپنے ذہن سے پیدا کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ طوفان بھی اُسی کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہی طوفان میں سکون بھی دیدیتا ہے۔ درخت پودے بھی اُسی کی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور حیوانات کی پیدائش بھی اُسیکے حکم کی محتاج ہے۔ انسان کو اُس نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کی مصیبت اور راحت کا دارومدار سب اُسی کی ذات پر موقوف ہے اور جو واقعات شب و روز انسان پر گزرتے ہیں۔ سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے قصہ مختصر یہ کہ اُس نے اپنے خیالات سے ایک مافوق الفطرۃ ذات پیدا کی اور کائنات میں اُسکی ایک زبردست قوت ہی تسلیم نہیں کی بلکہ اُسے مالک کل بنا دیا۔ اور کل اختیارات اُس کے ہاتھ میں دیدیئے۔

لیکن بتدریج ہزارہا برس گزرنیکے بعد علوم جدیدہ نے ہم پر یہ منکشف کر دیا ہے کہ حادثات طبیعہ جو ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں اُن کا ظہور محض فطری اسباب سے ہوتا ہے اور جب ہم نہایت دقیق نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سوائے فطرۃ کے اور کوئی دوسری چیز نہیں کام کرتی اگرچہ اُسکا کام کیسا ہی مخفی اور رازدارانہ ہو۔ اسصورت

میں مافوق الفطرۃ ذات کی مداخلت کا اصول روشن دماغ اشخاص میں ضمنی علت کے طور پر یقین کیا جاتا ہے اس شکل
مافوق الفطرۃ ذات کا عقیدہ ہنوز موجود ہے مگر بجائے اس کے کہ اس ذات کو حادثات طبیعہ میں کامل دخیل سمجھا
جائے یہ مانا گیا ہے کہ اس نے پہلے فطرۃ کو پیدا کیا اور اپنے قوانین کی زنجیر میں اسے جکڑ دیا اور ان قوانین کے
مطابق اس ذات نے جو چاہا بعد ازاں کیا۔ اس بنا پر عام طور پر یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ان ہی قوانین کے دائرہ
میں ہوتا ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ علوم طبیعات سے کامل بہورکھتے ہیں پھر بھی ان کا یقین ہے کہ خدا نے روز ازل
سے جو قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ان میں خفیف سی مداخلت بھی نہیں کیجاتی اور وہ ابتدا ہی سے ایک صورت پر
چل رہے ہیں۔ لیکن مذہب کی معمولی شکل بہ نسبت اس کے مافوق الفطرۃ ایجنسی کو بہت زیادہ تسلیم کرتی ہے
مذہب دعوے کرتا ہے کہ نہ صرف کائنات۔ حیوانات۔ جمادات مافوق الفطرۃ نے پیدا کئے ہیں بلکہ ہر وقت اس
ذات کو ان کے نظام میں دخیل ہونیکا اختیار بھی حاصل ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اب بھی یہی عقیدہ موجود ہے
اس طرح سے عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ مرض اور صحت خدا ہی ہمیں دیتا ہے اور وہی ہماری مصیبت اور راحت کا سرچشمہ
ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ اسکی روح القدس نے ہمارے ضمائر کو منور کر دیا ہے۔ جس سے ہمیں ضمیر کی ایک مقدس
حالت دستیاب ہوگئی ہے۔ اگر ہم مسیحی اصول کو بغور مطالعہ کریں تو ہمیں کھلجائے گا کہ بتدریج قدم بقدم ربانی مداخلت
کا خیال فطرۃ کی رفتار میں اسقدر پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جس نے بدیہی اصول طبیعات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ علم طبقات الارض
علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ فلسفہ فطریہ اور علوم فطری مثلاً علم نباتات اور علم حیوانات سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا
کہ مافوق الفطرۃ ذات کا کچھ بھی دخل ہے زبردستی اس ذات کے دخیل ہونے کو تسلیم کر لینا سخت افسوسناک مقام ہے
بغیر سخت جھگڑے اور جد و جہد کے یہ ناممکن ہے کہ مافوق الفطرۃ مذہب کو شکست ہو سکے وہ مذہب جس نے
نہایت کامیابی سے مذکورہ بالا علوم پر قبضہ کر رکھا ہے قدم قدم پر اسی مذہب کی حکومت ہے۔ بہت سے طبقات الارض
اور ہیئت کے ماہر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اسکی قید سے ذرا
بھی نہیں اکستے۔ جب تک حق پورے طور پر ظاہر نہو جائے مذہب کی حکومت نہیں جاسکتی۔

ضمیر کے عالم میں خاص طور پر خدا کی دست اندازی بہت اصرار سے تسلیم کیجاتی ہے۔ عامہ خلائق کا یقین ہے
کہ جتنی تبدیلیاں اور تغیرات مادی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب خدا کرتا ہے۔ مثلاً وہ ایک دریا کا فطری راستہ
بدلدیتا ہے۔ یا کیمیائی روابط کے فطری عمل میں اسی سے تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں محض بے بنیاد اور
غلط ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن اہل مذہب کا خیال ہے کہ ضمیر میں جو کچھ تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب خدا
ہی کرتا ہے۔ اسکی روح ضمیر پر حکومت کرتی ہے اور اسی کی وجہ سے غم اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔

جہاں اور جس ملک میں علوم جدیدہ کی حکومت ہے وہاں بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ موسموں کے تغیر و تبدل
میں بھی خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے پوشیدہ واقعات ہیں مثلاً آلوؤں کی کاشت وغیرہ جنکا اصلی
سبب معلوم نہیں سب خدا ہی کی دست اندازی کے اندر خیال کئے جاتے ہیں وہ امراض جو ہمارے اجسام کے ساتھ

لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں بھی بالخصوص ایک پوشیدہ فطرۃ خیال کیجاتی ہے مثلاً ہیضہ خاص طور پر خدا ہی کا بھیجا خیال کیا گیا ہے۔ خدا سے مینہ برسنے کی خوب گڑگڑا کے دُعا مانگی جاتی ہے مریض کے لیئے صحت کی دعا کیجاتی ہے اور ساتھ ہی ایک مصیبت زدہ اپنے دولتمند بننے کی دعا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دعا اور اجابت دعا کے قائل ہیں ہم سوال کرتے ہیں کیا اُنھوں نے کبھی خدا سے اس امر کی بھی دعا کی ہے کہ ایک شہر بن کے خود بخود تیار ہوجائے یا ایک ریاضی کا مسئلہ خود بخود حل ہوجائے۔ دعا اور اجابت دعا محض لغو اور وحشی فسانہ ہے۔ جسے صدق سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے فطرۃ کے رستہ میں مافوق الفطرۃ کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مافوق الفطرۃ ماتھ جب چاہے فطرۃ کے خوشنما کاموں کا ستیاناس کردے اور جب چاہے بنادے۔

عجب نقشہ ہے نقاش ازل کی کچھ طبیعت کا بناتا ہے مٹاتا ہے مٹاتا ہے بناتا ہے

وہ قوانین جنسے موسم متاثر ہیں وہ قوانین جو یکساں انسان اور پودہ کی صحت اور شادابی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں خدا کی دست اندازی یا دعاؤں کی تاثیر سے ایسے ہی علیحدہ ہیں جسطرح ایک شہر کی تعمیر اور ریاضی کے مسئلہ کا حل ہونا جب ہم خدا یا دعاؤں کی دست اندازی ایک امر میں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دیگر امور میں اُن کا دخل ہونا نہ تسلیم کریں۔ ہر مذہبی شخص خواہ اُسے مذہب میں کتنا ہی غلو کیوں نہو شہر کی تعمیر کے لیئے خدا سے دعا کرنی محض بے نتیجہ اور لغو خیال کرے گا۔ اور ایسی التجا کو طفلانہ اور نامعقول سمجھے گا۔ لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ فطرۃ کی کارروائیوں مثلاً تبدیل موسم وغیرہ کے لیئے دعا کرنا بے ثمرہ اور نامعقول نہیں خیال کیا جاتا۔

جس طرح مادہ کے قوانین میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔ اسیطرح قوانین ضمیر بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں اگر ہم بہت غور سے حادثات دماغی کو اپنے میں اور اوروں میں ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ مثل مادی حادثات کے بالکلیہ فطری اسباب پر منحصر ہیں اور کبھی کسی حالت میں ان پر دعاؤں یا مافوق الفطرۃ قوت کا سایہ بھی نہیں پڑتا دماغی اور اخلاقی علوم کو اس عظیم صداقت کی فروگزاشت نے سخت صدمہ پہنچایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علوم طبیعات نے بے انتہا ترقی کی ہے اور اُن کے مقابلہ میں دماغی اور اخلاقی علوم محض اپنی ابتدائی حالت میں بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ علم ترکیب اجسام نے اگرچہ اپنے کچھ پر پرزے نکالے ہیں پھر بھی مافوق الفطرۃ قوت کو اس شریف اور ضروری علم پر محیط خیال کیا گیا ہے۔ اور ابلہی سے یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ اس قوت کی پوری پوری حکومت بھی اجسام پر ہے حالانکہ اس قسم کی سب باتیں بعید الفہم اور لغو ہیں۔ اسی بیہودہ یقین نے آگے ترقی کرنے میں بڑی بڑی سد راہ بناکے کھڑی کردیں اور ہر قسم کی ترقی کی گاڑی میں ایسا روڑا اٹکا دیا کہ وہ اول تو جگہ سے جنبش ہی نہیں کھاتی اور اگر کھاتی بھی ہے تو جوں کی چال چلنے رہجاتی ہے

ہم میں نہ کوئی خیال نہ کوئی خفیف سی خفیف حرکت ایسی ہے جس کا بالکلیہ دارومدار اسباب فطری پر نہو اور ہمیں غور کرنیکے بعد اپنی ذات میں اُن کا کھوج نہ ملتا ہو۔ خیالات اور جوشش دل کے قوانین وہ حالتیں جن پر رنج راحت اور نیکی بدی کا دارومدار ہے یہ علم کیمیا کے اصول کی طرح بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں۔ ضمیر کو دعا و اجابت کا

مطیع کرنے اور روح کا تعلق مافوق الفطرۃ ذات سے کرنے نے اخلاقی علوم کو تہ و بالا کر دیا ہے اور سب تفحص اور آزادانہ تحقیق کا دروازہ بند کر دیا ہے وہ آزادانہ تحقیق جس سے ہم بہت کچھ اعلیٰ درجہ کے ثمرے حاصل کرتے اسی لیے آج ہم فطری اور اخلاقی علم سے محروم ہیں اور ہمیں اُسکی ہوا تک نہیں لگی ہے ضمیر کی صحت کے قوانین کی جن پر انکی خوشی اور اُسکی نیکیوں کا انحصار ہے جسطرح جسمانی صحت کا دارومدار طبی قواعد پر ہے کوئی علمی باقاعدہ شکل پیدا نہیں ہوئی۔ جب کبھی صحت جسمانی یا صحت ضمیری کے قوانین سے انحراف کیا جاتا ہے اُس کا نتیجہ مصیبت ہوتا ہے اور وہ مصیبت اپنی اغلاط کی اصلاح کرنیسے فوراً دور ہوسکتی ہے۔ دعائیں کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔

دماغی صحت کا علم ہنوز اپنی شیرخوارگی کیحالت میں ہے۔ اُسکے قواعد ناقابل تسلیم خیال کیے جاتے ہیں اور اُسکی تمام عمدگیاں مافوق الفطرۃ ذات کی تاریکی میں چھپی ہوئی ہیں۔ جیسا ہم ابھی بیان کرچکے ہیں کہ دو بڑے بڑے فطری رہنما جنپر دماغی صحت اور مرض کا انحصار ہے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے یعنی رنج و راحت جن سے تکلیف اور خوشی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اسیوجہ سے اسکے سمجھنے میں سخت تخلل برپا ہے کہ کس چیز سے ضمیر کی صحت اور نیک حالت قائم ہوتی ہے۔ ہماری اخلاقی عمدگی کے عام اُصول کو پوری صحت حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نیک نہیں بن سکتے اور نہ ہماری زندگی کیحالت درست ہوسکتی ہے۔ جن اوضاع و اطوار کی عیسائی بے انتہا تعریف کرتے ہیں اور اُنھیں خلیق بتاتے ہیں درحقیقت اُن میں اخلاقی مرض سرتاپا پایا جاتا ہے۔ سچے فطری اُصول کی ضرورت سے جسکی وجہ سے ہم دماغی صحت اور مرض کی جانچ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حالت جانچنے میں سخت غلطیاں واقع ہوتی ہیں اور جس پہلو سے ہم دوسروں کیحالت کی جانچ کرتے ہیں۔ اُسمیں بھی ہمیں سخت ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اسمیں ذرا بھی شک نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ تمام رنج اور ناخوشیاں دماغی اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اور اس کی بین وجہ اخلاقی صحت کے قوانین کا انحراف ہے اور تمام جنوں خیز نتائج اسی کمبخت نافرمانی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ خوشی صحت اور قوت جو دماغ کی حقیقی صفات ہیں سب رفوچکر ہوجاتی ہیں دماغ کی نیک حالت فطری مختلف اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ اسمیں اپنی دعاؤں کو دخل دینا اور اُن سے اپنے لیئے کوئی ثمرہ حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے خدا سے ایک مکان بننے کی دعا کرنا۔ اسپر بھی کتنے غضب کی بات ہے کہ خدا سے دعا مانگی جاتی ہے کہ وہ ہمیں ایک تائب دل ایک پر از محبت اور نیک روح عنایت کرے۔ یہ دُعا اصولاً اور بدیہتاً کیسی لغو اور بے سر و پا ہے۔ اور کیسی خطرناک ہی کیونکہ یہ یقین کہ ایک مریض کے حق میں دعا قبول ہوجائے گی اور وہ تندرست ہوجائے گا۔ کس قدر پر دہشت ہی۔

اس عقیدہ اور یقین سے کہ دعا کے ذرائع سے اس قسم کے کام ہوجاتے ہیں اور کوئی چیز دنیا میں سم قاتل کا اثر نہیں رکھتی یہ عقیدہ ہمیں اصلی اور حقیقی اسباب کا علم حاصل کرنیسے روکتا ہے۔ ہماری کوششوں کو اس عقیدہ سے فالج مار جاتا ہے کیونکہ ہمارا انحصار صرف ایک بے بنیاد خیال پر ہوتا ہے۔ جسکا کچھ بھی عملی نتیجہ نہیں پیدا ہوسکتا۔ نہ کبھی پیدا ہو۔ اور اسی خبط میں ہم اُن فطری اسباب کو فراموش کردیتے ہیں۔ جو ہمارے جاننے کے لیئے لازمی ہیں اور جنپر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ قدیم زمانہ میں عموماً مریض کے لیئے صرف دعائیں کیجاتی تھیں اور کچھ مذہبی رسمیں

ادا کیجاتی تھیں۔ شکر ہی کہ یہ خطرناک افعال موجودہ زمانہ میں ہم میں سے ناپید ہوگئے ہیں تاہم یہ غضب ابھی تک موجود ہے کہ مایوس مریض کے لیئے علاج کے ساتھ اب بھی دعا ضرور کیجاتی ہے اور اُسکی صحت اور آئیندہ قابل تضحیک مغفرت کی التجا خدا کے حضور ہوتی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ ہمارا یہ خبط اصولی ہے اور ضرور کچھ ثمرہ رکھتا ہی۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ضمیر میں یہ مافوق الفطرۃ **پخنسیاں** ہنوز اپنا دور دورہ رکھتی ہیں۔ اگر ایک شخص کا ضمیر ناخوش ہو اگر اُسکا ضمیر غصہ سے بھڑک رہا ہے یا بالفاظ دیگر اگر اُس کا ضمیر مریض ہے اگر ہم غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جو اسباب جسمانی مرض کے لاحق ہونیکے ہوتے ہیں اسیطرح ضمیری امراض کے لیئے بھی اسباب مقرر ہیں۔ جن کے باعث اِس ناخوشی کا ظہور ہوا اُن کا علاج فطری اسباب سے بخوبی ممکن ہے نہ کہ اُن کے لیئے بڑبڑایا جائے اور فرضی ذات سے طلب معاونت کیجائے۔ مگر مذہبی لوگ اِن ضمیری امراض کا صرف ایک ہی سبب جانتے ہیں اور وہ سبب **گناہ** قرار دیا گیا ہے اسیوجہ سے اُس گناہ کی معافی کی دعا کیجاتی ہے۔ اور وہ وسائل اور ذرائع نہیں استعمال کیئے جاتے جو فطری ہیں اور ان ہی پر صحت لازمی ہے۔ ساتھ ہی ایک بڑے تماشہ کی بات یہ ہی کہ جب ہمارا جسم مریض ہوجاتا ہے اُسکا علاج تو فطری ذرائع سے کیا جاتا ہے اور جب ہمارا ضمیر مبتلائے مرض ہوتا ہے تو اُسکا علاج مافوق الفطرۃ ذرائع سے ہوتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حقیقت یہ ہے کہ فطرۃ مافوق الفطرۃ ذرائع سے مطلق واقفیت نہیں رکھتی۔ اُسکی لاانتہا گوناگونی میں ایک سبب اور ایک علاج مرض کا نہیں ہے۔ ضمیر کا ہر جوہر علیحدہ علیحدہ اپنے ساتھ صحت اور خوشی کے خاص قوانین رکھتا ہی ٹھیک اسیطرح جسطرح جسم کا ہر حصہ۔ اسلیئے مافوق الفطرۃ ذات کو دخل دینا تمام فطری قوانین اور اصول کو درہم برہم کردینا ہے اور اخیر اُسکا نتیجہ پریشانی۔ آفت اور مصیبت ہوتی ہے۔

جب تک مافوق الفطرۃ ذات پر بھروسہ کرنیکا عقیدہ موجود ہے۔ نہیں امید ہوسکتی کہ اطمینان بخش نیکی یا خوشی کی حالت ہماری پیدا ہوگی۔ مصائب اور جرائم کی خطرناک کثرت کو دیکھو جو ہم پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت کے بہت سے مدارج میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ وہ وبا جسکی طرف انسان آنکھ اُٹھا کے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ اور اُسکی خاص وجہ یہ ہی کہ خوشی اور نیکی کے فطری قوانین سے بالکل بے خبر ہیں اور ہماری جہالت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ہم اہم معاملات مثلاً امراض ضمیری میں دعاؤں سے مطلب برآری چاہتے ہیں۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

یہ دعا کیا قیمت رکھتی ہے کہ اے خدا غریبا پر رحم کھا۔ مفلسی کو ہمارے ملک سے کھو۔ شراب خوری کا بیج مار اور زناکاری کو نیست ونابود کر؟ تمام دنیا کی مشتملہ دعائیں آسمان کے نیچے ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں اور نہ ایک خفیف سی مصیبت یا بُرائی کھو سکتی ہیں۔ یہ تمام خطرناک باتیں تو صرف فطری اسباب سے دفع ہوسکتیں ہیں ان سے بہتر ان کا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ کتنا وقت برباد کیا جاتا ہے۔ انسانی مصائب اور ذلتوں کو کس قدر دیر پا رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے

اور کیا کیا ستم نوع انسان پر اپنے عقیدہ کے بدولت روا نہیں رکھے جاتے مگر عقیدہ کے بھوت سے نجات حاصل کرنا جہنم تک داخل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔

ہمیشہ مصائب کے دور کرنے میں مذہب سد راہ ہو کے کوششوں کا ناس کر دیتا ہے مفلسی خاص برائی کی ایک قسم سے خیال کیجاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ انسان پر اس کے غرور اور گناہ کی وجہ سے یہ آفت برپا ہوئی ہے۔ اسیطرح صدیوں تک مرض کی نسبت بھی یہی خیال کیا گیا کہ یہ بھی کسی جرم اور غرور کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اخیر طبی فنوں نے ثابت کر دیا کہ گناہ یا غرور کی وجہ سے مرض نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اسکی وجہ قوانین صحت کی خلاف ورزی ہے۔ "خدا کی یہی مرضی تھی"۔ یا "خدا کا ہاتھ ہم پر ہو"۔ یہ دو فقرے ہیں جو صدیوں سے انسان کی زبان پر جاری ہیں۔ مگر سوائے فضول وقت برباد کرنے کے کسی نے ان سے کچھ نتیجہ نہیں پیدا کیا فقط۔

یہ خیالات ہیں جو ہم نے نہایت اختصار سے اہل یوروپ کے دعا کی نسبت نقل کر دیئے ہیں۔ صدہا ضخیم ضخیم کتابیں ایسے ہی خیالات سے بھری ہوئی ہیں۔ جنکا خلاصہ بھی ایک بڑی جلد میں ہو سکتا ہے اسلیئے ہم نے اُن کل خیالات کا لب لباب بیان کر دیا ہے تاکہ ہمارے واجب التوقیر علما، خیال فرمائیں کہ موجودہ زمانہ کا علم کلام فلسفہ اور طرز استدلال دوسرے قسم کی ہو گئی ہے۔ منطق کی پرانی اور دیمک خوردہ کتابیں ان کا صحیح جواب نہیں دے سکتیں اس کے جواب دینے کے لیئے علوم جدیدہ کی ضرورت ہے اور وہی افسوس ہے کہ ہمیں حاصل نہیں ہے۔

ہم مذکورۂ بالا تدبرانہ تحریر کا جواب فقرہ بفقرہ اور جملہ بجملہ دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم دعا کی اصلی حقیقت قرآن احادیث اور آثار سے بیان کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے اس بیان سے جو بسط کے ساتھ ہم کرینگے کافی جواب ہو جائیگا۔ تحریر بالا کے نقل کرنیسے ایک غرض ہماری یہ بھی ہے کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ مسلمان یا موجودہ خانہ کا کوئی نئی روشنی والا عالم دعا اور اُس کی اجابت کی نسبت اگر کوئی اعتراض کر سکتا ہے تو اُس سے زیادہ علوم جدیدہ کے پہلو سے نہیں کر سکتا۔ اس لیئے اس قسم کے خیالات کا جواب ایسے نئی روشنی والے اشخاص کی بھی تسکین کر دیگا۔ جو دعا اور اجابت دعا میں شک رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ توحید اور دعا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دعا کو توحید سے علیحدہ کر لیں تو توحید بیکار ہو جاتی ہے اور اگر توحید کو دعا سے الگ کر لیں تو دعا باقی نہیں رہتی۔ بانی اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں شرک اور بت پرستی عام طور پر پوری طرح رائج تھی۔ درخت پتھر، چاند، ستارے ارواح کھلم کھلا پرستش کیئے جاتے تھے۔ اور یہی کل قوموں کے قریب قریب معبود مطلق بن رہے تھے۔ ان کے آگے اپنی حاجتیں پیش کیجاتی تھیں۔ اُن سے دینی اور دنیاوی آرزوں کی تکمیل کے لیئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اور انھیں اپنی دنیاوی کامیابی اور نجات اُخروی کا بہت بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہودی نصرانی، مجوس غرض کل قوموں پر یہ مہلک مرض چھا رہا تھا۔ اور اس سے مشکل سے کوئی فرد بشر بچا ہوا تھا۔ اِلّا مَاشَاءَ اللہ حضور انور نبی برحق و معصوم کا پہلا کام توحید قائم کرنیکا تھا چنانچہ وہ اُس ذات مطہر و معصوم نے پورا کیا۔ مگر اُسکی تکمیل کے لیئے دعا کی ضرورت تھی اور وہ اُس کے ساتھ لازم و ملزوم کر دی گئی جیساکہ سورۂ فاتحہ میں

لکھا ہے " ایاک نعبد وایاک نستعین " یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسلام کا یہ پہلا اصول ہے کہ صرف خدا ہی کی پرستش کرنا چاہیئے۔ جب اُسے قادر مطلق سمجھ کے پرستش کی تو اُسی سے مدد مانگنا بھی لازم آیا۔ جو لوگ دعا اور اجابت دعا پر جرح قدح کرتے ہیں وہ بغور دیکھیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے دعا اور توحید کو لازم و ملزوم کر دیا ہے۔ پھر دعا پر کیونکر جرح قدح ہو سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو اسلام کا سب سے بڑا اور سب مقدم اصول توحید کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ جب ہم نے ایک ذات وحدہ لا شریک کو قادر مطلق اور خالق ارض و سما سمجھ لیا اور یقین کر لیا۔ پھر فطرتاً ہم اُسی کے حضور شب و روز کیوں نہ اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اسمیں ہمیں تامل ہی کیوں ہونے لگا ہمیں منع کیا گیا ہی کہ بتوں سے اپنی حاجتیں طلب نہ کریں ہمیں منع کیا گیا کہ پانی۔ پتھر۔ لکڑی کو اپنا حاجت روا نہ بنائیں۔ ہمیں روکا گیا کہ چاند اور سیاروں کو اپنا مشکل کشا نہ تسلیم کریں۔ اور سب کو چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش کریں۔ جب ہم نے اس حکم کی تعمیل کی تو اب طبعاً ہماری یہ خواہش ضرور ہوگی کہ جو حاجتیں ہم مخلوق اشیا کے آگے پیش کرتے تھے وہی حاجتیں خدا کے حضور پیش کریں تاکہ اس بات کی شہادت ہو کہ ہم نے بت پرستی وغیرہ سے روگردانی کی اور ہم خدائے ذوالجلال کی پرستش کرنے لگے۔ دعا کا مانگنا ضمانت ہی خدا پرستی کی۔ اور جو لوگ دعا کو محض افسانہ یا اطمینان قلب کا ایک بہانہ تصور کرتے ہیں۔ اُن کی خدا پرستی مشکوک ہے اور وہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ہم خدا پرست ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دعا اور توحید لازم و ملزم ہیں۔ اگر دعا کو کوئی چیز نہ تسلیم کیا جاوے تو سمجھ لو نبی معصوم کی توحید کی تعلیم محض ناکارہ تھی سورۂ فاتحہ درحقیقت ایک دعا کی سورت ہی جس میں توحید اور دعا کو لازم و ملزوم ٹھیرا کے دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ کیا دعا کرنی چاہیئے اور اس دعا سے اصلی مفہوم کیا ہے۔ جو لوگ ربانی غوامض اور دقائق کو سمجھتے ہیں وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ خدا کے کلام میں انسانی فطرۃ کا پاس و لحاظ بہت کیا گیا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو طبعاً کسی انسان کے خلاف ہو۔ خیال کرنیکی جگہ ہے کہ یہ اصول دعا محض ایک بہانہ ہے اطمینان قلب کا۔ یا دعا کے معنی نماز روزے کے ہیں۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ فرض کرو قرآن ایک طرف تو یہ کہے کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کے صرف ایک خدا کی پرستش کرو اور دوسری طرف یہ کہے کہ اُس سے مدد نہ مانگنا۔ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہی کہ ایک شخص بھی اس اصول کو تسلیم کریگا اور اُسے قرآن کا یہ قول ایک دم کے لیئے بھی سچا معلوم ہوگا۔ مگر نہیں قرآن خدا کا کلام ہی۔ اور اسمیں ایسا بدیہی نقص ہونا ممکن نہ تھا۔ اسیلئے اس نے ایک طرف تو لوگوں کو پرستش خدائے مطلق کے لیئے بلایا۔ اور دوسری طرف سے یہ کہا کہ تم اپنی ہر حاجت اس کے آگے پیش کر سکتے ہو۔ بلکہ مزید براں یہ کہا گیا، وَلِقَدِیرٌ لایا گیا کہ خود خداوند تعالیٰ تم سے ہمکلام ہو کے باصرار یہ فرماتا ہی کہ میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے طالب مدد ہو۔ یا بالفاظ دیگر جب تم میری عبادت کروگے تو تمہیں لازم آگیا کہ مجھ ہی سے مدد بھی مانگو۔ پھر بار بار یہ فرمانا کہ ہم ہی ہر شئے پر قادر ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ تم اپنی کل حاجتیں ہمارے آگے لاؤ ہم ہر شئے پر قادر ہیں " ان اللہ علی کل شئ قدیر " ایک آواز اور تنبیہ ہے جو خدائے برحق کی طرف سے اُن لوگوں کو دی گئی جو اُسکی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو

صاحب اختیار اور صاحب قدرت تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی اشرف اور اعلیٰ ذات کو ذلیل کرتے ہیں
سورۂ فاتحہ کا بغور پڑھنا ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیئے بہت کافی ہے۔ یوں تو ہزاروں بار سورۂ فاتحہ کو
پڑھا ہوگا۔ مگر اب ہمارے کہنے سے ایک بار بغور پڑھو اور سمجھو کہ اس روشن سورت میں کن کن امور کی تعلیم کی گئی ہے
صرف تین امور ہیں جن کی تعلیم ہوئی ہے۔ اول توحید۔ دوم خدا سے ہر کام میں مدد مانگنا۔ سوم دل میں یہ یقین رکھنا
کہ سوائے اُس کے کوئی مشکلکشا نہیں۔ قرآن کی جب پہلی تعلیم یہ ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کیوں انکار کیا
جاتا ہے۔ اور علوم جدیدہ کے ماہروں کے اُصول موضوعہ کی دہمکی میں آکے کیوں اسلام کا ایک بڑا اصول مٹایا جاتا ہے
ہمارا خیال یہ ہے کہ اسلام کے سب سے اعلیٰ سب سے عظیم اصول توحید کا دعا کرنا جزو ثانی ہے۔ یقیناً اگر دعا نہیں تو
توحید نہیں۔ فرض کرو کہ ہمنے وحدہ لاشریک تو خدا کو مان لیا۔ لیکن اپنی ضرورتیں پیروں۔ شہیدوں اور اولیا کے حضور
یا اُن کی قبور پر لیگئے۔ پھر توحید ہی کہاں رہ گئی۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا ایمان قائم رہا۔ ہم قوانین فطرت انسانی سے
نئے فلسفہ کے پہلو سے دعا کی اصلی حقیقت بیان کرینگے۔ پہلے ہم قرآن احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت کریں کہ
دعا کی حقیقت شریعت اسلامی نے کیا بیان فرمائی ہے۔ اور غلط فہمی سے اُسے کیا خیال کیا جاتا ہے۔
قرآن مجید میں کئی مقام پر دعا کا ذکر ہوا ہے اور اُن آیتوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دعا چیز کیا ہے
اور خداوند تعالیٰ نے اسکی کیا حالت اور حقیقت بیان کی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے " واذا سالک عبادی
عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی " اور جب میرے بندے تجھ سے مجھے پوچھیں تو
میں قریب ہوں پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار پر جبوقت وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہیئے کہ میرا حکم مانیں"
یہاں خالق ارض وسما نے اپنا محیط ہونا اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس شخص نے خداوند تعالے
کو پکارا وہ اُس پکار کو سنتا بھی ہے اور پکارنیوالے کے قریب بھی پہنچ جاتا ہے۔ قریب پہنچنے سے غرض یہ ہے
کہ وہ دعا کو قبول کر لیتا ہے اور بندے کو اپنی آرزو پوری کرنیکی توفیق دیتا ہے اس توفیق سے وہ بمقتضائے
قانون قدرت اسباب اور ذرائع کے بہم پہنچانے میں جس سے اسکی آرزوئیں پوری ہوں گی۔ سرگرمی اور تندہی
سے کوشش کرتا ہے اور اخیر اُسکی یہ کوشش کامیاب ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کسی کی کوشش کو رائگاں نہیں
جانے دیتا۔ اس کے بعد اور تصریح کے ساتھ خداوند تعالیٰ سے دعا کے مقصد کو سمجھایا ہے اور وہ یہ ہے " ادعوا
ربکم تضرعا وخفیۃ انہ لایحب المعتدین " یعنی اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے پکارو اُسے پسند نہیں آتے
حد سے بڑہنے والے "۔ یہاں دعا کی حقیقت اور بھی واضح طور پر کھولدی۔ گڑگڑانا۔ رونا۔ زاری کرنا اور اپنی تمام کمزوریو
اور مجبوریوں کا اقرار کرکے نہایت منکسرانہ طور پر اپنے معبود حقیقی کے حضور پیش ہونے کو دعا کہتے ہیں مگر حد سے
بڑھنے والوں کو رب العزت نے ناپسند فرمایا ہے۔ جو لوگ اُس کے عادی ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں اور خلاف شرع
امور میں بارخدائے برحق سے دعا کرتے ہیں۔ اور اُس دعا میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ یہ گویا حد سے بڑھنا
قرار دیا گیا　　مثلاً ایک شخص نے ناجائز طور پر کسی کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اُس مقدمے سے اُسکی مراد یہ ہے

کہ حق دار کا حق غصب کیا جائے۔ اور اس ناجائز آرزو یا اُمید کے پورا ہونیکے لیئے وہ خداوند تعالیٰ کو پکارے
تو سمجھو کہ اُس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے نفس ہی پر ظلم نہیں کیا بلکہ خدائے برحق کی نافرمانی کی۔ اور کوئی تعظیم
اُسکی اپنے دلمیں نہ رکھی۔ ایسی دعا سے اُسپر کئی کئی جرم عائد ہو گئے۔ جنسے اُسکی گلوخلاصی ممکن نہیں۔ ادنیٰ توجہ
سے سمجھ میں آجائیگا کہ ہم کسی ایسے مجسٹریٹ سے جو درحقیقت منصف ہی اور جسے ہم بھی انصاف پسند جانتے ہیں
اور خواہ وہ ہمارا کیسا ہی گاڑھا دوست ہو گا۔ اگر ہمارے دماغ میں عقل ہے۔ ہم کبھی ایسے مقدمہ میں سفارش نہ
کرینگے جسمیں حق کا خون ہوتا ہو۔ اور ایک بیگناہ اور حقدار کی حق تلفی ہوتی ہو اور اگر ہمنے اپنی بدعقلی سے سفارش
کی تو ہماری یہ سفارش مجسٹریٹ سن تو لیگا۔ مگر اُسے ہم سے نفرت ہو جائے گی اور وہ کبھی ہمیں ایماندار نہیں سمجھنے کا
یہ اگرچہ نہایت ادنیٰ مثال ہی تاہم اس سے یہ سمجھ میں آجاتا ہی کہ خدائے مطلق و واحد پکارنے والیکی سُن تو لیتا ہی
مگر ایسی ناانصافی کی دعاؤں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ اور اس قسم کی دعائیں درحقیقت دعائیں نہیں ہیں بلکہ اپنی روسیاہی
اور بداعمالی اور تیرہ باطنی کی کیفیت خدا کے حضور دُہرانی ہے۔ اور غرض یہ ہے کہ ان بربادکن اور ارذل ترین عیوب
اور نقائص میں زیادتی ہو۔ دعا کیا ہے نہایت خلوص اور قلب کی صفائی سے گڑگڑا کے اور رو کے محض پوشیدگی
اور تنہائی میں اپنی عبودیت کا پورا خیال کرکے اور رب العرش کے جلال اور محیط قدرت کو تسلیم کرکے اُسکے حضور
پیش ہو۔ اور صدق دل سے اقرار کرے کہ میں جاہل ظالم بے بس اور ناتوان ہوں میری ہستی ایک ذرہ کے برابر بھی
نہیں ہے۔ میرے تمام کاموں میں تو ہی میری مدد کرتا ہے۔ جو کامیابیاں مجھے اپنی کوششوں میں ہوتی ہیں اُن میں
بھی تیرا ہی ہاتھ کام کرتا ہے۔ میں تیرا ایک بے حقیقت بندہ ہوں اگر تو رہنمائی نہ کرے تو میری عقل میری دوست
کچھ نہیں کرسکتی۔ تیری روشنی میں میں چلتا ہوں اور تیری حرکت سے میں زندہ ہوں۔ تو نے ہمیشہ میری مدد کی ہے اور
جسطرح تیرے ہاتھ نے میرے ہر کام میں مدد کی ہے ابدالآباد تک تیرا ہاتھ میرے ساتھ کام کرتا رہے۔ بس یہ دُعا ہے
اور یہ منشا ہے جو اسلام میں تسلیم کیا گیا ہے۔ عیسائیت کی دعا اور اسلام کی دعا میں بہت بڑا فرق ہی اور ہمارے
فلاسفر نے جسکا مضمون ہمنے اوپر نقل کیا ہے عام طور پر مسیحی دعا پر رد و قدح کرکے یہ خیال کیا ہے کہ دنیا میں سب
مذاہب کا دعا کی نسبت یہی عقیدہ ہی کہ ایک وقت کی روٹی خدا ہی سے مانگ لیا کرو۔ اسلام نے ان باتوں کی
بہت سختی سے تردید کردی ہے اور قرآن میں صاف حکم دیدیا ہے کہ ہم حد سے زیادہ بڑھنے والوں کو پسند نہیں
کرتے۔ اس سے زیادہ خلیق اور منکسر المزاج بننے کی تعلیم ہی نہیں ہو سکتی کہ ہر وقت اپنی کمزوریوں کا خیال رہے اور
اپنی تمام کامیابیوں کے حاصل ہونے پر یہ خیال نہ کرلیا جائے کہ یہ صرف میری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس خیال سے
خود بخود ایک غرور پیدا ہوگا۔ اور یہ غرور خود ایک دن اُسکے لیے سم قاتل بن جائیگا۔

ہمارے بیان بالا کی تائید آگے آنیوالی آیت سے بخوبی ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمنے دعا کی نسبت اسلام کا
عین منشا ظاہر کیا ہے:" وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم
داخرین۔ یعنی اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو کہ تمہاری پکار کو پہنچوں بیشک جو لوگ متکبر ہیں میری بندگی

سے اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہوکے"۔ غرض خدائے واحد و مطلق کے آگے رونا اور زاری کرنا اور اپنے کو لاشئے محض سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ تمام نماز میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اپنی عبودیت کا اقرار اور خدا کی قدرت پر بھروسہ اور اُس سے یہ التجا کرنا کہ تو ہمیں سیدھے رستہ پر چلا۔ اور تو ہی چلانے والا ہے اور جو لوگ اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہماری عقل اور انتظام سے عالم قایم ہے وہ سخت ذلیل ہوتے ہیں پھر اخیر میں مٹ جاتے ہیں۔ یہ تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو شخص یہ سمجھ بیٹھے کہ میں ہوں بھی بڑا عقلمند اور مجھے آ بھی گیا تمام دنیا کا علم۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اور جب ترقی نہیں کرنے کا تو اُسے عزت بھی حاصل نہیں ہوسکتی اور جب عزت حاصل نہیں ہوئی تو دنیا ہی اُسکے لیئے جہنم ہے۔ ذلیل آدمی کی زندگی کیا قیمت رکھتی ہے؟ کچھ بھی نہیں! وہ مثل چوپائے کے ہے جسکا جینا مرنا برابر ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی دعا اور توحید یعنی خداپرستی لازم و ملزوم قرار دی گئی ہیں۔ جو لوگ خدائے حقیقی کے آگے نہیں روتے۔ جو نفوس نہایت انکساری اور فروتنی سے اپنے معبود برحق کے حضور حاضر نہیں ہوتے اُن کی نجات ابدی معرض خطرے میں۔ ایک شہنشاہ بحر و بر کبھی اپنی رعیت پر مہربان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے کو خالق حقیقی کا ایک عاجز بندہ تسلیم نہ کرے گا۔ اور جس طرح اُسکی رعایا اور اُس کے ملازمین نہایت ادب سے اُس کے حضور جبین نیاز جھکاتے ہیں اسی طرح وہ بھی خلاق اکبر کے حضور ناصیہ فرسائی نہ کرے کبھی لائق حکمران نہیں بن سکتا۔ یورپ جو موجودہ زمانہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی کے زینہ پر پہنچ گیا ہے اُس نے بھی یہ لازمی کر دیا ہے کہ شاہ وقت مذہبی ہونا چاہیئے۔ اگر یورپ کا کوئی بادشاہ عیسوی مذہب سے انحراف کرے وہ فوراً تخت سے اُتار دیا جائے گا۔ ملکہ یا شاہ انگلستان کے لیئے تو مسیحی ہونیکے علاوہ پروٹسٹنٹ مذہب کی بھی قید ہے۔ اور سچ ہے بغیر اسکے حکمرانی ممکن نہیں۔ فرض کرو کہ ایک دہریہ بادشاہ بنا دیا جائے تو اسکی سلطنت کے دن تک رہ سکتی ہے؟ وہ ہرگز مذہبی حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ وہ کبھی اپنی رعایا کے مذہبی خیالات کی تکریم نہیں کرسکتا وہ قومی معابد کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اور پیشوایان دین کی توہین کرنی اُسکا عام شیوہ ہوگا۔ لاکھ کچھ وہ مہذب ہو۔ پھر یہ طبعی امر ہے کہ جن لوگوں کو گمراہ سمجھا جاتا ہے۔ اُن کے عقاید کو پہلے حقارت سے نظر کیا جائیگا۔ ان خیالات سے رعایا میں سخت بیدلی پھیلے گی۔ اور اُسکا نتیجہ اخیر خونریزی اور مخلوق خدا کی بربادی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ جب شاہ کا خداپرست ہونا لازمی ہے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ خداپرست بننا قوانین قدرت میں داخل ہے اور خداپرستی اور دعا لازم و ملزوم ہیں اسلیئے دعا بھی قانون قدرت ہوئی۔ جس سے انحراف کرنا اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اب ہم چند احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ نقل کرتے ہیں جو دعا کے بارے میں آئے ہیں اور جن سے دنیا کی ایک عام حالت اور حقیقت پائی جاتی ہے۔ پھر ہم اپنے دوست دہریہ کا بھی جواب دینگے اور عام طور پر اسلامی دنیا پر ایک نظر کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الدعاء هو العبادة" یعنے دعا مانگنا ہی عبادت ہے حضرت نعمان بن بشیرؓ

اِس حدیث کے راوی ہیں۔ آپ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآبؐ نے یہ فرما کے "ادعونی استجب لکم" کو اخیر تک پڑھا۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ دعا عین خدا پرستی اور توحید پرستی ہے اور یہ بھی ہم لکھ آئے ہیں کہ توحید اور دعا لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارے اِس بیان بالا کی پوری پوری شہادت اِس حدیث قدسی سے مل گئی

دوسری حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الدعاء مخ العبادۃ" یعنے دعا عبادت کا مغز ہے ترمذی نے انس سے روایت کی ہے۔ مگر یہ حدیث غریب ہے۔ وہی بات ہے جو ہم اوپر ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔

تیسری حدیث۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک دعا سے بزرگ تر نہیں ہے (ترمذی و ابن ماجہ و حاکم)

چوتھی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ کو دعا سے تین باتوں میں سے ایک نہ ایک چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ کیا تو اُسکا گناہ بخشا جاتا ہے۔ یا کوئی بہتری سر دست ملجاتی ہے یا کوئی خیر اُس کے لیئے ذخیرہ کر دی جاتی ہے (ابو منصور در مسند فردوس لسند ضعیف)

پانچویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالی سے اُس کے فضل کی درخواست کرو کہ اُسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے کوئی مانگے اور بہترین عبادت کشادگی کا منتظر رہنا ہے۔ (ترمذی بروایت ابن مسعود اور اُسکی اسناد میں حماد بن داؤد ضعیف ہے)

چھٹی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالی ہر شب جب ⅓ پچھلی رات رہتی ہے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کے ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا مانگے اور میں قبول کروں اور کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اُسے دوں۔ اور کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت کا خواہاں ہو پس میں اُسے بخشدوں۔ (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ)

جو لوگ روحانی لذات سے واقف نہیں ہیں وہ خداوند تعالی کا پچھلی شب کو آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمانا نہیں سمجھنے کے۔ کیا تو اِس کے ظاہری معنی لیں گے یا اُسکی تضحیک کریں گے۔ خدا گواہ ہے۔ قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی۔ بہت ہیں جنہیں روحانی تعلقات کے صرف الفاظ ہی دُہرانے آتے ہیں۔ کم ہیں جو اِن تعلقات میں سرگرداں ہیں اور بہت کم ہیں جنھوں نے اُسکی چاشنی چکھی ہے۔ اور اُس سے بھی زیادہ کم ہیں جو تعلقات اور لذائذ روحانیہ میں فنا ہو گئے ہیں۔ پچھلی شب کا وقت وہ پیارا اور برکت کا وقت ہوتا ہے جسکی لذت وہی شخص جانتا ہی جس نے اِن اوقات سے برکت لی ہے۔ عالم پر سنسانی چھا جاتی ہے۔ موسم ایک عمدہ اعتدال پر ہوتا ہے دماغ مکروہات زمانہ سے ایک حد تک فارغ ہوتا ہے۔ خیالات بآسانی مجتمع ہو جاتے ہیں۔ روح انسانی اپنے خالق کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اور اُس سے اسقدر قریب آجاتی ہے کہ بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ رہجاتا ہے اور پھر روح میں ایک نطق پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بولنے لگتی ہے کہ معبود برحق آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما چکا ہے اور ہر دعا کے قبول کرنے پر رضامند ہے وحدت کا ایک فوارہ خود بخود دل سے اُبلتا ہے اور اُس فوارے کا پانی آسمان تک پہنچتا ہی

اور وحدت کے نور سے منور ہو کے پھر دل ہی میں آپڑتا ہے۔ اُس نور کی حرارت سے فوارے میں ایک غیر معمولی تیزی آجاتی ہے۔ اور یہ تیزی بڑھتے بڑھتے آخر وحدت میں شیر و شکر ہو جاتی ہے۔ پہلے آسمان پر نزول اجلال سے غرض قرب باری تعالیٰ نہیں۔ نافہم اگر نہ سمجھیں اُن کی سمجھ کا قصور ہے۔ اور جنہیں روحانی تعلقات کی ہوا بھی لگی ہے وہ اِن مدارج عبودیت کو توجہ سے سمجھ سکتا ہے۔ شب کا پچھلا حصہ جان ہے روحانی ترقیات اور روحانی مدارج میں ترقی کرنے کا۔ اِسکی قدر کچھ کچھ طلبہ کا دل جانتا ہے جو اخیر شب اُٹھکر مطالعہ کرتے ہیں۔ اور علمی غوامض انہیں ادنیٰ تامل سے حل ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ نفوس قدسیہ جو فطرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اُنہیں سے اِس کی حقیقت دریافت کرنی چاہیئے۔

مستان صبح از غم کردند خروش آندم		کز صبح جمال تو بنمود تباشیرے
رنجور غمت مائیم عشق تو طبیب ماست		از داوریہ رحمت بفرست تباشیرے

اِن زبانی راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جس میں سمجھنے کی استعداد ہے۔ ہمارے ہادی برحق نے جن سادہ الفاظ میں روحانی مدارج کی اعلےٰ درجہ کی باریکیاں حل کی ہیں۔ اِن کی کُنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جسے حضور انور سے گہرا تعلق ہو اور سمجھ سکتا ہو کہ نزول اجلال سے کیا غرض ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کا دعا قبول کرنا کسے کہتے ہیں۔

ساتویں حدیث۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب حالتوں سے زیادہ بندہ اپنے رب سے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس سجدہ میں دعا کی کثرت کرو (مسلم) یہ بھی یکسوئی کی ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ سجدہ میں خیالات ایک جگہ زیادہ تر ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے خدا کا قرب بیان کیا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ خدا تو رگ شریان سے بھی زیادہ نزدیک ہے بشرطیکہ ہمیں اُسکی تلاش ہو۔ خدا کی تلاش کرو اور اپنی پوری قوت سے تلاش کرو۔ خدا ملجائے گا۔ خدا کا ملجانا اور دعا کا قبول ہونا ایک ہی بات ہے۔ کچھ بھی فرق نہیں جسکی دعا قبول ہوگئی اُس نے خدا کو پالیا اور جس نے خدا کو پالیا اُسکی دعا قبول ہوگئی۔ سجدہ میں خداوند تعالےٰ کا قریب ہونا اِس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ سجدے کی حالت میں اپنی کمزوریوں اور فروتنی کا از خود خیال آجاتا ہے اور ایک ایسے معبود کے آگے پیشانی جھکائے ہوئے ہوتا ہے جسے وہ اپنا خالق سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ سب اُسی کا بنایا ہُوا کھیل ہے اور ایک دن سب اُسی کیطرف جائیں گے۔ اِس خیال سے ایک خوف اُس کے دل پر طاری ہو جاتا ہے۔ اور اُس خوف کے اثر سے اُس پر رقت کی حالت آجاتی ہے بس یہی سچی کیفیت ہے جو دعا کی مقبولیت کی شہادت دیتی ہے اور اسی حالت سے خدا مِل جاتا ہے۔

آٹھویں حدیث۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے موقف میں تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کے دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا (نسائی بروایت اُسامہ بن زید اور مسلم میں بروایت جابر ہے مگر اُس میں دُعا کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ غروب تک کھڑے رہے) خواہ آپ یوں ہی کھڑے رہے یا دعا مانگتے رہے دونوں صورتوں سے آپ کی یہ منشاء تعلیم کہ دعا مانگتے وقت استقلال اور توجہ درکار ہے

پائی جاتی ہے۔ اور یہی آپ کا اصلی منشا تھا۔ عموماً لوگ لمبی دعا مانگا کرتے ہیں ہاتھ اُٹھایا دو چار لمحہ بڑبڑائے اور منہ پر ہاتھ پھیرا یہ دعا نہیں ہے بلکہ اپنے خالق کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ مگر کم عقل نہیں سمجھتے۔

نویں حدیث۔ سلمان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ تمہارا رب حیا والاکریم ہے جب بندہ اُس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے تو وہ حیا کرتا ہے اس سے کہ وہ اُنہیں خالی پھیر دے۔ غرض یہ ہے کہ جو شخص اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے اور اُن ہی قیود سے اُٹھاتا ہے جو اوپر بیان ہوئیں تو پھر اُس کی دعا کا مقبول ہونا لازمی پڑ جاتا ہے کون انکار کر سکتا ہے کہ خالق کون و مکان صاحب حیا نہیں ہے مگر اتنا ضرور سمجھ لو کہ صاحب حیا صاحب غضب اور صاحب قہر وغیرہ الفاظ جو خداوند تعالیٰ کی نسبت بیان ہوئے ہیں اور ہم نے اپنی بساط کے موافق اُسی مبالغہ کے صیغہ سے یاد کیا ہے ان الفاظ کا مطلب صرف ہم ہی تک محدود ہے ذات باری کو ان الفاظ سے کچھ بھی علاقہ نہیں یہ محدود الفاظ جو انسانی زبان میں اُسی کے بتانے سے آئے ہیں اُس کی لاانتہا صفات کا ایک لاکھواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے ادا کرنا تو کیسا خیال بھی نہیں لا سکتے۔ ہماری فہم کے مطابق ہم نے اُس کے چند نام رکھ لئے ہیں یا جو نام اُس نے خود بتائے ہیں اُنہیں یاد کر لیا ہے اسکی ذات سے ان ناموں کو کچھ بھی تعلق نہیں۔

دسویں حدیث۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام پر گزر ہوا ایک شخص دعا مانگتا جاتا تھا اور اپنی دو انگلیوں کو جنبش دے رہا تھا آپ نے ارشاد کیا ایک ہی پر اکتفا کر (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حاکم) کسی دنیاوی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کے آداب جب بہت مشکل سے سیکھے جاتے ہیں تو رب الافواج کے حضور حاضر ہونے کے طریقے کیوں کر آسانی سے آجاتے۔ خاص طور پر یہ تعلیم کہ کیونکر حضور خداوندی میں حاضر ہوا کرتے ہیں آنحضرت نے فرمائی ہے اور سچ بات یہ ہے کہ معرفت باری تعالیٰ کی یہ تعلیم پہلی سیڑھی ہے۔ ہاتھ اُٹھانا گویا مکتب معرفت کی الف بے تے ہیں اور فارغ التحصیل ہونا وہ مقام ہے جہاں خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ سے رگ شریان سے بھی زیادہ نزدیک ہوں اور اس تعلیم کی عملی تکمیل یہ ہے کہ معرفت الٰہی میں بندہ مستغرق ہو جائے پھر نہ اُسے کسی امر کے لئے دعا مانگنے کی ضرورت رہے نہ مقبول دعا کا خیال۔ یہ وہی مدارج نہیں ہیں شریعت غرا نے یہ مدارج پیدا کئے ہیں صاف باطنی سے جو ان اصول پر عملدرآمد کرے گا یا جن نفوس قدسیہ نے عمل کیا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ظاہر بین یہیں پیچ و تاب کھاتے ہوئے رہجاتے ہیں۔

گراں جاناں برنگ گل فرو ماندند در گلشن ٭ سبک روحاں نسیم آسا رہا کردند محملہا۔

گیارہویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ دعا میں سجع نہ کیا کرو۔ دعا میں یہی کہنا کافی ہے " اللّٰھم انی اسئلك الجنة وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذبك من النار وما قرب الیھا من قول وعمل،" یعنی الٰہی

طمان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے البتہ بخاری نے حضرت ابن عباس کا قول سجع سے احتراز میں نقل کیا ہے اور حاکم نے بروایت عائشہ روایت کیا ہے کہ اے عائشہ دعائیں کامل مانگا کر اور اس میں وا سئلك الجنة الخ ہو۔

میں تجھسے جنت مانگتا ہوں اور جو قول وعمل اُس کے قریب کردیں اُن کی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے اور اُس قول وعمل سے جو اُس کے قریب کردیں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جنت سے مُراد نجات ابدی ہے اور نجات ابدی سے غرض دیدار باری تعالی کا نصیب ہوتا ہے اسی طرح دوزخ سے غرض نجات ابدی یا دیدار رب العرش سے بے نصیب ہونا ہے۔ یہ حکیمانہ تعلیم ہے۔ اور یہ دعا کی حقیقت ہی کہ سوا ے ابدی نجات کے اور کچھ مانگنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور بات بھی ٹھکانے کی ہے کہ ایسے خلاق اکبر کے حضور پہنچے اور پھر فانی چیزوں کی درخواست کرے شان انسانیت سے بعید ہے اور اس شرف سے کوسوں جا پڑتا ہے جو خداوند حقیقی نے تمام کائنات پر انسان کو بخشا ہے۔

بارھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کچھ لوگ عنقریب ایسے آوینگے کہ دعا اور طہارت میں تجاوز کرینگے۔ دعا میں تجاوز کرنیسے یہی غرض ہے کہ دنیا کی بیہودہ چیزوں کی بار بار درخواست کرنا اور موقع بے موقع سخت گستاخی اور سوء ادبی سے اپنے خالق کو مثل ایک معمولی انسان کے پکارنا۔

تیرھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی سے اِس طرح دعا کرو کہ تمھیں قبول ہونے کا یقین ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالی غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔"

اس حدیث قدسی نے تو کل امور کا فیصلہ ہی کردیا۔ حقیقت میں قوت تیقن ایک عجیب جوہر ہے جس سے تمام کائنات کی مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں جبہ سائی کرتے کرتے مگر کبھی دعا قبول ہی نہیں ہوتی وجہ یہی ہے کہ دل گواہی نہیں دیتا کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ جو یقین کی قوت کو جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کو اِس بات کا سچا یقین ہوجائے کہ میں اگر دعا کروں گا تو پہاڑ سرک جائے تو درحقیقت پہاڑ کا سرک جانا کوئی بات ہی نہیں ہے یقین ہونا شرط ہے اور وہی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ زبانی جمع خرچ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے عمدہ عمدہ الفاظ جمع کیئے جاسکتے ہیں منطق اور فلسفے کے پہلو سے ثبوت بہم پہنچائے جاسکتے ہیں۔ مگر یقین اور صداقت کا پتہ لگنا مشکل ہے۔ اور جسنے اِن دونوں چیزوں کا پتہ لگا یا اُسکے الفاظ خود بخود باثر ہوں گے اور وہ ہر چیز اپنے یقین اور صداقت کے بھروسہ پر حاصل کرسکتا ہے۔

چودھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے اپنے پروردگار سے کچھ سوال کرے اور معلوم ہو کہ قبول ہوگیا۔ تو یہ کہے "الحمد للہ الذی بنعمۃ تتم الصالحات" اور جس کے لیئے قبول میں کچھ دیر ہو تو کہے "الحمد للہ علی کل حال"۔

یہ سمجھنا کہ ہماری دعا قبول ہوگئی یا ہماری دعا ابھی قبول نہیں ہوئی ایک اعلی درجہ کی معرفت ہی جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتی۔ دلمیں اگر یقین ہے کہ دعا قبول ہوگی تو فوراً ایک قدرتی آواز آئے گی۔ یا اطمینان دیا جائیگا کہ تیری مُنہ مانگی مراد تجھے ملیگی۔ اور اگر دلمیں دعا مانگتے وقت یقین نہیں ہے تو اپنا دل ہی اپنی ناکامی کی شہادت دیگا۔ ہمارے نبی برحق ومعصوم نے یہ بحث اعلی درجے کے انسانی مدارج سے کی ہے جسے روحانی اطبا سمجھ سکتے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ

خدا کی حکمت کی باریکیاں بیہودہ حجتوں اور منطق کی ماندہ دلیلوں اور نظری فلسفہ کی خیالی بلند پروازیوں سے بہت ہی ارفع ہیں۔ اگر خدا کی برکتوں سے حصہ لینے کی خواہش ہے اور اُس برکت سے اُسکی اور اُسکے نبیؐ کے اقوال کی جانچ کرنا چاہتے ہو تو نہایت انکساری سے صداقت کے لباس میں آؤ راستی کا راستہ تلاش کرو۔ اُس کے فضل کے امیدوار رہو فروتنی سے ہر ایک بات کو مان لو اور پھر نور قلب سے غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ تم نہ دھوکے میں ہے نہ ٹوٹے میں اِسکے بعد کچھ آثار نقل کیئے جاتے ہیں اور پھر ہم اپنے طور پر ایک عام نظر کرینگے۔

سفیان بن عیینہؓ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کی خرابی سے واقف ہو کے دعا سے غافل نہ رہو اور یہ نہ جانو ہم بُرے ہیں ہماری دعا قبول نہوگی اِسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خلق میں سب سے بُرے یعنی شیطان ملعون کی بھی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ "قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون قال فانک من المنظرین"۔ یعنے اے رب تو مجھے ڈھیل دے اُسدن تک کہ مُردے جیویں۔ فرمایا تو تجھکو ڈھیل دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب راہ خدا میں فوجیں دشمنوں سے کلہ بکلہ ہوتی ہیں اُس وقت اور مینہ برسنے کے وقت اور فرض نماز کے لیئے تکبیر کہنے کے وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ پس اِن وقتوں میں دعا مانگنا غنیمت جانو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ نمازیں بہترین ساعات میں مقرر ہوئی ہیں تو ان کے بعد لازمی طور پر دعا مانگا کرو۔

حضرت ابودردار فرماتے ہیں کہ ان ہاتھوں کو دعا کے لیے اُٹھاؤ۔ پہلے اِس سے کہ زنجیروں میں جکڑے جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے تو اُنھیں اُسوقت تک نہ ہٹاتے۔ جب تک اپنے چہرے مبارک پر نہ پھیر لیتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے اور اُن کا اندر کا رخ اپنے منہ کی طرف رکھتے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب جب مدینہ منورہ آئے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور آواز خوب بلند کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو جس ذات کو تم پکارتے ہو نہ وہ بہرہ ہے نہ غائب ہے بلکہ وہ تمھارے اور تمھاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے "ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بہا" میں فرمایا ہے کہ اِس سے مقصود یہ ہے کہ اپنی دعا میں جہر و اخفات مت کرو۔

اسلام نے دعا کی جو حقیقت ظاہر فرمائی ہے وہ یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مگر ہم اسپر ایک عام نظر کرنے سے پہلے اپنے دوست دہریے صاحب کی مزاج پرسی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اُصول موضوعہ میں کہاں تک حق پر ہیں۔

گزشتہ مضمون میں صرف دو ہی باتیں قابل توجہ ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے اور انسان ہی اُسکا خالق ہے دوسرے

یہ کہ دعا کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے قانون قدرت کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تمام دنیا کی مشتملہ دعائیں ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں۔ کوئی شخص دعا سے ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔ نہ کسی مکان کی تعمیر کر سکتا ہے فلسفی کی ساری تقریر کا یہ ماحصل ہے۔

یہ کہنا کہ قانون قدرت پر کوئی اور چیز محیط نہیں ہے۔ نرا تحکم اور فرضی دعویٰ ہے۔ اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ قوت جسے خدا کہتے ہیں شب و روز قوانین قدرت کو تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اور زبردست دست اندازی کی ہر وقت مجاز ہے۔ اسلام اس عقیدہ کو نہیں مانتا بلکہ اُسکا منشا یہ ہے کہ ایک قوت قانون قدرت پر محیط تو ضرور ہے اور اُسے اختیارات بھی اُسمیں ہر طرح کے حاصل ہیں مگر ابتدائے آفرینش سے اُس نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ نہ وہ اخیر تک کریگا۔ جو قاعدہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اسیطرح نظام عالم ہوتا رہے گا۔ اور اُسمیں بال برابر بھی فرق نہ آئیگا۔ اب عقل کی رو سے کسی خاص ذات کو قوانین قدرت پر محیط مان لینا کوئی اخلاقی جرم نہیں ہوگا۔ جیسا ہمارے دوست دہریے نے لکھا ہے کہ خدا پرستی مخرب اخلاق ہے۔ اب ہی دعا اور اجابت دعا اسلام کے اصول ہی یہ نہیں ہیں جو فلسفی صاحب نے اپنی تحریر میں قائم کیے ہیں۔ اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا کہ شہر بننے کی دعا مانگو۔ یا اقلیدس کی شکل حل ہونیکی دعا کرو۔ یا مریض کی دوائی درمن نہ کرو صرف دعا ہی مانگا کرو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیاوی جاہ و جلال اور دوسروں کی حق تلفی کے لیئے دعا کرو یا اپنے بھائیوں پر مغرورانہ حکومت کرنیکی خواہش رکھو۔ وہ اِن جیسی دعاؤں کی حقارت کرتا ہے اور قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جھڑک دیا ہے جہاں فرمایا ہے "ان اللہ لایحب المعتدین" یعنی خدا حد سے بڑھنے والوں کو عزیز نہیں رکھتا۔ بلنئے اسلام اور آپکے صحابہ کرام کی وہ دعائیں موجود ہیں جو آپ بعد نماز کیا کرتے تھے اُن دعاؤں میں سوائے نجات ابدی کے حاصل ہونے اور ربانی انوار کی برکت میں دائمی رہنے کی آرزو کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

دور جانیکی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی سورہ فاتحہ موجود ہے۔ جسمیں دعا مانگنے کی تعلیم ہوئی ہے۔ اُس دعا کی نوعیت کو اور اس دعا کی حقیقت کو جب مقابلہ کیا جاتا ہے جو ہمارے دہریہ دوست لکھتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کی دعا کیا ہے۔ صرف اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اظہار اور دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنے لیئے ہدایت چاہنا۔ اور بس۔ سوائے اِس کے کوئی مدعا نہیں ہے۔ دعا اُن روحانی تعلقات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ جو بندہ اپنے معبود حقیقی سے رکھتا ہے روحانیت کا اثر برفستانی ممالک میں ٹھٹر جاتا ہے اور جذبات دلی کی وہ اُمنگ جو مشرقی یا گرم ممالک کے باشندوں میں ودیعت ہوئی ہے وہاں نام کو بھی نظر نہیں آتی۔ پیرس جو دنیا کی بہشت کہلاتی ہے۔ اگرچہ روحانیت وہاں نیست و نابود ہو گئی ہے۔ پھر بھی ایک تعصب مذہبی باقی ہے۔ اور اگر کچھ بھی عیسائیوں پر کہیں آفت آتی ہے۔ سب سے پہلے فرانس جو دہریت میں مشہور ہے۔ حمایت کے لیئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور بحیثیت ایک مسیحی دولت کے اُن کا حامی بن جاتا ہے۔ لندن میں اگرچہ اسقدر دہریت نہیں پھیلی ہے۔ پھر بھی بہت سی انجمنیں قائم ہیں اور وہ کوشش کرتی ہیں کہ تمام لندن ہی میں بلکہ انگلستان میں دہریت کو فروغ ہو۔ مگر یہ جوش و خروش یہ اولوالعزمیاں یہ کوششیں صرف لنڈن ہی تک محدود ہیں۔ جب اسلام کے خلاف اُنھیں کوئی بات کرنی پڑتی ہے تو پکے مسیحی بن جاتے ہیں اور پھر اندھے تعصب میں حق و

حق و ناحق کی شناخت بھی نہیں رہتی۔ دہریوں کی صدہا کتابیں ہیں جن میں بظاہر ایسی ایسی باتیں مرقوم ہیں کہ ایک ایسا شخص جسنے کبھی دینی کتابوں کو سمجھ کے نہ پڑھا ہو ضرور دھوکے میں آجائے گا۔ مثلاً بڑے اعتراض ملحدوں کے یہ ہیں "کہ فرضاً اگر خدا نیک ہے تو جب وہ جانتا ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُس نے مخلوق کیوں پیدا کی؟ فرض کیا کہ خدا منصف ہی تو وہ لوگوں کی گنہگاری کی سزا کیونکر دے سکتا ہے۔ جبکہ اُنھوں نے گنہگارانہ مزاج پیدایش سے پایا اور جس میں اُنکی مرضی یا ضرورت کو دخل نہ تھا۔ فرض کیا کہ خدا راستی پسند ہے تو اُس نے گناہ کی کیوں اجازت دی؟ اخیر دنیا میں مصیبت اور برائی کیوں ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نیک ہو اور پھر بھی دنیا کی مصیبت اور برائی دیکھے اور اُسکے دل پر اثر نہو۔ یہ یقین نہایت ہی ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ خالق یا تو اسقدر بیرحم ہو کہ مخلوق کی مصیبت سے بے پروا ہو۔ یا ایسا کمزور ہو کہ اُسے روک نہ سکے۔ اگر خدا مصیبت روک سکتا ہے۔ اور نہیں روکتا تو وہ نیک نہیں ہے۔ اور اگر روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا تو وہ قادر مطلق نہیں ہے"۔؟

پھر ایک محقق ملحد یہ لکھتا ہے "دہریہ مذہب میں خدا نہیں ہے۔ دہریہ مذہب یہ نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ خدا سے کیا مراد ہے۔ میں خدا کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ لفظ خدا ایک آواز ہے جو میرے نزدیک صاف اور واضح مطلب نہیں رکھتی۔ میں خدا سے انکار نہیں کرسکتا جو میرے خیال میں نہ آئے اور جس کا تصور خیال کرنیوالے کے نزدیک ایسا نامکمل ہے کہ وہ اُسکی تصریح نہیں کرسکتا۔

پھر ایک اَور ملحد لکھتا ہے "دہریہ نہ تو کسی ایسے ظہور کے امکان سے اقرار کرتا ہے نہ انکار جو ان ظہورات سے جدا ہو جس کو انسانی عقل نہ قبول کرے چونکہ کائنات کے بارے میں اُسکا علم محدود ہے اسلیئے وہ اُس شے کی ہستی سے نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار جس کا اسے علم نہیں ہے۔ دہریہ کا مطلب صاف عیاں ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے خدا کا علم نہیں اس لیئے میں اُسکا یقین نہیں کرتا۔ پس جو کچھ تم اپنے خدا کے بارے میں کہتے ہو وہ تمھارا بیان ہے اور اس وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ میں خدا سے انکار نہیں کرتا۔ جبکو میں نہیں جانتا۔ میں تمھارے خدا سے انکار کرتا ہوں جو ناممکن ہے"۔

پھر ایک اَور ملحد لکھتا ہے "میں خدا کا یقین نہیں کرتا۔ میرا دل تلاش کرتا ہے پر ایسی زمین نہیں پاتا جس پر عاقلانہ اعتقاد کی عمارت تعمیر ہو سکے۔ میرا دل اُس خدائے مطلق کی بے پروائی سے بغاوت کرتا ہے جو وہ ذی روح انسان کی تکلیف کے ساتھ کرتا ہے۔ میرا دل اس نامنصفی بے رحمی اور عدم مساوات سے بغاوت کرتا ہے جو مجھے ہر طرف گھیرے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے انسان اور اُسکی قوت کا یقین ہے۔ اور اُس کی خدمت کو انسانی فرائض کا جزو اعظم سمجھتا ہوں"۔

ایک اَور ملحد لکھتا ہے "انسان ایک ایسی شے ہے جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور دنیا میں مرجاتا ہے اور اُس کے اعمال دنیا ہی میں محدود اور دنیاوی قواعد سے مربوط ہیں۔ زندگی کا مقصد انسان کی جسمانی دماغی اور اخلاقی اصلاح ہے یہ سب چیزیں مادی ہیں"۔

یہ خیالات ہیں جنسے یورپ دن بدن تاریک ہوتا جاتا ہے۔ یہ عجیب استدلال ہے کہ جو بات خیال میں نہ آسکے

اُس سے انکار کر دیا جائے۔ اور بڑھتے بڑھتے اُسے ناممکنات سے سمجھ لیا جائے۔ چونکہ تو یہ دور رہا ہم نے
لازم و ملزوم قرار دی ہے اس لیئے ہم نے علاوہ اِس ملحدانہ تحریر کے جو گزشتہ صفحوں میں گزر چکی یہ خیالات بھی نقل
کر دیئے۔ جن کا جاننا موجودہ زمانہ میں ضروریات سے ہے۔ دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت اور مشقت کے نہیں حاصل ہوتی
مگر دہریوں کا اصول موضوعہ یہ ہے کہ بغیر جانفشانی کے باتوں باتوں میں روحانیات کے اسرار کا علم ہو جائے۔ تجلیات
ربانی جو برسوں کے مجاہدے اور مراقبے کا نتیجہ ہے اُنھیں بیٹھے بیٹھے حاصل ہو جائے۔ دنیا میں مصیبت اور آفت کا آنا
یہ اُنھیں قوانین قدرت پر موقوف ہے جو روز ازل میں خداوند حقیقی مقرر فرما چکا ہے۔ درجہ مساوات کا دنیا میں نہ قائم
ہونا خالق برحق کے رحم اور انصاف پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص نے راتوں کو جاگ جاگ کے
اور دود چراغ پی پی کے علم تحصیل کیا۔ اور دوسرے شخص نے بے شغلی میں اپنی زندگی بسر کی اور پھر وہ دونوں برابر ہو جائیں
جو مصیبت ہم پر آتی ہے ہمارے اعمال سے ہم ہی اپنے لیے آسایش کے سامان مہیا کر سکتے ہیں اور ہم ہی اپنے لیئے
مصیبت مول لے سکتے ہیں۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہماری مصیبتیں دعاؤں سے رفع ہو سکتی ہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ
جب ہم سخت پشیمانی اور شرمندگی سے اپنی غلط کاریوں اور فراموشیوں کا اقرار کر کے اُسکی معافی اپنے معبود برحق کے
آگے مانگیں گے تو فطری طور پر انسان جب دل سے اپنی کسی خطا کی معافی مانگتا ہے۔ اُسے نہیں کرتا تو پھر ہمیں اُن آفتوں
سے جو ہم پر چھا رہی ہیں نجات ہو جائے گی۔ اسی کو استجابت دعا کہتے ہیں۔ اور یہی گویا روحانی مدارج پر پہنچنے کی پہلی
سیڑھی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ خدا کا تصور ناممکن ہے ۔ انسان اُسکے اندازہ کرنے کی کوشش کرتا ہے
تو اُسکی قوتیں جواب دیدیتی ہیں۔ اگر انسان اُسکا تصور نہ کر سکے تو کیا اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ یاد
رکھنا چاہیئے کہ خدا کی ہستی سے انکار کرنا اپنی قوت متخیلہ کی حد سے تجاوز کر جانا ہے۔ یہ بھی عجیب مہمل بات ہے کہ جب خدا
جانتا تھا کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُسنے مخلوق کیوں پیدا کی۔ یہ محض غلط ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف
پاتا ہے مگر اُس کا تکلیف پانا جب خود اسی کے اعمال کی وجہ سے ہے پھر اسمیں خدا پر کیا الزام آسکتا ہے۔ ہاں بُرے بھلے کے
سمجھنے کی انسان میں قوت نہوتی تو بیشک یہ اعتراض ہو سکتا تھا اور جب اسمیں حق و ناحق اور بد و نیک کے سمجھنے کا ادراک
موجود ہے پھر مصیبت کی شکایت کیسی۔ یہ دہریت کوئی نئی نہیں ہے۔ ابتدائے زمانہ سے ہوتی چلی آتی ہے اور ہمیشہ
اِن خیالات کو شکست ملی ہے۔ دہریے جسے فطرت کہتے ہیں اور جسے محیط کائنات اور قادر مطلق تسلیم کرتے ہیں وہ
فطرت کیا چیز ہے کیونکر پیدا ہوئی اس کا گھر کہاں ہے اور وہ کیونکر زندہ ہے اُسمیں کوئی ادراک بھی ہے یا نہیں ہے
تو کہاں سے پیدا ہوا اور نہیں ہے تو کیوں شک ہے یہ سوالات ہیں جو ہم نے چند دہریوں کو لنڈن بھیجے تھے۔ مگر جواب کچھ
نہ ملا سوائے اسکے کہ یہ باتیں انسانی عقل میں نہیں آسکتیں۔

دعا کی کیفیت سمجھنا اُس ایمان پر منحصر ہے جو خدائے واحد پر ہو۔ زبانی ایمان نہو بلکہ دل سے ہو۔ ہم زبان سے
کہتے ہیں کہ خدائے مطلق پر ہمارا ایمان ہے اور وہ قادر مطلق ہے اور سمیع و بصیر ہے۔ مگر دل قبول نہیں کرتا۔ لاکھوں
میں مشکل سے ایک ایسا نکلیگا۔ جس کا دل بھی خدائے برحق کی اُن صفات کی شہادت دیتا ہو اور سمجھتا ہو کہ میرے ہر کام کو

خداوند کریم دیکھتا ہے ہم ناشایستہ افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ہمیں اس کا خیال بھی نہیں گزرتا کہ خلاق اکبر دیکھ رہا ہے۔ جب ہم ایک ادنیٰ شخص کے آگے اِس قسم کا کوئی فعل نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھکے وہ فعل کرینگے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خدا کا اقرار کرنا محض زبانی جمع خرچ ہے دلمیں مطلق اُسکا اثر نہیں اور جب دلمیں اثر نہیں تو پھر ہم کس مُنہ سے اپنی حاجتیں اُسکے حضور لیجا سکتے ہیں۔ عموماً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ تمام عمر ناک رگڑ رگڑ کے مرگئے مگر ایک دن بھی دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ محض غلط ہے۔ یہ اُس ذات پاک پر الزام قایم کیا جاتا ہے ہے اُس سے کبھی دعا نہیں کی گئی۔ وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے جو پکارتا ہے۔ جواب دیتا ہے اور جو شخص چاہتا ہے وہ ہو جاتا یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بیہودگیوں سے دعا اور اُسکے منشا کو بالکل بدل رکھا ہے۔ انہیں اس بات کا خیال نہیں کہ ہم کس وحدہ لاشریک ذات پر الزام قایم کرتے ہیں اور کس کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہ شان اسلام ہرگز نہیں ہے اور خدا جانتا ہے کہ ضرور ایسے لوگ قیامت کے دن جوابدہ ہوں گے۔

انسانی فطرت میں دعا کی کیفیت ودیعت ہوئی ہے اور اس سے کوئی دہریہ اپنے اصول موضوعہ سے بھی انکار نہیں کر سکتا۔ جب انسان صبح سے شام تک محنت کرتا ہے۔ اور اپنی آیندہ کامیابی کے لیئے خون پسینہ ایک کرتا ہے تو اس محنت کے درمیان یا اُس کے بعد جو حالت اُسکے دل کی از خود بغیر کسی تحریک کے پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجھے اپنی محنت کا پھل ملے۔ اور وہ محض فطری طور پر اس خواہش کا اظہار کرتا ہے اور اُس کا یہ اظہار کرنا قانون قدرت کے مطابق ہے یہ اظہار یا یہ خواہش یا یہ آرزو کیا ہے وہی دعا ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ ہم قبول کرتے ہیں۔ کس کی محنت دنیا میں برباد جاتی ہے۔ اور کون شخص اپنی کوشش کا پھل نہیں پاتا۔ بعض اوقات ناکامی بھی ہو جاتی ہے اور یہ ناکامی بڑھتے بڑھتے محنت یا سعی میں سُست پی کر دیتی ہے۔ اور یہ سُست پے ہونا بڑھتے بڑھتے خطرناک حالت میں پہنچا دیتا ہی خدائے تعالیٰ کی لازوال قوتوں کے خیال میں کمزوری پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ کمزوری زیادہ ہوتے ہوتے خودکشی پر آمادہ کر دیتی ہے۔ اور اخیر کمزور انسان خلاف مرضی باریتعالیٰ قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور اس رخصت ہونے کو عرفاً خودکشی کہتے ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچانیکے لیئے شارع اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ اگر دعا قبول نہو سمجھ لو کہ تمہارے لیئے کوئی اعلیٰ درجہ کی خیر خزانہ خداوندی میں مضمر ہے۔ اور وہ کبھی نہ کبھی ملے گی۔ یہ خیال انسان کو خودکشی سے باز رکھ لیتا ہے اور اس سے بہتر حکمت کی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ اس کے مقابل میں ایک ملحد کو دیکھو۔ اُسکے اُصول موضوعہ ہر حالت میں اُسکی رہنمائی کرتے ہیں اور وہ اُصول موضوعہ بلحاظ اپنی قوت کے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں جبتک اُن میں ادراک و فہم سلیم کی قوت ہے انسان بہت خوش رہتا ہے اور جہاں اُن اُصول موضوعہ میں کمزوری آگئی بس پھر ملحد کی جان کی خیر نہیں ہے اور وہ اُسے نہایت ہی ناکام حالت میں مایوس مار ڈالتے ہیں۔

جو کچھ ہمنے دعا کی نسبت لکھا ہے اور اُسے ایک فطری کیفیت انسان کی ثابت کی ہے۔ اِسکے لیئے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں اور ایسی بدیہی ہیں جس طرح چاند اور سورج۔ یہ کبھی اتفاق ہی نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اپنی فطرت کے خلاف کسی چیز کی خواہش کرے۔ ایک مزدور ہمیشہ اپنی مزدوری کے لیئے دعا کرتا ہے کہ چار آنہ

پھ آنے ملنے لگیں ایک مصنف ہمیشہ اپنی تصانیف کی مقبولیت کی دعا مانگتا ہے ایک بادشاہ ہمیشہ اپنی وسعت سلطنت کی خواہش رکھتا ہے مگر اس قسم کی تمام دعائیں اُس وقت مقبول ہوتی ہیں جب دعا مانگنے والے اپنی کامیابی میں کوشش بھی کرتے رہیں کیونکہ اگر انہوں نے کوشش نہیں کی اور یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے دعا مانگی تو سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے کفران نعمت کیا اور اُن قوتوں کو معطل کر دیا جن قوتوں کی وجہ سے وہ اشرف یعنے کائنات کا سردار بنا۔ یہ دعا نہیں بلکہ ایک قسم کی سخت سوادبی اور خیرہ چشمی ہے جو جاہل اعظالم انسان اپنے معبود برحق کی کرتا ہے

دعا کے معنی مانگنے اور اجابت یا استجابت کے معنی مراد مانگنے والے کی مراد کو پورا کر دینا۔ منتہی الارب میں جو بطور ترجمہ قاموس کے ہے یہی معنی لکھے ہیں" اجاب اللہ دعائہ " یعنے قبول کی خدا نے اس کی دعا قرآن مجید میں سورۂ انبیاء میں آیا ہے ونوحا اذ نادی من قبل فاستجبنا لہ فنجینٰہ واھلہ من الکرب العظیم "یعنی لوگوں کو نوح کا واقعہ یاد دلاؤ جب اُنہوں نے ہمیں پکارا اور یہ بہت پہلے کا واقعہ ہے تو ہم نے اُن کی سن لی اور ان کو اور اُن کے ساتھ کے لوگوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔ اس صریح قول خدا سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت نوح ایک برگزیدہ بندہ تھے اور وہ بندہ جن کے دل پر مطابق قانون فطرت کے تجلیات ربانی چھا رہی تھیں اول اُن کا بطور خود اُن عقلی قویٰ سے کام لینا جو اُن میں بحیثیت ایک انسان کے ودیعت ہوئے تھے یعنے ناؤ کا اہتمام کر کے اُس میں سوار ہونا اور پھر خدائے برحق کے حضور میں اپنی اس تدبیر اور عقل کو محض فضول سمجھ کر دست بدعا ہونا کہ گو میں نے تدبیر تو سب کر لی ہے مگر بچانے والا تو ہی ہے یہ خاص دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ پہلے اپنی عقل اور تدبیر سے کام لینا چاہیئے اور پھر خدائے مطلق کے حضور اپنی التجا پیش کرنی چاہیئے۔

مزدور جبتک مزدوری نہ کرے گا کیونکر اُس کی ترقی دعا مانگ سکتا ہے۔ ایک شخص جب تصنیف نہ کرے گا کیونکر اپنی تصنیف کی مقبولیت عامّہ کی دعا کر سکتا ہے۔ بادشاہ جب بادشاہ ہے تو اپنی سلطنت کی وسعت کی دعا کرے گا اور جب اُسے سلطنت ہی حاصل نہیں ہے پھر وہ کس کی وسعت کی دعا مانگے گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی ہی نہ بناتے اور اُس پر سوار ہی نہ ہوتے کیونکر پانی سے نجات پانے کی دعا کر سکتے تھے اسی طرح اس آیت میں ہے "رب ھب لی من الصالحین فبشرنٰہ بغلام حلیم " یعنے پس ہم نے صاحب علم لڑکے کی اسے بشارت دی" اس آیت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی بشارت اُسی وقت دی گئی ہے جب خاوند اور بیوی موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی دعا ایسی حالت میں کی جب وہ اپنی بیوی کیساتھ رہتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کبھی دعا نہ فرماتے۔ بغیر اسباب اور محنت کے دعا نہیں ہو سکتی۔ یہ انتہا درجہ شان عبودیت ہے کہ انسان اپنے قوائے ذہنی اور جسمانی سے کام لینے کے بعد اُس کی کامیابی اور نتیجہ کو اپنے معبود برحق پر چھوڑتا ہے اپنی عقل اور محنت پر گھمنڈ نہیں کرتا اور اپنے کو اور اپنی محنت کو لاشئے محض سمجھتا ہے۔

جو کچھ ہم نے دعا کی حقیقت بیان کی ہے وہ ایک لاثانی حقیقت ہے جسے غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ہم نے دعا میں وہ تحقیق کی ہے کہ اور مفسروں کے خیال میں نہیں آئی تو بھی ہم حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تہا

درجہ تعریف کرتے ہیں کہ اُنہوں نے جو کچھ دعا کی نسبت لکھا ہے وہ قریب قریب ہمارا سا بیان ہے اگرچہ ہمارے بیان میں علوم جدیدہ کا زیادہ رنگ ہے اور محض واقعات اور فطرت انسانی سے ہم نے بحث کی ہے اور یہ باتیں قدیم زمانہ میں نہ تھیں جو کچھ ہم نے دعا کی نسبت لکھا ہے اور جو کچھ ہمارے امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے موازنہ کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔ ثم فی الدعاء من الفائدۃ ماذکرناہ فی الذکر بانہ یستدعی حضور القلب مع اللہ تعالیٰ وھو منتہی العبادات والعبادات والغالب علی الخلق انہ لا تنصرف قلوبھم الی ذکر اللہ تعالیٰ الا عند الالمام حاجۃ وارھاق ملمۃ فان الانسان اذا مسہ الشر فذو دعاء عریض فالحاجۃ تحوج الی الدعاء والدعاء یرد القلب الی اللہ عزوجل بالتضرع والاستکانۃ فیحصل ھذا الذکر الذی ھو اشرف العبادات ولذالک صار البلاء موکلا بالانبیاء علیھم السلام ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل لانہ یرد القلب بالافتقار والتضرع الی اللہ عزوجل ویمنع من نسیانہ واما الغنی فسبب البطر فی غالب الامور قال الانسان لیطغی ان راہ استغنی۔" **ترجمہ** یعنے دعا میں وہ فائدہ ہے جس کا ذکر ہم نے ذکر کے باب میں کیا ہے۔ دعا بیشک حضور قلب کو خدائے تعالےٰ کے ساتھ چاہتی ہے اور یہ حضوری منتہائے عبادت ہے اس سبب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا مغز عبادت ہے اور مخلوق کا غالب احوال یہ ہے کہ اُن کے دل خدائے عزوجل کی طرف رجوع نہیں کرتے ہاں جب اُن پر سختی پڑتی ہے اور اُنہیں کوئی حاجت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے وہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے) پس حاجت حاجتمند کرتی ہے دعا کی طرف اور دُعا دل کو اللہ عزوجل کی طرف عاجزی اور تذلل کے ساتھ رجوع کرتی ہے پس حاصل ہوتی ہے خدا کی یاد جو اشرف عبادات ہے اور اسی سبب سے بلا انبیا پر پھر اولیا پر پھر درجہ بدرجہ موکل ہوتی ہے اس لئے کہ وہ دل کو احتیاج اور عاجزی سے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کراتی ہے اور یاد خدا کی فراموش کرنے اور تونگری سے جو مال کی مستی کی وجہ سے ہوتی ہے مانع آتی ہے۔ بیشتر اوقات اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ انسان جب اپنے کو غنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے فقط۔

یہ ہے دعا کی حقیقت جو ہمارے فاضل امام اور رکن شریعت غزالی نے تحریر فرمائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے حضور پوری عبودیت کی شان سے حاضر ہونا اس سے زیادہ اشرف عبادت نہیں ہو سکتی۔ رو کے اور زاری کر کے اپنی بے بضاعتی اور نالائقی کا اقرار کرنا اور اپنی ادنے اور ذلیل ترین حالت پر آٹھ آٹھ آنسو بہانا ہی عبودیت اور بندگی ہے۔ رونا جب دل سے ہوتا ہے قوت دیتا ہے دل کی ربانی قوت کو اور صاف کر دیتا ہے اُن کدورتوں کو جو دل پر جمی ہوئی ہیں جو دل سے رویا ہے وہ اس کی لذت سے پورا واقف ہے اپنے معبود حقیقی کے حضور زار زار رونا اور آہ و زاری کرنا ایک عجیب برکت ہے جو خاص اُنہیں بندگان خدا کا حصہ ہے جنہوں نے کوچہ معرفت اور حقیقت کی سیر کی ہے۔ ایک شب کی سچّی زاری سے خود اس عاجز نے مدینہ منورہ میں حضور فخر موجودات سرور دو جہاں احمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کر لی جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں کر دیا ہے رونا وہ ہی اپنی بد کرداریوں اور غلط کاریوں پر رونا خود حضور خداوندی میں سفارشی بن جاتا ہے مولانا قدس اللہ

اسرار فرماتے ہیں -

چوں بگریانم بجوشد رحمتم	آں خروشندہ بنوشد نعمتم
رحمتم موقوف آں خوش گریہ ہاست	چوں گرست از بحر رحمت موج خاست
تانگرید ابر کے خندد چمن	تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

اسی طرح ابن عطار اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب حِکَم میں لکھا ہے "ما طلب منك شئ مثل الاضطرار ولا اسرع بالمواهب مثل الذلة والافتقار" یعنے مثل اضطرار کے تو نے کسی چیز کو نہیں چاہا اور مثل عاجزی اور محتاجی کے جو بخشش کی جلد تر موجب ہے۔ ابو محمد عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں العبودية الرجوع الى الله تعالى فى كل شئ على حد الاضطرار وفيه ايضاً خاصية اجابة الدعاء قال الله تعالى من يجيب المضطر اذا دعاه والاضطرار المطلوب منه ان لا يتوهم العبد من نفسه شيئاً من الحول والقوة ولا يرى لنفسه شيئاً من اسبابه يعتمد عليه ويستند اليه يكون كالغريق فى البحر والضال فى البتة القفر لا يرى لغياثه الا مولاه ولا يرجو لنجاة عن هلكته احداً سواه "

یعنے عبودیت کے معنے حد اضطرار کے ساتھ ہر کام میں خدا کی طرف رجوع کرنا ہے اور اضطرار میں دعا کے قبول ہونے کی بھی خاصیت ہے اللہ تعالے نے فرمایا ہے وہ کون ہی جو مضطر کی جب وہ دعا کرتا ہے قبول کرتا ہے اور اضطرار جو بندہ سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت اور قوت کا اپنے دل میں کچھ وہم بھی نہ کرے اور اپنے حق کسی اعتماد اور سبب کو نہ دیکھے کہ اُس پر تکیہ کرے اور ہو مثل غریق کے سمندر میں اور مثل بھٹکے ہوئے کے جنگل میں کہ بجز اپنے مولا جلشانہ کے کسی فریادرس کو نہ دیکھتا ہو اور سوائے خدائے تعالے کے اپنی نجات کی ہلاکت سے کسی سے اُمید نہ رکھتا ہو" جو ہم نے لکھا ہے سب کا یہی مدعا ہے کون ہے جو دعوے کرسکتا ہے کہ جب اُس نے دعا مانگی اُس کے دل اور زبان کی ایک حالت تھی۔ کون ہے جو زبان سے مشکل کشا کہتا ہے مگر اُس کا دل زبان کی صداقت کی شہادت دیتا ہے۔ ہمارا جو کچھ عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چاہے جو کچھ دعا کرے بشرطیکہ وہ دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ میری دعا قبول ہوگی اور خدا قادر مطلق ہے ضرور اُس کی دعا قبول ہوگی مگر نہیں یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ وہ خدا کی قدرت کا خفیف سا بھی اندازہ کرسکے وہ کیونکر ایسا یقین کرسکتا ہے اور اس قسم کی دعا مانگ سکتا ہے جو اُس کی ہستی کے خلاف ہو۔ ایک آرزو مند باپ ہمیشہ اپنے لڑکے کے سعادتمند ہونے کی دعا کرے گا نہ کہ اُس کی نبوت کے لئے دعا مانگے گا۔ ایک بے اولادی عورت سعادتمند عمر والے بچہ ہونے کی دعا مانگے گی ساتھ ہی اُس کے یہ دعا نہ کرے گی کہ میرے ہاں بچہ بھی پیدا ہو اور ہوتے وہ بادشاہ ہو جائے " خدا کے خزانہ میں تو کچھ کمی نہیں ہے اُس سے جو کچھ مانگو گے دیگا مگر اصل یہ ہے کہ خداوند تعالے کی حضوری ہزار دولتوں اور ہزار بادشاہوں سے برترین واعلےٰ ہے کون ایسا نادان ہے جسے دیدار باری تعالے نصیب ہو اور وہ پھر ذلیل اور فانی چیزوں کی خواہش کرے اور جس کے دل میں ایسی چیزوں کے خواہش کرنے کا مادّہ ہے وہ ہرگز حضور خداوندی میں نہیں حاضر ہو سکتا دعا جو واقعی مغز عبادات ہے عجیب وغریب بندگی ہے خدا ہی جانتا ہے اس کی لذت کیسی ہے -

آؤ اور نہایت خلوص اور سچی عقیدت سے ایک ہی بار اللہ کا نام لو پھر تجلیات ربانی کو دیکھو اور اُس وقت غور کرو کہ تمہارے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے خیالات میں صفائی اور بلند پروازی کتنی پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں میں قوت اور نور کس قدر کوٹ کوٹ کے بھر جاتا ہے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں مگر دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا قرآن پڑھتے ہیں مگر طوطے کی طرح اول تو معنی ہی نہیں سمجھتے اور سمجھتے ہی ہیں تو دل کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہزاروں قسمیں کھا جاتے ہیں مگر ذرا بھی خوف نہیں آتا کہ ہم کس ذات قادر مطلق وحدہ لاشریک کو نہایت نالایقی اور سوء ادبی سے ہر بار اپنی ضمانت میں دیتے ہیں اور افسوس ہے کہ وہ ضمانت میں دینا بھی محض زبانی ہوتا ہے دل سے کچھ تعلق نہیں۔ تمام عمر نمازیں پڑھتے گذر جاتی ہے مگر تمام زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوا جس میں سچے دل سے ایک بار بھی خدا کا نام نکالا ہو جب ہم کسی ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جو دنیا کی حیثیت سے ہم سے زیادہ ہو یا اُس کی حکومت جزوی طور پر ہم پر ہو اور ہم اُس کا نام لیں تو یکایک اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ ہم اُسکا ادب سے نام لیں مبادا کوئی لفظ خلاف شان زبان سے نکل جائے اور اس تک کوئی خبر پہنچا دے اور پھر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچائے مگر واے برحال ما کہ ہم یہ بھی کہتے جاتے اور عقیدہ رکھتے جاتے ہیں کہ خدا علیم اور بصیر ہے اور پھر وہ وہ افعال شنیعہ کرتے ہیں کہ جانوروں ہی کو سزاوار ہیں غیبت ہم کرتے ہیں۔ شراب ہم پیتے ہیں زنا ہم کرتے ہیں سب سے زیادہ حق العباد میں ہم دست اندازی کرتے ہیں اور ایک بے یار و مددگار مظلوم معصوم کا چھری سے ہم گلا کاٹتے ہیں اور اُف تک نہیں کرتے یہ ہماری حالت ہے اور یہ ہمارے اعمال ہیں کہ شیطان بھی شرم کرتا ہے اور پھر ہماری نادانی حماقت اور سخت گستاخی دیکھو کہ ہم ان افعال شنیعہ اور افعال خبیثہ کے مرتکب ہو کے خدائے مطلق و واحد کے حضور جاتے ہیں اور اُس سے وہ آرزو کرتے ہیں جو نہ صرف ہمارے حق میں سم قاتل ہو بلکہ اُس سے کئی بے گناہ بھی برباد ہوتے ہوں اور جب ہماری وہ دعا قبول نہیں ہوتی تو خالق حقیقی پر الزام رکھتے ہیں اور بطور مضحکہ دعا و استجابت دعا کی نئی نئی تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور زبان سے کبھی کبھی کفر آمیز کلمے بھی کہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ ہیں وہ بدباطن جو خدا اور اُس کے نبی کے وعدوں کا ابطال کرتے ہیں۔ آہ اے ہماری ضعیفی قلب اور بدباطنی آہ تو نے ہمیں کیسا ذلیل کر دیا اور خبر نہیں تو ہمیں کہاں تک ذلت و گمراہی کے کانٹوں میں گھسیٹے گی۔ جو کچھ دُعا کی اصلی حقیقت تھی وہ ہم لکھ چکے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک پہلو بھی ہم نے اُس کا فروگزاشت کیا ہے مختصر یہ ہے کہ دعا چونکہ مغز عبادت ہے اس لئے توحید کے ساتھ اس کا لازمی ہونا ضروری ہے۔ توحید و دعا کیا تو لازم و ملزوم ہیں یا اگر ایک گہری نظر کرو تو دونوں مترادف الفاظ ہیں اگرچہ اُن کے ظاہری معنی الگ الگ ہیں مگر اُن کے باطنی مفہوم ملے ہوئے ہیں اور اُن میں کچھ بھی فرق نہیں ہے اُس کا موحد ہونا مشکل ہے جو سچا دعا مانگنے والا نہ ہو اور جو سچائی اور خلوص سے دعا کرنے والا ہے اُس کا موحد ہونا لازمی ہے۔ دعا اور توحید وہ سرچشمے ہیں جن میں سے معرفت اور حقیقت کی دو نہریں نکلی ہیں خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے آب معرفت کو پیا ہے۔ زیادہ خوش قسمت وہ جنہوں نے بار بار پیا ہے۔ اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنہوں نے ایک ہی بار ایسا سیراب ہو کے پیا ہے کہ پھر دوبارہ

انہیں پینے کی ضرورت نہیں رہی۔
جس بات سے واقف نہیں ہو اس کا انکار نہ کرو جس بات کو نہیں جانتے اُسکے جاننے کی کوشش کرو نہیں کوشش کرنا چاہئے تو اسکا بطلان نہ کرو ملحد ہو یا دہریہ جسے قانون قدرت اور فطرت پکارتا ہے ابھی اُس کا ہی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا معمولی مثالوں اور واقعات سے پوشیدہ اسرار کا پتہ لگانا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ابھی انسان ہی میں بہت سی صفات اور جوہر ہیں جن کا پتہ لگانا بہت دور پڑا ہوا ہے جب یہ منزل ہم پوری کر چکیں گے تو پھر خدائے تعالےٰ کے اسرار ڈھونڈنے کی باری آئے گی جسے ابھی صدیاں چاہئیں۔ آسمان پر اُڑنا یا بجلی سے کام لینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ان دو چار چیزوں سے ہم کائنات کی ایک ایک چیز کا علم کیونکر حاصل کر سکتے ہیں اور اگر ہم نے اپنے خیال میں اُن کی کوئی حالت قایم کی تو پھر اُس کی کیا دلیل ہے کہ ہمارا قیاس صحیح ہو گا۔ زمین ہی کے بہت سے حصص کے حالات اُس کی علوم اور ایجادات میں بھی باقی ہیں اور کیا عجب ہے کہ صدیوں تک ہماری لاعلمی کی یہی کیفیت رہے۔ اُس کے راز وہی خوب جانتا ہے اور بغیر اُس کی رہنمائی کے اپنی عقل سے پتہ لگانا دماغ بیہودہ بحث و خیال باطل بست کا حکم رکھتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا ہے کہ مجھسے دعا مانگو ہمیں اُس کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے لیکن جہاں تک ممکن ہو ناقص تعمیل نہ ہو بلکہ اُنہی قواعد کے موافق ہو جو اُس نے ہماری فطرت میں ودیعت کئے ہیں۔ فطری اور طبعی قواعد کی خلاف ورزی کرنی قانون قدرت کی سرتابی ہے اور قانون قدرت کی سرتابی خدا کی سرتابی ہے اور خدا کی سرتابی انسان کی روحانی اور جسمانی ہلاکت کی نشانی ہے۔ ایسی ہلاکت سے جہاں تک ہو بچنا چاہئے۔

آٹھواں باب

روح

دنیا میں کوئی مسئلہ نہیں ہے جس میں اس قدر اختلاف ہو جتنا روح انسانی میں ہے۔ اور حقیقت میں اس مسئلہ میں اختلاف کا ہونا ضروری امر ہے ایک شے جو نہ محسوس ہوتی ہو اور نہ دکھائی دیتی ہو اور جس کا راز کسی نبی نے بھی نہیں بتایا اور نہ الہامی کتب میں اُس کا پتہ ہے اُس میں جس قدر اختلاف ہو تھوڑا ہے۔ بایںہمہ ہر زمانہ اور ہر صدی اور ہر قوم میں اس کی جستجو بہت کچھ رہی کہ روح کیا چیز ہے اس کی اصل کیا ہے اور اس کے رہنے کی خاص جگہ کونسی ہے۔ ہر حکیم اور فلسفی نے اپنی اپنی رائے اور اپنے مذاق کے مطابق اس کا جواب دیا مگر اُن سب جوابوں کو جمع کرنے کے بعد بھی کوئی بین نتیجہ نہیں نکلتا نہ اُن سے کوئی عاقلانہ پہلو پیدا ہوتا ہے اور نہ سچا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے اگرچہ اس بحث اور گفتگو کو گنجائش نہیں دی پھر بھی بہت سے علما گزر گئے ہیں جنہوں نے اس کی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک اُن سے ہو سکا اس کی کُنہ تک پہنچنے کے لئے اُنہوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اب یہ بات کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے یا نہیں دوسری ہے اور اس کی بابت ہم ابھی کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے۔ مضمون تو نہایت ادق اور مشکل ہے پھر بھی ہم ایک حد تک اس کے حل کرنے کی کوشش کریں گے کیا عجب ہے کہ ہم کسی قدر اپنے ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکیں اور بدقسمتی سے ہم اس میں ناکام بھی ہو گئے پھر بھی اتنا تو ضرور ہو گا کہ ناظر کو حکمائے سابقین اور علمائے اسلام کے اقوال کا موازنہ ہمارے رائے سے کرنے کا موقع ملے گا اور اُنہیں روح کی بابت ایک ذخیرہ ہاتھ لگ جائے گا اور وہ ضرور اختلاف آراء سے کچھ نہ کچھ نتیجہ اپنے مطلب کے لئے نکال لیں گے۔

مذہبی دنیا میں قدرتی طور پر روح کو کوئی چیز ماننا لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ تمام ادیان عالم کا دارومدار صرف روح پر ہے اگر ہم روح کو لاشے محض مانیں تو پھر ہر مذہب کے کل اصول لغو اور باطل ہو جائیں گے اور پھر کسی شخص کو ضرورت نہ رہے گی کہ وہ اپنے کو مذہبی زنجیروں میں جکڑا رکھے اور بلا وجہ آئندہ زندگی کی بیم ورجا کے پھندوں میں پھنسائے رکھے وہ محض آزاد ہے چاہے جو کچھ کرے اور چاہے جس آزاد سے آزاد خیال کا پیرو ہو۔

جس طرح قدرت نے انسان کے ساتھ مذہب لازم کر دیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ یہ خاص اُس بسیط جوہر کو بھی مانے جس نے اسے تمام عالم میں اشرف یا بالفاظ دیگر اسے تمام عالم کا سردار بنایا ہے ساتھ ہی اگر ہو سکے تو اُس کی حقیقت کو بھی جانے اور اس کی پروا نہ کرے کہ اسے کامیاب ہونے میں کتنی صدیاں درکار ہیں کچھ نہ کچھ تفتیش اس کی ہر زمانہ اور ہر عصر میں ہونی چاہئے کیا عجب ہے کہ یہ مسئلہ چھنتے چھنتے ایک دن حل ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا جائے۔ وہ چیز جس پر انسان کے نیک و بد

اعمال کے نتائج کا دارومدار ہے کیوں پس پشت ڈالی جائے اور توجہ کیا کہ اپنی فہم وفراست سے ایک حد تک کام نہ لیا جائے کوشش کرنی چاہیے خدا بھی مدد دے گا کسی مسئلہ کو لاینحل سمجھکر اُس سے دست بردار ہو جانا شان انسانیت اور علم سے بعید ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ابھی تک ہمارا ترکیب اجسام ہی کا علم نہایت ناقص اور نامکمل ہے پھر ہم کیونکر روح کی کنہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ تو بھی ہم دن بدن اُس میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور روزمرہ ہمیں کچھ نہ کچھ نئی بات معلوم ہوتی رہتی ہے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کے بعد ہمیں روح کی حقیقت معلوم ہو جائے اور پھر آیندہ زندگی کا مسئلہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دینے لگے اور اس کے بعد طول طویل مباحث کی ہمیں پھر کچھ ضرورت ہی نہ پڑے اس کا تو ہمیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ مسئلہ صاف ہو کے رہے گا اور پھر آیندہ زندگی کے تمام شکوک رفع ہو جائیں گے یہ ہم نہیں کہتے کہ کب اور کس صدی میں اس کے حل ہونے کی باری آئے گی یا کے ہزار برس میں جاکے انسان اس کی کنہ تک پہنچ سکیگا۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علمائے اسلام کے اقوال نقل کرنے سے پہلے حکمائے یونان وغیرہ کی آرائے اس مشکل مسئلہ کی بابت نقل کردیں اور اُس پر کچھ رد وقدح نہ کریں صرف اپنے ناظر تفسیر کے مطالعہ کے لئے چھوڑ دیں۔ تاکہ اُس کے خیال کو وسعت۔ ذہن کو جودت اور عقل میں روشنی پیدا ہو۔ اس کے بعد علمائے اسلام کے اقوال اسی طرح نقل کرکے پھر بطور خود ذرا بسط کے ساتھ اس مسئلہ میں بحث کریں گے۔

روح کی نسبت حکمائے قدیم نے چار سوال کئے ہیں (۱) روح حقیقت میں کیا چیز ہے؟ (۲) یہ کہاں رہتی ہے؟ (۳) اس کا منبع کیا ہے؟ (۴) اور موت کے بعد اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟۔ بعض حکما کا تو یہ خیال ہے کہ قلب خود روح ہے اور یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

(۱) ایمپی ڈوسلس کہتا ہے روح اس خون کا نام ہی جو دل کی رگوں میں دوڑتا ہے۔

(۲) بعض کا یہ خیال کا ہے کہ دماغ کے ایک خاص حصّہ کو روح کہتے ہیں۔

(۳) اکثر حکما کا یہ مقولہ ہے کہ دل اور دماغ روح نہیں ہیں بلکہ یہ روح کے جائے قیام ہیں اور روح کیا تو آگ کی مثل کوئی چیز ہے یا سانس کو روح سمجھنا چاہیے۔

(۴) یہی رائے حکیم زینو کی بھی ہے جو مذہب اسٹوئک کا بانی ہے۔

(۵) ارسطوزینس نے روح کو جسم کے مختلف حصص میں شریک مانا ہی۔

(۶) زینوکریٹس نے روح کے کئی حصے کرکے اُسے مختلف اعضا میں تقسیم کیا ہے۔

(۷) فیثاغورث کی بھی یہی رائے ہے کہ روح ایسا مادہ ہے جس کی تفریق ہو سکتی ہے۔

(۸) افلاطون کہتا ہے کہ روح میں تین ممتاز جوہر ہیں۔ ایک جوہر فراست ہے جو دماغ میں رہتا ہے اور باقیماندہ دو جوہر جو خواہش اور طیش ہیں سینہ اور دل میں رہتے ہیں یعنی خواہش سینہ میں اور طیش دل میں۔

(۹) ارسطو کا بیان ہے کہ چار چیزیں یا اصول جن سے تمام اشیا کی ساخت ہوئی ہے مثلاً فکر۔ علم محبت۔ اور

نفرت ان میں سے ایک بھی روح کا ماخذ نہیں ہے پانچواں جوہر اور بھی ہے جس کا نام میں نہیں بتا سکتا ہاں اُس جوہر کا نام اگر روح رکھا جاتا ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے

(۱۰) سسرو لکھتا ہے کہ ایک پر قوت غیر ممکن التبدیل اور علی التواتر جاری رہنے والی حرکت کا نام روح ہے جس کی کُنہ تک انسان نہیں پہنچ سکتا اور نہ اُس کا خیال کر سکتا ہے پھر یہی فصیح حکیم لکھتا ہے (بہت سے حکما کی رائے نقل کرنے کے بعد) ان خیالات اور آراے میں کونسا حق ہے اللہ ہی جانتا ہے ہمیں اسی رائے پر رضامند ہونا چاہئے جو ممکن الیقین اور ممکن الوقوع ہو۔

(۱۱) ڈیموکرٹیس کی رائے ہے کہ روح ایک جزلایتجزی ہے جسکی حقیقت ہم نہیں پہچان سکتے۔

سسرو نے سب سے زیادہ وسعت سے اس مسئلہ میں بحث کی ہے اور اس کی بحث کسیقدر طول اور زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کذب عام طور پر صدق کے ساتھ ایسا ملگیا ہے اور اب صدق و کذب میں اس قدر مشابہت تامہ ہوگئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہوسکتا ہمارے پاس کوئی ایسا امتیازی نشان نہیں ہے جس سے ہم پہچان سکیں کہ یہ صدق ہے اور یہ کذب ہے۔ جہاں سسرو روح کے غیر فانی ہونے کا بیان کرتا ہے اسے ایسا مشتبہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ یہی نہیں معلوم ہوتا کہ روح کی فنا اور غیر فنا ہونے میں اُس کا کیا مذہب ہے۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ جہاں خدا کا ذکر آیا اُس نے ملحد حکما کو بہت کچھ بھلا بُرا کہا ہے اور لکھتا ہے کہ اس سے اندھاپن اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہمیں روشنی کا سرچشمہ نہ دکھائی دے۔ ایم پاسکل لکھتا ہے۔ اس امر کا خیال کرنا ضروری ہے کہ ہمارے تمام کام اور تمام خیالات اُس اعتقاد سے جو ہم اپنے دل میں رکھتے ہیں کسقدر مختلف ہیں پھر ہمیں کیونکر یقین آسکتا ہے کہ دائمی راحت ہمیں حاصل ہوگی۔ یہ محض ناممکن ہے کہ ہم عقل اور انصاف سے کوئی رائے قایم کر سکیں کہ روح غیر فانی ہے اور ضرور روح کو کوئی سزا اور جزا ملے گی۔ یہ محض ناانسانیت اور وحشی پن ہے کہ صرف شبہہ میں ہم دائمی راحت اور دائمی مصیبت کے خیال میں پھنسے رہیں

بہت سے حکما تو روح کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں اُنہوں نے صرف اجسام سے بحث کی ہے اور اُن کا یقین ہے کہ کوئی جوہر بسیط خواہ وہ روح ہو یا اور چیز ہو مادہ سے علیحدہ نہیں ہے۔ خود حکماے اسٹوئک جن کا اخلاقی اصول ایک حد تک صاف اور نتھرا ہوا ہے اسی شمار میں ہیں اور روح کو ایک فرضی اصطلاح اقوام قدیم کی سمجھتے ہیں۔ اُن کا یقین نہیں ہے کہ روح بالکلیہ غیر فانی ہے ہاں یہ وہ کہتے ہیں کہ روح کی عمر مثل عزاب اور چیل کے بڑی ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ فنا ہوجاتی ہے۔ فرقہ اسٹوئک کے حکما کا یہی مذہب ہے کہ دنیا پہلے آگ تھی خاص خاص روحیں اُس آگ میں موجود تھیں جو بعد ازاں کائنات کی روح میں مل گئیں۔ اخیر وہ کائنات کی بلند جگہ پر آباد ہوئیں وہاں سوائے راحت عمدہ خیال اور لطیف زندگی گزارنے کے انہیں کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ سسرو نے اس فلسفیانہ خیال کو بڑے جوش و خروش سے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے ہم اُس وقت اپنے اجسام سے خوشی حاصل کریں گے جب ہم تمام جوش اور بیچینی کو اپنے میں سے

نکال کے پھینک دیں گے۔ ہماری خوشی کی تکوین کیونکر ہوتی ہے جب ہم ہر قسم کی حفاظت سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ہم دلی شوق سے اپنے کو اُن چیزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے ہمیں لازوال خوشی حاصل ہو جب خوشی حاصل ہو گئی تو آزادی ایک بڑی حد تک حاصل ہو جانا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آزاد ہونے کے بعد ہم اپنے کو تمام اشیا کی حقیقت دریافت کرنے میں مستغرق کر دیں گے پھر ہمیں معلوم ہو گا کہ اصل کیا ہے اور کامل حقیقت کس کا نام ہے۔ خود ہمارا یہ مقام ہمیں آپ ہی روحانی اشیا پر خیال کرنے اور اُن کی کنہ تک پہنچنے کا رستہ دیدے گا اور وہ خیالات جو پہلے ناممکن یا محال معلوم ہوتے تھے سہل ہو جائیں گے پھر ہم میں روحانیات کے حسن میں مستغرق ہو جانے کی آگ بھڑک جائے گی اور پھر فطری طور پر صداقت تک پہنچ جائیں گے۔ اور اس کی اصلی حقیقت کم و بیش ہم پر منکشف ہو جائے گی پھر ہم میں یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ ایک ہی نظر سے تمام دنیا کے حالات کا مطالعہ کر لیں گے اور ہمیں بآسانی جزو کل کا علم ہو جائے گا ہماری زندگی زندگی ہو گی اور ہماری موت موت۔ اُس وقت ہماری نظر کی کیا کیفیت ہو گی جب ہم ایک ہی بار کل دنیا کے مقام شکل حدود اور تمام اس کے حصص کا ملاحظہ کر لیں گے خواہ وہ حصے آباد ہوں یا ویران سرد ہوں یا گرم اب یہاں فلسفیانہ خیالات کی وسعت کا اندازہ کرو۔ ہمیں معلوم ہو گا کہ ہم کس تاریکی اور کس مصیبت میں مبتلا تھے جب ہماری آنکھیں ہوئیں تو ہم نے اسی تاریکی میں ایک قابل توصیف اور آگہی بخش اصول دیکھا اور وہ اصول یہ ہے کہ روح غیر فانی ہے اور آئندہ زندگی میں ہمیں دائمی محبت میں رہنے کا مرتبہ ملے گا اور یہ وہ مقام محبت ہو گا جس کی ہمیں مدت سے تلاش تھی اور جس کا ملنا ہر نیک اور باخبر انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔

جو فلسفی کہ روح کو غیر فانی مانتے ہیں اُنہوں نے بعد موت اسے ایک پر جلال اور شریف مرتبہ دیا ہے۔ جہانتک بعور ارسطو کی کتابوں کا مطالعہ کیا گیا یہ نہیں معلوم ہوا آیا یہ حکیم بھی مذکورہ اصول کا قایل تھا یا نہیں۔ اس مسئلہ نے فلاسفہ کی تفریق کر دی ہے۔ افلاطون کی کل تصانیف میں اور اس کے اُستاد سقراط اور فیثا غورث کی تمام کتابوں میں روح کو غیر فانی تسلیم کیا گیا ہے بسیرو لکھتا ہے کہ افلاطون نے اپنی تائید میں نہ صرف اور حکما کے اقوال نقل کئے ہیں بلکہ وہ بذات خود بھی روح کو غیر فانی تسلیم کرتا ہے۔ اور اُس کا اس اصول پر کامل عقیدہ ہے۔

افلاطون۔ سقراط کے قدم بقدم چلکے بعد از موت روح کی دو حالتیں لکھتا ہے۔ ایک حالت تو روح کی مصیبتناک اور اُن اعمال بد کے نتایج میں گرفتار دکھائی گئی ہے جو دنیا پر کئے تھے اور دوسری حالت روح کی نہایت پرشان بیان ہوئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ نیک انسان کی روح دیوتاؤں اور پاک و معصوم اشخاص کے پر جلال و جبروت عظیم مجمع میں رہے گی اور ابد تک اس روح کی ایسی شادمانی۔ لطافت اور عمدگی سے بسر ہو گی ان حکما کی معقول اور انصاف پسند دلیل یہ تھی کہ خدائے برحق کو حق سمجھنے کی نشانی یہ ہے کہ آئندہ جزا اور سزا پر یقین کیا جائے اور بغیر کسی شک کے تسلیم کر لیا جائے کہ ہمارے دنیاوی نیک و بد اعمال کا معاوضہ ہمیں ضرور ملے گا۔

مآل روح

مآل روح کا بتانا روح کی حقیقت بیان کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ طبیعات قدیم اور جدیدہ کا جاننا اس مسئلہ کا کافی جواب دینے کے لئے بہت ضرور ہے ہمیں صرف مآل روح کی ایک معتدل حالت بیان کرنی ہے اور وہ ہم علم طبیعات کے پہلو سے بیان کریں گے اور ہم زیادہ تر حکمائے قدیم کے اقوال کی اس میں ضروری تلخیص کر دینگے۔ اور جہانتک ممکن ہو گا خاص اس مسئلہ میں فی الحال اپنی رائے دینے سے احتراز کریں گے۔ اگرچہ طبیعات کے بعض بعض مقامات کی توضیح اور تشریح کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا۔

ایک زمانہ میں یونانیوں کو علم طبیعات میں بہت بڑا مذاق تھا بہت سے حکما ماہر علم طبیعات گزرے ہیں اگرچہ اس علم کو کچھ بہت فروغ نہوا تھا پھر بھی اس کے دلدادہ بکثرت نظر آتے تھے۔ فلاسفہ کے دو مشہور مذہب تھے ایک مذہب آیونک تھا جس کا بانی تھیلس ہوا ہے اور دوسرا مذہب اٹالک تھا جسکا بانی فیثا غورث ہے۔ طبیعات میں زیادہ تر دو حکیم نامور گزرے ہیں ایک ڈیموکریٹس اور دوسرا لیوسیپس۔ اگرچہ لوگوں نے اپی کیورس کی نسبت بھی بیان کیا ہے مگر ہم اسے مذکور الصدر حکما کا مقلد خیال کرتے ہیں۔

اس مذہب میں جسکا ابھی ذکر کیا گیا ہے صرف دو اصول مانے گئے ہیں اور اُن ہی کو تمام کائنات پر حاوی تسلیم کیا گیا ہے وہ دو اصول یہ ہیں ایک مادّہ اور دوسرا فلک اس مذہب کی لغویت ظاہر ہے اور اخیر کے تمام حکمائے اس لغو مسئلہ سے اختلاف کیا ہے۔ اپی کیورس کے شاگردوں نے اس کی علانیہ تردید کی ہے اور اس مذہب پر قہقہہ اُڑایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جو حادثات اجسام کو پیش آتے ہیں اُن کا سبب حدوث ہمیں اجسام ہی کے اندر ملسکتا ہے اور ہم اس سبب کو اس صراحت سے دیکھ سکتے ہیں جسطرح ہم حرکت سکون اور شکل کو دیکھ سکتے ہیں ان حکمائے اگرچہ خاص اثرات اور نتائج کے بیان کرنے میں فروگذاشت کی ہے اور علت العلل کے بیان کرنے میں تو وہ سخت غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ تو بھی اُن کا مذکور خیال قابل لحاظ ہے۔

ارسطو نے اگرچہ طبیعات کی تعلیم کی ہے مگر وہ بھی سطح ہی پر رہا اور گہرائی میں پہنچنے کا خیال بھی اُسے نہیں آیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مادّی علل کا تعلق مطلقاً ضمیر سے ہے مثلاً ہمدردی۔ نفرت اور غضب لیکن ارسطو نے ان کے حدوث سے بحث نہیں کی ہے یعنی ان کی علت حدوث کے بیان کرنے میں اُس نے خفیف پہلو بھی نہیں اختیار کیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور سے پہلے طبیعات کا چرچہ رومتہ الکبریٰ میں شروع ہو گیا تھا۔ یہاں حکیم لکری ٹیس موجود تھا جو اس علم میں نہایت نامور گزرا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "فطرت کے راز اب مدت تک چھپے نہیں رہ سکتے اور یہ فخر کرتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو فطرت کے راز ملکی زبان میں بیان کرتا ہوں۔

حکیم سنیکا لکھتا ہے۔ (یہ حکیم حضرت مسیح سے قریب ۵۰ برس کے بعد پیدا ہوا تھا) چاند کا گھٹنا بڑھنا اور فطرت کے حادثات طبیعی کا علم رومتہ الکبریٰ میں پہلے ہی سے پہنچ تو گیا تھا مگر یہ نہیں معلوم کہ اُنہوں نے کیا کیا اسباب ان

طبیعی حادثات کے لئے قایم کئے تھے پابندی کی وقت کی تقسیم سے پہلے کسوف وخسوف کے دن اور ساعت اول ہی سے معلوم ہوتے تھے بشسر ویقین دلاتا ہے کہ میرے زمانہ میں ساعت اور چاند وسورج کے کسوف خسوف کے انداز مدت سے پائے جاتے ہیں اور اس کا علم ہمارے ہاں قرنوں سے نہایت ترقی پر ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رومتہ الکبریٰ میں یہ علم بالکل نادمالوجود تھا اور جس شخص کو اس علم میں درک ہوتا تھا وہ مافوق انسان خیال کیا جاتا تھا جب پرسوسیس اور ہالس کی جنگ ہوئی تو حکیم سلپیشس گیلس نے پالس سے بیان کیا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے چاندگرہن چھ بجے شام کے ہوگا۔ اس قول پر خود شاہ اور تمام فوج نے سخت تعجب ظاہر کیا اور اس کی صداقت میں شک کرنے لگے اخیر وقت معینہ پر چاندگرہن ہوا اور سب نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہر شخص نے اس حکیم کو ایک عجیب وغریب غیرمعمولی قوت کا شخص خیال کیا۔

اس میں شک نہیں کہ یونانیوں نے اس علم میں بہت ترقی کی اگرچہ موجد کا معزز لقب انہیں نہیں دے سکتے تاہم یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ یونانیوں نے اس علم کو زندہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے پرورش کیا بنایا سنوارا اور اس کو نمایاں ترقی دی جب اس علم کو یونان اور رومتہ الکبریٰ میں کامل ترقی ہوگئی تو اب مسئلہ روح کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ عام طور پر یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ روح کیفیت حیات کا نام ہے وہ خود کچھ نہیں کرسکتی بلکہ اس پر حادثات۔ طبیعہ کا اثر پڑتا ہے۔ ہر انسان کی روح ایک نہ ایک سیارے یا ستارے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ سیارہ یا ستارہ اس قدر مادی ہے کہ انسان کے تمام افعال واعمال اسی کی گردش کا نتیجہ ہیں بعض نے روح کو مادی مانا ہے اور ساتھ ہی غیرفانی بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں مادہ غیرفانی ہے۔ ان حکما میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا بیان ہے کہ چار عنصر کے مزاج کا نام روح ہے اور جب ان میں تفریق ہوتی ہے تو سب اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں آگ آگ میں پانی پانی میں خاک خاک میں اور ہوا ہوا میں۔

بعض حکما کا یہ خیال ہے کہ روح ایک علیحدہ جوہر ہے جو جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اس سیارہ یا ستارہ میں چلا جاتا ہے جس سے اس کا تعلق رہا ہے۔ بعض حکما تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے میں روح ہے اور وہ ایک ہی ہے اور اسکا منبع ایک ہی ہے ایک روشنی ہے جو کائنات پر پھیلی ہوئی ہے اور اسی کی شعاعیں چاروں طرف دوڑ رہی ہیں جس طرح کہ شمع سے ایک چراغ روشن کیا جاتا ہے اور شمع کی روشنی میں چراغ جلنے پر بھی کچھ کمی نہیں ہوتی اسی طرح منبع روح ہے کہ چاہے جتنی روحیں یا روحانی کیفیات خارج ہوں اس میں کمی نہیں آتی اور جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی مثال بالکل چراغ کے بجھنے کی ہے معلوم نہیں ہوتا کہ چراغ کی لو کہاں گئی حالانکہ تبدیل ہیئت سے اس کے ناپید ہونے اور اصلیت مٹنے کا حکم نہیں لگا سکتے۔

رومتہ الکبریٰ کے حکیم لکریشس نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے فطرت کے راز پر عبور ہوگیا ہے اور میں روح انسانی کی پوری حقیقت بیان کرسکتا ہوں مگر اس کے اقوال یا اس کے ملفوظات میں کہیں بھی روح کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا حکمائے قدیم کا جو خیال روح اور مآل روح کی نسبت تھا ہم نے نہایت اختصار سے بیان کردیا اگرچہ انہوں نے بڑی طویل بحثیں

کی ہیں مگر ہمارا اختصار اُن کی کل طول طویل بحثوں پر حاوی ہے۔ اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علوم جدیدہ سے روح کی حقیقت بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ علوم جدیدہ روح کو کیا سمجھتے ہیں اور اُسے کن لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بحث اگرچہ زیادہ مشکل ہوگی اور نہایت غور سے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آئے گی پھر بھی اس کی دلچسپی حد سے زیادہ ہے اور اُس سے پڑھنے والے کو بصیرت ہوگی اس کی ضرورت نہیں کہ ہم علوم جدیدہ کے موضوعہ اصول یا تحقیقات کو خواہ مخواہ تسلیم کریں یا اس خیال سے اُسے نہ دیکھیں کہ وہ ہمارے عقائد اور اصول مسلمہ کے خلاف ہے نہیں ہمیں بغور پڑھنی اور سمجھنی چاہئے اور اُس سے زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ ضرور اُٹھانا چاہئے کہ علوم قدیم اور جدید میں کتنا فرق ہے اور ان دونوں کے مقابلہ میں اسلام نے اپنا کیا اصول قایم کیا ہے۔

جب تک کئی چیزیں ایک ہی قسم کی برابر نہیں رکھی جائیں کسی کا حسن و قبح نہیں کھلتا۔ ہر عقیدہ ہر مذہب بجائے خود عمدہ ہے مگر دوسرے مذہب کے مقابلہ میں آنے سے اُس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کوئی تقریر یا تحریر ہو خواہ وہ کتنی ہی منافی اسلام کیوں نہ ہو ہمیں اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہمارے خیالات میں وسعت ہو اور ہم اپنے مسلمہ اصول سے اُن کا مقابلہ کر سکیں۔ ہم اُن ادق مضامین کو سلیس اور سہل اردو میں ادا کریں گے اور ہمیں اُمید پڑتی ہے کہ ہماری خوش اسلوب طرز تحریر بہت آسانی سے اُن مشکل خیالات کو ناظر کے ذہن نشین کر دیگی۔

علوم جدیدہ کی روح

علوم جدیدہ میں کہیں روح کا لفظ نہیں ہے لیکن علوم جدیدہ روح کے مفہوم کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ روح کو ایک فرضی چیز سمجھتے ہیں اور اُن کا اصول ہے کہ اہل مذاہب نے اس لفظ کی ایجاد کر لی ہے بہرحال حیات انسانی کے بارے میں جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔

حیات کی بکثرت تعریفیں بیان کی گئی ہیں مگر ابھی تک کسی تعریف سے حیات کی اصلی حالت نہیں کھلی ہے اُن آرائیں میں علم ترکیب اجسام کو بہت کم دخل دیا گیا ہے جب تک علم مذکور کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے کوئی تعریف درست اور صحیح اصول پر نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس سے ضرور ہے کہ ہم اس کی توضیح کرنے کا نیا راستہ اختیار کریں جس سے ہمیں اُمید ہے کہ ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے اور ہمیں حیات انسانی کا پتہ لگ جائیگا مختصر سی توضیح کے بعد ہم اپنا بیان شروع کریں گے۔ اس کی مسلسل تاریخ بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر عصر میں اس کی نسبت کیا کیا خیالات اور تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اُن میں کیا کیا غلطیاں تھیں۔

حیات (روح) عمل کی اُس حالت کا نام ہے جو جسم کی ترکیب کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ آغاز ہی سے یہ کیفیت شروع ہوتی ہے پھر یہ نمو اور ترقی کے حدوث طبیعیہ میں نمایاں ہو جاتی ہے پھر اس کا خاتمہ جسمانی حادث کی موت میں ہو جاتا ہے جبکہ اس کے اجزائے ترکیبی مادہ کے معمولی عمل سے کم و بیش ناقص ہو جاتے ہیں۔

یا دوسری تعریف حیات (روح) کی یہ ہو سکتی ہے "حیات ایک ترکیب شدہ جسم کے کاموں کے مجموعہ کو کہتے ہیں"

بجائے اس کے کہ حیات یا روح کو عمل کی حالت بیان کیا جائے بہتر یہی ہے کہ خود عمل ہی بتایا جائے کیونکہ آخرالذکر تعریف اول الذکر کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

روح یا حیاتی حرکت ہمارے آگے مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ اور کل حادثات طبیعہ میں اس کا رنگ بدلتا رہتا ہے وہ تبدیلیاں جو کسی زندہ انسان میں باقاعدہ حالت میں ہمیشہ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں اُن تبدیلیوں کا صرف ایک بدیہی نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک کامل بندش یا ترکیب کے اس کی زندگی کی حفاظت کی جائے ترکیب اجسام میں کیمیائی اور مادی اثرات موجود ہیں اور یہی اثرات کم و بیش بیرونی مضر اثرات کو دفع کرتے رہتے ہیں۔

اُن قوانین کو جو کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں مشخص کرنے کے لئے یا بالفاظ دیگر اُن حالتوں کے تمام مشاہدات کو دیکھنے کے لئے جن کے ذریعہ سے تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں ہمیں مشاہدہ اور تجربہ کی ضرورت ہے۔ اشکال کی کافی تعداد میں باہمدگر ایک نمایاں رشتہ معلوم ہوتا ہے۔ اور سب کے لئے یکساں حالتیں لازم ہوگئی ہیں۔ بلکہ تشابہ روی جس کے ساتھ اس سلسلہ کی بنیاد قایم ہوتی ہے اُس کا انحصار نمایاں طور پر حادثات طبیعہ کی سادگی پر ہوگا اور ساتھ ہی اُس آمادگی پر جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کی حالت میں آجاتے ہیں۔ قوانین قدرت کی لا انتہا حالت اور حد پیدا کرنے کے لئے نیوٹن جیسے عجیب شخص کی دانائی کی ضرورت ہے لیکن جو خیال کہ قانون قدرت کا کر لیا گیا ہے اور جسے ہر وقت ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اُس کے اندر ہو کے تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور جب ہمارا یقین ہو جائے گا کہ قوانین قدرت کی حد لا انتہا ہے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ ہم اور کون سے حادثات طبیعہ بنائیں گے جو ان کی لا انتہائی پر دلالت کریں۔

لیکن قانون قدرت کی فطرت کیا ہے جس کی نسبت ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور جس نے اجرام کو کشش کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ نہایت سادگی سے بیان کیا جاتا ہے کہ خالق نے مادہ کو تمام اشکال مختلفہ عطا کی ہیں اور اس کے اجرام کو کہ وہ ایک دوسرے کے قریب کھچ کے نہ آجائیں دور دور کر دیا ہے۔ یہ خیال صرف خیال ہی ہے ہم اسے کیونکر تسلیم کریں جبکہ ہر عمل کا عام سبب ہماری آنکھوں کے آگے ہر وقت ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اگر انسان ان میں سے کسی عمل کو نہ دیکھتا یا مثلاً فرض کرو کہ مادہ کا ایک ہی جرم کائنات میں ہوتا تو تو ہم مذکورۂ بالا اصول کو تسلیم کر لیتے مگر جب کثرت سے اجرام کائنات میں موجود ہیں اور ہم اُن کے قایم رہنے کے اسباب کو نہ خیال کریں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اپنے دماغ کو معطل کر دیا۔

وہ تغیرات جو روز مرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور اُن کا وقوع ہر روز اور ہر ساعت ہماری آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے اور وہ قوانین جن سے ان پر حکومت ہوتی رہتی ہے بجائے خود نہایت کامل اور بین ہیں تاہم وہ طریقہ جن میں اُن کے عمل وابستہ ہیں ایسا خاص ہے کہ ابھی اس میں تفحص کی بہت بڑی گنجائش باقی ہے لیکن یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی نیا سبب یا جدید علت موجود نہیں۔

خاص مشکلات جو ہمیں فیاضانہ عمل کے قوانین کے سمجھنے میں لاحق ہوتی ہیں انہوں نے ہماری عامۃ واقفیت کی بہت بڑی مزاحمت کی ہے۔ حادثات طبیعہ کو ایک ہی جگہ جمع کرنے میں یہ مشکلات پیش آتی ہیں۔ تو بھی ہم نے

اُن فلسفیانہ استخراجی اصول کو بخوبی سمجھ لیا ہے جو شتابادہ حادثات طبیعہ کو ہمارے مشاہدے میں سے آتے ہیں اُن کی ظاہری نامطابقت جو ہم اپنے گرد دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں اور اُن کی اندرونی مطابقت جس پر اظہار اُن کا خاتمہ ہوتا ہے ہمیں اُن خاص الجنسیوں تک پہنچا دیتی ہے جو اُن پر حکومت کرتی ہیں۔ اور اس صورت سے ہم زمانہ باستان کے خیالات میں صریح اور بین اغلاط نکال سکتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ فطرت کے رازوں کی تفحص کے طرق جو اب ایجاد ہوئے ہیں وہ کیسے کامل اور کیسے صحیح ہیں۔

جب ہم اُن حالتوں کو دیکھتے ہیں جن کی وجہ سے شتابانہ عمل کا وقوع ہوتا ہے ہمیں خیال ہو جاتا ہے کہ اخیر دو صورتیں اُن کے لئے لازمی ہیں پہلی صورت تو ترکیب اجسام کی ہے جس کی بناوٹ کی ایک خاص حالت ہے اور دوسری صورت محرک ہے جس کی وجہ سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دنیا میں اور کوئی چیز ہمیں نہیں معلوم ہوتی ہر کام کی یہی دو حالتیں ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیں۔ مثلاً جب پانی بھاپ بن جاتا ہے تو اس کی محرک حرارت ہوتی ہے۔ جب ایک پتھر زمین پر گرتا ہے تو یہ اُس کشش سے گرتا ہے جو زمین کے بڑے بڑے تودے اوپر سے اُسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ جانداروں کے ذریعہ سے کاموں کی خصوصیت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ اختلاف خالی نہیں ہے اور جس کو ہم کسی مادی یا کیمیائی عمل سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اس صورت سے ہم ایک جاندار جسم کے ایک ایک جزو کی حقیقت سے پورے واقف ہو جائیں گے اور اُن حادثات طبیعہ کا ہمیں علم ہو جائیگا جو اپنے اکیلے یا مشتملہ عمل سے اپنی متناسب قوت محرکہ کے سایہ میں اثر پذیر ہوتے ہیں لیکن ماہران علم ترکیب اجسام اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ اسکا تفحص کرتے ہیں کہ ان حالات کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان میں اختلاف ہونے کا سبب کیا ہے۔

تاریخ آرائے

دنیا کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ فلسفیانہ خیالات فرضی دائرہ سے نہ نکلے تھے اور حقیقت ترکیب اجسام پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ روح ایک خاص چیز ہے جو الگ تھلگ جسم کے کسی حصہ میں یا کل جسم میں اپنی سکونت رکھتی ہے اور جسم کے مردہ ہونے کے بعد بھی اُس میں ایک قوت رہتی ہے اسی بنا پر اجرام فلکیہ کی حرکتیں خاص الجنسی کے سپرد کر دی تھیں اور جس کے قوانین کی جستجو محال گنی گئی تھی۔ مثلاً اُن کا یہ خیال تھا کہ جب آفتاب کی شعاعیں کسی سوراخ میں ہو کے کچھ فاصلہ پر پڑیں گی اور وہاں اُن شعاعوں سے ایک روشن شکل بنجائیگی تو وہ شکل ضرور فطری طور پر گول ہو گی یہ ارسطو کا مذہب تھا وہ یہ کہتا تھا چونکہ آفتاب گول ہے اس لئے شعاعوں نے بھی اپنی گول شکل پیدا کی حالانکہ یہ آسان بات وہ نہ سمجھا کہ روشنی کی شعاعوں کی رفتار ہمیشہ خط مستقیم میں ہوتی ہے اگر اُن کا خط مستقیم کسی حادثہ طبعی سے نہیں بگڑا تو ضرور شعاعیں اپنی گول شکل پیدا کریں گی اسی طرح اُنہوں نے جسم میں ایک روح قایم کی اور تمام اعمال کا محرک اُسی کو بنایا اور یہ نہ سمجھا کہ اس روح کا محرک کون ہے یہ ٹھٹھک خیز خیالات تھے جو پاکیزہ اور

نتھرے ہوئے فلسفیانہ خیالات میں آمیز ہو رہے تھے اور جنہیں علیحدہ کرنے والا اُس زمانہ میں کوئی نہیں پیدا ہوا حیاتی حادثۂ طبعی کے خیالی سبب کا نام روح رکھا تھا بعض فلاسفہ اس روح کو مادّی سمجھتے تھے اور بعض غیر مادّی اُن کا خیال تھا کہ مادّہ کی خاص خاص صورتوں میں یہ رہتی ہے جسم کی بناوٹ اور تمام افعال اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔ حکما کا ہر گروہ اس کی اصلیت اور اس کی فطرت کی حقیقت کے نئے نئے خیالات رکھتا تھا بعض تو اسے آگ کہتے تھے بعض اُسے ہوا یا لطیف مادّہ خیال کرتے تھے بعض کا یہ یقین تھا کہ روح ایک قسم کا پانی ہے۔ اس کے علاوہ یہ خیال تو کل دنیا کا تھا کہ روح کوئی چیز ہے اور تمام افعال اُسی سے صادر ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد اُس میں حس رہتی ہے۔ ارسطو کی رائے روح کے بارے میں بہت ہی دلچسپ ہے اس رائے سے اُس کی عالی دماغی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیال سے ہمعصر حکما سے فوق لے گیا تھا اگرچہ اب وہ رائے کیسی ناقص کیوں نہ ہو گئی ہو مگر اُس زمانہ میں وہ قابل وقعت تھی چنانچہ وہ لکھتا ہے یہ خیال کہ کس چیز کی ریشہ دوانی سے کائنات کا انتظام ہو رہا ہے اور اس خوبی سے ہو رہا ہے کہ کبھی کسی کے خیال میں بھی اس کی خفیف سی خرابی بھی نہیں آسکتی اور جن اصول سے یہ نظام عالم وابستہ ہے ضرور اُس میں ارادہ۔ وقوف اور دانائی ہے بغیر ان تین چیزوں کے نظام کائنات قایم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ تینوں صفات ایک ہی ذات میں ہیں جو نظام کائنات چلا رہی ہے اس خالق اور محافظ کے علاوہ اور بھی چند وکیل قوتیں مانی گئی ہیں جو جانوروں اور پودوں کو حیات مستعار دیتی ہیں اور بیان کیا گیا ہے کہ ہماری فانی آنکھیں ان قوتوں کو نہیں دیکھ سکتیں۔ تمام حیوانی یا نباتی بناوٹیں اور تمام نمو اور نمو کی تبدیلیاں سب ان ہی قوتوں سے ہوتی ہے۔

حیات کی مطابقت کے قدیم اصول پر معہ دماغی اصول کے شٹال نے کچھ تبدیلی کے ساتھ نظر ثانی کی۔ یہ فلسفی بیان کرتا ہے کہ حیوان ناطق کی روح ترکیب اجسام کی مبدا ر حرکت کو کہتے ہیں اور یہی ترکیب جسمانی کی اصلی باعث ہے اور خاص قوانین کے مطابق اپنے عمل سے یہ اجسام کو اضمحلال سے بچاتی ہے اور امراض کو بھی صحت بخشتی ہے اور بھی اس فلسفی نے مزاج اور روح کے کاموں میں فرق بتایا ہے جو اس کے سابق حکما کو نہیں سوجھا تھا۔ وہ انہیں ایک ہی اصول کے عام نتائج خیال کرتا تھا اور یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی کہ وہ انہیں ایک ہی مبدا سے سمجھا تھا۔ اب ہم اگر اس اصول کو مدنظر رکھ کے گذشتہ صدی کے ماہران ترکیب اجسام کی کتابوں کو پڑھیں گے تو ہرگز ہمیں اُن کا مطلب نہیں کھلنے کا۔ مثال کے طور پر ہم وائٹ کی کتابیں پیش کرتے ہیں جن میں لکھا ہے کہ تمام افعال جسمانی کا سبب روح ہے یہ بالکل بدیہی ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کہیں بیان نہیں کیا کہ ضمیر کی ریشہ دوانی اجسام کے ایک ایک جزو میں ہو رہی ہے۔

اسی طرح اور اور حکما نے بیان کیا مگر وہ اصول حیات کی اصلی حقیقت کو نہیں بتا سکتے۔ اخیر ہم اس اصول کی حقیقت سے آگاہ ہونے شروع ہوئے برٹن میں سب سے پہلے ہنٹر نے اس کا کھوج لگایا تاہم ابھی وہ زمانہ بہت دور تھا جس میں اُس کے حیات (روح) کی بابت غیر فلسفیانہ خیالات کی خامی کھولی گئی اور روح کے حادثات طبعی کو جس

نالیاقتی سے اُس نے بیان کیا ہے اُس کا اظہار کیا گیا۔ یہ آسان نہیں ہے کہ ہم منٹر کی تصانیف سے اسبات کو پیدا کریں کہ خاص اس مضمون پر اُس کی انقطاعی رائے کیا تھی کیونکہ فاضل مصنف اپنے پریشان خیالات کی بھول بھلیوں میں ایسا پھنسا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکالنا مشکل ہو گیا ہے کبھی تو وہ کہتا ہے کہ دماغ ہی تمام افعال انسانی کا سبب ہے کبھی بیان کرتا ہے کہ دماغ ہی کی مثل ایک چیز ہے جس کا نفوذ تمام جسم میں ہو رہا ہے اور وہی چیز خون میں بھی پہنچی ہے۔ لیکن دوسری جگہ کہتا ہے کہ اصول حیات کو ترکیب اجسام سے کچھ سروکار نہیں ہے کچھ چیز ترکیب اجسام میں حلول کی ہوئی ہے مثلاً لوہے کی مقدار۔ اور بجلی مختلف صورتوں میں اس میں آمیز ہو رہی ہے۔ مسٹر ابرنیتھی نے اس خیال کی بڑے جوش وخروش سے تائید کی اور ایسے جوش وخروش سے تائید کی کہ اخیر اُسے لکھنا پڑا "اگر ہم مسٹر ہنٹر کے اصول حیات میں بجلی کو نہ بھی تسلیم کریں پھر بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ مثل بجلی کے کوئی چیز ہے جس میں برقی افعال کے نظام کی پوری طاقت ودیعت ہوئی ہے۔

مسٹر میو نے بتایا ہے کہ لفظ اصول سے مطلب کیا ہے اور اس کا کیا مفہوم سمجھنا چاہئے وہ لکھتا ہے کہ لفظ اصول سائنس کی ایک ادنےٰ حالت بتاتا ہے اور یہ عام طور پر اُن الف بے تے کے حروف کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جبر مقابلہ والے لایا کرتے ہیں تاکہ اُس سے نامعلوم جزر کا اظہار ہو جائے اور پھر اُس کا آسانی سے تجزیہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے ہم اصول کشش۔ اصول برقی اصول علم قوت مقناطیسی سے جو حادثات طبعی کے نامعلوم اسباب ہیں تعبیر کیا کرتے ہیں۔ جب تک ان حادثات طبعی کے قوانین پوشیدہ ہیں وہ مادہ کے سیدھے سادے اسباب سے بدلائل بیان کئے جائیں گے مثلاً قیاس ریاضیات کا ثبوت اُس کے اصول موضوعہ سے ہوتا ہے اور ان ہی اصول موضوعہ پر تمام ریاضیات کا دارومدار ہے۔ مگر لفظ اصول کی اصلاح ترکیب اجسام میں زیادہ وقیع نہیں شمار کی گئی ہے۔

ہم ابھی تک تاریکی میں ہیں اور ہمارے حال کے بعض حکما نے اور بھی ہماری عقول اور تجربہ پر پردہ ڈال دیا ہے مثلاً ڈاکٹر پراؤٹ اپنے گلستونی لیکچروں میں یہ بیان کرتا ہے "کل حالتوں میں یہ ضرور خیال کرنا چاہئے کہ اخیر اصول جو ہمارے خالق نے ہمیں بخشا ہے جوہر دماغی ہے جس کا درجہ عقل سے کم ہے جس کے ذریعہ سے ہم جسم کی بناوٹ کو فطری اصول سے تعبیر کر سکتے ہیں اور فطری ایجنسیوں کی مدد سے اُن کی صفات سے مزید جلب منفعت کر سکتے ہیں اور ان کے استعمال کے لئے آسے اپنا معاون بنا سکتے ہیں۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے سود ہیں اور انہیں مشاہدہ سے کوئی سروکار نہیں ہے خیال نے ان باتوں کو تراشا ہے اور اس لئے وہ ہماری نگاہ میں وقیع نہیں ہو سکتیں ہم ان اسباب پر بسیط بحث کرتے ہیں۔

حیاتی عمل کی فطرت اور اسباب

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ بیرونی عالم کے تغیرات ہیولائی مادہ کی خاصیتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں مخصوص ذرایع سے یہ اپنا عمل اس میں کرتے ہیں مگر اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ذرایع ہر ایک خاصیت کے لئے مختلف ہیں اس طرح سے کشش کی بالقوہ خاصیت کو مادہ کے تودہ میں نمودینا جس کو ہم دوسرے تودہ کی کشش میں ملاحظہ کرتے ہیں۔ مگر سنگ مقناطیس کی ترقی خاصیت کو پہچاننے کے لئے صرف لوہے کے ڈھیر کی ضرورت ہوگی علم کیمیا کے ہر عمل کی اسی اصول پر بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہر چیز میں اپنا اثر دوسرے پر ڈالنے کی قوت ودیعت ہوئی ہے اور وہ صفت اسی کے لئے مخصوص ہے اور اس کی اس صفت کے محرک چند خاص خارجی اسباب ہیں جو بہ ہی ہیں۔ اب اس خیال سے واقف ہو کے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حیاتی حادثات طبعی کے سمجھنے میں کس قدر غلطی کی گئی ہے۔ باوجودیکہ ہم ایک طرف تو ترکیب اجسام کے عمل کو یکساں حالت میں ملاحظہ کرتے ہیں اور دوسری جانب اس محرک کو دیکھتے ہیں جو اس کی خاصیتوں کو کام میں لاتا ہے یہ دونوں حالتیں ہم مشابہ ہیں اور ان حالتوں میں اختلاف ہونا ہمیشہ مختلف نتایج پیدا کرتا ہے علم ترکیب اجسام کے ماہر ہمیشہ اس اختلاف کی دوسری ایجنسیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس قسم کے بہت سے مشاہدے ہوتے ہیں جن میں اختلاف نتایج بین طور پر پایا جاتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اگر کچھ بھی خفیف سا فرق انسان کے کسی عضو میں پیدا ہو جائے فوراً ہی کامل طور پر اس کی حیاتی خاصیتوں میں ایک تزلزل عظیم برپا ہو جائے گا یا یہ خاصیتیں برباد کردی جائیں گی ہمیں اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہو سکتا کہ قدیم حکما نے ان قابل لحاظ تغیرات کا بیان کیا ہے جن کا سرچشمہ ہمیں آج محسوس ہوا ہے اگرچہ وہ اس سے محض نابلد تھے مگر جب اندرونی راز کھل گیا اور چھپی چیزوں کے مشاہدے ہونے لگے تو آگے ترقی کرنے اور اپنی قوتوں کے بڑھانے کا ہمیں پورا ذریعہ ہاتھ آگیا۔

جب ہم حادثات طبعی کے اس تودہ کا تجزیہ کریں جو ترکیب شدہ عالم حیاتی افعال کے ذریعہ سے پیش کرتا ہے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تخفیف میں آتے آتے متفرق ہو جاتا ہے اور پھر اس کے علیحدہ علیحدہ مدارج قایم ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے مطالعہ میں زیادہ تسہیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام زندہ چیزوں کی ترکیب اجسام کے اصولی مادے بیرونی سرچشموں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس صورت سے ہمیں زندہ چیزوں کے امتیاز یہ عمل پر پہنچنے کا رستہ مل جاتا ہے اور ان میں سے ہر جاندار حادثات طبعی کا ایک مجموعہ معلوم ہوتا ہے اور یہ دکھائی دیتا ہے کہ سب کی علت ایک ہی ہے۔

جب حادثات طبعی کے حیاتی مجموعوں کی تفریق اور تجزیہ کریں گے تو ہمیں کھل جائے گا کہ وہ حالتیں جن میں ان کا وقوع ہوتا ہے ان سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جسم کے ہر عضو کے لئے جو سلسلۂ ترکیب اجسام میں مستعمل ہوتا ہے خارجی محرک چیزوں پر اس کا بالکلیہ انحصار ہے اور اس سے ایک لحہ بھی وہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ روح کے قایل ہیں انہوں نے خارجی امدادی تحریکوں کے اصول سے مطلق چشم پوشی اختیار کی تھی اور وہ یہ

سمجھتے تھے کہ صرف روح ہی ہے جو تمام اعضا سے کام لیتی ہے اور ہر عضو کو ایسے عمدہ نظام میں کر رکھا ہے کہ اُس سے بہتر انتظام ممکن نہیں۔ یہ ساری باتیں محض خیالی اور لغو ہیں اور اُن کی لغویت عیاں ہو چکی ہے۔

جاندار جسم میں اعضا کے ہر درجہ کے عضو کے لئے اُس کی صفات کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک مخصوص محرک کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے غذائی مادّے وہ اپنے میں پہنچا سکیں اس غذائی مادّہ کا پتلا ہونا بعد ازاں خود محرک سمجھا جاتا ہے تمام جاندار اجسام میں ہمیں یہ نظام ملتا ہے اور جب ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے تو پھر ہم بآسانی اس نظام کے قانون تک پہنچ سکتے ہیں۔

تمام حیاتی افعال میں ایک ٹھیک مقدار کی حرارت کی ضرورت ہے تاکہ اُن کے عمل کا اجرا رہے اور اس حرارت کا مقدار مختلف حالتوں میں کم زیادہ ہوتا رہتا ہے بجلی کی حقیقت کا کماحقہ علم اگرچہ ابھی تک نہیں ہوا ہے لیکن یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حیاتی قاعدہ کے لئے ایک لازمی اور ضروری ایجنٹ ہے۔ یہ دیکھکر ہم کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے ہم میں ایک جوہر بسیط عنایت کیا ہے جسے روح کہتے ہیں اور اُسی کو ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملے گی اور تمام تبدیلیاں یا تغیرات جو دنیا میں ہوتے ہیں انکا اصل محرک خدا ہے جس نے اپنی ایک ماتحت چیز یعنی روح کو زمین پر بھیج دیا کہ جانداروں میں جاکے اپنا عمل کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بیان کو اور بھی واضح طور پر بیان کر دیں اور اُسے اس قدر صاف کر دیں کہ ہماری آنکھوں کے آگے سچا نقشہ کھنچ جائے۔ فرض کرو کہ ایک نوجوان شخص ہے جسے علم طبعیات پر بہت بڑا عبور ہے۔ مگر فن حرب سے وہ محض نابلد ہے مگر اُسے حیاتی اصول پر ذہنی عقیدہ ہے اُس نے اول ہی اول اسٹیم انجن کو دیکھا۔ وہ دیکھے گا کہ ایک کل غیر متناسب پرزوں سے بنی ہوئی ہے اور ایک ایسی پوشیدہ ایجنسی سے چل رہی ہے جس پر برقع پڑا ہے اور وہ اُس سے آگاہ ہونا چاہتا ہے ہم دیکھیں گے کہ انجن کے کاموں پر مختلف تجربہ کرے گا مثلاً کبھی تو وہ بائلر اور نل کی آمد و رفت کا سلسلہ بند کرے گا اور کبھی نل اور کنڈنسر (وہ آلہ جس میں بھاپ رقیق صورت میں ہو جاتی ہے) کا رستہ روکے گا یا جہاں حرارت کی ضرورت ہے وہاں برودت پہنچائے گا یا ٹھنڈے پانی کی حوض کے نیچے آگ روشن کر دے گا اب یہاں سے اُسے اپنی جستجو کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ معلوم ہو جائے گا کہ جب کل کا انتظام درست ہے تمام افعال ہر پرزے سے ٹھیک ٹھیک اور یکساں صادر ہوتے ہیں اور سب کا یہی ایک مفہوم ہوتا ہے کہ اس کل کی محرک قوت کی غور و پرداخت کی جائے ایسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ افعال باہم ایسے نا مشابہ ہیں جیسے ہر پرزہ کے کام لیکن وہ اسے دیکھکر متعجب نہ ہوگا کہ متضاد عنصر حرارت اور برودت کے کتنے اس کام کے لئے مناسب ثابت ہوئے ہیں۔ اس تمام مشاہدہ سے وہ بآسانی یہ نتیجہ نکال لے گا کہ ان تمام حادثات طبعی کا سلسلہ صرف ایک ہی چیز سے چلتا ہے اور جسے اسٹیم انجن کا اصول کہتے ہیں جس کے عمل سے مادّی ترکیب میں اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ مشاہدہ اُسے اس یقین کرنے میں اور بھی مدد دیگا کہ خود کل میں اُس کی ضرورتوں کے بہم پہنچانے کے ذرایع ہیں باقاعدہ طور پر آگ قایم رہنے کے لئے لکڑیاں یا کوئلے دیئے جاتے ہیں اور ٹھنڈا پانی حوض میں بھرا جاتا ہے اور اگر دہ کل کچھ فرسودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کی مرمت بھی کی جاتی ہے

پھر کیوں کر خیال میں آسکتا ہے کہ اس انجن کی مثال کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکے گا کہ روح زندہ اجسام میں ایک علیحدہ چیز ہے جس سے تمام اعضا کا عمل ہوتا ہے اگر وہ نہیں ہے تو جسم مردہ ہے اور ہے تو جسم زندہ ہے۔ اگر اجسام میں روح تجویز کی جاتی ہے تو پھر خارجی محرک کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے تمام تر زندگی کا دارومدار خارجی محرکوں پر ہے۔

حیاتی اور جسمانی تعلق

جب ہمارے قوانین طبیعات کی تحقیق مادہ کی کائناتی صفات پر ختم ہو جاتی ہے پھر ہمیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہم نے علل ثانیہ کے عمل کا پتہ لگا لیا ہے۔ اور ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے کہ اس صفت کا ظہور مادہ کا جزو لاینفک ہے۔ اس بنا پر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے خالق کی مرضی کا یہ ایک فوری نتیجہ ہے لیکن اشال کے عظیم اختلاف میں ہم ایسا نہیں پاتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صفات مادہ کی خاص شکل کے ساتھ مخصوص ہی ہیں اور اُس کا لازمی جزو بھی ہیں اور جس کے عملی قوانین ایسے ہی بسیط ہیں جیسے سبب اول میں تھے۔ اسی بنا پر ہمارے ادراک کی مادہ کی خاص صفات میں ایک شکل پیدا ہوتی ہے۔ مگر خاص خاص اوقات کے علاوہ ان صفات کا ظہور نہیں پیدا کرتا۔ اور ان حالات کے وقوع کی یکسانی سے ہم باقیماندہ صفات سے محض نابلد رہ جاتے ہیں۔ ہم اسبات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مادہ کی ہر ایک شکل جس سے واقف ہیں اپنی خاص خاص صفتیں علیحدہ رکھتی ہے جس کی کنہہ کو ابھی تک ہم نہیں پہنچے صرف اُن کے عمل سے ہم واقف ہیں کہ وہ کیا رنگ پیدا کرتی ہیں اور ان کے عمل ہی کی وجہ سے ضمیر کو اُن کی ہستی سے خبرت حاصل ہوتی ہے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مادہ اور اُس کی تمام اشکال کی ایک ہی ترکیب ہے ان میں خاص خاص صفات موجود ہیں جن سے خود بخود افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور یہ صدور اُس وقت ہوتا ہے کہ جب اُنہیں خاص صورتوں میں رکھا جائے۔ اگر ان میں سے ایک صفت بھی موجود نہ ہو تو تمام کام درہم برہم ہو جاتے ہیں اور پھر مادہ اور اُس کی صفات میں تخلل واقع ہو جاتا ہے۔

ہم نے مادہ کے اصولی خیالات میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس سے حیاتی صفات کی مخالفت ہو سکے اور جس کا نشوونما ترکیب اجسام کے فعل سے ہوا کرتا ہے لیکن ہم اس مسئلہ کی دوسرے پہلو پر جانچ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اسکا مشاہدہ ہوا ہے کہ مادہ کی خاص اشکال میں تغیر و تبدیل کا ظہور ان کے نئے خلط یا آمیزش سے پیدا ہوتا ہے۔ مثالاً ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ نمک اور ترشی میں کتنا بڑا بل ہے۔ اسی طرح بارود اور اُس کے ایک جزو یا اجزا میں کتنا بڑا فرق ہے اس میں شک نہیں کہ بارود کے تمام اجزا باہم مرکب ہیں مگر ساتھ ہی یہ بات دیکھنے کی ہی کہ ہر جزو میں کتنا کتنا بڑا فرق ہے۔ اسی طرح انسان کی ترکیب اجسام میں متضاد عناصر جمع ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں مگر سب ملکر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں اور یہی گویا تمام حیاتی افعال کے مصدر ہیں یعنی جو کچھ ہوتا ہے ان ہی کی ترکیب سے ہوتا ہے پھر یہ خیال کہ روح اپنا علیحدہ عمل کرتی ہے اور تمام افعال کا صدور اسی سے ہوتا ہے کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

ممکن ہے کہ فطری حادثات طبیعہ کی تحقیق میں نئی صفات یا خواص موجود ہوں اور بغیر ان کے اُس کی حالت میں

تبدیلی واقع ہوتی ہو مگر یہ ضرور لازم ہے کہ ان خاص صفات کی تبدیلی ضروری ہمراہی اشیا سے ہوتی ہے ہمیں اس کے کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہم اس صفت میں جو مادہ میں ودیعت ہوتی ہے خود مادہ سے کوئی اختلاف پائیں۔ یہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زندہ جسم میں علاوہ ترکیب عناصر اور مادی خواص کے کوئی علیحدہ چیز ہے جس سے اس کا سلسلہ حیات قایم ہے مگر اس کے سمجھنے میں کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ کس طرح سے حیاتی خواص کا تعلق ترکیب شدہ مادہ کے ساتھ ہی جس طرح کہ قوت جاذبہ لوہے پر افزودگی گئی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ثابت کرنا جو جسم میں علیحدہ کام کرے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد قایم و برقرار رہے محال ہی نہیں بلکہ ناممکن محض ہے مقصد مختصر یہ کہ والدین کے امتزاج سے ترکیب شدہ مادہ کی ابتدا ہوتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ سے آئندہ حیاتی خواص مادہ میں ودیعت ہوتے ہیں۔ اور یہ سارے مشاہدات ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ فقط۔

یہ اُن طول طویل ابحاث کا خلاصہ ہے جو ڈاکٹر ان فرنگ نے لکھی ہیں ان سے یہ مطلب صاف کھلتا ہے کہ یہ روح علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے نہ انسان کے مرنے کے بعد وہ قایم رہتی ہے۔ ہم نے یہ تمام اقوال اس لئے نقل کردئے ہیں تاکہ ہمارے جواب دیتے وقت یہ سارے اعتراضات اور طبی مشاہدے مد نظر رہیں۔ اور پھر یہ شکایت نہ رہے کہ موجودہ زمانہ کے آریا اور وید پرستوں اور ملاحدہ کے اعتراضوں کا جواب نہیں دیا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ اس سے زیادہ اور کسی پہلو سے اعتراض ہی نہیں ہوسکتے نہ موجودہ زمانہ کا کوئی تعلیم یافتہ آریا یا ملحد اس سے زیادہ سنگین کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے۔

بطور خود جواب دینے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان علمائے اسلام کے خیالات کا اعادہ کردوں جنہوں نے کم وبیش روح انسانی پر بحث کی ہے اور سب کے بعد اپنی رائے کا اظہار کروں چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کے خیالات بابت روح نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا خیال بابت

روح کے

روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیزوں میں اور عالم کا عالم میں ہوا کرتا ہے۔ بلکہ وہ جوہر ہے کیونکہ اس میں اپنے آپ کو اور اپنے خالق کو پہچاننے کا مادہ ہے۔ روح معقول کا بھی ادراک کرتی ہے مگر یہ صفتیں عرض میں نہیں ہوتیں۔

روح کو جسم نہیں کہسکتے کیونکہ جسم تقسیم ہوسکتا ہے اور روح منقسم نہیں ہے۔ اگر روح کو منقسم مانیں تو پھر لازم آتا ہے کہ ایک شے کا علم ہو اور دوسرے سے بیخبر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک غیر منقسم چیز ہے اور اسے سب عقلاء نے جزء لایتجزی تسلیم کرلیا ہے۔ یعنی روح وہ چیز ہے جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اسے جزو بھی نہیں کہسکتے کیونکہ جزو کل کی نسبت ہوا کرتا ہے۔ جزو تو جزو یہاں تو کل ہی نہیں۔ پھر جزو کہاں رہسکتا ہے مگر روح کو اس اعتبار

سے جزو کہہ سکتے ہیں جس اعتبار سے کہ ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں۔ کیوں کہ تمام موجودات یا تمام اشیا جن سے انسان کا
قوام ہوا ہے اعتبار کی جائیں اُن میں ایک روح ہی ہوگی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکان ہوگی یا لامکان۔ روح کا
ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیوں کہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے وہ منقسم ہوسکتی ہے اور جزلایتجزی (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان
تو ہو مگر تجزیہ اور تقسیم قبول نہ کرے) دلایل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اُن دلیلوں میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ
اگر اُسے دو چیزوں کے بیچ میں رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اُسے مس کریں گی
جب طرفیں اُس کی مخالف نکلیں تو ہوسکتا ہے کہ ایک طرف سے ایک شے کا علم ہوا اور دوسری طرف سے اُس شے
کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شے عالم اور جاہل ہوئی اور یہ باطل ہے۔ اور جزلایتجزی سے سطح فرض کیجائے
تو اُس کی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کے مخالف ہوگی جو ہماری نظر کے آگے نہیں ہے کیوں کہ
کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو ایک ہی حالت میں دکھائی بھی دے اور جب سورج اُس کی ایک طرف کے مقابل ہوگا
تو وہی طرف روشن ہوگی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اُس کے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزلایتجزی نہ رہی۔

روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہے اور
روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا پتھر نہ عالم ہے نہ جاہل کیوں کہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیے
جب حیات ہی نہیں علم وجہل بھی نہیں۔

روح کسی جہت میں ہے یا نہیں

روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ
یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں روح جسم اور عرض نہیں وہ ان عوارض سے پاک ہے۔

رسول خدا کو حقیقت روح کے بیان کرنیکا کیوں حکم نہ ہوا۔

عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب
ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جلشانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کرے گا۔ اسی لئے فرقہ
کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے۔ سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور خدائے تعالے
کو مجسم سمجھتا ہے کیوں کہ کسی وجود کو سوائے ذی جسم اور مشارالیہ یعنی ذی اشارہ ہونے کے ادراک نہیں کرتا۔ بعضوں نے
اس عامیت سے کچھ ترقی کی جسم کی تو نفی کی مگر عوارض جسمیہ کی نفی نہ کرسکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ میں سے ہے خدا تعالے
کے لئے ثابت کیا۔ بعضوں نے ان میں سے ترقی کی اُنہوں نے جلشانہ کو لا جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ
اور معتزلہ ہیں۔

ایسے لوگوں کو روح کی حقیقت بتانا کیوں جائز نہیں۔

وہ لوگ اس صفت کو اللہ تعالے اور اُس کے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو ان سے یہ ذکر کرے

تو تجھے کا فرتا ہیں اور تجھے یہ کہیں کہ جو صفت اللہ تعالےٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے اس لحاظ سے تو اپنے نفس کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اُنہوں نے اس صفت کو خدا اور اُس کے غیر میں شترک ہونے کو کیوں محال جانا۔

وہ لوگ جیسا کہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں اُسی طرح دو شے کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسے ہی لامکان میں اگر دو چیزیں جمع ہو دیں اُن میں بھی کچھ فرق نہیں رہنے کا اس بنا پر کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور ہم شاؤں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔

یہ اشکال قوی ہے اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے۔

اس بات میں اُنہوں نے غلطی کی جب اُنہوں نے یہ گمان کیا کہ اشیا میں تین امروں کے ساتھ فرق ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ مختلف عوارض ایک محل میں مثلاً رنگ۔ ذائقہ۔ بو۔ برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیوں کہ ان کے لئے محل بھی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور علم کا فرق قدرت اور ارادہ سے ہوگا اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جبکہ اُن میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کی رو سے ہوتا ہے۔ پس جب کہ ایک مکان میں مختلف ماہیت کے عوارض کا ہونا جائز ہوا تو اشیا مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔

یہاں اور بھی مشکل پیش آتی ہے یعنی روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوتی ہے۔

یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کیوں کہ انسان کو حی۔ عالم سمیع بصیر۔ قادر مرید اور متکلم کہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں ہے کیوں کہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں ایسے ہی حیز۔ مکان اور جہت سے پاک ہونا بھی اُس کی اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو قیومیت کی صفت ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اُس کے ماسوا سب اُسی کے صفات موجود ہیں بلکہ اشیا کے لئے تو بذات خود عدم ہے وجود تو اُن کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالےٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔

نسبت کے معنی کیا ہیں اللہ تعالےٰ نے من روحی کیوں فرمایا۔

اگر آفتاب کی زبان سے یہ نکلے کہ "افضت علی الارض من نوری" یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ بہ نسبت اس کے بہت ہی ضعیف ہے۔ اور یہ تو نے معلوم کرلیا ہے کہ روح جہت اور

مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع پانے کی اُس کو قوت ہے اور شئے جسمانی میں یہ مناسبات نہیں ہوتیں (پس ان ہی مناسبات کی وجہ سے خدائے تعالےٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور "من روحی" فرمایا۔)

قل الروح من امر ربی کے کیا معنی اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے۔

جس شئے کی مساحت اور اندازہ ہو سکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اُس کو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنی تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں۔ جیسا کہ کہا ہے "خلق الشئ ای قدرہ" یعنی چیز کا اندازہ کیا۔ اور ایک عربی شاعر کا شعر بھی اسی مناسبت سے آیا ہے۔

ولانت تفری ما خلقت و — بعض القوم یخلق ثم یفری

اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اُس کو امر ربی کہتے ہیں اور اُسے امر ربی کہنا اُن ہی مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جہت سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ اُن کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس۔ خیال۔ جہات۔ مکان اور حیز سے خارج ہیں اور مقدار کے نہ ہونے کی وجہ سے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔

اس سے تو روح کی قدامت کا وہم ہوتا ہے۔

بیشک ہے اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے مگر وہ اُن کی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہیں گے نہ اس کی مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزا اور ذی مکان نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اس کے مقدمات بہت ہیں۔ حق تو یہ ہے جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یہ ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اوّل موجود ہوتیں یا تو بکثرت ہوتیں یا ایک بدنوں سے پہلے ان کی وحدت اور کثرت تو باطل ہے تو بدنوں سے اوّل ان کا وجود بھی باطل ہوا۔ وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو اُن کی وحدت باقی رہے گی یا کثرت ہو جائے گی۔ وحدت کا باقی رہنا تو محال ہے۔ کیوں کہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شئے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو صراحتاً معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہے اور مقدار والی شئے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم۔ کہ ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اُس کے لئے اجزا نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزا اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کرے گی۔

اور ابدان سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہوں گی یا مختلف۔ ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے۔ تو کثرت بھی محال ہوتی۔ ہم مثل ہونا یوں محال ہے۔

کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اسی لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکاں میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے۔ کیوں کہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسموں میں پایا جانا ممکن ہے کیوں کہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائے گا اس لئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے لئے خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیوں کہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کرکے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید و عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں۔ دوات اور کوّے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں۔

بدنوں سے اول اُن کا مختلف ہونا یوں محال ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ پانی۔ آگ سیاہی۔ سفیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہے۔ دوسرے قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں دخل نہیں ہوتے جیسا کہ سرد و گرم پانی کا اختلاف ہے۔

اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے تو اختلاف ہونا محال ہے کیوں کہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت وحقیقت میں متفق ہیں۔ عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیوں کہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہوا اور اُن کی طرف کسی طرح منسوب ہو اُس وقت عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزا میں اختلاف ضروری ہے اگرچہ آسمان ہی کی نسبت قریب اور بعید ہونے کا اختلاف ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں ہی کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہو اسکا اختلاف محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن جو کچھ بیان ہوا ہے وہی اُس تقریر پر آگاہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

بدنوں سے علیحدہ ہونے کے بعد روحوں کا کیا حال ہوگا

روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق نہ ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل۔ صفائی اور کدورت۔ خوش خلقی اور بدخلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے اُن کی کثرت سمجھی جاتی ہے۔ بدنوں سے تعلق کے اول یہ بات نہیں تھی۔ کیوں کہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ فقط۔

یہاں تک ہمارے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث بابت حقیقت روح ہوئی ہمنے تو اپنی طرف سے سلیس اُردو میں ترجمہ کردیا اب سمجھنے والے جانیں دیکھئے اُن کی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد ہم اپنے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی لاجواب کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں سے روح کی حقیقت نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو باہم موازنہ کرنے کا موقع ملے جب وہ تمام حکما فلاسفہ موجودہ ڈاکٹران فرنگ اور علمائے اسلام کے خیالات اور اقوال ملاحظہ کرلے گا تو اُس کے بعد وہ ہماری بحث دیکھے گا۔ اور اُسے اندازہ ہوگا کہ دل میں اثر کرنے والی اور سمجھ میں آجانے والی بحث کس کی ہے۔

ہم مناسب جانتے ہیں کہ متن میں اُردو حاشیہ میں اصل عربی لکھدیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عربی عبارت کا ترجمہ کس عمدگی سے کیا جاتا ہے اور ہرگز مصنف کے ایک حرف کی فروگذاشت نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

[1] خدا تعالےٰ فرماتا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تجھ سے روح کا حال دریافت کرتے ہیں یہودی

[1] قال الله تعالى ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربي وما اوتيتم من العلم الا قليلا۔ وقرأ الاعمش عن رواية ابن مسعود وما اوتوا من العلم الا قليلا۔ ويعلم من مقالة ابن الخطاب لليهود السائلين عن الروح وليست الاية نصا في انه لا يعلم احد من الامة المرحومة حقيقة الروح كما يظن وليس كل ما سكت عنه الشرع لا يمكن معرفته البتة بل كثيرا ما يسكت عنه لاجل انه معرفته دقيقة لا يصلح لتعاطيها جمهور الامة وان امكن لبعضهم۔ واعلم ان الروح اول ما يدرك من حقيقتها انها مبدأ الحيات في الحيوان وانه يكون حيا بنفخ الروح فيه ويكون ميتا بمفارقتها منه ثم اذا امعن في التامل يتجلى ان في البدن بخارا لطيفا متولدا في القلب من خلاصة الاخلاط يحمل القوى الحساسة والمحركة والمدبرة للغذاء يجري فيه حكم الطب ويكشف التجربة ان لكل من احوال هذا البخار من رقته وغلظه وصفائه وكدورته اثرا خاصا في القوى والافاعيل المنبجسة من تلك القوى وان الافة الطارية على كل عضو وعلى توليد البخار المناسب له تفسد هذا البخار وتشوش افاعيله ويستلزم تكونه الحيوة وتحلله الموت فهو الروح في اول النظر والطبقة السفلى من الروح في النظر المعمن ومثله في البدن كمثل ماء الورد في الورد وكمثل النار في الفحم. ثم اذا امعن في النظر ايضا تجلى ان هذا الروح مطية للروح الحقيقية مادة لتعلقها وذلك انا نرى الطفل يشب ويشيب ويتبدل اخلاط بدنه والروح المتولدة من تلك الاخلاط اكثر من الف مرة ويصغر تارة ويكبر اخرى ويسود تارة ويبيض اخرى ويكون جاهلا مرة وعالما اخرى الى غير ذلك من الاوصاف المتبدلة والشخص هو هو۔

وان لوقش في بعض ذلك قلنا ان نفرض تلك التغيرات والطفل هو هو ونقول لا نجزم ببقاء تلك الاوصاف بحالها ونجزم ببقائه فهو غيرها فالشيء الذي هو به هو ليس هذا الروح ولا هذا البدن ولا هذه التشخصات التي تعرف وترى بادي الرأي بل الروح في الحقيقة حقيقته فردانية ونقطة نورانية يتجلى طورها عن طور هذه الاطوار متغيرة المتغائرة التي بعضها جواهر وبعضها اعراض وهي من الصغير كما هي مع الكبير ومع الاسود كما هي مع الابيض الى غير ذلك من المتقابلات ولها تعلق خاصا بالروح الهوائي اولا وبالبدن ثانيا من حيث ان البدن مطية النسمة وهي كوة من عالم القدس ينزل منها على النسمة كلما استعدت له فالامور المتغيرة انما جاء تغيرها من قبل الاستعدادات الارضية بمنزلة حر الشمس يبيض الثوب ويسود القصار وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح ان الموت انفكاك النسمة عن البدن لفقد استعداد البدن لتوليدها لا انفكاك الروح القدسي عن النسمة واذا تحللت النسمة في الامراض المدة فتوجب في حكمة الله ان يبقى الشيء من النسمة بقدر ما يصحح ارتباط الروح الالهي بها كما انك اذا مصصت الهواء من القارورة تتخلخل الهواء حتى تبلغ الى حد لا تتخلخل بعده فلا تستطيع المص ويبقى في القارورة وبإذلك الاسر شيء من طبيعة الهواء فكذلك سر في النسمة وحد لها لا يجاوزها الامر واذا مات الانسان كان للنسمة نشأة اخرى فيلبسه فيض الروح الالهي فيها قوة فيما بقي من الحس المشترك تكفي كفاية السمع والبصر والكلام بمدد من عالم المثال اعني القوة المتوسطة

تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگوں کو (معارف الٰہیہ) میں سے بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی روایت سے اعمش نے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا پڑھا ہے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنہوں نے روح کی حقیقت دریافت کی تھی۔ اس آیت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ اُمّت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم بیان نہ کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شرع میں اکثر اس وجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے عام لوگ اُس کے برتاؤ کے قابل نہیں ہوتے اگرچہ بعض بعض اُسکو سمجھ سکتے ہوں۔

جاننا چاہئے کہ روح کی بابت اول یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جایا کرتا ہے۔

اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے حس اور حرکت کرنے کی اُس میں وہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں۔ احکام طب کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق و غلیظ اور صاف و مکدر ہونے کا بدنی قوتوں پر اور اُن افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر اُس بھاپ کے پیدا ہونے پر جس کو عضو سے تعلق ہے کوئی آفت پہنچی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے۔ اُس کے کام مختل اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اُس کے تحلیل ہو جانے سے موت ہو جاتی ہے۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے مگر نظر غائر میں یہ روح کا ادنےٰ طبقہ ہے بدن میں اس کی ایسی مثال ہے جیسا گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے اس لئے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے بڑھا ہو جاتا ہے اور اُس کے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا

بين المجرد والمحسوس لمنتبه في الافلاك كشئ واحد وربما تستعد النسمة حينئذ للباس نوراني وظلماني بما يحدث من عالم المثال ومن هنالك تتولد عجائب عالم البرزخ۔ ثم اذا نفخ في الصور جاء فيض عام من بارئ الصور بمنزلة الفيض الذي كان منه في بدء الخلق حين نفخت الارواح في الاجساد وانبعث عالم المولد فوجب فيض الروح الالهي ان يكتسى لباسا جسمانيا ولباسا بين المثال والجسم فيتحقق جميع ما اخبر به الصادق المصدوق عليه افضل الصلوات وايمن التحيات۔ ولما كانت النسمة برزخا متوسطا بين الروح الالهي والبدن الارضي وجب ان يكون لها وجه الى هذا ووجه الى ذلك والوجه المائل الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض هو البهيمية ولنقتصر من حقيقة الروح على هذه المقدمات لنتكلم في هذا العلم ونفرع عليها التفاريع قبل ان تنكشف الحجاب في علم اعلى من هذا العلم والله اعلم۔ فقط۔

ہو جاتا ہے کبھی اُس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اُس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اُس کے وجود میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔

اور اگر اُن اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اُس وقت بھی لڑکا وہی رہے گا جو پہلے تھا یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اُن اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکے کا بعینہ باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں اسلئے لڑکے کی ذات اُن اوصاف کے خلاف ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جس کی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہوسکتی اور نہ بدن اور وہ چیزیں ہوسکتی ہیں جو اُس کے مشخص ہونے کی باعث ہیں اور ظاہر آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ان تمام تغیرات سے ایک نورانی نقطہ ہے جن میں سے بعض جوہر ہیں بعض عرض اُس کا ڈھنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونے کی حالت میں بھی ویسی ہے جیسی بڑے ہونے کی حالت میں جیسے کہ سیاہ رنگ کی حالت میں ایسی ہی سپیدی کی حالت میں ہے۔ ایسی ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے اُس کو ابتداءً روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالم قدس کا ایک روزن ہے۔ جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اُس روح سماوی کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔

جن امور میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دہوپ کپڑے کو سپید کر دیتی ہے اور دہوبی کو سیاہ اور ہمیں وجدان صحیح سے معلوم ہو گیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جس وقت بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب ضعف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہو جاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضی ہے کہ روح ہوائی اس قدر باقی رہجائے کہ روح الٰہی کا اُس سے تعلق رہ سکے جیسے کہ تم شیشے سے ہوا کو جذب کر لیتے ہو تو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہو جاتا ہے پھر تم اُس کے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے یہاں تک کہ آخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اُس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے۔ ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں ہوسکتا۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سر نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے اُن امور میں جو حس مشترک کے ذریعہ سے اُس میں باقی رہ گئے تھے ایک جدید طاقت پیدا ہوتی ہے اور عالم مثال (یعنی اُس قوت کے ذریعہ سے جو مجرد اور محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوتی ہے) کی امداد سے وہ روح حیوانی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح عالم برزخ کے عجائبات منودار ہو جاتے ہیں پھر جب صور نوں میں روح ڈالی جائے گی ویسا ہی فیضان پھر ہوگا۔ جیسا کہ ابتدائے عالم میں ہوا تھا اور روحیں بدنوں میں ڈالی گئی تھیں اور عالم موالید کی بنیاد قایم کی گئی تھی تو اُس وقت روح الٰہی کے فیضان سے روح ایک جسمانی لباس یا ایسا لباس جو عالم مثال اور جسم کے بین بین ہوگا پھر پہن لے گی اور جو کچھ صادق مصدوق علیہ افضل الصلوٰت واتمن التحیات نے خبریں بیان کی ہیں سب کا حصول ہوگا اور چونکہ روح ہوائی ایک متوسط شئے ہے روح الٰہی اور آدمی کے بدن کے بیچ میں اس کا واسطہ ضرور ہے کہ اُس کا رُخ اس طرف بھی ہو اور اُس طرف بھی اور جو اُس کا رخ عالم قدس کی جا

مائل ہوتا ہے اسے ملکی حالت کہتے ہیں اور جو زمین کی جانب مائل ہے اسے بہیمت کہتے ہیں۔

مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق ان ہی مقدمات پر اکتفا کیا جائے تاکہ اس علم میں اُس کے تسلیم کے بعد تعریفات کی جانبیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اُس کے چہرہ سے پردہ اُٹھایا جائے واللہ اعلم فقط۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اگرچہ زبردست دماغوں کا نتیجہ خیال اور اعلےٰ درجہ کے علمی مباحث ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قائل کا مطلب کیا ہے اور وہ اُسے کس حد تک سمجھا ہے۔ روح کی حقیقت کو انسان کے اختراعی اصول منطق اور فلسفہ سے حل کرنا اور جوہر و عرض کے جال میں پھنسانا قیامت تک اصلی حالت پر مطلع نہیں کر سکتا۔ منطق کے وضعی جملے کبھی اُس گوہر بے بہا کا پتہ نہیں لگا سکتے جو خداوند تعالےٰ نے انسان میں ودیعت کیا ہے۔ شریعت کے راز ہمیشہ سے منطق کی حجتوں اور بے نتیجہ دلایل سے بے نیاز کئے گئے ہیں۔ منطق یا فلسفہ کی پرواز اُس بلندی پر نہیں ہو سکتی جہاں شریعت کے راز متمکن ہیں ان رازوں کو وہ قابلیت پا سکتی ہے جو روح القدس کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے جس نے معرفت کی شراب نہیں پی وہ حقیقی حالت وجد کا چسکا کیا اُٹھا سکتا ہے "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی"۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت امام غزالی یا شاہ ولی صاحب یا امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب مباحث مشرقیہ میں جو کچھ روح کی حقیقت بیان کی ہے وہ ایک اعلےٰ درجہ کے منطقی اور علمی پیمانہ پر ہے مگر پڑھنے والے کا تذبذب اُس سے نہیں جا سکتا اور نہیں خیال میں آ سکتا کہ روح کیا چیز ہے کیوں کر پیدا ہوئی کہاں رہتی ہے اور جسم کے ساتھ اُس کا کیا تعلق ہے اور مرنے کے بعد عذاب و ثواب روح پر ہوتا ہے یا کسی اور چیز پر۔ یہ سوالات ایسے ہیں جو ادبدا کے دل میں آ اُٹھتے ہیں اور جب ان کا کافی جواب نہیں ملتا تو مایوسی ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی بساط کے موافق ان سوالوں کا جواب دیں گے شاید ہماری کوئی بات ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکے۔

روح اور جان کے سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے تمام حکمائے یونان اور موجودہ حکمائے یورپ نے سخت غلطی کی ہے کہ صرف جان یا "لائف" کو انہوں نے روح انسانی خیال کیا ہے۔ علوم جدیدہ جب روح کا پتہ نہ لگا سکے تو انہوں نے اُس سے بالکل انکار کر دیا اور لائف ہی کو انہوں نے مقدم ضروری اور لازمی قرار دیا یا اس لحاظ سے لائف کی جو کچھ تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح اصول پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انسان کے جسم کو ایک کل سے صحیح مثال ہو سکتی ہے جس طرح ایک پرزہ کی خرابی تمام کل کو بے کار کر دیتی ہے اسی طرح ایک عضو کا تعطل یا بدنظمی جسم کو سالم نہیں رکھ سکتی۔ پھیپھڑا اگر اندرونی اعضائے شریفہ کو برقرار رکھتا ہے تو دل بھی اُس سے کم اعضا پر حکومت نہیں کرتا۔ اگر دل یا گردہ میں چھید کر دو یا انہیں چاک کر دو تو کبھی کوئی عضو سلامت نہیں رہ سکتا بلکہ جسم ہی مردہ ہو جائے گا۔ انسان کی کھوپری اگر کسی صدمہ سے پھٹ جائے تو پھر پھیپھڑے کا اور دل کا عمل بجا نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اگر بائیلر وغیرہ میں کچھ نقص واقع ہو جائے تو عظیم الشان کل کے تمام پرزے کام چھوڑ دیں گے یہ تو سب صحیح ہے مگر ان باتوں سے روح کو کیا تعلق ہے۔ روح ایک علیحدہ چیز ہے جس سے اس زندگی کو کچھ بھی سروکار نہیں۔ روح سے نہ انسان زندہ رہتا ہے نہ روح کی مفارقت کے معنی مرنے کے ہیں۔ روح کا نہ کوئی مکان ہے نہ کسی خاص جگہ اس کا قیام ہے روح باقی ہے فانی نہیں ہے اور روح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی قرآن مجید سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے۔ اور عقل

بھی یوں ہی چاہتی ہے روح صفات باری تعالےٰ میں سے ہے پھر کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ خدا کی صفات قدیم نہ ہوں۔ نہ اس روح کو جوہر سے کچھ تعلق ہے نہ عرض سے اور نہ منطق کے اُن پیچیدہ الفاظ سے جو اس کے ثابت کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں ایک کامل نور کامل روشنی جو کائنات پر محیط ہوا و رغیر محدود ہو اُس کا محدود الفاظ احاطہ نہیں کرسکتے۔ خداوند تعالےٰ نے روح کو ہر جگہ مختلف الفاظ سے تعبیر کیا ہے مگر ایک مقام پر اس کی حقیقت کو کھول دیا ہے مگر اس حقیقت کو دیکھنے اور نظر کرنے کے لئے دل کی آنکھیں چاہئیں یا اُس رشتہ کی آنکھیں ہوں جو انسان اور روح القدس میں قرار پایا ہے۔ ہماری آنکھیں خداوند تعالےٰ کے فیضان سے روح کی حقیقت دیکھنے کے لئے کھل گئی ہیں اس لئے ہم بیان کرتے ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے آدم کی پوری حالت بیان کرکے فرمایا ہے ,, وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملیکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین ۰ قالوا سبحنک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ۰ قال یاٰدم انبئھم باسمائھم فلما انباھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ۰ واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکفرین ۰ اور آدم کو کل اسما تعلیم کئے پھر ان اسما کو فرشتوں کے پیش کر فرمایا اگر تم سچے ہو تو ہمیں ان اسما کی حقیقت بتادو بولے تو پاک ہے جو تو نے ہم کو بتادیا ہے اُس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا مصلحت کو پہچاننے والا ہے۔ پھر خدا نے آدم کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان اسما کی حقیقت بتادو جب آدم نے فرشتوں کو اُن اسما کی حقیقت بتادی تو خدا نے فرمایا کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی باتیں ہمیں معلوم ہیں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم ہم سے چھپاتے تھے وہ ہم کو سب کچھ معلوم ہے اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب کے سب سجدے میں گر پڑے اُس نے نہ مانا اور شیخی میں آگیا اور نافرمان بن بیٹھا،،

اس کل عبارت خداوندی سے جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ اگرچہ ابھی تک نہیں کُھلا ہے مگر کیا ضرور ہے جو ہمیشہ تک ڈھکا رہے اور کبھی اُس کے کھلنے کی باری نہ آئے۔ ہم اسما کے معنی روح سمجھتے ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنانے اور اُس میں جان ڈالنے کے بعد یعنی اُسے انہی موجودہ اندرونی اور خارجی اعضا سے زندہ کرنے کے بعد عنایت فرمائی اور پھر اُسے وہ شرف بخشا کہ ملائک سے سجدہ کرایا اور اخیر تمام کائنات کا مسجود بنایا۔ اسلام کا پہلا اصول جب توحید قرار دیا گیا ہے اور غیر اللہ کے آگے پرستش کرنا یا جھکنا حرام مطلق بلکہ درجہ کفر میں داخل کیا گیا ہے پھر یہ کیوں کر ممکن ہوسکتا تھا کہ خداوند تعالےٰ خود ہی تو تمام کائنات کا انسان کو مسجود بناتا اور خود ہی یہ فرماتا کہ سجدہ صرف میرے ہی لئے ہے اور پرستش صرف میری ہی کرنی لازم ہے۔ فرشتوں میں کسی خاص فرشتہ کی تخصیص نہیں کی گئی تو اس سے یہ نتیجہ بھی باسانی نکل آئے گا کہ ہر ادنے آدم یعنے آدمی زادہ کی ذات جبرائیل و میکائیل وغیرہ فرشتوں کی مسجود ہے اور پھر اس کے مقابلہ میں اسلام نے فرشتوں پر ایمان لانا اس طرح اسلام کی نشانی قرار دی ہے جسطرح انبیا علیہم السلام پر ایمان لانے پر قرار دی۔ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایک ارفع اور افضل ذات ایک ادنے اور ارذل ترین ذات پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیجائے اور زبردستی اُس کا گاگھونٹا جائے کہ وہ اُس کی تعظیم کرے۔ ایں خیال ست و محال است و جنوں۔ بلکہ اس روشن آیت کے یہ معنی نہیں ہیں جو عام و خاص

مفسر سمجھ گئے ہیں اس کا اصلی منشا یہ ہے کہ خداوند تعالے نے انسان بنا کے اُسے اپنی روح القدس عنایت فرمائی جسکی وجہ سے اُسے کائنات کا علم ہو گیا اور جب وہ اس زیور سے مزین ہو چکا تو عالم مجردات کو حکم دیا کہ اُس کے آگے جھک پڑو کس کے آگے اُس روح القدس کے آگے جو رب العزت کی صفت تھی مگر اُس کے آگے سجدہ کرنے پر اس سرکش قوت نے جو انسان میں ودیعت ہوئی ہے انکار کیا۔ چنانچہ ہمیشہ وہ اس انکار کرنے پر معتوب رہی اور تا قیامت رہے گی۔

اس میں شک نہیں کہ انسان کا تمام علم و فضل تمام روحانی فضائل تمام اوصاف حمیدہ پر بعض اوقات یہ نافرمان قوت غالب آجاتی ہے اور اُس سے ایسے ایسے افعال کا صدور ہو جاتا ہے کہ وہ ایک جانور سے بدترین جاتا ہے غرض قیامت تک یہ قوت انسانی فضایل پر کبھی کبھی اپنا غلبہ کرتی دکھائی دے گی اب دیکھنا چاہئے کہ روح کیا چیز ہے اور جیسا عام طور پر سمجھا گیا ہے روح فانی ہے یا باقی اور روح حادث ہے یا قدیم۔ ہمارے خیال ہی میں نہیں بلکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ روح قدیم اور باقی ہے اور روح کو ہرگز فنا نہیں ہے روح کا قیام ذات باری کے ساتھ ہے اور روح خداوند تعالے کی ایک خاص صفت ہے چنانچہ قرآن مجید میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے

یعنی جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اُس میں ایک اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں " روحی " کا لفظ صاف شہادت دیتا ہے کہ خود اللہ تعالے نے اپنی روح انسان میں پھونکی پھر کیوں کر خیال ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی روح کو فانی اور حادث کہیں اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے بلکہ روح کو باقی اور قدیم نہ کہنے پر کفر لازم آتا ہے۔ اگر اب تک عام مفسر اس غلطی میں سے نہیں نکلے ہیں مگر دعا ہے کہ خدا اُن کی یہ غلطی معاف کرے گا اور اُن سے اس امر میں مواخذہ نہیں کرے گا کہ اُنہوں نے غلطی سے خدا کی روح کو فانی اور باقی نہیں مانا ہے۔ روح کا فانی یا حادث ماننا خدا کا فانی یا حادث ماننا ہے حالانکہ اسلام ایسے شخص کو جس کا یہ عقیدہ ہو کافر سمجھتا ہے اب سوال یہ ہے کہ روح چیز کیا ہے؟ روح خدا کی خاص صفت ہے جس کی تشریح انسانی الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ روح ایک اکتسابی امر ہے جو بقدر محنت و کوشش سعی بلیغ کے بعد ہر شخص کو مل سکتی ہے وہ ایک ایسا فیضان الٰہی ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد انسان تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل ہی کر لیتا ہے اور اُن سے نیک نتایج بھی اخذ کرتا ہے جسے روحانی قوت کا بہت بڑا زبردست حصہ ملا ہے اُس کے کمالات ایک عالم میں مسلم ہو جاتے ہیں اور وہ نہ صرف ملائکہ کا مسجود بنتا ہے بلکہ خود انسان اُس کی تعظیم کرنی اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کفرستان میں پیدا ہوئے بُت پرستوں میں پرورش پائی اور نہایت وحشی اور دنیا کے نامہذب لوگوں میں آپ کی معاشرت رہی پھر کس چیز نے آپ میں وہ نجابت پیدا کر دی جو شایستہ سے شایستہ ملک کے رہنے والے میں نہیں ہو سکتی۔ بس سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح القدس جو آپ کی ذات میں ودیعت کی گئی تھی اُس نے آپ کو دنیا کے بہت بڑے حصہ کا مالک اور قریب قریب کل دنیا کا مصلح بنا دیا۔ جب روح القدس کا زیادہ زور ہوتا ہے تو وہ شخص نبی کہلانے لگتا ہے بلکہ اپنے ربانی وجد میں خود اپنے کو نبی کہتا ہے نبوت جس کے معنی بلندی کے ہیں اُس کی مرتفع اور اعلےٰ ذات کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہو جاتی ہے اور پھر نبوت اور اُس کی ذات کوئی علیحدہ علیحدہ چیز نہیں رہتی۔ روح جسے فیضان باری تعالےٰ

سمجھنا چاہئے نہ اُس کی کوئی جگہ ہے نہ کوئی مقام ہے نہ یہ انسان کے کسی خاص حصہ میں رہتی ہے اس کی مثال بالکل ہوا کی سی ہے نہ اُس کے رہنے کی کوئی خاص جگہ ہے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اور ہر ساعت ہوا ہمارے ساتھ رہتی ہے ہمارے جسم میں بھی موجود ہے اور بیرونی اعضا پر بھی اُس کا اثر برابر ہے ہر طرف سے اُس کا بوجھ پڑتا ہے مگر معلوم نہیں ہوتا اسی طرح روح کا ایک سرچشمہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا مگر اُس کا فیضان عام طور پر جاری ہے۔ آفتاب کی روشنی سے جسطرح بقدر وسعت ہر جاندار مستفیض ہوتا ہے اسیطرح روح کا فیضان عام طور پر جاری و ساری ہے اور ہر شخص اُس سے بقدر قابلیت و لیاقت اور استعداد حصہ لیتا ہے۔ روح کا نہ کوئی خاص مقام جسم میں ہے نہ کسی اور جگہ نہ وہ مادی ہے نہ غیر مادی نہ جوہر ہے نہ عرض بلکہ وہ باری تعالے کا ایک ایسا فیضان ہے جس کی ناپ تول انسانی زبان میں نہیں ہوسکتی۔ قرآن مجید میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ "قل الروح من امر ربی" یعنی کہہ کہ روح امر ربی میں سے ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ روح کی حقیقت سمجھنے کا تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے یہ ایک عجیب و غریب جواب ہے جس کی باریکی ابھی تک کسی کے خیال میں نہیں آئی ہے۔ یہودیوں نے حضور انور سے یہ سوال کیا تھا اور اُس زمانہ میں یہودیوں کی جو کچھ حالت تھی خواہ بلحاظ اخلاق خواہ بلحاظ معاشرت خواہ بلحاظ مذہب وہ ایسی ارذل اور ناپاک تھی کہ فیضان روح کا اُنہیں مطلق حصہ نہیں ملا تھا اور جو کچھ ملا بھی تھا وہ بھی اُن کی بدکاریوں سے سلب ہو چکا تھا۔ اور اصل یہ ہے کہ اُنہوں نے روح کی بابت جو سوال کیا تھا اُس کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ حق کی تحقیق ہو اور کچھ نامعلوم باتیں ظاہر ہوں بلکہ اس سوال کرنے سے اُن کا خاص منشا مفخر موجودات نبی کریم کی تضحیک کرنی تھی اُس کا ویسا ہی جواب دیا گیا اور بتایا گیا کہ روح امر رب ہے مگر تمہیں اُس امر رب کا بہت ہی قلیل حصہ ملا ہے اس جواب باری نے یہودیوں کی پوری حقیقت کھول دی اور بتا دیا کہ وہ کس قدر حکم خدا سے نابلد ہیں اور اُنہوں نے اُن احکام خدا کو کس قدر بھلا دیا جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اُنہیں عطا ہوئے تھے۔ اور اُنہیں خداوند زمین و زمان نے جس روح القدس کا حصہ دیا تھا اُن کی بد اطواری۔ نالایقی۔ احکام خدا سے روگردانی نے اُنہیں ظاہر کر دیا اور ساتھ ہی اُنہیں بتا دیا کہ تم اس قابل ہی نہیں رہے کہ تم سے یہ حالات بیان کئے جائیں۔ ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ ایک زانی۔ بد اطوار شخص کو مضامین معرفت کی اُس وقت تعلیم کرنی کہ جب اُسے اپنی ناپاک معاشرت پر اصرار ہو کتنی لایعنی اور فضول بات ہے۔ ہر شخص کی عقل کے مطابق ہمکلام ہونا چاہئے۔ ایک دہریہ جو مذہب کے نام سے نفرت کرتا ہو اگر بطور مضحکہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر دریافت کرنے اور ربانی مطالب کو حل کرنے بیٹھ جائے کیا کوئی بھی عقلمند شخص اسے کلام ربانی کی باریکیاں سمجھائے گا جب کہ اُسے یہ علم ہو جائے کہ محض توہین دین اور تضحیک اسلام کرنے کی غرض سے اس نے یہ سوال کیا ہے۔ یہودی جہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہمارے ہادی برحق کو پہنچاتے تھے اور شب و روز اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اُس مفخر موجودات کو اُس کی کوششوں میں ناکام کیا جائے۔ عہد شکنی اُنہوں نے کی۔ دشمنان رسول کریم سے وہ مل گئے دست بدست جنگ اُنہوں نے کی حتیٰ کہ ایک یہودن نے حضور انور کو زہر تک دیدیا ایسی شقی قوم کے افراد میں سے اگر چند افراد نے روح کی بابت آپ سے سوال کیا تو اُس کا سوا اس کے کیا جواب دیا جاتا بعض ناواقف یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کا کچھ بھی بیان نہیں کیا اور ایک مجمل سا جواب دے کے ٹالدیا حالانکہ یہ سخت غلطی ہے اور

ایسا سمجھنا نری جہالت ہے۔ جو مقدس نفس کہ سرتاپا روح القدس بنا ہوا ہو جو پاک نفس پیدا ہوتے ہی روح القدس کا ہمکنار رہا ہو جس کے ساتھ روح القدس کا ہونا اول روز سے لازمی کر دیا گیا ہو اُس سے زیادہ روح کی حقیقت کون بتا سکتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اُس کی وہ حقیقت بتاتا کہ کوئی نبی نہ بتا سکتا مگر روح کی حقیقت بیان کرنے سے یہی مناسب جانا کہ انہیں ایسے راستہ پر ڈال دیا جائے کہ وہ روح کی خود تلاش کریں اور پھر بتانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس بچہ نے کہ مکتب میں ابھی تعلیم پانی شروع کی ہو اور جس نے ابتدائی کتاب پڑھی ہو معلم کی ہرگز یہ عقلمندی نہیں ہوسکتی کہ وہ ادب کی بڑی بڑی کتابیں لے سے سمجھانے بیٹھ جائے اور پھر یہ خیال کرے کہ میں نے اُسے بڑا عالم بنا دیا۔ حالانکہ وہ بیچارہ جو کچھ حاصل کرسکتا تھا اُس سے بھی گیا گذرا ہو گیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کس قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو تمام عالم میں اپنی درشتی۔ سخت دلی۔ بداطواری۔ بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش کرنے میں نامور اور مشہور تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایسی جاہل۔ وحشی۔ بات بات پر بھڑکنے والی قوم کو کیوں کر ہوسکتا تھا کہ ربانی غوامض کی تعلیم کی جاتی اور وہ وہ ادق مضامین بتائے جاتے جو وہ حشر تک بھی نہ سمجھ سکتے۔ ناممکن تھا کہ اس سے ایک نفس بھی ہدایت پاتا اور بالکل محال تھا کہ توحید خدا کی روشنی عالم میں پھیلتی۔ اُن کی ہدایت کے لئے ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں عجیب و غریب معجزہ رکھا گیا جسطرح ایک بدوی جاہل صحرائی وحشی شخص ہدایت پاسکے اسی طرح اُس مقدس کتاب سے ایک فاضل اور مہذب شخص روحانی تعلیم حاصل کرسکے۔ یہی ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور اسی معجزہ کی وجہ سے ہم اسے کتاب اللہ کہتے ہیں قرآن مجید کی ہزارہا تفاسیر موجود ہیں اور سب میں اکثر آیات قرآنی کی نئی نئی طرح کی تفسیر کی گئی ہے کہیں فلسفیانہ اصول پر تفسیر لکھی گئی ہے اور کہیں طبیعات کے اصول پر کلام ربانی کو چسپاں کیا گیا ہے کہیں عوام الناس کے مذاق کے مطابق حل مطالب کئے گئے ہیں غرض ایک دریا ہے جس کی کاٹ کاٹ کے کئی کئی شاخیں نکالی ہیں اور اُن شاخوں سے کہیں کھیتوں کو سیراب بنایا ہے تو کہیں باغوں کی روشوں کو شاداب کیا ہے اور کہیں عفونت کے مقام کو پاک کیا ہے اور کہیں پیاسوں کی نوری پیاس بجھائی ہے۔ جو شخص قرآن کے رستہ پر پڑ گیا اُس نے اپنے مذاق کے موافق اُس سے ہدایت حاصل کرلی یہی بہت بڑی صفت ہے جس نے قرآن کو کلام خدا کا معزز لقب دیا ہے۔ انسانی تصنیف میں یہ بات قیامت تک حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہر کتاب صرف ایک ہی مذاق کو پورا کرتی ہے اور دوسرے مذاق کا ایک حصہ بھی اُس سے پورا نہیں ہوتا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ جو تعلیم حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی وہ لاریب نہایت حکمت بالغہ پر مبنی تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ضرورت نہ تھی نہ عقل اس کی مقتضی تھی کہ ابتدائے اسلام میں وہ باریک مسائل سمجھانے کی تکلیف گوارا کی جاتی جن کا انکشاف بعد میں خود ہونے والا تھا ضرورت نہیں تھی کہ ایسے پیچیدہ مسائل کو بیان کرکے مباحثے کے دروازے کھول دئے جاتے اور پھر لوگ اسی پیچ و تاب میں ہو کے رہ جاتے۔ ضرورت نہیں تھی کہ قبل از وقت اہم مسائل پر دوکد ہوتی اور پھر اشاعت اسلام کا ڈھانچہ توڑ مروڑ کے وہیں رکھ دیا جاتا۔ نادان ہیں وہ جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی۔ اور سخت کم عقل ہیں وہ جو اپنے اس اعتراض پر بغلیں بجاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کا جواب کچھ نہیں آتا تعصب جب کہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے تو اُسے حق و نا حق

میں تمیز نہیں رہتی یہی انتہا درجہ کی جہالت میں یہ سمجھے جانا کہ جو کچھ ہم نے اعتراض کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور دوسرے کا جواب نہ سننا یا مصلحت وقت اور موقع کو نہ دیکھنا بالخصوص ایک پڑھے لکھے آدمی کے لئے سخت بدقسمتی کا باعث ہے۔

مسئلہ روح کو دنیا میں کوئی بھی اس طرح حل نہیں کرسکتا کہ آنکھوں سے دکھا دے ایک نور جو نہ آنکھوں سے دکھائی دے نہ محسوس ہوسکے اُس کا بیان اس صورت سے کرنا کہ ہر شخص تسلیم کرے محال سے بھی بڑھ کے محال ہے۔ بڑے بڑے فلسفیوں اور داناؤں نے جب کوئی پہلو نہیں دیکھا تو صاف انکار کردیا اور بعض نے اگر کوشش کرکے اس کی کچھ حقیقت بتائی ہے تو وہ ایسی مضحکہ خیز ہے کہ خیال نہیں ہوسکتا کہ ایک عقیل اور فہیم شخص ایسی باتیں تحریر کرسکے۔ ہم جو کچھ روح کی حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم نہیں دعویٰ کرسکتے کہ وہ ہی اصلی حقیقت ہوگی اور اس سے زیادہ تفصیل سے کوئی بیان ہی نہ کرسکے گا بلکہ ہمارا یہ منشا ہے کہ ہر پڑھے لکھے سمجھدار شخص کو اس مسئلہ میں غور و خوض کرنی چاہیے شاید آئندہ صدی دو صدی چار صدی کے بعد کوئی ایسا یقینی پہلو نکل آئے کہ اُس سے ہر متنفس کی تسکین ہوسکے۔

میرا منشا نہیں ہے کہ میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرح روح کے بیان کو منطقی اور فلسفی اصطلاحات کے جال میں پھنسا دوں نہ میرا یہ منشا ہے کہ میں اطبائے اسلام کی تقلید کرکے نفس ناطقہ کی ایک کیفیت بیان کروں نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ڈاکٹران یورپ کی طرح بالکل اُس سے انکار کردوں کہ روح کوئی چیز ہی نہیں ہے اور جو کچھ ہے جان ہے بلکہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ روح کا بیان ان سادے سیدھے جملوں میں ہو کہ کم استعداد شخص بھی بخوبی سمجھ سکے اور ربانی غوامض کو اس عمدہ پیرائے میں ادا کیا جائے کہ سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہ ہو۔ اگر ہمارے اس مضمون سے ایک حصہ بھی ناظر تفسیر کی تسکین ہوگئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے کامیابی کے ساتھ ایک اہم فرض انسانی کو ادا کیا اور اگر ہمارے بیان روح نے کچھ بھی تسکین نہ دی تو بھی ہم خوش ہوں گے کہ دینی اور قومی کام کی انجام دہی تو ہوگئی کسی اور بھائی کو تحریک ہوگی کہ جس کام کو ہم نے ناتمام چھوڑا ہے اُسے پورا کریگا۔

خیال نہیں ہوسکتا کہ روح کوئی ایسی چیز ہو جو جسم کے کسی محدود حصہ میں مقیم ہو۔ ایک ایسی چیز جو خود محدود نہ ہو کسی محدود مقام میں مقید نہیں ہوسکتی اور اگر فرض کرلیں کہ مقید ہوسکتی ہے تو وہ کچھ کام نہیں دیسکتی۔ مثلاً ایک کمرہ کو چاروں طرف سے ایسا بند کیا جائے کہ کسی دراز سے رمق برابر بھی ہوا کا اُس میں گذر نہ ہوا اور وہاں ایک جاندار چیز کو رکھا جائے حبس دم ہوکے وہ چند ساعت میں مرجائے گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہوا اُس کمرہ میں موجود تھی تو وہ جاندار کیوں مرا جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ غیر محدود چیز اگر محدود ہو تو ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ بہرحال یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح جو درحقیقت ایک نور مجرد ہے وہ کسی خاص حصہ میں مقید ہوکے رہے اور اُس سے افعال کا صدور ہو۔ اگر روح کو دماغ کی کھوپری میں قید کرتے ہیں تو قلب جسے گذرگاہ جلیل اکبر کہتے ہیں بیکار رہجاتا ہے اور جب دل میں اُسے محدود سمجھتے ہیں تو دماغ کی روشنی کی روایت کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھے گی۔ اگر روح کا مقام آنکھوں میں قرار دیں تو نابینا بے روح ہوئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ نہ ہم روح کو کیفیت اعضائے رئیسہ کہسکتے ہیں۔ نہ روح کی تقسیم ہوسکتی ہے بلکہ ہمیں مجبوراً روح اور جان کو بالکل علیحدہ علیحدہ ماننا پڑیگا اور روح کو خواہ وہ کہیں رہے ایک غیر محدود جگہ دینی ہوگی۔

پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روح اور جان بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جان حقیقت میں اُس کیفیت مزاج کا نام ہے جو اعمال اعضا سے تعلق رکھتی ہے جب تک پھیپھڑے میں یہ صفت باقی ہے کہ وہ ہوا کو صاف کر کے کل جسم میں پہنچائے جس سے تمام اعضا اپنا کام معطل کر دیں جب تک خون جسم میں موجود ہے جب تک اس میں اعتدال سے حرارت نہیں بڑھی ہے غرض ہر چھوٹے سے چھوٹے عضو کی حرکت اور حد اعتدال میں ہونا جان کہلاتا ہے۔ اگر معدہ میں چھید کر دیا جائے یا گردوں کو چیر دیا جائے تو کل اعضا اپنا کام چھوڑ دیں گے اُن کا بالاتفاق کام چھوڑ دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جان نکل گئی یا بالفاظ دیگر جان نکل جانے کے معنی یہ ہیں کہ جسمانی اعضا نے اپنا کام کرنا ترک کر دیا۔ اس سے روح کو کیا تعلق روح کے فنا اور غیر فنا ہونے کی متعلق بحث کرنا ایک لاحاصل امر ہے۔ روح قدیم اور باقی ہے اُسے نہ جسم کے فنا ہونے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ اُس کے باقی رہنے سے کچھ فائدہ۔ بعض نے صرف اوپری سطح پر ہاتھ پیر مارے ہیں اور یہ بحث کی ہے آیا جسم کے فنا ہونے یا بالفاظ دیگر انسان کے مرنے کے بعد روح بیکار ہو جاتی ہے یا نہیں یہ بحث انتہا درجہ فضول ہے روح کی ہمیشہ ایک حالت رہتی ہے اور اُسے کبھی فنا و بیکاری کی ہوا تک بھی نہیں لگتی۔ روح درحقیقت ایک خاص نور ہے جو بقدر وسعت استعداد ہر شخص اور ہر جاندار کو عطا ہوتا ہے۔ حیوانات میں اگرچہ روح ہے مگر نباتات میں صرف جان ہی جان ہے روح نہیں ہے۔ جان حیوانات کی نمو اور مشی کا باعث ہے اور روح بقدر اُس کی استعداد کے اُسے آگاہ کرتی ہے کہ پانی پی تاکہ پیاس بجھے کسی پناہ کی جگہ میں ہو تاکہ دشمن سے محفوظ رہے غرض اسی قسم کی ہر بات کی تعلیم کرتی ہے، جس نے محنت شاقہ اُٹھا کے اکتساب نور روح کیا ہے وہی معزز و محترم بنجاتا ہے۔ روح ایک لطیف نور ہے جو بُرے افعال سے کثیف ہو جاتا ہے اور وہ روشنی جس میں انسان کے تمام خارجی و اندرونی اعضا چلتے اور کام کرتے تھے مدھم پڑ جاتی ہے اور پھر سوائے منافی اخلاق اور مضر صحت افعال کے اُس سے کچھ سرزد نہیں ہوتا۔ روح کا عمل جسم پر ایسا ہے جیسا ہو اور آفتاب کی روشنی کا۔ کہ نہ اُس کا قیام کسی خاص مقام پر ہے اور نہ وہ کسی خاص محدود جگہ مقید ہے یہ صحیح ہے کہ مرنے کے بعد وہ انسان سے علیحدہ ہو جاتی ہے مگر یہ خیال کہ جدا ہونے کے بعد بیکار ہو جاتی ہے محض لغو اور مہمل ہے، روح ہر جانب اور صورت میں کامل شعور کامل عقل اور کامل دانائی ہے۔ روح کیا ہے تمام عقل و دانش کا منبع ہے، اور تمام اسرار ربانی کا سرچشمہ ہے یہیں سے قوانین فطرت کی رَو نکلی ہے اور یہیں اسرار وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ روح خدائے برتر کی ایک خاص صفت ہے جسے یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں نہ انسانی افعال اُس کی حقیقت کُنہہ پر محیط ہو سکتے ہیں تمام دنیاوی انتظامات تمام عقلی اور کیمیائی مشاہدات تمام علوم متعارفہ کا ایجاد اور عروج محض روح ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر انسان میں روح نہ دی جاتی تو فکر کرنے اور سوچنے کی اُس میں ہرگز طاقت نہ ہوتی شیر خوار بچّہ بالکل مثل حیوان کے ہے نہ اُسے آگ آگ معلوم ہوتی ہے نہ زہر زہر نہ گڑھا گڑھا اور نہ شیر شیر اس کی وجہ یہ ہے کہ بچّہ میں فیضان باری سے فیضیاب ہونے کی قابلیت نہیں ہوتی اس لئے ایک حد تک وہ بالکل اس سے محروم رہتا ہے کیا وجہ ہے کہ رحم اُس کے پاس ہو کے نہیں پھٹکتا اور لحاظ و شرم کا نام بھی اُس میں نہیں ہوتا

وہ ایک چھوٹے سے پرند کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیتا ہے اور خوش ہوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کو پیر سے کچل ڈالتا ہے اور شاد ہوتا ہے اخیر یہ بات کیوں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں روح نہیں ہوتی اور جب روح کے فیضان کا زمانہ آتا ہے تو وہ دن بدن انسانی صفات حاصل کرتا جاتا ہے اور اخیر میں اگر وہ یوں ہی بڑھتا گیا تو مدارج اعلےٰ پر پہنچ کے فیضان باری یا روح کا ایک امتیازیہ حصّہ حاصل کرلیتا ہے اسی کو کامل انسان کہتے ہیں۔

اگر انسان میں روح کی خصوصیت نہ ہوتی تو مصنوعی بہت سے آدمی تیار ہوجاتے جو چلتے پھرتے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے مگر نہ اُن میں نمو کی قوت ہوتی اور نہ وہ کسی قسم کا فکر کرسکتے تھے۔ ایک کل جس کے کل پرزے درست ہیں بغیر کسی آدمی کی مدد کے چلتی پھرتی اور کام کرتی ہے۔ کپڑا عمدہ سے عمدہ بنتی ہے اور دنیا بھر کی نادر شیا بناتی ہے اسٹیم بہت بڑا اُسکا مدد معاون ہے اور اسی کی وجہ سے یہ تمام کام ہوتے ہیں کہیں بجلی اسٹیم (یعنی بھاپ) کا کام دیتی ہے۔ ہم ایک قسم کی جان اس کل میں بھی تسلیم کرسکتے ہیں مگر انسانی اور حیوانی یا نباتی جان میں اتنا فرق ہے کہ اسمیں نمو کے بعد تنزل ہوتا ہے اور کلوں میں ابتدا سے سوائے تنزل کے ترقی نہیں ہوتی یعنی پرزوں کا گھس گھسکے بے کار ہوجانا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ اخیر بے کار ہوجائے گی اور سوائے اس کے کہ اُن پرزوں کو کسی دوسرے کام میں لے آئیں وہ کسی مطلب کے نہیں رہتے۔ یہی حالت ہو بہو انسان اور حیوان کی ہے اگرچہ بظاہر انسان کا کوئی جزو کام میں نہیں آتا مگر حیوان کی بہت سی چیزیں کام میں آتی ہیں اور انسانی ضروریات کے لئے اُس کا گوشت پوست اور ہڈیاں کارآمد ہیں اور اکثر اوقات بغیر اُن کے چارہ نہیں جسطرح ایک بڑی کل صرف اپنے پرزوں کی ترتیب پر چلتی ہے اور اُنہیں خارجی چیز سے مدد ملتی رہتی ہے اسطرح انسان کی زندگی اُن گوشت کے پرزوں پر منحصر ہے جو اُسے ودیعت ہوئے ہیں ایک پرزہ کی خرابی تمام نظام جسم کو درہم برہم کردیتی ہے اگر وہ خرابی بیرونی امداد سے دور ہوگئی ہو انسان زندہ ہے اور جو وہ خرابی بڑھتی گئی تو اُس کا اثر دوسرے پرزوں پر پڑتا ہے اور پھر کل پرزے اخیر جواب دیدیتے ہیں اور پھر انسان کو مردہ جسم کہنے لگتے ہیں۔ روح کا وہ حصّہ جو اُسے عطا ہوا تھا اب بھی اُسی شعور کیحالت میں رہتا ہے اور ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہوتا۔

ہم نے بھی روح کو علیحدہ نہیں کیا ہے اور ہم نے ہی اُسے ایک اعلےٰ درجہ نہیں عطا کیا ہے اور ہم نے ہی اُسے قدیم اور غیر فانی نہیں مانا ہے بلکہ خداوند تعالےٰ نے صاف الفاظ میں اُس کی اہمیت۔ جلال جبروت اور عظمت کا بیان کیا ہے اور ایسا بیان فرمایا ہے جسے پڑھکے دل ہل جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو کتنی عظیم الشان بزرگی عطا ہوئی جسکا خیال بھی نہیں آسکتا۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے "انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جھولا"۔ یعنی ہمنے اپنی امانت کو آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا اُنہوں نے قبول نہ کیا کہ وہ اُسے اُٹھائیں وہ خوف کے مارے کانپ اُٹھے لیکن اُسے آدمی نے اُٹھالیا اور وہ ظالم اور جاہل تھا۔ اس لفظ امانت سے عام

طور پر خلاف مراد لی گئی ہے مگر میری مراد اس سے یہ نہیں ہے بلکہ امانت سے مراد روح ہے جس کا بوجھ واقعی زمین و آسمان اور پہاڑ برداشت نہیں کرسکتے ۔ یہ خدائے برتر کا طرز بیان ہے کہ ہم نے پہاڑوں آسمانوں کے آگے پیش کی اس پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہم نے اپنی امانت کا اُٹھانے والا صرف انسان کو بنایا اور اسی وجہ سے ہم نے تمام کائنات پر اُسے شرف بخشا۔ ظالم اور جاہل سے یہی مراد ہے کہ وہ ہماری اس رحمت سے بالکل غافل تھا اور اس شرف کی اسے خبر نہ تھی جو ہم اُسے عطا کرنے والے تھے ظلم کے معنی لغت عربی میں غیر کی چیز میں تصرف کرنے کے ہیں یعنی اُس کی یہ حالت تھی کہ وہ غیر کی چیزوں میں آسانی سے تصرف کرسکتا تھا اور جب اُسے امانت باری تعالیٰ ملگئی تو اب پس و پیش کرنا پڑتا ہے اور اگرچہ اُس امانت کے حاصل نہ ہونے کے بعد بھی وہ تصرف کرتا ہے مگر اپنے اس فعل کو ناجائز ضرور خیال کرتا ہے۔ اس سے اتنا مطلب نکلتا ہے کہ امانت کا لفظ انسان بننے کے بعد استعمال کیا گیا ہے یعنی ایک پتلا بنایا اور پھر وہ انسان بنا یعنی اُس میں رگوں اور اعضا کا وہ سلسلہ پیدا کیا گیا جس سے اُس میں جان آئی اور پھر اُسے امانت سے سرفراز کیا۔ یہ امانت وہ روح ہے جس کی بابت ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر امانت سے مُراد خلافت لیں تو مطلب خبط ہو جاتا ہے کیوں کہ لفظ انسان نوع انسانی پر دلالت کرتا ہے اور یہ کوئی نہیں تسلیم کرتا کہ ہر انسان خلیفہ بنایا گیا اور سب ہی نبی بنا کے مبعوث کئے گئے لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک نبی یا رسول یا خلیفہ ہوتا ہے اور کل بنی نوع پر اُس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے اور اس آیت میں صرف لفظ انسان ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے ضرور ہوا کہ کوئی ایسی چیز ہو جو کل انسانوں میں ہو اور اُس سے ایک فرد بھی خالی نہ ہو۔ ہمارا جو کچھ مطلب تھا وہ حل ہو گیا یعنی ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ روح اور جان علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ انسان میں وجہ شرف صرف یہ روح ہے اور اسی سے یہ اعجوبہ کام سرزد ہوتے ہیں جنہیں بعض اوقات سحر- خرق عادات کرامات او معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روح کے بھی امتیازیہ مدارج ہیں اور ہر انسان میں اُسکی حالت مختلف اُٹھکے واقع ہوئی ہے جس طرح رنگ صورت قد ڈیل ڈول ذہن۔ ادراک عقل- حافظہ انسانی نوع میں ایک اختلاف عظیم پایا جاتا ہے اسی طرح روح کے مدارج میں بھی بیّن فرق مشاہدہ ہوتا ہے

روح کی ترقی بھی کئی طرح سے ہوتی ہے اگر کسی نے آنکھوں کے ذریعہ سے روح کو ترقی دی تو اُس میں اتنی قوت ہو جائے گی کہ وہ ایک تند اور غصیلے شیر کو آنکھوں کے ذریعہ ایک ہی مقام پر بےحس اور بے حرکت کرنا چاہے گی تو کرسکتی ہے آنکھیں ملاتے ہی کسی شخص کو بیہوش کر دینا اور بیہوش کرنے کے بعد مار ڈالنا یہ آنکھ کی روحانی قوت کا ادنے نتیجہ ہے اور اگر قلب کے ذریعے اکتساب قوت روح کیا جائے تو قلب وہ عجائب غرائب اسرار کا پتہ لگاتا ہے کہ انسان ولی۔ قطب۔ ریفارمر (مصلح) اور رشی کہلانے لگتا ہے اُسے ہر مقام پر اپنے خلاق اکبر کا جلوہ نظر آتا ہے وہ سو قفلوں میں چھپی ہوئی چیز کو بآسانی دیکھ سکتا ہے وہ ادنے توجہ سے ایک فاصلہ بعید کے شخص کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے وہ اپنے قلب کی توجہ سے ایک شقی ظالم اور سنگدل کو رحمدل اور نیک کرسکتا ہے وہ ایک گروہ کے گروہ کو وجدانی حالت میں لا سکتا ہے غرض اُن چھپی ہوئی اور بظاہر ناممکن الوقوع

باتوں کا اُس سے اظہار ہو سکتا ہے کہ ظاہر بیں ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ علوم جدیدہ موجودہ زمانہ میں اگر قلب کی قوت کا انکار کریں تو ان کا انکار مسلم نہیں ہو سکتا کیوں کہ انہوں نے دماغ کی روحانی قوت کا اکتساب کیا ہے اور اُسی کو ایک بہت بڑی ترقی دی ہے وہ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ قلب کی روحانی قوت کیا ہے اور کن مراقبوں اور مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتی ہے حقیقت میں قلب کی روحانی قوت کا وجود عالم میں تھا اور اب بھی مشرقی دنیا میں کہیں کہیں موجود ہے اور اصل یہ ہے جسے اس ملکہ قلبی کا کچھ بھی چسکا لگ جاتا ہے اُس کے آگے درحقیقت ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس جگہ ایک صاحب نسبت کے اُس جواب کو جو اُس نے شاہ سنجر کو دیا تھا نقل کر دیں مختصر یہ ہے کہ شاہ سنجر نے ایک صاحب نسبت فقیر کے کمالات روحانی ان معتبر ذرایع سے سنے کہ وہ نادیدہ عاشق ہو گیا اور اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک عریضہ لکھ کے فقیر صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور اُس میں یوں ملتجی ہوا اگر حضور میرے پایۂ تخت میں تشریف لا کے اقامت گزیں ہوں تو میں اپنا نصف ملک حضور کی تحویل میں دیدیتا ہوں۔ اس کے جواب میں صاحب نسبت درویش نے یہ اشعار لکھ کے بھیج دیئے۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد	در فقر گر بود ہوس چتر سنجرم
تا یافتہ دلم خبر از ملک نیم شب	یک ملک نیم وز بیک جو نے خرم
سر چوں سر قلم زوجود مم بریدہ باد	گر سر بطاق عرش فرود آورد سرم

یہ بالکل صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے جنہیں اس کا مذاق نہیں ہے وہ اسے مشرقی مبالغہ سمجھیں گے مگر خدا جانتا ہے کہ ذرہ برابر بھی اس میں فرق نہیں ہے جسے قلب کی خفیف سی قوت بھی حاصل ہو جاتی ہے اُس کی کیفیت کے آگے وہ پادشاہت کو لات مارتا ہے چہ جائے کہ اُسے پورا ملکہ قلبی حاصل ہو جب اُسے اس ملکہ قلبیہ روحانی میں غلو ہو جاتا ہے تو پھر وہ اُس کی زبان ہی سے نہیں بلکہ جسم کے ہر بن مو سے یہ سرزد ہوتا ہے۔

ہرچہ جز حق بسوز غارت کن ؛	ہرچہ جز دین از و طہارت کن

یہ سارے روح کے کرشمے ہیں جو ایک کل میں یا جدان میں یا مصنوعی انسان میں نہیں حاصل ہو سکتے۔ ایک غریب بے یار و مددگار انسان ایک فاضل۔ حاکم۔ موجد۔ پیشوا کیوں بنجاتا ہے اور کس قابلیت سے وہ لاکھوں بنی نوع انسان پر حکومت کرتا ہے محض روحانی قوت کے طفیل سے جو لوگ جسمانی رکھ رکھاؤ میں اپنی زندگی گزار رہتے ہیں اور انہیں روحانی قوت کی ترقی کا کچھ خیال نہیں رہتا اس میں ہرگز شک نہیں کہ جانوروں کی اور اُن کی حالت یکساں ہے اور ذرہ برابر فرق ایسے انسان اور جانور میں نہیں ہے مگر جس نے خلاق اکبر کی نعمت عظمےٰ کی قدر کی ہے اور اُسے اپنی اپنی بساط کے موافق ایک حد تک حاصل کیا ہے وہی اس کی لذت کو بخوبی پہچان سکتا ہے۔ اُس کی وجدانی حالت اُس سے وہ وہ الفاظ منہ سے نکلوا دیتی ہے کہ لوگ اُسے مجنون سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ مجنون نہیں ہوتا۔ ایک عارف کے یہ اشعار ایسی حالت کا سچا نقشہ کھینچتے ہیں۔

ما ہیچ نہ ایم و جملہ مائیم	گہ چوں سگیم و گہ ہمائیم

سلطان حقیقتم لیکن ٭		در کسوت آب و گل گدائیم

یہ تو اُن کی حقیقت ہوئی جو فلسفے اکتساب روحانی کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑا اہم کام تھا مگر وہ لوگ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں ہیں جو دماغ سے اکتساب قوت روح کرتے ہیں جس کے جلوے ہمیں اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ عالیشان عمارتیں۔ بُروج مشیدہ۔ طراوت خیز باغ۔ جہازوں کا سطح آب پر چلنا سحر انگیز آلات کی روزمرہ ایجاد تعیش خیز سامان کا پیدا ہونا مختلف کلیں۔ تار برقی کا سلسلہ یہ سب اُس روحانی قوت کا نتیجہ ہے جو دماغ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ قدرت باری کے کرشمے جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں سب اسی کا طفیل ہے جب انسان کا کوئی عضو ایسا بگڑ جاتا ہے کہ اُس میں اکتساب قوت روح کی قابلیت نہیں رہتی اور نہ اُس میں وہ استعداد رہتی ہے کہ جو حصہ روح کا اُسے عطا ہوا تھا اُسے وہ اپنے پاس رکھ سکے تو اُسے دیوانہ کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دیوانہ میں روح کا رمق برابر حصہ بھی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی طبیب ایسا پیدا ہو جو اُس کے خراب شدہ اعضا کو درست کر دے اور پھر وہ اعضا اس قابل ہو جائیں کہ اکتساب روح کر سکیں تو پھر وہ روح دار انسان ہو سکتا ہے مجنون[1] میں صرف جان ہوتی ہے اور روح نہیں ہوتی۔ اور جو شخص مجنون میں بھی روح سمجھے اُس کی سخت غلطی ہے

روح اور جان بالکل غیر غیر ہیں اور ان میں باہم کچھ بھی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ جان اعضا کو اس قابل بنائے رکھتی ہے کہ وہ روح کے متحمل ہو سکیں اور اگر چاہیں تو اُسے اپنی بساط کے موافق ایک حد تک مزید طور پر حاصل کر سکیں

---

[1] یہ جاننا ضرور ہے کہ مجنون کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں انسان مجانین کی فہرست میں شمار ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض اصطلاحات جن کا استعمال موقع بموقع ہوگا بیان کر دی جائیں تاکہ پھر سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ اصطلاحات چار ہیں (۱) ڈی لیوژن یعنی توہمات (۲) ہلیوسی نیشن یعنی تخیلات (۳) اِسے لیوژن یعنی تصوّرات (۴) لیوسڈ انٹرول یعنی صحت کا وقفہ۔

توہمات اس قسم کے خلاف قیاس اعتقادات ہیں جو صرف مجنون کے واہمہ میں ہیں اور جن کا وجود فی الخارج نہیں ہے۔ ان توہمات کا بے اصل ہونا مجنون کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور نہ اُن کے متعلق اُس سے مباحثہ کیا جا سکتا ہے۔

تخیلات ایسی اشیائے خارجی کی نسبت خیالات کا جم جانا ہے جن کا فی الواقع وجود فی الخارج نہیں ہے۔ تخیلات اکثر جنون کی مزمن اور محقق صورتوں میں واقع ہوتے ہیں ان ہی تخیلات میں سے ہے اپنے کو کسی جانور کی صورت سمجھنا یا خیالی بو یا خیالی آواز یا شکال کا احساس جس وقت ان کا وجود فی الخارج نہیں ہے۔

تصورات فی الواقع اور موجود فی الخارج اشیا کی نسبت غلط خیال کرنا ہے مثلاً یہ تصور کہ جو کچھ غذا سامنے آتی ہے وہ مسموم ہے یا کوئی خاص آواز جو فی الواقع کانوں میں آتی ہے کچھ اور ہی ہے یا کوئی خاص شخص جو آنکھوں کے سامنے ہے کوئی اور ہی شخص ہے۔ تخیلات اور تصورات میں فرق صرف اس مثال سے معلوم ہوگا۔ مثلاً اگر کسی آواز کی نسبت تخیل ہو تو وہ آواز بالکل خیالی ہوگی اور اس کا وجود فی الخارج نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ایسی آواز کی نسبت تصور ہو تو اُس کے معنی یہ ہوں گے کہ آواز موجود ہے۔ لیکن اس کی نسبت غلط تصور بندھ گیا ہے۔ یہ دونوں جنون اور علے الخصوص مزمن جنون کی بہت بڑی علامات میں سے ہیں۔ اگرچہ مرض کے اوائل میں بھی یہ کبھی کبھی پائے

اب دیکھنا چاہیئے کہ ملاحدہ یورپ روح سے کیوں انکار کرتے ہیں اور حیات ابدان پر کل افعال خارجی و اندرونی کا دارو مدار رکھتے ہیں اُن کا خیال یہ ہے کہ جو چیز آنکھوں سے نہ دکھائی دے اور خیال ہی خیال میں رہے وہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ بات درست ہوتی اُس وقت جب کہ اکثران یورپ کو انسان کے قوائے عقلی اور اخلاقی کا پورا علم ہو جاتا۔ ابھی تک کوئی ڈاکٹر نہیں بتا سکا کہ ایک اچھی چیز کو دیکھکر جو کچھ کیفیت اور مسرت ہوتی ہے اس کی اصلی وجہ کیا ہے اور کون سے قوی ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا قول ہے کہ ہمیں انسان کی بابت ابھی بہت کچھ تحقیق کرنا ہے اور ابھی ہم نے بہ ۱/ حصہ بھی اُس کی اصلی حقیقت کا طے نہیں کیا ہے۔ انسان میں کون سی خاصیت ایسی ہے جس سے رنگ کی پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کا کام لیا جاتا ہے مثلاً چار اشخاص ہیں چار مختلف رنگوں کے پسند کرنے کا مذاق ہے اُس مذاق کے پیدا نہ ہونے کا کیا سبب ہے اور اندرونی حالت میں ان چار اشخاص کا کیا اختلاف ہے کیا کوئی ڈاکٹر ایک شخص کے تمام قوائے خارجی اور اندرونی کا امتحان لے کے بتا سکتا ہے کہ اس میں کس رنگ کے پسند کا مذاق ہے اور یہ کس رنگ سے متنفر ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی موٹی موٹی باتیں ہیں جن کی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی اور وہ راز ابھی بہت دور ہیں جنکا کچھ کچھ اشارہ ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ ابھی اسی زمانہ میں خاص یورپ اور امریکہ میں ایک بڑا گروہ ہے جو نفس روح کی تحقیق کر رہا ہے اور اُسے اسکا کسی قدر کھوج بھی ملا ہے مگر صدیوں کی تحقیق کے بعد یہ ضرور ہے کہ ایسا ہی نتیجہ نکلے کہ پھر اُس پر نکتہ چینیوں کو شبہ نہ ہو سکے۔

جاتے ہیں۔

وقفہ صحت سے مراد تھوڑے زمانہ کے لئے بالکل جنون کا موقوف ہو جانا ہے۔ اس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجنون بالکل اپنی اصلی حالت پر ہے۔ اس وقفہ کی مدت مختلف ہے لیکن اس کے بعد ہمیشہ علامات جنون عود کرتے ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد پھر وقفہ ہو جاتا ہے۔

لفظ جنون کی ایسی تعریف جو اُس کی تمام صورتوں پر حاوی ہو کسیقدر مشکل ہے کیوں کہ مشہور ہے "الجنون فنون" اور جنون کی اکثر تعریفات یا تو کثرت سے جامع ہیں یا کثرت سے مانع۔ ہم جنون کی یہ تعریف قرار دیتے ہیں۔ جنون وہ حالت ہے جس میں انسان کے قوئے دماغی یا اخلاقی یا حیوانی میں (ان میں سے ایک میں یا کل میں) خواہ پیدائشی طور پر یا عمر طبعی کے اندر فرق واقع ہو جائے" یہ ایک دماغی مرض ہے جس کی وجہ سے عقل کی مجموعی حالت میں خلل واقع ہوتا ہے اس قسم کا خلل جو کسی سم یا بخار کے سبب سے نہ ہو اور اُس شخص کی خصوصیات ذاتی کا اثر اس خلل دماغی پر پڑتا ہے۔ غرض یہ ایک مرض ہے جو صحت دماغی کے مقابل میں ہے اور صحت دماغی وہ حالت ہے جو انسان میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی خواہ وہ مذہب سے متعلق ہوں خواہ ذات سے خواہ اپنے بنی نوع سے صلاحیت پیدا کرتی ہے اور جنون کی وہ حالت ہے جو اس کے برعکس ہے لیکن چونکہ جنون کی حالت میں نفس الواقع تغیر پیدا ہو جاتا ہے اس واسطے جنون ایک مرض جسمانی ہے۔

جنون کی علامتیں یہ ہیں۔ حرارت مزاج۔ زود رنجی۔ زود برافروختگی اور زیادہ گوئی جنون کی ابتدائی علامات میں سے ہیں۔ بعض اوقات خیالات کو کسی چیز پر جمانا یا کسی ایک امر پر غور کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ مریض کے افعال بالکل خلاف طبیعت ہو جاتے ہیں اور مریض اپنے فرائض

روح اور خدا کے اعتقاد کو سائنس یعنی علوم جدیدہ کسی حالت میں شکست نہیں دے سکتے۔ علوم جدیدہ کے وہ مسلم ماہرین کی دہاک یورپ میں بیٹھی ہوئی ہے صاف پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ وہ سائنس ناکارہ اور لغو ہے جو روح اور خدا کی ہستی کا قائل نہ ہو مسیحی عقائد کو چھوڑ کے اگر اسلام کو دیکھا جائے تو اُس نے دنیا کی پیدائش کا زمانہ محدود نہیں کیا ہے۔ اُس روشن مذہب کا اصول ہے کہ خدا دنیا سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ ہر ہر ذرہ ذرہ میں موجود ہے علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں نے اپنے اخیر وقت خدا پر ایمان اور اُس کی ذات پر بھروسہ اور سہارا ڈھونڈا ہے۔ اب علوم جدیدہ اور مذہب کی مغائرت دور ہوتی جاتی ہے۔ اسلام نے یہ بات پیدا کر دی ہے کہ عام طور پر بڑے بڑے فلسفیوں کا یہ مقولہ ہو گیا ہے کہ نہ علوم جدیدہ مذہب کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ مذہب علوم جدیدہ کو۔ علوم جدیدہ قدرت خدا کے ظہور کو بتاتے ہیں اور اس حد سے وہ آگے نہیں بڑھے ہیں مگر مذہب ظہور اور حقیقت کے فاصلہ کو دور کر کے دونوں کے ملانے کا ذریعہ ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا کہ مذہب کو علوم جدیدہ کی اور علوم جدیدہ کو مذہب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جو بات عقلاً مانی جائے گی اُس پر ایمان بھی مضبوط ہوگا۔

سائنس کا اصلی کام یہ ہے کہ ہر شے کے تعلق کو دوسرے کے ساتھ ثابت کر کے یہ دکھا دے کہ کل کائنات ایک سلسلہ سے قائم ہے۔ مذہب اس مسئلہ کو حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں پس خیالات مذہبی بھی اسی صورت میں مضبوط ہوں گے جب ظاہری اشیاء کے تعلقات کو دیکھکر اُن سے اصلی حقیقت پہچانی جائے گی اس لئے سائنس بغیر مذہب کے باعث عافیت نہیں ہو سکتا اور مذہب بغیر سائنس کے محض تعصب ہوگا۔ انسان کی دو قوتیں ہیں یعنی دل اور دماغ اور دونوں کی ترقی ہی سے اصلی ترقی ہو سکتی ہے۔ مشرق میں صرف روح کو دل کے ذریعہ سے کام میں لانے کا غلو رہا اور مغرب میں محض روح کو دماغ کے ذریعہ سے کام میں لایا گیا جیسا کہ ہم گذشتہ صفحوں میں بوضاحت ثابت کر چکے ہیں اسلئے دونوں مقامات پر کامل ترقی نہیں ہوئی اب وہ زمانہ آگیا کہ مشرق و مغرب میں دونوں کی ترقی کی برابر کوشش کیجا رہی ہے کیا عجب ہے کہ صدی دو صدی کے بعد دنیا میں کامل ترقی کی پھر ایک بار اور صورت نظر آئے۔

منصبی کو بلا وجہ ترک کر دیتا ہے اور اگر کام کرتا بھی ہے تو اُس کے خیالات بٹے رہتے ہیں۔ لباس میں صاف اور صحیح بے پروائی اور مزاج میں کثافت آجاتی ہے ممکن ہے کہ نیند کم ہو جائے اور مریض رات کو اُٹھ کے پھرا کرے اور آرام نہ کر سکے۔ بعض وقت غیر معمولی یاس اور ناامیدی اور بعض وقت غیر معمولی خوشی اور فرحت ہوا کرتی ہے۔ اکثر اوقات مریض تنہائی کو پسند کرتا ہے اور یہ علامت اوائل جنون میں بہت عام ہوتی ہے۔ مریض اپنے دوست احباب سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اُن سے بدگمان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اُسے نظر بند کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس وقت توہمات تخیلات اور تصورات موجود نہ ہوں لیکن اس کے بعد ہی ان کا ظہور ہونے لگتا ہے حافظہ ضعیف ہو جاتا ہے اور گفتگو میں تکرار آجاتی ہے۔ اکثر اوقات کفر کے خیالات اور پریشان خواب مریض کو ستاتے ہیں طبیعت میں بے انتہا پریشانی اور کاہلی آجاتی ہے بلکہ موت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ مریض جانتا ہے کہ طبیعت درست نہیں ہے لیکن طبیب سے رجوع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی ان ابتدائی علامات کے زمانہ قیام اور شدت میں اختلاف ہوا کرتا ہے اور بعض

مقدمہ

تفسیر الفرقان

جلد ۱ نمبر (۵)

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۱۷ھ

قیمت سالانہ معہ محصولڈاک للعہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہان شد

پروفیسر ہکسلی کا قول ہے اصلی سائنس اور اصلی مذہب دو بہنیں ہیں جن میں ایک کی علیحدگی سے دوسری کی موت لازم آتی ہے اُس کا فروغ اسی قدر ہوگا جس قدر اُس کا مذہب سے تعلق ہوگا اور مذہب کا فروغ اتنا ہی ہوگا کہ جتنی اُس کی بنیاد بلحاظ سائنس کے گہری اور مضبوط ہوگی۔ یہ مسلم ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے فلسفیوں کے کام محض اُن کی عقل کے نتیجے ہیں جو مذہب پر مبنی ہے اور حقیقت کا ظہور اُن کے حلم و محبت۔ یکسوئی طبیعت اور نفس کشی کی وجہ سے بہ نسبت اُن کی تیزیِ عقل کے زیادہ ہوتا ہے ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے کہ سائنس بجائے لامذہب کرنے کے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے اُس کی عدم واقفیت ہی سے لامذہبی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی اس دنیا کی جو ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں اصلیت نہ جاننا ہی لامذہبی ہے فرض کرو کہ کسی مصنف کی نہایت مبالغہ کیساتھ تعریف کی جائے اور اُس کی تصنیفات کی عمدگی کی صدا ہر وقت اُس کے کان میں پہنچے مگر وہ لوگ جو اُس کی تعریف کریں بجائے اُس کی کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے کے صرف ان کے ورق اُلٹنے یا اُن کی صورت دیکھنے ہی پر اکتفا کریں پس ایسے آدمیوں کی تعریف پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ اور اُن کی صداقت پر کوئی کیا بھروسہ کر سکتا ہے۔ یہی حالت انسان کی بمقابلہ اُس کائنات اور اُس کے پیدا کرنے والے کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیوں کہ انسان نہ صرف اُن چیزوں کی طرف جن کو روزمرہ عجیب و غریب کہتا ہے غور ہی نہیں کرتا بلکہ اُن لوگوں پر جو قدرت خدا کی طرف آنکھ اُٹھا کے دیکھنے میں ہنستا ہے۔ پس ہم مکرر کہتے ہیں کہ سائنس سے لامذہبی نہیں آتی بلکہ سائنس کی عدم واقفیت ہی لامذہبی ہے سائنس کی پرستش اُن چیزوں کی پرستش ہے جن کو سائنس بتاتا ہے اور ایسی پرستش بمنزلہ اُن کے خالق کی پرستش کے ہے۔ یہ پرستش محض زبانی نہیں ہے بلکہ عملی ہے یہ ادب محض ظاہری ادب نہیں ہے بلکہ اصلی ادب ہے۔ جو وقت، خیال، محبت اور عقل کے صرف سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ چوں کہ سائنس سے ادب اور ایمان اس قانون قدرت میں جو تمام کائنات کی بنا ہے پیدا ہوتا ہے اور بجائے اُس ایک مروجہ یقین نسبت سزا اور جزا کے جو انسان نے مجمل طور پر بلحاظ اپنی معاشرت اور حالت کے قایم کر لیا ہے سائنس بتاتا ہے کہ یہ جزا اور سزا قانون قدرت کا اصلی نتیجہ ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کے بُرے نتایج سے ہم نہیں بچ سکتے

بالکل چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور جنون دفعتہً شروع ہو جاتا ہے ایسی صورتوں میں اگرچہ دماغی کوئی علامت نہیں ظاہر ہوتی لیکن صحت میں پہلے سے فرق آ جاتا ہے اور عموماً بدہاری (؟) کا مرض بھی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ علامات بھی مفقود ہوتی ہیں۔ جو شخص دیوانگی کے قریب ہی اُسکی نیند ہمیشہ بے آرام ہوتی ہے۔ خواب پریشان اُسے ستایا کرتے ہیں اور وہ چیخ مار کے نیند سے چونک پڑتا ہے۔ اکثر اوقات قبض کی شکایت ہوتی ہے درد سر، غشیان ہوتی ہی۔ قریب کے عزیزوں سے اکثر اوقات نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ نفرت اسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر پہلے ان سے محبت تھی۔ مثلاً متاہل اور صاحب اولاد شخص کو اپنے بی بی بچوں سے سخت نفرت ہو جاتی ہے بعض اوقات طبیعت کو میلان خودکشی یا قتل کی طرف ہوتا ہے۔ غرض اُس شخص کی عادات اور مزاج میں یا تو بتدریج یا دفعتاً ایک تغیر پیدا ہو جاتا ہے جو اُس کی اصلی طبیعت کے بالکل برخلاف ہے۔ ایسی صورتیں بھی موجود ہیں کہ مجلس وعظ میں بیٹھے بیٹھے اشخاص کو دفعتاً جنون ہو گیا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں مرض کی ابتدا آہستہ ہو چکی تھی۔ مثلاً کسی گناہ عظیم یا بدفعلیوں کے تصور نے طبیعت کو بالکل مایل کر دیا تھا جس کی وجہ سے کل مادۂ جنون دفعتاً ہیجان میں آ گیا۔ بعض اشخاص بیداری کی حالت میں بھی خواب دیکھا کرتے ہیں۔ اور اشیائے خارجی کا اُنہیں مطلق ... نہیں ہوتا۔

سائنس کا جاننے والا یہ معلوم کرلے گا کہ قانون قدرت جس کی پابندی ہم پر لازم ہے نہ صرف معین ہے بلکہ نیک ہے اُسی قانون قدرت کی رو سے ہر شئے زیادہ کمال اور بہبودی کی طرف رجوع ہے۔ اسی سائنس کی بدولت انسان کو اپنی اصلی حالت اور دنیا سے اسکا تعلق معلوم ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ اُس کی عقل کی حد کہاں تک ہے اور کہاں پر اُس کی عقل کی رسائی نہیں ہے۔ پس اگر سائنس کا جاننے والا انسانی روایتوں اور رواجوں کی طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھے تو کچھ عجب نہیں ہے کیوں کہ وہ حقیقت کی طرف نہایت عجز وانکسار سے دیکھتا ہے اس لئے وہ شخص جو سائنس کا صدق دل سے پابند ہے نہ کہ وہ جو محض ایک شئے سے دوسری شئے کی دوری کو معلوم کرے یا مرکبات کو علیحدہ کرے یا اقسام کو الگ الگ کرکے دکھائے بلکہ وہ جو چھوٹی چھوٹی باتوں سے اصلی حقیقت جس کا یہ کائنات۔ زندگی اور خیال ظہور ہیں انسان کی عقل سے کس قدر دور ہے۔''

ہم نے اپنے گذشتہ صفحوں میں ڈاکٹران فرنگ اور ملحدان یورپ کے جو قول نقل کئے تھے اُن کا اس اقوال بالا سے کچھ جواب ہو گیا ہو گا مگر اصل بات یہ ہے کہ نفس سائنس نے لوگوں کی طبایع پر دو قسم کا اثر ڈالا ہے۔ جن کی روحانی قوت نے بلند پروازی کی وہ بہت ہی گہرائی میں پہنچ گئے اور وہاں سوائے سر بسجود ہونے کے انہیں کچھ نہ دکھائی دیا مگر جو لوگ روحانی قابلیت نہیں رکھتے وہ سمجھ گئے کہ اتنی سی تحقیق پر ہمیں کائنات کے اصلی راز کا پتہ لگ گیا اب آگے قدم اٹھانے کی جگہ باقی نہیں رہی ایسے لوگ ملحد بنجاتے ہیں اور ان کا خاتمہ انتہا درجہ ناکامی اور مایوسی پر ہوتا ہے۔ قدرت کے عجیب وغریب راز یہ سچ ہے کہ کھلتے جاتے ہیں مگر اس کا تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب کوئی راز تحقیق کے لئے نہیں رہا۔ روح جس کی اوپر سے بحث چلی آرہی ہے کائنات اور تمام قدرت باری کا ایک بہت بڑا راز ہے جس کے حل ہونے کے لئے زمانہ دراز کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی شئے سے جس کی کچھ کچھ اوپری صفتیں معلوم ہوتی چلی ہیں اپنی لاعلمی سے محض انکار کر دینا اپنے کو ہمیشہ کے لئے جاہل رکھنا ہے۔ یہ اعتراض روح کی نسبت ٹھیک نہیں ہو سکتا کہ روح ایک خیالی امر ہے جس کی جستجو کرنی جہالت اور حماقت پر دال ہو۔

انہیں علامات ابتدائی کے ساتھ صد درجہ کی کاہلی بھی ہوتی ہے اور خود مریض اور اُس کے پاس رہنے والوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اکثر اوقات حرارت غریزی بڑھ جاتی ہے اور بعض صورتوں میں قوت تکلم میں فرق آجاتا ہے۔ بعض اوقات بچوں کا سا مزاج ہو جاتا ہے اور کبھی دفعتاً طبیعت میں حرج پیدا ہو جاتا ہے یہ علامات بالکل آہستہ آہستہ نمودار ہوتے ہیں۔ اور اکثر اوقات جب تک مرض اچھی طرح شروع ہو لے محسوس نہیں ہوتے۔ ایک آدھ اندرونی عضو میں بھی مرض پیدا ہو جاتا ہے اور جنون کی ابتدا میں اکثر اوقات جگر ماؤف ہو جاتا ہے۔

جنون اور کجروی طبیعت میں فرق کرنا ضرور ہے کجروی ایک طبیعی چیز ہے اور اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ اس کے کجرو شخص اپنے طبیعی خاصہ کو جانتا اور سمجھتا ہے برخلاف اس کے مجنون اپنے جنون کا معترف نہیں ہوتا۔ اکثر عدالتوں میں ان دونوں میں فرق پوچھا جاتا ہے اور یہ فرق ہرگز آسان نہیں ہے کجرو شخص اپنی پیدائش سے مجبور رہا ہے اور اُس کے مزاج میں کچھ تغیر محسوس نہیں ہوتا۔ اگر وہ بگڑا ہے تو ہمیشہ سے بے پروا رہا ہے اور کوشش کرنے سے اپنے کو مثل اوروں کے بنا سکتا ہے لیکن مجنون بالکل معذور ہے اس میں وہ قوت

فاعلہ

روح کے کرشمے اور افعال جب ہم اپنی آنکھوں سے روزمرہ دیکھتے ہیں اور اُنہیں محسوس کرتے ہیں پھر ہم کیوں کر اُنہیں خیالی کہسکتے ہیں۔ ہر متنفس میں روح کی ایک نئی صورت دکھائی دیتی ہے اور ہر شخص نئی طرح سے روح سے جلب منفعت کرتا ہے جس طرح کہ آفتاب کی روشنی سے نباتات۔ جمادات۔ حیوانات علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ایک آفتاب ایک روشنی اور ایک ہی قسم کی شعاعیں مگران کے اثرات ہر ذرّہ ذرّہ پر علیحدہ نمودار ہوتے ہیں۔ یہی روح کی کیفیت ہے کہ اُس کا منبع ایک اثر ایک مگر مختلف صورتوں میں جلوہ دیتا ہے۔ اور سر دست اس سے انکار کرنا محال ہے۔ خدا کی نعمت سب کے لئے عام ہے خصوصیت اس میں کسی کی بھی نہیں ہے۔ ایک پسنہاری کا بچہ بہت بڑا فاضل اور امیر بن سکتا ہے۔ جبکہ اُس کے مقابلہ میں ایک فاضل کا لڑکا جاہل اور ایک بادشاہ کا لڑکا غریب ہو سکتا ہے ہمارے اسلامی فلاسفر سعدی علیہ الرحمۃ نے تو نبوت کو بھی ایک حد تک اکتسابی امر مانا ہے چنانچہ اُن کا یہ شعر زبان زد عوام وخواص ہے۔

پسر نوح با بداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

اس سے یہی مطلب نکلسکتا ہے کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بُری صحبت میں نہ بیٹھتا تو اُسے ضرور خاندانی نبوت سے حصہ ملتا۔ سوائے اس کے اس شعر کی اور کچھ توضیح نہیں ہوسکتی۔ خیر ہم یہ نہیں کہتے کہ نبوت اکتسابی امر ہے یا نہیں ہے لیکن یہ ہم ضرور کہیں گے کہ روحانی قابلیتوں کے ایک بڑے حصہ کا دارومدار محض محنت۔ شوق اور اچھی صحبت پر موقوف ہے۔ جس طرح ریاضت نفس سے روحانی قوت بڑھتی ہے اسیطرح کثرت سے جسم کی حالت میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہم روحانی قوت کا نام قوائے اخلاقی اور تمدّنی رکھ لیں اور روح کہکے نہ پکاریں بلکہ روح کے نام پر ضحکہ اُڑائیں۔ مگر غور بیں نظروں کے آگے قوائے اخلاقی اور عقلی یا تمدّنی یا قوائے روحانیہ میں اتنا فرق نہیں ہے جس طرح کہ قوائے اخلاقی محسوس نہیں ہوتے اسی طرح قوائے روحانی کی حس نہیں ہوسکتی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ روحانی سزا جزا کیا ہے۔ روح جسکا فیضان دنیا میں ہم پر ہورہا ہے آیا آخرت میں بھی ہوگا اور آیا اسی فیضان کو آخرت میں جزا اور سزا کی راحت اور تکلیف دی جائے گی یا کچھ اور صورت پیدا ہوگی اس کا جواب دینا ایک سخت مشکل کام ہے اور اُس سے زیادہ ناظر تفسیر کا اطمینان کرنا ہے۔ یہ بحث اگرچہ ہماری قدرت سے باہر ہے مگر پھر بھی ہم کچھ نہ کچھ اس کی بابت ضرور لکھتے ہیں تاکہ ہمارے اور دوستوں کو بھی لکھنے کا موقع ملے اور اُن میں ایسے لطیف مضامین پر بحث کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ یہ تو ذرا بھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ روح پر کوئی تکلیف ہوگی یا اُسے کسی نئی قسم کی راحت پہنچانے کی صحبت بحالی جائے گی۔ بلکہ روحانی تکلیف سے غرض یہ ہے کہ فیضان باری تعالےٰ جو دنیا میں ایک محدود مدّت

جو صحت دماغ کی علامت ہے سلب ہو جاتی ہے۔ ابتدائی جنون کی علامات میں بڑی علامت مزاج اور طبیعت میں اور افعال میں ایسے تغیر کا پیدا ہونا ہے جو فوراً محسوس ہوتا ہے۔ جو کچھ شخص میں عیب نہیں معلوم ہوتا لیکن مجنون میں مرض کی خبر دیتا ہے۔ درست تشخیص مرض کے لئے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کی عادات اور افعال کا نہایت باریکی اور احتیاط کے ساتھ اس کی حالت مرض کی عادات اور افعال سے مقابلہ کیا جائے۔

تک انسان پر نازل ہو چکا ہو اور روح القدس جو زمانہ دراز تک اس کے ساتھ رہ چکی ہو گی قیامت کے دن وہ بداعمال انسان سے علیحدہ کر لی جائے گی اور حکم باری تعالےٰ نہیں ہو گا کہ ایسے بداعمال شخص پر پھر نزول کرو جس نے دنیا میں نہ اُس کی قدر کی اور نہ اُن سے برکت لی۔ ادھر گناہوں اور بداعمالیوں کی تاریکی اور اُدھر بخشش کا نور یہ دونوں ایک سکتہ کے عالم میں ہوں گے اور چونکہ ایک کو دوسرے سے مغایرت ہو گی اس لئے اُن کی دوری لازمی ہو جائے گی اور جب دوری لازمی ہو گئی تو بداعمال شخص اور نور بخشش یا روح کے لئے ضرور ایک کشش پیدا ہوتی بس اسی کشش یا سکتہ یا دوری کو عذاب روح کہتے ہیں۔ یہ در اصل شاعرانہ خیال نہیں ہے جسے معرفت آلہیہ سے کچھ بھی حصہ ملا ہے وہ ان باتوں کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ناسمجھ اور کم مذاق معذور ہے وہ چاہے جو کچھ کہے اور اپنی رائے قایم کرے۔ ہمارے اس بیان بالا کی کچھ کچھ جھلکی عرفی شیرازی کے اس شعر میں معلوم ہوتی ہے۔

آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ شد گرہ   برزباں جبرائیل از شرم عصیاں ہائے من

کوئی شک نہیں کہ انسان کی بداعمالی جبکہ اُسے عقل وحواس کا سالم حصہ ملا ہو اکثر اوقات خزانہ رحمت پر قفل لگا دیتی ہے۔ دنیا میں اس کی مثال پوری سمجھ میں آسکتی ہے۔ جابجا دارالعلوم۔ مدارس اور مکتب قایم ہیں معلم

ایک خیال یہ بھی ہے کہ جب تک مجنون بکنے اور افعال ناشائستہ اور وحشیانہ کا مرتکب ہونے لگے وہ مجنون ہی نہیں ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جنون کی اتنی کثرت سے اقسام و مدارج ہیں کہ ابتدائی علامات کو معلوم اور تشخیص کرنا ایک ایسے طبیب کا کام ہے جس کو مجانین کے حالات کا پورا تجربہ حاصل ہے قبل اس کے کہ طبیب کسی مجنون کا امتحان شروع کرے اُسے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کے تمام واقعات سے اس کے مزاج عقل اور ذہن کی کیفیت۔ اس کی عادات اطوار اور افعال سے پوری واقفیت حاصل کر لے۔

اسباب جنون

اسباب جنون کی دو قسمیں ہیں۔ روحانی جسمانی۔ روحانی اسباب یہ ہیں۔ غم اور خانگی مصائب۔ عزیزوں کا مرجانا (۴ء۷ فیصدی)، زمانہ کی ناموافقت علے الخصوص روپیہ کی تنگی (۳ء۰ فیصدی)، فکر وتردد۔ کام کی کثرت۔ کاروبار کی مصیبتیں (۴ء۴ فیصدی)، مذہبی جوش اور فکر۔ عشق کے معاملات میں ناکامیابی۔ عورت کی عزت کا جانا۔ خوف اور اعصابی صدمہ۔ بدچلنی اور بدافعالی۔ اسباب سیاسی کی وجہ سے روحانی تکلیفیں اسباب جسمانی یہ ہیں الکحل اور مسکرات کا کثرت استعمال (۲ء۸ ا فیصدی) کسی وقت میں جنوں کا ہونا (۶ء۱۴ فیصدی) دیگر امراض جسمانی کی وجہ سے (۹ء۰ ا فیصدی) اتفاقی چوٹیں (۳ء۵ فیصدی) امراض شہوانی۔ امراض رحم وحلمت ورضاعت اور اور دیگر یعنی بعضہ گاہ کے متعلق امراض۔ امراض سر ونخاع۔ مرگی۔ تپ اور امراض حمادی بعض قسم کے پیدائشی نقصانات۔ امراض متعلق بلوغ وکبرسن۔ فاقہ کشی۔ ۳۳ فیصدی صورتوں میں کوئی خاص سبب نہیں پایا گیا۔ بہت سی صورتوں میں سابق سے رجحان طبیعت جنون کی طرف پایا گیا اور یہ رجحان کسی محرک سبب کی وجہ سے مستبدل بمرض ہو گیا۔ زیادہ تر صورتوں میں تو اسباب مندرجہ بالا میں سے ایک ہی سبب ہوا کرتا ہے لیکن بعض صورتوں میں دو یا زیادہ اسباب شامل ہو جاتے ہیں۔

کی بھی کافی تعداد موجود ہے اس پر بھی اگر کوئی محنت شاقہ اُٹھا کے تعلیم حاصل نہ کرے نہ تو دارالعلوم کا قصور ہے نہ مدارس
کی خطا ہے اور نہ معلموں کی کوئی فروگذاشت ہے۔ اپنی ہی خطا ہے اور اپنا ہی گناہ ہے کیوں نہیں محنت کی اور کیوں
نہیں تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح جب ہم نے تمام عمر بداعمالی میں بسر کی اور کبھی خدا کی برکتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے
کے قابل اپنے کو نہ بنایا تو خود بخود ہم پر لازمی طور پر اُس کی بخششوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور اُسوقت اُسکی عام رحمتوں پر کوئی الزام
نہ لگا سکیں گے۔

سقراط کہتا ہے "جن لوگوں نے حقیقت کو دریافت کر کے اپنے کو پاک کر لیا وہ ہمیشہ اس مکان سے بھی زیادہ خوش مکان
میں کہ جس کو بیان کرنا ناممکن ہے رہیں گے۔ وہ شخص جو اپنی روح کی بقا چاہتا ہے دنیا کی لذتوں کو اپنی اصلی حالت کے مقابلہ میں
غیر سمجھ کے اعتدال وانصاف اور استقلال و آزادی اور راستی کا زیور جو اُس کی روح کا اصلی زیور ہے پہنکر اُسوقت کے لئے
تیار رہے کہ جب اُسے یہاں سے جانا پڑے گا"

افلاطوں کا قول ہے۔ کہ "یہ دنیا مثل ایک قیدخانہ کے ہے جس میں انسان ایسا قید ہے کہ نہ وہ آگے دیکھ سکتا ہے
نہ پیچھے صرف جو چیز سامنے ہے اُس کو دیکھتا ہے اور اسی کو سچا سمجھتا ہے"

حکیم سنیکا کہتا ہے "خدا تمہارے پاس ہے۔ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے اندر ہے۔ ایک پاک روح تمہارے اندر موجود ہے
وہ ہمارے نیک و بد کو دیکھتی ہے اور وہی ہماری محافظ ہے"

اسپکٹیٹس کہتا ہے "دنیا میں کوئی چیز از خود تکلیف دہ یا آرام دہ نہیں ہے بلکہ ہمارا خیال جو اُسکی نسبت ہے وہی تکلیف یا آرام دیتا ہے"

مارکس اریلیس (روم کا ایک بہت بڑا بادشاہ) کہتا ہے "اگرچہ تو نے اپنے کو اپنی قدرتی وحدانیت سے علیحدہ کر لیا ہے تاہم اب
بھی تجھ میں اُس میں ملجانے کی طاقت ہے۔ غور کر اُس نعمت پر جو خدا نے تجھے عطا کی ہے۔ کیوں کہ اُس نے تجھے یہ اختیار دیا ہے
کہ مفارقت کے بعد بھی اپنی اصلی جگہ کو عود کر کے اُس تک پہنچ سکے"

سینٹ آگسٹین کا قول ہے کہ "تمام کائنات کا وجود ہے اور نہیں بھی ہے اُس کا جو کچھ وجود ہے وہ خدا سے ہے اور اسوجہ
سے کہ اُس کو مثل ذات پاک کے قیام نہیں ہے اُسکا کچھ وجود نہیں"

اسپینوزہ کہتا ہے "قانون باری کی ہدایت اخیر یہی ہے کہ خدا ہی سے محبت کریں نہ کسی تکلیف یا سزا کے خوف سے نہ کسی اور
کی رغبت سے کہ اس سے ہم کو خوشی حاصل ہو بلکہ یہ جان کے کہ خدا سے محبت کرنا ہی ہمارے تمام افعال کا آخری نتیجہ ہے عقل
ہی سے دل کی تاریکی دور ہوتی ہے اور حیات ابدی سے یہ مراد ہے کہ وقت اور مقام سے علیحدہ ہو کے انسان اپنے میں اور تمام
کائنات میں بقا ہی دیکھے"

گیٹی (جرمن کا بہت بڑا شاعر) کہتا ہے کہ "اُس خدا کو جسپر یقین ہے الفاظ سے کون ظاہر کر سکتا ہے۔ میری زبان میں اُس کے اظہار
کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے"

فکٹی (جرمنی مسلم فلسفی) کہتا ہے "ہماری تمام زندگی اُسکی زندگی ہے ہمکو بقا ہے کیونکہ اُسکو بقا ہے۔ وہی ہماری زندگی کا منبع ہے۔ اے خدا تو ہی
ایک ہے۔ تو وہی ہے جو میں ہوں۔ وہاں پر نہ عقل کی رسائی ہے نہ زبان کو طاقت ہے"

سوپن ہار (ایک بڑا فلسفی) کہتا ہی "ہماری جہالت ہی ہمکو اصلیت سے دور رکھتی ہی۔ جب ہماری جہالت دور ہو جائیگی تو ہم اس دنیا کی ظاہری چیزوں کو اصلی نہ سمجھیں گے۔"

کارلائل کہتا ہے "تو اس موجودہ حالت میں قید ہی اور اس بادشاہت کے لئے روتا ہی جہاں تجھے حکومت ملیگی۔ پس یہ بات سچ جان جس کو تو تلاش کرتا ہی وہ تیرے ہی اندر ہی۔"

یہ اقوال ہمنے اس لئے نقل کئے ہیں تاکہ لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکما اور فلسفی ابتد اسے خدا اور روح کے قایل ہیں اگر موجودہ زمانہ کے چند ملاحدہ نے انکار کر دیا تو انکا انکار کرنا کچھ قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

جو کچھ ہمیں روح کی بابت لکھنا تھا ہم لکھ چکے۔ ہم نہیں کہسکتے کہ ہماری یہ تحریر کہانتک ہمارے ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکے گی۔

نواں باب

مسئلہ تقدیر

قرآن مجید نے اگرچہ مسئلہ تقدیر کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیوں اختلاف عظیم پڑا اور کیوں جبریہ اور قدریہ گروہ قایم ہوئے اور کس بنا پر صدہا کتابیں اس مسئلہ کے حل کرنے میں سیاہ کی گئیں اس کی وجہ سوا اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ قدیم سے یہ مسئلہ تمام دنیا کی اقوام میں قریب قریب مسلم گنا جاتا تھا اور سب سے زیادہ اس کا زور ایران میں بہت تھا۔ آب وہوا اور خون کے اثر نے نومسلموں کا خیال اس طرف رجوع کیا کہ وہ اپنے مذاق اور طرز معاشرت اور قدیم تمدن کی تائید جسے وہ اب تک بہت عزیز رکھتے تھے قرآن مجید سے ڈھونڈیں اور جہاں تک ممکن ہو ایک حد تک وہ اپنے تمدن کو قایم رکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ تمدن کا اثر بعض اوقات مذہبی فرائض پر غالب آجاتا ہے اور اخیر رسومات قدیمہ بمنزلہ ایک قانون اور مذہب کے تسلیم کی جاتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فاتحین مجبوراً اپنے جدید قوانین کی وضع مفتوحہ ممالک کی رسوم کی بنیاد پر کرتے ہیں اور بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

ہندوؤں میں تقدیر کا مسئلہ اس قدر رائج تھا کہ وہ بغیر تقدیر کے بظاہر ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہم تقدیر کی زنجیروں میں بند ہے ہیں اور اس سے ہمیں دم بھر مفر نہیں۔ روما الکبریٰ جس نے ایک زمانہ میں بہت کچھ عروج حاصل کیا تھا اس مہلک مرض سے بچا نہ تھا اور اس اعتقاد تقدیر میں یہانتک غلو ہوگیا تھا کہ کسی منجم نے تقدیر کا حال بتایا اور یہ کہدیا کہ یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ تیرا بچنا محالات سے ہے پھر وہ کمبخت اُس آنے والی موعودہ موت کا ہی رستہ نہ دیکھتا تھا اور قبل از وقت طعمہ اجل ہو جاتا تھا۔ بہت سی جانیں اسی تقدیر کے عقیدہ کی نذر ہوئیں۔ بہت سے گھر اسی تقدیر نے برباد کئے یہاں تک کہ قوموں کی قوموں کو ذلیل کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور وہ غضب برپا کیا کہ الحفیظ للہ۔ ہندوستان میں بھی یہ آفت نازل تھی اور بغیر جوتشی کے مرتبہ جنم پترے کے کوئی شخص کسی قسم کا جدید کام کرنا اپنی ہلاکت کا باعث جانتا تھا۔ اُنہیں یقین تھا جس برہمن نے جنم پترہ بنایا ہے اُسے غیب کا حال پورا معلوم ہے اور جو جو کچھ مصائب اور راحتیں اُس نے اُن کے لئے جمع کی ہیں وہ ضرور ہو کے رہیں گی اور کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتیں۔ مثلاً اس نے بتایا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں جا کے ایک مرض لاحق ہوگا اور اس سے جانبری مشکل ہے خیال ہو سکتا ہے کہ برہمن نے قبل از وقت اُسے مار ڈالا اور ہر وقت اُس پر یہ خوف طاری رہنے لگا کہ وقت موعود ٹلنے والا نہیں ہے اور ضرور بتایا ہوا مرض آکے گھیرے گا۔ اس خوف سے قوائے میں پہلے ہی سے ضمحلال شروع ہونے لگا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ موعود مرض نے آدبایا اور اخیر مظلوم جان برہمن کی پیشین گوئی کی نذر ہوگئی۔ غنیم نے ملک پر حملہ کیا لیکن غیب داں برہمن رائے نہیں دیتے کہ فلاں وقت تک مہاراجہ افواج کی کمان کرنے اپنے محل سے نکلیں اور وہاں ملک ہاتھ سے نکل گیا اور مہاراجہ برہمن ہی کی پیشین گوئی پر کار بند ہوگئے۔

نجوم کا علم جو تمدن نوع انسانی کے لئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے خاص مسئلہ تقدیر کو جلا دینے کیلئے ایجاد کیا گیا تھا جس نے اتنی ترقی حاصل کی کہ اخیر دنیا کی کل قوموں پر مشرق و مغرب چھا گیا اور ہر شخص نے اپنے کو نجوم یا آئندہ قسمت کی پابندی میں محدود سمجھ کے اُسی کو اپنی فلاح و بربادی کے کل اختیارات سپرد کر دیئے۔ نجوم کے مفروضہ نظام کا منکر کافر گنا جاتا تھا اور ایسے شخص کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی تھی۔ یورپ جو تمدن و تہذیب کے لحاظ سے آج دنیا کی اقوام مختلفہ کا سرتاج بنا ہوا ہے ایک زمانہ میں صدیوں تک اسی مخمصہ میں گرفتار رہ چکا ہے اور اس نے بھی اُس شخص کے لئے سزائے موت تجویز کر رکھی تھی جو منکر نجوم یا بالفاظ دیگر جو منکر تقدیر ہو۔

علم ہیئت کے لطیف اور ضروری علم کو مفروضہ مسائل نجوم سے پامال کیا جاتا تھا اور اپنی نو ایجادی پر بہت بڑا فخر ہوتا تھا۔ ایک شخص کارڈینل دیلی جسے علم ہیئت میں پورا ملکہ تھا وہ کمبخت بھی نجوم کی دستبرد سے نہیں بچا تھا۔ اس کی وفات ۱۴۲۵ء میں ہوئی اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی جنم پتری تیار کی تھی اور طوفان نوح کی تقویم کی ترتیب کر رہا تھا کہ اجل نے آدبوچا ورنہ وہ ضرور اپنا کام کر کے رہتا۔ تعجب یہ ہے کہ عوام الناس بے لکھے پڑھے ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مسلّم فاضل اس لاعلاج مرض میں مبتلا تھے چنانچہ سرتاج العلما کیپلر جو علم ہیئت میں اتنا بڑا کامل تھا جس نے بطلیموسی نظام شمسی سے انکار اور کرۂ زمین کو مثل دیگر کروں کے فضا میں ہونا اول اول نکالا ہے وہ بھی نجوم کے علم کی صحت سے انکار نہ کر سکا جب علما کی یہ کیفیت تھی تو جہلا کس گنتی میں ہیں اور اُن کے خیالات پر کیا رد و قدح ہو سکتی ہے۔ ایشیا کی کل قومیں اور یورپ کے کل فرقے اسی بلائے بے درماں میں مبتلا تھے اور کسی کو بھی اس سے مفر نہ تھا۔ تقدیر کی چھری کہ ہر کس و ناکس پر بہت بیدردی اور تیزی سے صدیوں چلا کی اور چالاک پیشواؤں نے اپنے معتقدوں کو یقین دلوا دیا تھا کہ تمہاری تقدیر میں روز ازل سے یہ لکھا ہوا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو اور ہماری غلامی کے حلقہ سے ایک دم جدا نہو۔ بادشاہ سے بیان کیا جاتا تھا کہ تیرا ولیعہد بیٹا تجھے قتل کرے گا اور یقین دیا جاتا تھا کہ یہ امر تقدیر ہو چکا ہے ایسا ضرور ہو کے رہے گا وہ بیچارہ کیا تو خودکشی کر لیتا تھا۔ یا اپنے بیخبر بیٹے کو مار ڈالتا تھا اور یا خود خوف کے مارے کہیں روپوش ہو جاتا تھا۔

نجوم کی ایجاد صرف اسی غرض سے ہوئی تھی کہ اول تو مسئلہ تقدیر کو جلا ہو دوسرے ہر شخص کی تقدیر پر نجبین کا پورا پورا قبضہ ہو جائے۔ یہ بیہودہ خیال کہ یہی تقدیریں بلاشک لکھا ہوا ہے جو نجومی بتا رہا ہے کس قدر مہلک ہے۔ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا ایک مدت تک خوب دورہ رہا آخر جب یونانی اپنے ملک کی محدود چار دیواری سے باہر نکلے اور سکندر اعظم کے ساتھ انہوں نے دنیا کے بہت بڑے حصہ کا گشت لگایا تو اب اُن کی آنکھیں کھلیں اور اپنے تمدن میں واپس آ کے ایک جدت پیدا کرنی چاہی۔ بس چاروں طرف ایک غضب برپا ہو گیا اور اندھا دھند لوگ مذہب باطل کی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور اب زبانی اور تحریری جنگ شروع ہوئی۔ کفر کے فتوے جاری ہونے لگے اور دہریا دہرنی روشنی والوں کو مذہب سے دھکے دے دے کے نکالا گیا جب اس سے بھی کام نہ چلا تو تلوار کی نوبت پہنچی اور علم کے حامی بیدردی سے قتل ہونے شروع ہوئے قتل سے بھی کچھ نہ ہوا اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کو کامل شکست ملی اور

میدان علم کے ہاتھ رہا۔ بایں ہمہ مخلوق خدا کی اس سے کچھ اصلاح نہیں ہوئی یونانیوں کی معاشرت میں نمایاں ترقی کچھ بھی نہیں ہوئی بتعدد فلسفیوں کا ہونا اور طلبہ کے ایک گروہ کو نظری فلسفہ کی تعلیم دینا ایک کثیر تعداد قوم کے لئے کچھ بھی فائدہ بخش نہ تھا۔ تقدیر کا مسئلہ اُسی شد و مد سے جاری تھا اور بڑے بڑے حکما اُسے جزو ایمان جانتے تھے۔ تقدیر اور خدا پرستی سے جس قدر مغایرت ہے وہ دنیا کی اور کسی چیز میں نہ ہو گی لیکن اُس زمانہ میں تقدیر اور خدا پرستی کو لازم وملزوم سمجھ لیا تھا اور جانتے تھے کہ ایک کے بغیر دوسرے کو چارہ نہیں۔

جب اسلام کی توحید کی صدائیں مکہ معظمہ سے بلند ہوئی ہیں تمام دنیا کی قوموں کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی اور جس کی مفصل کیفیت ہم نے اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں درج کر دی ہے۔ یہاں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ تقدیر پرستی کا ہی زور نہ تھا بلکہ مخلوق خدا نے اپنی تقدیر کی کنجیاں پتھر کے بتوں۔ درختوں۔ دریاؤں۔ فرضی شیطانوں۔ روحوں۔ جانوروں ستاروں۔ سیاروں کے ہاتھوں میں دیدی تھیں انہیں وہ اپنا مشکل کشا جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کل افعال و اعمال و کردار کا اختیار بالکل ان ہی کو ہے روم تہ الکبریٰ۔ سلطنت مشرقی۔ یونان۔ ایران۔ ہندوستان غرض کل اسی بلائے بے درمان میں پھنسے ہوئے تھے اور در حقیقت ایسی صورت میں یہ بہت ہی مشکل تھا کہ ایک نفس دنیا بھر کی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے اور اعلان دے کہ خدا نے مجھے عالم کی رحمت کیا ہے۔ عرب جہاں وہ پیدا ہوا جہاں اُس نے پرورش پائی جہاں وہ جوان ہوا سب سے زبون ترین حالت میں تھا اور بظاہر یہ اُمید ممکن نہ تھی کہ یہ آتش مزاج لوگ راہ راست پر آئیں گے وہ قومیں جو صدیوں سے بتوں کے پاس حاجتیں لیجانے کی عادی تھیں اور جن کے خون میں یہ فاسد خیالات آمیز ہو گئے تھے کہ ناپاک روحوں۔ خیالی شیطانوں اور چاند و سورج کے ہاتھ میں کائنات کی باگ ہے اُنہیں نہایت دلیری سے جتایا گیا کہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتی جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ ادھر اُنہیں توحید کا سبق پڑھایا اور اُدھر اپنی قوت بازو پر زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی۔ حضور انور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح عمری بغور پڑھنے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ تقدیر کا اُس زمانہ میں مفہوم ہی اور تھا اور موجودہ زمانہ میں جو کچھ خیال کر لیا گیا ہے چھ سات صدی تک تو اسلام میں اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ادھر راحت پسند ایرانی مسلمان ہوئے اور اُنہوں نے محض اپنے مذاق کے مطابق نئے نئے مسائل نکالے اور ایسی ایسی ہیئت پیدا کی جس کا وجود اس سے پہلے اسلام میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ چونکہ ایسے مسائل آرام طلب مشرقی صابع کی جان تھے وہ آنکھیں بند کر کے اُن ہی پر پڑ لیں اور اخیر یہ اختراعی مسائل جن سے فی نفسہ اسلام کو کچھ سروکار نہ تھا مسلمانوں کی مذہبی معاشرت کے جزو اعظم بن گئے۔ تقدیر کے خیالات کو قرآن مجید نے جسقدر شد و مد سے رد کیا ہے اُس سے زیادہ اس مسئلہ تقدیر کی اشاعت مسلمانوں میں ہو گئی۔ ہندوستان میں اگرچہ وہ بطور فاتح کے داخل ہوئے تھے لیکن یہاں کی تعیش خیز آب وہوا نے مسئلہ تقدیر پر اور بھی ملمع چڑھا کے اُنہیں مفتوح کر لیا جس کا اثر ابھی تک اُسی شد و مد سے تمام اسلامی دنیا اور بالخصوص ہندوستان میں موجود ہے اور اخیر یہاں تک اس مسئلہ میں غلو ہو گیا ہے کہ اس کا منکر کافر گنا جاتا ہے۔ فوراً علمائے وقت کے فتوے جاری ہو جاتے ہیں اور پھر اُس بیچارہ کو جان کے لینے کو دینے پڑ جاتے ہیں۔ چونکہ ہمیں ایسے فتووں اور علما کی مطلق پروا نہیں ہے اور

ہمارا پورا بھروسہ خداوند کریم پر ہے اس لئے ہم نے بڑی دلیری سے میدان میں قدم رکھا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس مسئلہ کو ایک حد تک قرآن مجید سے حل کریں۔ ہمارا اسلام وہی اسلام ہے جس کی نسبت فرمایا گیا ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" پھر ہمیں کسی کا بھی باک نہ ہونا چاہئے اور جو کچھ قرآن مجید سے ثابت ہو اُسے بہت دلیری سے بیان کرنا چاہئے ایک فتوی ہی نہیں ہزار فتوے شائع ہوں۔ اگر ہزار ذلتوں کا سامنا ہو لاکھ کچھ مخالفت ہو اور دنیا چاہے جو کچھ کہے مگر اس فخر کے آگے جو نبی کے غلام بننے سے حاصل ہوا ہے سب رَد ہیں۔

یہ فخر کم نہیں کہ نبی کا غلام ہوں   مانا کہ جاہ و حشمت و دولت نہیں مجھے

مسئلہ جبر و اختیار یا بین الجبر والاختیار اگرچہ ضروریات دینی میں سے نہیں ہے پھر بھی اس بحث میں بڑی بڑی موشگافیاں کی گئی ہیں اور اس کے سلجھانے میں بہت کچھ کوشش ہوئی ہے جس سے تین فریق ہو گئے ایک تو وہ ہی جو کہتا ہے کہ انسان مجبور ہے دوسرا وہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان مختار ہے تیسرا وہ ہے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ انسان مجبور ہے اور مختار بھی ہے۔ یعنی دونوں کے بین بین ہے۔ کسی فریق کی نسبت مذہب کی طرف سے سوء ظنی نہیں ہو سکتی۔ تینوں فریق ہی مسلمان ہیں اور اُن کے اسلام کی طرف کسی قسم کا شبہ کرنا سخت خیرچشمی اور ایک عظیم الشان اسلامی گروہ کے ساتھ سوء ادبی ہے۔ ہمارے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے اس کا بہت اچھا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ آپ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں "وحکی ان الامام ابا القاسم الانصاری سئل عن تکفیر المعتزلۃ فی ھذہ المسئلۃ فقال لا لانھم نزھوہ فسئل اھل السنۃ فقال لا لانھم عظموہ والمعنی ان کل الفریقین ما طلب الا اثبات جلال اللہ وعلو کبریائہ الا ان اھل السنۃ وقع نظرھم علی العظمۃ فقالوا ینبغی ان یکون ھو الموجد ولا موجد سواہ والمعتزلۃ وقع نظرھم علی الحکمۃ فقالوا لا یلیق بجلال حضرتہ ھذہ القبائح" یعنی حکایت کی گئی ہے کہ امام ابو القاسم انصاری سے سوال کیا گیا آیا معتزلہ کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ کیوں کہ معتزلہ نے اللہ تعالے کی تنزیہ کی ہے۔ پھر آپ سے اہل سنت کی تکفیر کی بابت پوچھا گیا آپ نے جواب دیا نہیں کیوں کہ اہل سنت نے اللہ تعالے کی تعظیم کی ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہر دو فریق نے اللہ تعالے کے جلال اور بزرگی کے اثبات کے سوا اور کچھ نہیں چاہا ہے مگر اہل سنت نے اللہ تعالی کی عظمت پر لحاظ کیا۔ پس اُن کا قول ہے کہ اسی کو موجد ہونا سزاوار ہے اور بجز اس کے کوئی موجد نہیں ہے۔ معتزلہ نے حکمت پر خیال کیا اور کہا کہ یہ ناشائستہ امور اللہ تعالی کے جلال کے لائق نہیں ہیں"۔ ہمارے ائمہ دین کی یہ رائے ہے جس پر جتنا فخر کریں بجا ہے واے برحال زمانہ کہ معتزلہ کا ہم رائے ہونا تو کجا اگر خفیف سی بھی اُن کی تائید کسی مضمون میں ہو جائے تو فتوی کفر فوراً حاضر ہے۔

فقہا نے اس مسئلہ میں خوب بحث کی ہے اور اسے ایک حد تک چھان کے بین الجبر والاختیار کا مذہب قرار دیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے قرآن مجید کی اُن آیات سے استدلال کیا ہے جو ان کے مذہب پر ظاہر الدلالۃ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ آیات مفسرین کر تاویل کی متحمل نہ ہوں فقہا کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات سے ایسے امور پر جن پر وہ ظاہر الدلالۃ ہوں بلا شک و شبہ استدلال ہو سکتا ہے اور اس قسم کے استدلال کی صحت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں اور جب تک کہ کوئی دلیل قطعی

اس پر نہ ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں تو اُن کے ظاہری معنی پر عمل واجب ہے بعض آیات قرآنیہ میں خداوند تعالے نے واسطوں کا ذکر فرما کے حدوث سبب کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے افرأیتم ماتحرثون ء انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون افرأیتم النار التی تورون ءانتم انشأتم شجرتھا ام نحن المنشئون ؕ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاری ہماری ہے اور درختوں کا لگانا وجو زراعت اور اشجار کا سبب قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہمارے فعل کو جو سبب ہے استفہام انکاری ابطالی کے تحت میں دخل کرکے اُس کی علّت تامہ ہونے کو باطل کیا اور یہ فرمایا کہ "نحن الزارعون ونحن المنشئون" علم معانی میں یہ مسلم ہو چکا ہے کہ خبر معرف باللام قصر و تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی اسباب مذکورہ علّت تامہ انشاء اشجار وغیرہ کی نہیں بلکہ ہم ہی اُگانے والے اور ہم ہی اُس درخت کے پیدا کرنے والے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وسائط اور اسباب بدون انضمام مشیت و ارادۂ الٰہی کے کچھ موثر نہیں۔ خداوند تعالیٰ کی اسی میں عظمت اور شان سمجھی گئی ہے کہ ہر شئے کا موجد اسی کو سمجھا جائے چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں "ان کلاہ الفریقین ما طلب الا اثبات جلال اللہ وعلو کبریائہ الا ان اھل السنۃ وقع نظرھم علی العظمۃ تعالی ینبغی ان یکون ھو الموجد ولا موجد سواہ والمعتزلۃ وقع نظرھم علی الحکمۃ فقالوا لا ینبغی بجلال حضرۃ ھذہ القبائح" غرض یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ہر شئے کا اُسی کو موجد سمجھنا اُس کا جلال اور اُسکی عظمت ظاہر کرنا ہے۔ جب ہم غور سے ان تین مذکورہ بالا مذاہب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کا پتہ لگتا ہے کہ اپنے اپنے خیال میں یہ تینوں مذہب حق پر ہیں اور ان سے کچھ بھی تعرض نہیں ہو سکتا مگر زیادہ غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ گہرائی میں پہنچنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔ اور سب سطح آب پر تیرتے رہے۔ ہمارا ارادہ گہرائی میں جانے کا ہے اور ہم اُس وقت اپنے کو خوش قسمت اور کامیاب سمجھیں گے جب ہم تہ میں سے موتی بھی لائیں اور اگر ہم اس میں ناکام رہے تو ہمارا ناظر تفسیر ہمارے بےبضاعتی کا عذر قبول کرکے ہمیں دل سے معافی دے۔

اس مسئلہ پر کوئی انقطاعی رائے دینے یا اس کا فیصلہ لکھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم اُن اعتراضوں کو نقل کردیں جو ان تین مذکورہ بالا مذاہب پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کا جواب ایک حد تک سخت مشکل ہے۔

پہلا تو وہ گروہ ہے جو اپنے کو مجبور مانتا ہے اور اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا چلنا پھرنا کھانا پینا بغیر خدا کے ارادہ اور حکم کے نہیں ہوتا جن اعمال کا صدور ہم سے ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد اُسی کی ذات سے ہوتا ہے یعنی ان نیک و بد افعال کا اصلی اور حقیقی خالق خداوند تعالےٰ ہے۔ تو پھر اعمال نیک و بد کی جزا اور سزا کیسی انسان کو جب ہر حالت میں مجبور کیا جاتا ہے تو بہشت و دوزخ محض افسانہ ہیں۔ اور کوئی عقلمند شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں اُس سے کچھ مواخذہ ہو سکتا ہے اس کا جواب دینا محال ہے۔ انسان کو محض مجبور سمجھ لینا اُن گوناگون نعمتوں کا جو خدا کی طرف سے اُس کی ذات میں ودیعت ہوئی ہیں صریح انکار کرنا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے اُسے اپنی روح سے فیضیاب کیا جس سے اُس میں ادراک اور شعور پیدا ہوا ایسی حالت میں اُسے مجبور کر دینا اور مجبوری کی زنجیروں میں کس دینا ایک غضبناک امر ہے دوسرا وہ گروہ ہے کہ اپنے ہر فعل کا اپنے کو مختار بتاتا ہے۔ بظاہر یہ عقیدہ

نہایت مستحسن اور پسندیدہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں خودی کی بو آتی ہے۔ کیوں کہ زندگی میں انسان سے صدہا کام ایسے ہوتے ہیں جو عجیب و غریب ہی نہیں ہوتے بلکہ ایسے متحیر کرنے والے ہوتے ہیں کہ دوسرا انسان کی سمجھ میں نہیں آتے ایسی حالت میں جب انسان اپنے کو مختار سمجھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان کل افعال کا صدور مجھ ہی سے ہوتا ہے تو اُس کی ذات میں اس خیال سے ایک بے جا نخوت اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ نخوت و غرور آخیر اُس کی حالت کو بگاڑ کے تمدن انسانی میں سخت رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ نہ مایوسیوں کے وقت جو طبعًا اُس پر طاری ہوتی رہتی ہیں وہ اپنے دل کی تسکین کر سکتا ہے اور نہ کامیابی کے وقت وہ اپنی حالت کی ایک حد مقرر کر کے اُس بے مثال انکساری سے جو انسانی زیور ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے فیضان باری سے محروم ہو جاتا ہے اگرچہ اُس کے خیال سے رحمت خداوندی کا سایہ اُس پر سے نہیں ٹل سکتا پھر بھی اُسے تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالت خود بخود تبدیل ہونے والی ہے اور نہیں جانتا کہ خزانہ الٰہی میں اس کے لئے کیا کیا نعمتیں پوشیدہ کی گئی ہیں۔ نہ وہ دُعا کا قائل ہوتا ہے جو لازمۂ توحید ہے اور نہ کوئی ایسا ذریعہ رکھتا ہے جس سے ایک حد تک وہ تسکین پا سکتا ہے اُس کی زندگی کی کشتی ہمیشہ ڈانوا ڈول رہے گی اور موجودہ زمانہ میں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کی زندگی کچھ زیادہ خوش اسلوب نہیں ہوتی۔ اُمید پیاری اُمید اور ہر دلعزیز اُمید جو انسان کی سچی ہمدرد اور بنی نوع کی حقیقی ڈھارس بندھوانے والی ہے وہ اُس سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔ اُسے خواب بھی کبھی اُمید کا نہ آئے گا اور وہ ہمیشہ اپنے ہی ساختہ پرداختہ پر جیا کرے گا فلسفی ہو یا جاہل دونوں کی زندگی کی خوش اسلوبی صرف اُمید پر موقوف ہے اور جب اُمید ہی نہیں تو زندگی بھی نہیں۔ کامل مایوسی کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے لئے اُمید کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت سے ہے۔ یہ سمجھنا ضرور ہے کہ اُمید کہتے کسے ہیں اُمید یہ نہیں ہے کہ اگر ہم وہ فعل کریں گے تو ہمیں یہ فلاح ہوگی اس میں شرط ہوتی اور اُمید میں درحقیقت شرط کی ضرورت نہیں ہے صرف اس خیال کو اُمید کہتے ہیں جو غائبانہ طور پر دل میں کسی غائب اور نامعلوم چیز کے پیدا ہونے کی تحریک کرے اور اُس پر وقوف نہ ہو سکے کہ یہ تحریک کس چیز کی ہے اور اس تحریک سے آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ اُمید کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ اُمید ہے کہ موجودہ مصیبت سے خلاصی پانے پر ہوا کرتی ہے مثلاً ایک شخص نامعلوم زمانہ کے لئے قید میں بھیج دیا گیا اگر اُسے یہ خیال ہو کہ یقینًا میری رہائی ممکن نہیں تو پھر اُس کا چند روز جینا بھی محال ہے نہیں اُمید اُسے زندہ رکھتی ہے اگرچہ حکومت کا حکم یہی ہو کہ وہ تمام عمر قید میں رکھا جائے گا پھر بھی اُس کے دل میں صدہا خیالات آئیں گے جن سے اُس کی تسکین ہوگی کہ میعاد قید سے پہلے بھی رہائی پانا ممکن ہے۔ شاہ وقت کے ہاں کوئی تقریب ہو۔ سالگرہ ہو غسل صحت ہو یا مرض کی حالت شدید ہو اور کچھ نہ ہو تو انقلاب سلطنت ہونا تو ہر حالت میں ممکن ہے یہ ایسے خیالات ہیں جو ایک مایوس قیدی کے دل میں گذر سکتے ہیں ان ہی خیالات کو اُمید کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کبھی تو ایک شفیق ناصح کا کام دیتے ہیں اور کبھی تسلی دینے والے کا فرض ادا کرتے ہیں اور کبھی مصیبت زدہ کے لئے رحمت کا فرشتہ بن جاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خدا ہمیشہ ایسی مصیبت میں رحم کیا کرتا ہے اور اُس کے رحم کی صورتیں ہزاروں ہیں۔ دوسری اُمید

ایک لمحہ کے لئے بھی انسان سے جدا نہیں ہوتی خواہ اُس کی اچھی حالت ہو یا بُری وہ آئندہ ترقی اور موجودہ حالت سے زیادہ فارغبالی کا خواہشمند رہتا ہے اور یہ جانتا ہے اُس کے لئے ایک اعلےٰ درجہ کی حالت پیدا ہو جانا ممکن ہے چلتے چلتے ایک خزانہ ملجانا یا خلاف اُمید کسی شے کا حاصل ہوجانا ہمیشہ اُسے زندہ رکھتا ہے ۔ اپنے کو مختار کل سمجھنے کا مذہب اگرچہ عاقلانہ بنیاد پر قایم کیا گیا ہے مگر فطرت انسانی اس کی مقتضی نہیں ہے ۔ یہ اگرچہ انتہا درجہ کا ادب اپنے خالق کا ہے کہ ہر قسم کا صدور فعل اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کیا جائے مگر نہیں واقعات زندگی جو روزمرہ نئی نئی صورتوں میں جلوہ پذیر ہوتے رہتے ہیں کبھی اس قسم کے عقیدہ کو قایم نہیں رہنے دیں گے بڑے بڑے ملاحدہ کو دیکھ لیا کہ اُن کی زبان اور قلم تو کچھ اور ہے اور دل کچھ اور ہے ۔ آب وہوا کا خواہ کتنا ہی اثر ہو یا انجمن احباب کا کتنا ہی زور ہو مگر یہ ساری باتیں محض ناممکن ہے کہ اصلی فطرت کو بدل سکیں اور وہ اصلی فطرت یہ ہے کہ غیب پر انسان کا عقیدہ ہو اور اکثر اوقات نہ سہی بعض اوقات ہی اُس سے مدد طلب کیجائے یا اُس چھپی ہوئی قوت کا شکریہ ادا کیا جائے ۔

مثلاً ایک شخص صحرائے لق ودق میں جا رہا ہے ۔ آسمان پر بادل چھا رہے ہیں ۔ گرج اور کڑک کی آواز بلند ہو رہی ہے ۔ بجلی کوندتے کوندتے زمین پر لوٹ لوٹ جاتی ہے اور کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے ۔ خیال کرو کہ وہ شخص جو گھوڑے پر چلا جا رہا ہے ایک ملحد ہے یا ایسے عقیدہ کا شخص ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا کچھ بھی نہیں کرتا جو کچھ بھلائی بُرائی ہوتی ہے اُس کے حقیقی فاعل ہم ہی ہیں اور ہمارے اختیار میں ہے خواہ ہم اپنے لئے بُرائی جمع کریں یا بھلائی ۔ ایسے شخص یا شخص سابق الذکر کی کیا کیفیت ہوگی اور اُس کے خیالات کی دوڑ کس طرف جاری ہوگی یہ خیال تو لامحالہ ضرور ہی آئے گا کہ کہیں پناہ کی جگہ ملجائے یا کوئی ایسا شخص نکل آئے جو کسی بستی کا رستہ بتا دے ۔ اس خیال کے پیدا ہونے پر اب اس کی تعمیل کی پریشان خواہش پیدا ہوگی اور لامحالہ طبع انسانی بمقتضائے قانون قدرت پوشیدہ قوت سے طالب مدد ہوگی خواہ مدد ملے یا نملے مگر اس خواہش سے پریشانی میں گونا تسکین ہو جانی لازمی ہے ۔ پھر اسی حالت میں بجلی گری اور وہ راہ میں سے صرف گھوڑے کو نکال کے لے گئی اور جلا کے کوئلہ کر دیا مگر سوار کو آنچ بھی نہیں آئی ۔ اب خیال ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے دل کی کیا حالت ہوگی آیا اب بھی وہ اپنے الحاد کے موضوعہ اصول اور اپنی خود مختاری کی مفروضہ بنیاد پر قایم رہے گا یا زیادہ دیر کے لئے نہ سہی چند ساعت ہی کے لئے ایسے خیالات سے کہ یہ عجیب طلسم ہوا اور کس پوشیدہ ہاتھ نے اُسے بچا دیا ضرور ہی متاثر ہوگا ۔ اتفاق کا لفظ کہہ نہیں سکتا کیوں کہ اتفاق کا لفظ ایک مہمل اور بے معنی ہے اور جسکا کچھ بھی مفہوم نہیں ۔ جس طرح کہ موجودہ فلسفہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی اسی طرح مذہب اسلام کا بھی سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کسی شے کا حادث ہونا ناممکنات سے ہے ۔ جب اتفاق نہیں ہے تو بوضاحت اس بیان کرنے میں اُسے دقت ہوگی کہ بجلی کا خفیف سا شعلہ بھی اُسے کیوں نہ پہنچا ، اور کیا وجہ ہے کہ رتی برابر بھی صدمہ نہیں ہوا جبکہ گھوڑا رانوں کے نیچے سے نکل کے کوئلہ ہو گیا ۔ ایسے واقعات ناممکن الوقوع نہیں ہیں بلکہ روزمرہ اس کرۂ زمین پر کہیں نہ کہیں ہوتے ہیں اسی قسم کے اور بھی حادثات ہیں جن کی بنیاد تو کسی نہ کسی سبب پر ضرور ہے مگر وہ سبب اُن اصول طبیعہ سے جنھیں ہم

قایم کرچکے ہیں معلوم نہیں ہوتا اور پھر ہم اُس میں سرگرداں ہوتے ہیں اور ایک زمانہ تک ہمیں حقیقت کا پتہ نہیں لگتا اور اگر فرض کریں کہ کسی حادثہ کا سبب بھی دریافت کرلیا مگر اُس سبب کی علت غائی معلوم ہونی محالات سے ہی
ہم نے اکثر ملاحدہ کو دیکھا ہے اُن سے باتیں بھی کی ہیں اور اُن کی کتابیں بھی پڑھی ہیں مگر اصل یہ ہے کہ عالم کبھی ملحد نہیں ہوسکتا اور وہی شخص ملحد بن سکتا ہے جو علم کی سطح پر تیر رہا ہے اور آسے چند اغ بھی پانی کے اندر جانے کا موقع نہیں ہوا۔ وہ شخص جو اپنے کو مختار بتاتا ہے اگر ایسے حادثات پیش آئیں تو وہ دل میں کیا خیال کرسکتا ہے اور اپنی اختیاریہ صفت سے کیا کام لے سکتا ہے۔ مجبوراً اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ پوشیدہ ہاتھ ضرور مدد کرتا ہے اور بغیر پوشیدہ ہاتھ کی مدد کے بچنا محال ہے۔

تیسرا فریق اہل سنت کا ہے جو بین بین ہیں یعنی اس نے انسان کو مجبور بھی مانا ہے اور مختار بھی اگرچہ یہ اصول اعلیٰ درجہ کی تسکین دینے والے ہیں اور فی الحقیقت ان سے بہتر ہونے ممکن نہیں پھر بھی انہیں اس طرح سے نہیں سمجھا گیا ہی۔ کہ ہر شخص سمجھ لے بلکہ فقہا نے ایسے پیچیدہ مسائل میں پھنسا دیا ہے کہ اس مسئلہ بین الجبر والاختیار کا سمجھنا محالات سے ہو گیا۔ ہم مسئلہ تقدیر اور ان کل مذکورہ مذاہب پر ایک بسیط بحث کریں گے تاکہ یہ دلچسپ مسئلہ مدت تک بے حل نہ رہے۔

سب سے اول ہمیں تعلیم قرآن مجید پر غور کرنا لازم ہے کیوں کہ ہم صرف یہی ایسی کتاب رکھتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ گنا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ قرآن مجید ہے ہی کلام خدا اس کا فیصلہ ہر شخص کو ناطق ماننا پڑے گا اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ اور مذہب کا ہوگا قرآن کا نام آتے ہی سر خم کردے گا اور پھر چون وچرا کی گنجائش نہیں رہنے کی پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ عام طور پر یہ خیال ہے کہ روز ازل سے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے وہی ہوتا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے خود فرما دیا ہے کہ ہم نے ہر ایک قسمت کا حال لوح محفوظ میں لکھدیا ہی اُس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ہر انسان وحیوان۔ نباتات۔ جمادات حتیٰ کہ ذرہ ذرہ کا جنم پتر لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور اسی طرح اُس پر عمل ہوگا اور قیامت تک ہوتا چلا جائے گا۔ لوح محفوظ بھی ٹھیک ہے اور اس پر لکھا ہونا بھی درست ہے مگر اُس کے سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور اُس کے اصلی مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت ہی بے پروائی اور غفلت کی گئی ہے۔ قلم اور لوح محفوظ کیا چیز ہے کیا واقعی قلم سے مراد یہی قلم ہے جو ہمارے استعمال میں آتا ہے اور تقطیع سے مراد یہی تقطیع ہے جس پر ہم لکھا کرتے ہیں اور تحریر سے مراد یہی تحریر ہے جو ہم لکھتے ہیں نہیں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہے بلکہ قلم اور لوح محفوظ سے مراد قوانین قدرت یا علم الٰہی ہے۔ قوانین قدرت اور علم الٰہی دو مترادف الفاظ ہیں جن کے معنی ایک ہیں۔ مسلمانوں ہی کو یہ بہت بڑا فخر ہے کہ اُن کی کتاب دین قانون قدرت میں لکھی ہوئی ہے یعنی ہوبہو مضامین قرآن قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ایک ایک لفظ اس کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ جو کچھ لکھا ہوا ہے درست ہے اور فی الحقیقت اُس میں کبھی فرق ہی نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ سمجھ لینا کہ جو مصائب ہم پر آتی ہیں یا جو آفتیں کہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ہم پر نازل ہوتی ہیں یہ سب ہماری تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں محض غلط ہے اور

معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کی ذات پر بہت بڑا الزام قایم کرتا ہے۔ اگر ہم انصاف اور غور سے دیکھیں گے تو سب ہمارے اعمال کی شامت معلوم ہوگی۔ ہم اپنے لئے آپ ہی مصیبت مول لیتے ہیں اور آپ ہی اپنے لئے تباہی کے سامان جمع کرتے ہیں۔ فرض کرو ایک شخص چوری کرنے گیا اور پکڑا گیا کیا وہ یہ کہسکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ فلاں تاریخ یہ شخص چوری کرے گا اور پھر گرفتار ہوجائے گا چوں کہ خدا کا نوشتہ غلط نہیں ہوسکتا اس لئے یہ کل الزام خدا ہی پر ہوا اگر وہ اس شخص کے لئے روز ازل سے یہ تجویز نہ کرتا تو ہرگز اُسے نہ چوری کی جرأت ہوتی اور نہ وہ پکڑا جاتا ایسا خیال کرنا اپنے کو ابدی جہنمی بنانا ہے خداوند تعالیٰ نے ہرگز اس شخص کی تقدیر میں یہ نہیں لکھا تھا اور اُس کی ہرگز مرضی نہیں ہے کہ اُس کی پیاری مخلوق پر مصیبت اور ہلاکت کی بلا نازل ہو بلکہ اُس شخص نے خود ایک حرکت کی اور اُس کا نتیجہ بھگتنا چاہئے تھا پس اُس نے بھگتا۔

تقدیر کے معنی کیا ہیں؟ تقدیر کے معنی وزن کرنے کے ہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے قوانین قدرت کو ٹھیک پیمانہ پر وزن کرکے ترتیب دیا ہے اور یہ ایسا ٹھیک اندازہ ہے کہ قیامت تک اس میں تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرار دیدیا ہے کہ گیہوں بوگے گیہوں پاؤگے جو بوگے جو پاؤگے بس یہی انتظام تقدیر میں لکھا ہوا ہے اُس نے چند قوانین ترتیب دیدیے اور اُس کے خلاف قیامت تک ممکن نہیں۔ اُس نے ہمیں بالکل مختار بنا دیا ہے ہم آزاد اور سب کچھ کرسکتے ہیں مگر ہماری خیر اسی میں ہے کہ ہم قوانین قدرت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکالیں۔ یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ وہ قوم کبھی برباد نہ ہوگی جس میں اتفاق ہوگا۔ اتفاق گویا قوانین قدرت میں سے ایک قانون ہے جو قوم بالگردہ اس قانون قدرت کی مخالفت کرے گا وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا یا کم سے کم ذلیل کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تقدیر الٰہی اور یہی لوح محفوظ کا لکھا ہوا اور یہ ہے قانون قدرت۔ ایک شخص نے آنکھ کھولتے ہی اوامر باری تعالیٰ سے روگردانی اور نواہی پر اصرار اپنا شیوہ بنا لیا عقل بھی ہے ہوش بھی ہے اور ہر قسم کا ادراک حاصل ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کرتا ہوں یہ نہ صرف قوانین قدرت کے خلاف ہے بلکہ ملکی تہذیب اور تمدن کے بھی خلاف ہے مگر اپنے احتظاظ نفسانیہ کے آگے وہ کسی کی پروا نہیں کرتا اور علے الاعلان کہتا ہی ہے کہ ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے اور پھر اس نبوتریں معاشرت سے اُس پر کوئی آفت آئے تو کیا خیال میں آسکتا ہے کہ ہم اس کا الزام خدا پر رکھنے بیٹھ جائیں اور معاذ اللہ اُس ذات وحدہ لاشریک کو ملزم گردانیں۔ تو بس یہ صورت دیکھ کے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے بندہ ہی کرتا ہے اور اُس کے کرنے میں کسیکا بھی دخل نہیں ہے۔ عام طور پر شاید کوئی کم سمجھ یہ سوال کرے کہ جب کوئی کام ہی خدا کے متعلق نہیں رہا تو وہ معطل ہوگیا حالانکہ یہ ایک سخت سوء ادبی ہے کہ معطل کا لفظ اُس مالک ارض وسما کی نسبت استعمال کیا جائے۔ یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات محض لچر پوچ ہی نہیں ہیں بلکہ سخت جاہلانہ ہیں بالکار بیکار یا معطل وغیرہ　　وہ ادنےٰ الفاظ ہیں جو ہم نے تراشے ہیں اور جنکا مفہوم بے انتہا محدود ہے کیوں کر یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک ان دیکھی ذات کامل دانائی کامل نور اور کامل رحمت کا احاطہ یہ ادنےٰ الفاظ کرسکتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک سمندر کا پانی وزن کرنے کے لئے ہم ایک پیالہ لیجائیں اور بھر بھر کے دیکھیں ہمارا یہ فعل محض ایک احمقانہ

ہوگا یا نہیں اور ہمارا یہ عمل دیکھنے والوں کو ہم پہنچاتے گا یا نہیں بس اس سے بھی زیادہ اُن ادنےٰ الفاظ کی نسبت ہے جن سے ہم اُس کی صفات کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں ہمیں ایسے معترضوں کی عقل پر افسوس آتا ہے اور جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کرہ زمین جسپر ہم آباد ہیں اُن لاکھوں بلکہ کروروں کروں کے آگے جو فضا میں گردش کرتے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ ہر کرے میں ایک مخلوق آباد ہے خدا کی خدائی کو ہم نے محدود سمجھ لیا ہے اور یہ ہماری جہالت پر دال ہے۔ ہم اُس کی خدائی کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتے اگرچہ ہم نے اپنی عقل کے زور سے سماوی کروں کے بہت کچھ حالات معلوم کر لئے ہیں لیکن اسپر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ ابھی ہمارا علم بالکل شیر خوارگی کی حالت میں ہے اور ہمارے مشاہدے جو ہمیں دوربینوں اور اسی قسم کے آلات کے ذریعہ سے ہوتے ہیں محض ناقص ہیں ہماری تحقیق نہایت کمزور اصول پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنی تحقیق سے چند اصول قرار دیتے ہیں اور کل انہیں بدل دیتے ہیں۔ ایک مدت تک ہم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ چاند میں آبادی نہیں ہے اور اُس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس میں ہوا نہیں ظاہر ہے جس کرے میں ہوا نہ ہو وہاں مخلوق نہیں آباد ہو سکتی مگر اب چند روز سے اس تحقیق پر بھی پانی پھر گیا اور اب تسلیم کر لیا گیا کہ نہیں کرہ قمر میں آبادی ضرور ہے۔ بلکہ ایک آلہ کے ذریعہ سے آبادی کا ہونا مشاہدہ بھی کر لیا گیا ہے۔ جب ہماری بے ثباتی کی یہ کیفیت ہے تو ہم اپنی کسی تحقیق کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اب اُس میں تغیر و تبدل کی حاجت نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ادنےٰ سے کرے میں تو ہر قسم کی لہر بہر ہو آبادی ہو مخلوق کی ہدایت کے لئے نبی پر نبی بھیجے جائیں اور خداوند تعالےٰ روح القدس کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں سے ہمکلام ہو اور اس سے زیادہ عظیم الشان کرے بالکل بنجر پڑے ہیں اور اُن پر کبھی توجہ نہ کی جائے اور اُن بیچاروں کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ خداوند تعالےٰ کی عظمت۔ شان اور ربوبیت سے یہ ساری باتیں بہت ہی بعید ہیں جو شخص علم ہیئت سے واقف نہیں ہے اور جس نے قرآن مجید کے اس حکم پر عمل نہیں کیا ہے کہ آسمان و زمین میں فکر کیا کرو وہ درحقیقت خداوند تعالےٰ کے جلال کو نہیں پہچان سکتا اور اُس کی عظمت اور جبروت کی ہوا تک بھی اُسے نہیں لگی ہے وہ مثل اُن مچھلیوں کے ہے جو تالاب میں رہتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ تمام دنیا اسی تالاب میں ہے اور جو کچھ ہے یہی تالاب ہے۔ غرض جب ہم علوم متعارفہ سے جبروت باری تعالےٰ کو دیکھیں گے تو ہمیں اپنے ہی تراشے ہوئے معطل اور غیر معطل کے الفاظ بہت ہی لچر پوچ دکھائی دیں گے۔ نادانی سے یہ خیال کرنا کہ خداوند تعالےٰ کیا کرتا ہے کہاں ہے اُس کی روزمرہ کی کارروائی کیا ہے محض لغو اور لایعنی ہے اور اپنا عزیز وقت برباد کرنا ہے۔ جتنی مخلوق کہ اس کرہ زمین پر آباد ہے اس سے لاکھوں درجہ زیادہ مخلوق اُن کروں پر آباد ہے جو شب کو ستارہ کی صورت میں بہت ہی کم مقدار کے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کروں کی کل مخلوق اُس کے قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور اُس سے ایک لمحہ کے لئے نہیں نکل سکتی اُس کا ہاتھ ایک کرہ عظیم سے لے کے ذرہ تک میں کام کرتا ہے اور ہر جگہ اُس کے جلال کی عظمت نظر آتی ہے۔ سب کی قسمتیں اُسی کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کھا سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُسے روزمرہ نئے نئے احکام اور

تجاویز جاری کرنی پڑتی ہیں بلکہ حکم کے معنی قانون کے ہیں جس قانون کی زنجیر میں اُس نے اپنی مخلوق کو باندھا ہے اُس سے بیشک تجاوز نہیں ہو سکتا۔ جنہیں روح القدس کی تائید نہیں ہے وہ منشاء باری تعالےٰ کو نہیں سمجھ سکتے اور محض اپنی ناچیز رائے اور ادنےٰ خیال پر تکیہ کرکے ناز کرتے ہیں مگر جنہیں روح القدس کی تائید ملی ہے وہ اس کی مدد سے کچھ نہ کچھ معرفت کی اصلی حقیقت کا پتہ لگا لیتے ہیں اور پھر کوئی چیز اُن کی راہ میں خلل انداز نہیں ہوتی۔

قرآن مجید موجود ہے جس سے بآسانی ہم اپنے مسئلہ تقدیر کا فیصلہ کر سکتے ہیں یہ ضرور ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھولنی پڑے گی اور قدیم تعصب کو کچھ عرصہ کے لئے الوداع کہنا ہوگا پھر یقیناً قرآن مجید کا فیصلہ بآسانی سمجھ میں آجائے گا اور خدا علیم و دانا ہے کہ پھر شک کی ہرگز گنجائش نہ رہے گی۔ یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور ہے اور ملایان زمانہ کی تعلیم اور ہے۔ نفس پرستی میں اندھے ہو کے ان کے منہ سے حق بات نہیں نکلتی اور یہ وہی باتیں تراشتے ہیں جن سے اُن کی جیبیں بھریں۔ اصل یہ بھی ہے جنکی تمام عمر مفت کی روٹیاں کھا کھا کے گذر گئی ہو وہ کیونکر ربانی کلام کی باریکیاں سمجھ سکتا ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ایک بیدار منصف اور غیر طرفدار دل کی ضرورت ہے جو اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے اسی میں اُس کی پرورش ہوتی ہے اور اسی میں اُسے نشو ونما ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ بیان کریں گے اپنی بساط کے موافق قرآن ہی سے بیان کریں گے اور پھر ہم خدا سے دعا کریں گے کہ ہماری تحریر کو مسلمانوں میں درجہ مقبولیت حاصل ہو آمین۔

قرآن مجید میں ابتدا ہی سے انسان کی خود مختارانہ حالت کی طرف بہت زور سے اشارہ کیا گیا ہے بلکہ در اصل ایک تہدید آمیز حکم ہے اور انقطاعی فیصلہ ہے کفر و اسلام کا یہ ابتدائی فیصلہ جس قدر مختصر ہے اُسی قدر جامع ہے اور خوب غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے جامع اور انقطاعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ "ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم ینفقون" قرآن مجید اُنہی کی ہدایت کے لئے ہے یا اُن ہی کو ہدایت کرتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ اُنہیں دیا گیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ ان چند لفظوں میں انسان کے روحانی خصوصیات اور تمدنی محسوسات کو اس عمدگی اور جامع طور پر ادا کرکے انسان کو اُس کے روحانی اور تمدنی افعال کا مختار کل بنایا ہے اور یہ بھی جتا دیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی قوت خود مختاری کو فراموش کر دیا ہے اور آزادی کی نعمت غیر مترقبہ کو بھلا دیا ہے اُنہیں اس کتاب سے جسمیں ذرا بھی شک نہیں ہے یعنی جس کے فیصلے ناطق اور جس کے احکام غیر تبدیل ہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ قوت ادراک انسانی کو خداوند تعالےٰ نے ایک مضبوط بنیاد پر قایم فرما کے اور اُسے کامل آزادی اور کامل خود مختاری کی صفت سے موصوف کرکے یہ خطاب کیا ہے کہ ہماری کتاب اُن ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کا ایک ذات یعنی معبود برحق پر ایمان ہو اور جو ایمان کے بعد اس کی عبادت کرتے ہوں اور پھر عبادت کے بعد جو کچھ اُس نے دیا ہے اسے خرچ کرتے ہوں غرض قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے یہ تین مذکورہ صفتیں ضرور ہونی چاہئیں بغیر ان کے معرفت اور حقیقت کا رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ یہ تین باتیں یا ہدایتیں گویا سیڑھی ہے معرفت کی بلندی پر چڑھنے کی اور جس میں یہ تین صفتیں نہیں ہیں وہ گویا سیڑھی نہیں رکھتا جس سے بلندی پر چڑھ سکے۔ آغاز کلام باری میں جب اس صفت خود مختاری کا ذکر آگیا ہے پھر کون اس میں چون وچرا کر سکتا ہے۔ آگے جاکے یہ فرمایا گیا ہے کہ "اولئک علیٰ ھدی من ربھم و اولئک

مہر لگا دی ہے اس سے عام طور پر ایک ناسمجھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خدا نے ہی جب ایک انسان کے دل کان آنکھ پر حق کی طرف سے مہر کر دی ہے پر اُس کا ہدایت نہ پانا تعجب انگیز نہیں ہے اور نہ اُس پر الزام قایم ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ گاہے بگاہے انسان کی خود مختاری اور آزادی میں دست اندازی بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ آسنے اس آیت سے پہلے یہ صاف طور پر فرما دیا ہے "ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون" یعنی جو منکر ہوئے اُنہیں تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ راہ راست پر آنے والے نہیں ہیں " برائیاں کرتے جن کے دل پتھر کے ہو گئے قوانین قدرت کا انحراف کرتے کرتے جو اس انحراف اور سرکشی کے عادی ہو گئے تو یہ پتھر کا سا دل ہونا اور عادی ہونا اس کا مقتضی ہے کہ گویا خداوند تعالےٰ کی مُہر اُن کے دل کان اور آنکھ پر لگ گئی یعنی اُن کی ہدایت کا خیال قطعی مایوسی سے بدل دینا چاہیئے اور وہ گمراہی کی اُس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ پھر اُدھر سے پھرنے والے نہیں ہیں دوسرے ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر فعل کا فاعل حقیقی باری تعالےٰ ہے لیکن اسے سمجھنا چاہیئے کہ فاعل حقیقی ہونے کے معنی کیا ہیں۔ خداوند تعالےٰ نے تمام کائنات کو پیدا کیا اُس کے لئے قوانین منضبط فرمائے تو اب جو کچھ ہو گا ان ہی قوانین قدرت کے دائرہ میں ہو گا یعنی یہ قانون قدرت ہے کہ جو شخص محنت نہ کرے گا اُسے پڑھنا نہیں آئے گا نہ وہ کسی قسم کا ہنر سیکھ سکے گا تو اب اُسے خداوند تعالیٰ ہی نے جاہل رکھا کیوں کہ اس کا اس طرح جاہل رہنا اُسی کے قانون کے مطابق ظہور پذیر ہوا ہے اگر وہ یہ قانون بناتا کہ چاہے کوئی شخص محنت کرے یا نہ کرے اُس کا فاضل ہونا ضروری ہے تو بیشک ایک سست شخص بھی ماں کے پیٹ ہی سے عالم پیدا ہوتا جب یہ بات نظام عالم قایم نہیں رکھ سکتی تھی جبکہ عین انصاف یہ نہیں تھا جب کہ محنتی اور سست سب ایک ہی درجہ میں رکھے جاتے ہیں خداوند تعالےٰ کی حکمت بالغہ اس کی مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسے ظالمانہ اور لایعنی قوانین بنائے جائیں۔ اس لئے اُس نے وہ قوانین ترتیب دیئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جن کا مفہوم یہ ہے جو کرے گا سو پائے گا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر فعل انسانی کا خالق خداوند تعالےٰ ہے اور اسی بنا پر وہ خود بھی ارشاد فرماتا ہے کہ ہم ہی سب کام کرتے ہیں ہم نے ہی آسمان سے مینہ برسایا اور ہم نے پھل اُگایا اور ہم نے ہی تمہیں ہدایت دی اور ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا۔ غرض اُس کے قوانین قدرت کے خلاف اس تمام کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت نہیں ہوتی اور جس دن ایسا ہوا خوب سمجھ لو کہ قیامت آگئی اور کائنات کا نظام الٹ پلٹ ہو گیا۔ یہ اُس کی انتہا درجہ معبودیت اور ترحم ہے کہ اپنے قوانین قدرت حرف بحرف سنا بھی دیئے اب بدنصیب ہے وہ جو اُس کے قوانین قدرت کے دائرہ سے باہر نکلے اور خوش قسمت ہے وہ جو قدم بقدم اُس کے احکام پر چلے۔ قانون قدرت روز ازل سے یہ ہو چکا ہے کہ بے ابر پانی نہیں برس سکتا چنانچہ کبھی نہ برسے گا۔ قانون قدرت یہ ہے کہ تم ہی اپنے لئے راحت و مصیبت کے سامان جمع کر سکتے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی قانون ہے کہ اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جس کا فی الفور سبب نہ معلوم ہو سکے تو تمہیں صبر کرنا چاہیئے۔ صبر نہ کرو گے پریشان ہو گے پریشانی کے بعد جنون موجود ہے اور جنون کے بعد موت۔ اُس کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ ہم ہی عزت دیتے ہیں اور ہم ہی ذلت دیتے ہیں اور ہم ہی ہر شئے پر قادر ہیں۔ جو شخص عزت حاصل کرتا ہے اُسی کے مرتبہ قوانین پر عمل پیرا ہو کے اس لحاظ سے وہ فرما سکتا ہے کہ ہم ہی نے عزت دی اور جو شخص ذلیل ہوتا ہے وہ بھی اُسی کے مرتبہ قوانین کے انحراف کے مطابق اس لحاظ سے وہ قادر حقیقی

کہہ سکتا ہے کہ ہم ہی ذلیل کرتے ہیں۔ یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ ادنے توجہ اور غور پر بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے اور جہانتک خیال جاتا ہے کوئی بھی اس کے تسلیم کرنے میں چون وچرا نہ کرے گا تھوڑی دیر کے لیے انصاف کو اپنا شیوہ بنالو اور یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ فلاں مجتہد یہ لکھ گیا ہے اور فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے یہ ہرگز نہ سمجھو کہ قرآن فہمی خاص کسی کا حصہ ہے یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ سوائے فلاں فلاں کے اور کوئی قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اپنی اپنی محبت اور اپنا اپنا تعلق ہے۔ یہ کلام خدا ہونے کی دلیل ہے کہ صدہا برس تک نئی نئی تفسیریں لکھی جائیں گی اور ان کا سلسلہ قیامت تک تمام نہیں ہونیکا۔

انسان کی زندگی اور اُس کے جلد جلد بدلنے والے حالات پر اول سے اخیر تک غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت ایک سحر آمیز زندگی معلوم ہوگی۔ کبھی تو اُسے انتہا درجہ کا اولوالعزم پایا جائے گا کبھی اول درجہ کا سست اور کم ہمت کبھی بے غایت شجیع اور کبھی حد درجہ بزدل۔ کبھی وہ ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں زمین پر کھیلتا ہوا معلوم ہوگا کبھی اُسی کے آگے بڑے بڑے علماء فضلا امرا اور وزرا کو سر خم کیا ہوا دیکھیں گے جب کہ اُس کے ساتھی ابتدائی نکبت ومصیبت میں غلطاں وپیچاں معلوم ہوں گے ایک جماعت میں چند طلبہ ساتھ پڑھتے نظر آئیں گے۔ ایک استاذ ایک نصاب تعلیمی ایک امتحان میں کامیاب پھر چندروز کے بعد جو دیکھیں گے تو ایک حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ملے گا اور دوسرا معمولی ملازمت میں سرگرداں دکھائی دے گا تیسرا اُس سے بھی ادنے درجہ میں پراگندہ معلوم ہوگا چوتھا معاش ہی کی تلاش میں اپنی عمر گذار دے گا اور ایک دن بھی اُسے آرام نصیب نہ ہوگا پانچواں بے انتہا دولتمند نظر آئے گا چھٹا ایک عظیم سیاح بن کے دنیا میں ناموری پیدا کرے گا ساتواں اپنی تصانیف سے ملک میں دھوم مچا دے گا آٹھواں ملک التجار دکھائی دیگا نواں ایسی ارذل ترین حالت میں دکھائی دے گا کہ لوگ اُس سے عبرت پکڑیں گے ان تبدیلیوں کو دیکھکر عام طور پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا وہ ہوا حالانکہ یہ بات نہیں ہے کوئی شخص اُن پوشیدہ اسباب کو نہیں دیکھتا جن کے باعث یہ مختلف حالتیں پیدا ہوئی ہیں جب کہ یہ قرار پا چکا اور مسلم ہو چکا ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوتی تو پھر لازم ہوا کہ ان حالات مختلفہ کے لیے بھی اسباب ہوں اگر وہ ظاہری اسباب نہ ہوں مگر اُن کی بنیاد حادثات طبیعہ پر ضرور ہونی لازم ہے۔ اگر اُن اسباب کا پتہ لگا یا جائے جو ان حالات مختلفہ کے ساتھ لاحق ہوئے ہیں تو صاف طور پر عیاں ہو سکتا ہے کہ ہر نیکی اور بدی انسان نے اپنے لیے آپ ہی جمع کی ہے اور غیب سے ازخود کسی چیز کا ظہور نہیں ہوا۔ اسباب خارجی پر جب بہت کم نظر پڑتی تھی تو پوشیدہ اسباب کی طرف کیوں توجہ مبذول ہونے لگی۔ ایک منصف عاقل ہوشیار شخص خود اپنے حالات کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھے اور اول سے اخیر تک کل حادثات پر منصفانہ نظر کرے تو اُسے کھل جائے گا کہ ہر حادثہ طبیعی جسکا اُس پر ظہور ہوا اُس کا اصلی محرک وہی ہے۔ اُسے بعض اُن اسباب کا بھی پتہ لگانا پڑے گا جو اُس کو آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتے مگر اُنکا حدوث ہونا ضرور ہے تو اُسے صاف کھل جائے گا اور ہر شبہ رفع ہو جائے گا جو اپنے حال کی تبدیلی کی نسبت اُسے واقع ہوا ہے۔ قوانین فطرت میں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اتفاق کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہر حادثہ کے لیے ایک سبب ہونا چاہیے خواہ وہ سبب ظاہری ہو یا پوشیدہ۔ خداوند تعالیٰ کسی کی محنت کو ضایع نہیں کرتا اور ضرور قوانین فطرت کے مطابق ہر شخص کو اُس کی جان کاہی کا صلہ دیا جاتا ہے۔ ایک کم ہمت سست آدمی کبھی عالی ہمت اور محنتی شخص کے برابر راحت

نہیں پاسکتا۔ عجائبات کرۂ زمین ایسے سحر انگیز ہیں کہ یہاں ہر شخص حیرت میں ہے اور عام عقول ان عجائبات کا راز کبھی نہیں پاسکتیں۔ جنہوں نے غوربین نظروں سے دیکھا ہے اور اس راز کو اچھی طرح سمجھا ہے وہی عارف باللہ ہیں اور اُن کی معرفت میں ہرگز شبہ نہیں ہوسکتا اور جو پاک نفوس اس راز کی طرف رہنمائی کرتے ہیں وہی سالک ہیں اور اُن کے سلوک میں ذرہ برابر بھی شک کو گنجائش نہیں ہوسکتی یہی حقیقی معرفت آلہیہ اور یہی یقینی سلوک طریقت ہے۔ اور ان دونوں صفات کی طرف صرف قرآن مجید ہی رہنمائی کرتا ہے۔ دوسری کتاب اس دنیا میں نہیں دکھائی دیتی۔

مسئلہ تقدیر جس کی ریشہ دوانی کائنات کے عظیم کرے سے لے کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرہ میں ہو رہی ہے آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا اگرچہ ہمارا جزو جزو اور رونگٹا رونگٹا اُس کے بندھنوں سے جکڑا ہوا ہے اور ہمیں کسی حالت میں اُسے مفر نہیں۔ ایسی چیز کو افسوس ہے کہ ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں اور نہ ہماری عقل اُس کا اندازہ کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند کائنات نے انسان کو مظلوم اور جہول فرمایا ہے۔ اُس میں ہر قسم کی قوت ودیعت ہوئی ہے مگر وہ اُسے کام میں نہیں لاتا اس لئے اُس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہوسکتا ہے۔ خود ہمارے روزمرہ کے افعال مسئلہ تقدیر کا فیصلہ بخوبی کرسکتے ہیں اس میں نہ منطق کی ضرورت ہے نہ فلسفہ کی لیکن ایسی نظریں کہاں سے آئیں جو حادثات کے پوشیدہ اور ظاہری اسباب کو دیکھیں سمجھیں اور ان پر غور کریں اس لئے پھر ہر قسم کی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر پہلو سے مخاطب کا اطمینان کیا جاتا ہے۔ مگر ہم نہ بیچ ارسطو کی ہیر پھیر کو پسند کرتے ہیں نہ یونانی فلسفہ کو ہماری طرز تحریر میں اگرچہ فلسفہ کی چاشنی دبی ہوئی ہوتی ہے مگر وہ نظری فلسفہ کی نہیں۔ بلکہ وہ عملی فلسفہ کی جس سے انکار کر دینا ایک عاقل کے لئے سخت دشوار ہے۔ یہ ہمارا خیال ہے اور ہم اپنے اس خیال کو ایک حد تک نبھائیں گے کہ جو دعویٰ کیا جائے اُس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ ہو کیوں کہ جس دعوے کو دلیل کی ضرورت ہوتی ہے وہ دعوے قابل تسلیم نہیں ہوتے۔ ہم اس کا اشارہ پہلے ہی کر آئے ہیں اور اب پھر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم لکھیں گے ایک حد تک اُس کے لئے دلیل کی ضرورت نہ ہوگی اور کہیں مجبوری نسبت کہا نہیں جاسکتا۔ خداوند تعالےٰ نے مچھر کی مثال بیان فرما کے ارشاد کرتا ہے۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفسقین الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون " یعنی ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن بدکاروں ہی کو گمراہ کرتا بھی ہے جو پختہ قول کرنے کے بعد خدا کا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور جن تعلقات کے قائم رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو توڑتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ اخیر نقصان اُٹھائیں گے " اگر صرف معمولی نظروں سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قوانین قدرت یا اوامر باری تعالےٰ کی خلاف ورزی کرنی گو یا خداوند تعالےٰ سے انحراف کرنا ہے اسلئے جو شخص اس طرح گمراہ ہوتا ہے اُس کی نسبت بھی خداوند تعالےٰ کو اپنے ہی ساتھ کرنی لازم ہے کیوں کہ قوانین فطرت اُسی کے بنائے ہوئے ہیں اور وہی ان کا اصلی اور حقیقی موجد ہے۔ یہاں ایک نئی بات اور بھی فرمائی گئی ہے اور انسانی فطرت کی انتہا درجہ کی پوری تصویر ہمارے سامنے بیان کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کے عہد توڑنے کا عادی ہو یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی کرنے میں اُس کی تمام عمر گذر گئی ہو پھر اخیر وہ اس سے نہیں سنبھل سکتا اور برابر گمراہی کے گڑھے میں گرتا جاتا ہے اور پھر اُس کے بچنے

کی اُمید قطعی مایوسی سے بدل جاتی ہے۔ ایک بدکار شخص جس کی تمام عمر بدکاری میں گذر جاتی ہے اور یہ بدکاری اُس کے خون
میں ملجاتی ہے پھر اُس کا جانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ جو کیفیت کہ روحانی امراض کی وہی حالت ہو بہو جسمانی امراض کی ہے جب
کسی سخت مرض کا زہر خون میں ملجاتا ہے پھر تمام جہان کے روشن دماغ اطبا کچھ بھی نہیں کرسکتے ایسی ہی قہرناک بیماریاں ہیں
جن کا زہر نسلاً بعد نسلاً برابر خون میں ملتا چلا جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اُس کا اثر رہتا ہے۔ اسیطرح جب کوئی روحانی مرض
لگ جاتا ہو اگر اُس کے دفعیہ میں کوشش نہیں کیجاتی تو پھر اس مرض کا اثر روح میں آمیز ہوجاتا ہے جب آمیز ہوگیا تو پھر اُس کا زائل ہونا ناممکنات
سے ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مرض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس فطرت انسانی کا اظہار کردیا گیا کہ خدا بدکاروں ہی
کو گمراہ کرتا ہے بدکاروں کے گمراہ کرنے کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے اور ہم نہیں کہسکتے کہ کسی کو بھی اس میں کچھ شبہ ہوسکتا
ہے جب کہ ایک بات بدیہی ہے اور انسانی فطرت کے اتار چڑھاؤ کا بیان ہوا ہے۔ ایک تھوڑے سی غور اور توجہ سے یہ مسئلہ
حل ہوسکتا ہے۔ طبی قواعد کی رو سے یہ بات مسلّم ہے کہ اگر کوئی شخص ابتدا سے اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش نہ کرے حالانکہ
اس میں سنبھل جانے کی قوت اور اپنی اصلاح کی پوری استعداد موجود ہے تو ایک زمانہ گذرنے کے بعد پھر اُس کی اصلاح کی اُمید
بالکل محال ہوجاتی ہے۔ اور کیسی ہی سخت سے سخت سزائیں اور نصائح کی جائیں مطلق اثر نہیں ہوتا۔ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے
ایسے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں کہ ایک شخص کئی سال کی قید سے آج ہی تو رہا ہوکے آیا اور آج ہی اُس نے پھر کہیں نقب زنی
کی یعنی ایک دن بھی کئی برس کی سخت قید کا اثر اس میں نہیں رہا پھر پکڑا گیا۔ پٹا اور قید ہوا اور پھر رہائی پاکے اُس نے وہی فعل
کیا۔ اخیر اس کی کیا وجہ ہے پس سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ بُری عادتیں اس کے خون میں مل گئی ہیں اور جب تک اُس کی جان میں
جان باقی ہے وہ کبھی اس فعل سے باز نہیں آنے کا۔ اسی فطرت کے آدمیوں کی طرف خدا کا یہ اشارہ ہے کہ ہم بدکاروں کو ہی
گمراہ کرتے ہیں یعنی اُن کا مرض بدکاری لاعلاج ہوجاتا ہے اور وہی لوگ ہیں جو اخیر میں نقصان اُٹھائیں گے۔ ان روشن
اقوال کے سمجھنے کے لیے جس طرح بیدار دلی۔ روشن ضمیری اور انصاف کی ضرورت ہے اسی طرح انسانی فطرت کے علم کی بھی
حاجت ہے۔ یہ کلام باری تعالےٰ ہے اور دنیا کی کل مخلوق کا زبردست قانون ہے اسے معمولی نظروں سے نہ دیکھو بلکہ حکمت
اور انصاف سے اس کی تلاوت کرو تاکہ قوانین قدرت کی باریکیاں کھلتی چلی جائیں اور غوامض آلہیہ کا انکشاف پے درپے ہوتا چلا جائے
پھر خداوند تعالےٰ نے انسانی خودمختارانہ حالت کو بہت ہی کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے
"ولو انھم امنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون" یعنی اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار رہتے تو جو ثواب اُنہیں خدا
کی درگاہ سے ملتا وہ اُن کے حق میں اس سے کہیں بہتر تھا اے کاش یہ لوگ اپنی بات سمجھتے پھر کونسی بات باقی رہ گئی اور کونسا
پہلو انسان کی خودمختارانہ حالت کے بیان کرنے میں فروگذاشت کیا گیا۔ اس سے زیادہ صاف اور روشن الفاظ اور کیا ہو سکتے
ہیں نہ جن کی تفسیر کی ضرورت ہے اور نہ اُن کے مطالب کے توضیح کرنے کی حاجت ہے۔ اور سنئے بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اگر انسان
کامل خودمختار نہ بنایا جاتا تو جزا و سزا ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ دوسرے مقام پر خداوند تعالےٰ نے حکومت عدل
اور نظام مملکت کے بارے میں فرمایا ہے جیسا ارشاد ہوا ہے "ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض
ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین" یعنی وہ اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو الکومت کی کرسی سے

نہ ہٹاتا رہے تو ملک (کا انتظام) درہم برہم ہو جائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر (بڑا) مہربان ہے"۔ یہاں بھی وہی مطلب ہے جو ہم اوپر دو جگہ بیان کر آئے ہیں یعنی جو قوانین کہ ایک بادشاہ تخت سلطنت پر قایم رہنے کے بنائے گئے ہیں جب وہ اُن سے تجاوز کرتا ہے تو خلقت پر مظالم کی بلا نازل ہونے لگتی ہے لازم ہوا کہ ایسا بادشاہ تخت سے اُتار دیا جائے اور اُس کی جگہ دوسرا وہ حکمران ہو جو قوانین قدرت کی پوری پابندی کرتا ہو تاکہ خلقت کو آرام ملے جب سے دنیا میں تاریخ کا سلسلہ ملتا ہے اس کے مطالعہ سے بھی پایا جاتا ہے کہ خاص خاص خرابیوں کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں غارت ہو گئیں۔ حکمران خاندان اکثر اوقات بالکل برباد کر دئے گئے۔ سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر دئے گئے یا زہر دیدئے گئے دور کیوں جاؤ صرف مسلمانوں ہی کی حکومت پر خیال کرو وہ اسباب جن سے مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں کچھ پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ تاریخ نے اُنہیں آئینہ کر دیا ہے۔ بنو اُمیہ کی سلطنت کیوں غارت ہوئی بنو عباس دنیا سے کیوں مٹا دئے گئے بنی فاطمہ کیوں برباد کر دئے گئے خاندان اُندلس کا کیوں ستیا ناس ہوا۔ خاندان تغلیہ کیوں صفحہ دنیا سے مٹا دیا گیا۔ خاندان صفویہ کی کیوں شان وشوکت جاتی رہی۔ خاندان عثمانیہ کی لیکن ماضیہ کی سی دھاک یورپ کے جگر پر کیوں نہیں ہے۔ ان سب باتوں کے اسباب ظاہر ہیں اور ایسے ظاہر ہیں کہ اُن کے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خداوند تعالےٰ نے اپنی محبت اور مہربانی کا جو اسے مخلوق سے ہے پورا ثبوت دیا ہے ان سلطنتوں کو یقیناً قوانین قدرت نے برباد کر دیا یا کمزور بنا دیا اس لحاظ سے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم بعض لوگوں کو حکومت کی کرسی پر سے نہ ہٹاتے رہیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ فرض کرو کہ اگر یہ قوانین قدرت ہوتے کہ ان بے اعتدالیوں اور برباد کن اسباب جمع کرنے کے بعد بھی وہ سلامت رہتے اور اُن مظالم اور بے پروائی کے بعد بھی جن کا حال پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہی لوگ قایم رہتے اور اُن ہی کی بادشاہت رہتی تو پھر کیوں کر مخلوق خدا باقی رہتی اور نظام عالم کیوں نہ برباد ہوتا حق تو یہ ہے کہ جزا اور سزا کا قایم ہونا خود اسبات کا شاہد ہے کہ انسان ضرور خود مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اسے کامل اختیار ہے خواہ وہ نیک بنے یا بد کوئی چیز اسے روکنے والی نہیں ہے آنکھیں ہیں اُن سے وہ ٹھوکر اور گڑھے کو دیکھ کے چلتا ہے اگر آنکھیں ہونے پر بھی وہ قدم بقدم پر ٹھوکر کھائے تو ایسے شخص کا کیا علاج ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اُسے اُس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ایک دوسرے مقام پر خداوند زمین و زماں نے اپنے جلال اپنی جبروت اور اپنی ہیبت کا پورا نقشہ کھینچا ہے چنانچہ فرماتا ہے "قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر" یعنی اے پیغمبر تم تو یہ دعا مانگو کہ اے خدا سارے ملک کے مالک تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے اور ہر طرح کی خیر وخوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ اپنے نبی سے خطاب باری تعالیٰ ہوا ہے کہ تمہاری ہر وقت یہ دعا ہونی چاہئے کہ اُسے تمام ممالک بلکہ کائنات کا مالک سمجھا جائے اور اپنی کامیابیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کر کے یہی خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اور ہم اُس کے بندے ہیں۔ یہاں بھی عزت دینے اور ذلت دینے کے وہی معنی ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے۔ مگر یہاں عبادت کی تعلیم ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ شان عبودیت کیا ہے اور بندہ کو کیا کرنا چاہئے۔

ایک شہنشاہ نے فرض کرکہ اپنی تدابیر اور جانفشانی سے ایک دوسرا ملک سر کیا اور کوشش اور اعلےٰ تدبیری پر گھمنڈ نہ کرکے اُس نے یہی سمجھا کہ میری کیا حقیقت ہے خدا ہی کو منظور تھا کہ اس ملک میں بھی میرا سکہ چلے اور میں بادشاہ کہلاؤں اور اُس وقت وہ وجد کی حالت میں یہ پڑھے تو ہی عزت دیتا ہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے ہر شے پر تو ہی قادر ہے۔ خدا ہی کو براہ راست صرف نیکیوں کا فاعل ماننا ہماری محنتوں کا اخلاقی نتیجہ ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر قسم کی عزت اور ذلت ہمارے ہی اختیار میں ہے اور ہم ہی دیتے ہیں وہاں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہی دعا مانگا کرو کہ ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہر قسم کا شر اور خیر خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بلکہ اس خیر و خوبی کے یہ معنی ہیں کہ ایک نیک بادشاہ کے ہاتھ میں دوسری سلطنت کی باگ دیدینے سے جس قدر خیر پیدا ہوئی اسی طرح ایک ظالم بادشاہ کو تخت سے خارج کرنا بڑی خیر اور خوبی کا باعث ہے۔ یہ ہے خیر و خوبی اور یہ ہے اس کا مطلب انصاف کی زنجیروں میں ذرہ ذرہ جکڑا ہوا ہے اور کوئی شخص ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا جو شخص سلامت روی میں اپنی زندگی گذارتا ہے یا بالفاظ دیگر جو شخص قوانین فطرت باری تعالیٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اپنے پر آپ رحم کھاتا ہے یہ مسلّم ہے جو شخص اپنے پر آپ رحم نہ کھائیگا دوسرا اُس پر ہرگز رحم نہیں کھانے کا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خداوند تعالےٰ رحیم اور کریم ہے مگر رحم اور کرم کے یہی معنی ہیں کہ جو قوانین قدرت اُس نے منضبط کئے ہیں وہ کائنات میں ایک عظیم کرے سے لگا کے ذرہ تک کے لئے یکساں ہیں اور کبھی اس سے تجاوز نہیں ہوتا نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے اس سے ہرگز تجاوز ممکن نہیں قاتل کی سزا پھانسی ہے وہ قیامت تک اس سے بچ نہیں سکتا جس شخص نے کوئی اخلاقی جرم کیا ہے وہ ضرور اپنے دل ہی دل میں اُس کی سزا بھگتے گا اس لئے اُس نے نہایت ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں وہ جرم کیا ہے۔ اگر خارجی طور پر اُسے کوئی سزا نہیں دی گئی اُس کا دل اُسے ملامت کرنے کے لئے کافی ہے اور دل کے تعزیری قوانین کا اُس پر نفاذ ہوگا اور وہ ایک مدت تک اس سزا کو بھگتا کرے گا مثلاً ایک شخص نے کسی کی دل آزاری کی ہے وہ برسوں اپنے ہی دل میں خود پشیمان ہوا کرتا ہے کہ مجھ سے یہ امر کیوں سرزد ہو گیا اور میں نے کیوں ایسا کیا۔ یہی بہت بڑا رحم اور بہت بڑا انصاف ہے۔ انصاف اور رحم خود لازم و ملزوم ہیں اور ایک کا انحصار دوسرے پر ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عین انصاف کا نام رحم ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس کی تائید اس آیت کلام مجید سے ہوتی ہے "اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احدٍ والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غمًا بغمٍ لکیلا تحزنوا علےٰ ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون" یعنی اس وقت کو یاد کرو جب تم بدحواس بھاگے چلے جاتے تھے اور باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے تمہیں کھڑے تم کو بلا رہے تھے لیکن تم مڑ کے کسی کو نہیں دیکھتے تھے پس اس مخالفت سے جو تم نے رسول کو آزردہ کیا اس کے بدلے خدا نے تم کو شکست کا رنج پہنچایا تاکہ جب کبھی تم سے کوئی مطلب فوت ہو جائے یا تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو تم صبر کی عادت رکھو اور اُسکا رنج نہ کرو اور تم کچھ بھی کرو اللہ کو اُسکی خبر ہے" اس آیت شریفہ میں انصاف اور رحم کو لازم و ملزوم بنایا ہے۔ مسلمانوں کو اس امر کی سزا کہ اُنہوں نے رسول کریم کو آزردہ کیا شکست دی گئی یعنی یہ تو انصاف کیا گیا اور پھر اُن پر رحم فرما کر خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہر مصیبت پر صبر کیا کرو یعنی اُس سے شکستہ خاطر اور پریشان اس لئے نہ ہوا کرو کہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا

دیگئی اسبات پر صبر کرنا چاہتے کہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو کیوں ہمارا مطلب فوت ہوتا اور کیوں ہم پر مصیبت آتی - ایسی حالت میں صبر کرنا اس بات کو سمجھنا ہے کہ فلاں غلط کاری کی سزا دیگئی ہے آئندہ اس سے احتراز کرنا چاہتے - وہ انصاف تھا اور بیرحم تہا اگر کسی مصیبت کی وجہ سے انسان اپنے آپے میں نہ رہے اور سخت پریشان ہوجاتے تو اُسے اس خیال کرنے کا احساس نہیں رہتا کہ کس جرم میں یہ سزا دیگئی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ پریشانی کے دور ہونے کے بعد وہ پھر اُسی جرم کا ارتکاب کرے گا اور پھر اُسی موعود مصیبت میں گرفتار ہوگا - ہاں اگر اُس نے صبر کیا تو اس صبر میں اُسے اپنی گذشتہ غلط کاریوں پر فکر کرنے اور غور کرنے کا موقع ملے گا اور پھر یقیناً اُس سے وہ خطا جس نے اسے مصیبت میں پھنسا دیا تھا کبھی سرزد نہ ہوگی قرآن مجید کی ایک ایک آیت میں بہت بڑی حکمت مضمر ہے اور اسے وہی لوگ دیکھ سکتے ہیں جنہیں عقل اور عقل میں انصاف کی روشنی ہے - قرآن کیا ہے قوانین فطرت کا ایک مجموعہ ہے اور اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے فطرت باری اور فطرت انسانی کا علم ہے اندہا دھند اپنی رائے سے کوئی بات قایم کرلینی اور محض مذہبی بننے سے قرآن مجید کی پاک تعلیم پر نکتہ چینی کردینی اپنی لاعلمی کا خود اظہار کرنا ہے -

اسکے بعد خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبودیت کے دائرہ میں رہنے کی کیا اچھی تعلیم کی ہے اور سمجھایا ہے کہ شان عبودیت کسے کہتے ہیں - چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے "ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك وارسلناك للناس رسولا وكفى بالله شهيدا" یعنی اے بندے حقیقت حال تو یہ ہے کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اور اے پیغمبر ہم نے تمہیں لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا بناکے بھیجا ہے اور تمہارے پیغمبر ہونے کے لئے خدا کی گواہی بس کرتی ہے جو قوانین فطرت ہیں وہ تو ہیں لیکن شان عبودیت کو اس خوبصورتی سے سادے سادے الفاظ میں بیان کرنا یہ خدا ہی کا کام ہے - کہ نیکی کو خدا کی طرف پھیرنا اور برائی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا عین عبودیت ہے دنیا میں اس کی نظیر موجود ہے آقا پرستی کی پہلی سیڑہی یہ ہے کہ اپنے آقا کی غلطی کو اپنی غلطی کہے اور اپنی آقا پرستی کا پورا ثبوت دے ہمارے ادنے محنت میں ہی اس کی بہت سی نظریں مشاہدہ کی گئی ہیں اس آیت شریفہ میں ایک طرف شان عبودیت دکھائی گئی ہے اور دوسری طرف معیار محبت قایم کیا گیا ہے ہمیں محمود غزنوی کی ایک حکایت یاد آئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شان بندگی اور اصلی محبت کیا چیز ہے محمود کے کان میں جب آوازیں پے درپے آنے لگیں کہ سلطان کیوں ایاز کو زیادہ عزیز رکھتا ہے تو ایک دن اُس نے اس امر کا اظہار کرنا چاہا - دربار میں اپنے کل غلاموں کو بلایا اور سب کو ایک ایک موتی دیا اور حکم دیا کہ اسے توڑ ڈالو چنانچہ سب غلام معہ ایاز کے جاکے اُس کا چورا کرلائے جب وہ موتی کا چورا کرلائے تو محمود نے ایک ایک سے دریافت کرکے اُن پر خفگی کرنی شروع کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا وہ گھبرا گھبرا کے عرض کرنے لگے کہ حضور ہی نے حکم دیا تہا ہماری کیا مجال تھی کہ ہم اپنی رائے سے کچھ کرتے جب سب غلاموں کا سلسلہ ختم ہوچکا تو وہی ناراضگی ایاز پر بھی ہوئی اُس نے دست بستہ سرنگوں ہوکے عرض کیا خداوند نعمت یہ اسی عاجز کی خطا ہے اور یہ عاجز بندہ ہر سخت سے سخت سزا کے لئے تیار ہے جو اس کے جرم کے لئے تجویز کی جاتے - یہ سنکے محمود خاموش ہورہا اور تھوڑی دیر کے بعد کل غلام اور اہل دربار سمجھ گئے کہ محمود نے ہماری باتوں اور اعتراضوں کا جواب دیا ہے - اس محبت اور عین آقا پرستی کی مثالیں ہم نے

اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اسی وجہ سے خداوند تعالےٰ نے اپنی محبت اپنی مخلوق کے دل میں پیدا کرنے اور اپنا سچا شیدا بنانے کے لئے یہ ارشاد کیا اگر کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے پہنچا اور کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ تیرے نفس کی طرف سے ہے. اگر فی الحقیقت یہ خیال دل میں پیدا ہو جائے تو اس سے زیادہ عین عبودیت اور ہو نہیں سکتی- یہ ایک خیال ہے جس میں معرفت الٰہیہ کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے قرآن مجید کے ہر جملے اور ہر چھوٹی سی چھوٹی آیت میں وہ وہ راز فطرت باری تعالےٰ اور تہذیب انسانی کے مضمر ہیں کہ جتنا غور کرو نئی نئی باتیں پیدا ہوتی چلی جائیں گی صرف فہم سلیم اور انصاف کی ضرورت ہے. قرآن کے مضامین کو نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشوں کے مطیع ہیں اور جن کی آنکھوں پر خودغرضی کا پردہ پڑا ہوا ہے. اے کلام پاک تیرے لعل جوہری ہی پرکھ سکتا ہے. قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری- تو قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تجھ میں فطرت انسانی کا بڑی دور تک کھوج ملتا ہے. جو نہیں سمجھتے وہ بدنصیب ہیں جن کے لئے تو خود یہ فیصلہ کرتا ہے "انظر کیف کذبوا علیٰ انفسھم وضل عنھم ما کانوا یفترون - ومنھم من یستمع الیک وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا وان یروا کل ایۃ لا یؤمنوا بھا حتیٰ اذا جاءوک یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین وھم ینھون عنہ وینئون عنہ وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون ہ یعنے اے محمد دیکھو تو سہی یہ لوگ کس طرح اپنے اوپر آپ جھوٹ بولنے لگے اور اُن کی افترا پردازیاں سب اُن سے گئی گذری ہوگئیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں کہ تمہاری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں اور اُن کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دئے ہیں اور اُن کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں اور اگر وہ دنیا جہان کی ساری نشانیاں یعنی معجزے بھی دیکھ لیں تاہم وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں اُن کی ہٹ دھرمیاں تو یہاں تک بڑھی ہوئی ہیں کہ جب تمہارے پاس تم سے جھگڑتے ہوئے آتے ہیں تو یہ کافر قرآن کو سن کے بول اٹھتے ہیں کہ قرآن میں اور رکھا ہی کیا ہے اس میں تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہی کہانیاں ہیں اور یہ قرآن سننے سے دوسروں کو منع کرتے ہیں اور آپ بھی بھاگتے ہیں اور ایسی شرارتوں سے بس اپنی ہی ہلاکت کے درپے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اس نقطے کو بھی نہیں سمجھتے" مضحکہ اُڑانے والوں اور متعصبوں کے حق میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کی شرارتیں خود اُن کے حق میں سم ہلاہل ہیں. پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "والذین کذبوا بایتنا صم وبکم فی الظلمت من یشاء اللہ یضللہ ومن یشا یجعلہ علیٰ صراط مستقیم یعنی اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اُن کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں گونگے اور بہرے ہوتے ہیں خدا جسے چاہے اُسے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اسے راہ راست پر لگا دے" یہ بھی وہی بات ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جتنی آئتیں اس قسم کی آئیں سب کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں یعنی پہلے انتہا درجہ کی شقاوت قلبی اور ناممکن العلاج ضمیری مرض کا اظہار ہو کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا جسے چاہے گمراہ بنا دے اور جسے چاہے راہ راست پر لگا دے. خداوند تعالیٰ کا گمراہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص اُن قوانین قدرت سے انحراف کر کے گمراہ ہوا جو خداوند تعالےٰ نے ترتیب دیئے تھے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا ہی گمراہ کرنے والا اور خدا ہی ہدایت دینے والا ہے چنانچہ اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے "قد فصلنا الایات لقوم یفقھون یعنی جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں اُن کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں" پھر خداوند

تعالےٰ نے اور بھی تشریح سے فرما دیا ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اباؤنا ولا حرمنا من شئی کذلک کذب الذین من قبلھم حتی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون" یعنی مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ آخیر ہمارے عذاب کا مزا چکھا پر چکھا اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی علمی سند بھی ہے اگر ہے تو اُس کو ہمارے دکھانے کے لئے نکالو اور پیش کرو سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں نرے واہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہو"۔ جو کچھ ہمارا مطلب تھا خدائے حقیقی نے صاف الفاظ میں بتا دیا۔ یہ عذر ہرگز نہیں چلنے کا کہ اگر خدا چاہتا تو یہ کر دیتا اور خدا چاہتا تو ہمیں اس غلطی سے بچا لیتا خدا چاہتا تو ہم سے یہ گناہ نہ ہونے دیتا خدا چاہتا تو یہ کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند تعالےٰ میں ہر قسم کی قدرت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر جو قوانین کہ روز ازل سے اس نے ترتیب دیئے ہیں اُن کے خلاف ذرہ برابر بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جلال جتنا ہم اندازہ کرتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ ہے اُس کی بزرگی جو ہمارے خیال میں آسکے اُس سے کہیں برتر ین و اعلےٰ ہے ہم اگر اُن عظیم لاکھوں بلکہ کروڑوں کرّوں کا خیال کریں جو ہماری دنیا سے بدرجہا بڑے ہیں اور فضا میں گردش لگا رہے ہیں اور پھر اپنی دنیا اور اُس کے بعد اپنی ذات پر خیال کریں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک پشّہ کے رونگٹے کی نوک کے برابر بھی ہستی نہیں رکھتے ہم کیا اور ہماری عقل کیا ہاں جو کچھ اور جتنا اس نے بتا دیا ہے وہی جانتے ہیں اور کوئی علم ہمیں نہیں ہے۔ وہ خلاق اکبر بار بار کہہ چکا کہ قانون قدرت کے خلاف کچھ نہیں ہوتا اور ہر جگہ اس نے اُن لوگوں کی حقارت کی ہے جو ہر ایک بات خدا ہی پر سونپتے ہیں اور اپنی عجیب اولوالعزم قوتوں کو معطل کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جاتے ہیں اور کمبخت کچھ نہیں کرتے۔ وہ کن پر زور الفاظ میں اپنے اُن نافرمان اور سرکش بندوں کی تحقیر کرتا ہے جو خود تو اپنی عقل سے کچھ کرتے نہیں مگر خدا پر بھروسا رکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو یہ ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو ہم مشرک نہ رہتے۔ اُن کی نسبت ارشاد ہوا ہے اور وہ بھی اپنے پیغمبر سے کہ ان سے دریافت کرو کہ تمہارے پاس اس کی کچھ سند ہے کہ اگر خدا چاہتا تو شرک نہ رہنے دیتا پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ نہیں یہ کوئی سند پیش نہیں کر سکتے۔ انتہا درجہ عتاب ہے اور سخت غصہ ہے صرف اس باعث سے کہ یہ بدبخت اپنی اس بدکاری سے عذاب کا مزا چکھیں گے۔

یہ خیال باطل لغو ہے اور سراسر غلط ہے کہ انسان اپنی فطرت میں مجبور پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ انسان دو صورتوں سے سخت مجبور کیا گیا ہے اول تو تمدن و معاشرت اور رسم و رواج قومی و ملکی کے باعث اور دوسرے اپنی خاص فطرت سے یہ ساری باتیں محض بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہیں اور جو شخص طبع انسانی اور ضمیر کے عجیب و غریب جوہروں کو جانتا ہے وہ ہرگز یہ خارجی اور فطری مجبوری قبول نہیں کرنے کا۔ فرض کرو ایک شخص ہندوستان میں مذہبا ہندو پیدا ہوا۔ شیر خوارگی کے زمانہ سے لے کے بلوغ تک اُن والدین کی گودی میں پلا جو بت پرستی کرتے ہیں بتوں کو علے الصباح لڈو کھلاتے ہیں اُن کو نہلاتے اور اُن کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ کھانے میں تفریق کرتے ہیں پکا کھانا پوری کچوری لڈو بغیر چوکے کے کھاتے اور کچا کھانا مثلاً روٹی بغیر گوبر لیپے کھانا ممنوع جانتے

ہیں یہ معاشرت اُس کے خون میں ایسی ملجانی چاہیے کہ پھر کسی خارجی تمدن و تہذیب کا اُس پر اثر نہ پڑے مگر یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ فوراً غیر اشیاء سے متاثر ہوتا ہے اور اُس کی معاشرت بہت جلد بدلجاتی ہے۔ انسان کے خیالات کا عجیب اُتار چڑھاؤ ہے دم بدم اُن میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ایک شہر ایک آب و ہوا اور ایک معاشرت اور پھر اُسی میں معاشرت اور تمدن کا اتنا فرق کہ خیال میں نہیں آسکتا۔ یہ صحیح ہے کہ آب و ہوا ایک حد تک مجبور کرتی ہے یہ صحیح ہے کہ قوانین تمدن ملکی انسان کو ایک خاص طرف پھیرنے کے لئے دباتے ہیں مگر دراصل وہ مجبوری نہیں ہے بلکہ اسے خلقت کہنا چاہیے۔ حالانکہ یہ خلقت بدل سکتی ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک تبدیلی آسکتی ہے۔ مگر نہیں قوانین قدرت اور خدا پرستی کو اس تمدن اور آب و ہوا سے کوئی بھی تعلق نہیں یہ سارے طبعی اور فطری امور ہیں جن سے نہ نفس انسانیت میں کچھ نقصان پہنچتا ہے نہ فائدہ۔ بلکہ روحانی صفات کے لحاظ سے قوانین قدرت نے دنیا کا ایک ہی تمدن قرار دیا ہے اور اس سے جو شخص تجاوز کرے سمجھ لو کہ اس نے اپنی ہلاکت کا آپ سامان کیا مثلاً خدا کو ایک جاننا۔ چوری نہ کرنا زنا نہ کرنا اور ہمسایہ کو تکلیف نہ دینا وغیرہ دنیا کے کس ملک کا تمدن ہوگا کہ جو ان باتوں میں سے کسی بات کے تسلیم کرنے میں رخنہ اندازی کریگا اور کہاں اور کس جگہ آب و ہوا ان کے تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے سے مانع آئے گی۔ تقریباً تمام ہی دنیا اسے مانتی ہے اور سوائے چند نافہموں کے خدا کی پدسوں مخلوق اس پر کاربند ہے خدا کی نسبت سب کے خیالات یکساں ہیں عیبوں کو عیب اور نیکیوں کو سب نیکی جانتے ہیں کس ملک کے تمدن نے ایک خدا کے دو کر دیئے اور کس ملک کے تمدن نے زنا چوری اور قتل کو ناجائز قرار دیدیا۔ خدا پرستی یا تزکیہ نفس میں کسی قسم کا تمدن اور کسی قسم کی معاشرت کچھ بھی رخنہ نہیں ڈال سکتی۔ ایشیا کے باشندے اپنی معاشرت میں خدا پرستی کر سکتے ہیں اور تزکیہ نفس کے مدارج بھی طے کر سکتے ہیں اور افریقی اقوام اپنی ملکی آب و ہوا میں وہی کر سکتے ہیں جو ایک ہندوستانی یا عربی یا رومی یا یورپی باشندہ۔ یاد رکھو کہ اچھی چیز ہر جگہ اچھی ہے اور بری چیز ہر جگہ بری ہے مگر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اچھی وہ چیز ہے جسے خدا نے اچھا کہا ہے انسان کی اچھی بھی ہوئی کوئی چیز عام مقبول نہیں ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک ملک والے کسی خاص چیز کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن دوسرے ملک میں مقبول نہیں ہندوستان میں مرچ زیادہ پسند کیجاتی ہے مگر روم و عرب اور یورپ میں کوئی مرچ کو جانتا ہی نہیں جو ترکاریاں پھول پھل اور کھانے کی ہندوستانیوں کو مرغوب ہیں وہ دوسرے ملک میں نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں انگریز جس سڑے ہوئے پنیر اور مچھلی کو مزا لے لے کے کھاتے ہیں ہندوستانیوں کا اُس سے جی متلاتا ہے۔ غرض ہر چیز میں یہ فرق ہم عیاں دیکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی طبیعت یا بمقتضائے آب و ہوا اپنی معاشرت کے سامان پیدا کئے ہیں اس لئے اُس کے فائدے محدود ہیں دوسرے ممالک پر اس تمدن کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ گرمی میں انسان برہنہ رہتا ہے آسمان کی نیلی چھت کے نیچے شب کو سوتا ہے پھر بھی اُسے آرام نہیں آتا مگر ممالک روم اور یورپ یا امریکہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ مجبوری نہیں بلکہ اپنی صحت اور زندگی کے لئے اسے فطری طور پر ہر ملک کی آب و ہوا کے مطابق اپنے لئے سامان کرنے پڑتے ہیں برخلاف اس کے خداوند تعالےٰ نے جس چیز کو اچھا اور جس چیز کو برا بتایا ہے وہ ہر ملک اور ہر تمدن اور ہر قوم میں یکساں تسلیم کیا جاتا ہے اور اس میں کسی نے تبدیلی کرنے کی جرأت

کی نہ کرسکتا تھا تمدنی اثر خواہ وہ کسی قسم کا ہو روحانی فضائل میں کوئی فرق پیدا نہیں کرسکتا۔ ہر ملک میں نیک و بد پیدا ہوتے ہیں اور قریب قریب ہر ملک کے نیک و بد کی ایک ہی صورت اور ایک ہی صفت ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ جس صورت سے انسان کے قویٰ بنائے گئے ہیں اُس سے ویسے ہی افعال سرزد ہوں گے مثلاً ایک رحم دل اور ظالم کی کھوپڑی کی بناوٹ کبھی یکساں نہیں ہوسکتی یا ایک عیاش اور متقی کی کھوپڑی کی بناوٹ میں بہت بڑا فرق ہوگا یہ مسئلہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ جتنی خاصیتیں ہیں سب قوائے عقلی کی محکوم کی گئی ہیں اور ہر صدور فعل پر عقل ان خصوصیات پر غالب ہوسکتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر قوانین ملکی کا عملدر آمد ان پر کیوں کیا جاتا ہے کیوں ایک ظالم کو اُس کے مظالم پر سزا دی جاتی ہے کیوں نہیں قانون کی رسی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ..کہ جو کچھ وہ چاہے کرے اس لئے وہ خود نہیں کرتا بلکہ اپنی خلقت پر مجبور ہے۔ یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں بڑے بڑے عقلا نے تسلیم کرلیا ہے کہ ہر حالت میں قوائے عقلی اس خلقت پر غالب آجاتے ہیں جو پیدائش سے اُس کی ہمقوین رہی ہے۔ اسی بنیاد پر تو انسان کو آخرت میں جزا سزا ملسکتی ہے یعنی اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر ڈالے اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کا مال چھین لے اُس میں قوت ہے کہ زنا بالجبر کرے مگر نہیں کرتا اور قوانین ملکی یا اپنی دنیا دی عزت یا دوستوں کی شرم یا خدا کے خوف سے اپنی طبیعت کو روکتا ہے اور کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ دیکھو یہاں بھی قوائے عقلی اُس کی خلقت پر غالب آگئے انسان تو انسان شیر جس میں درندگی کی خاصیت ہے گھر میں پرورش پاکے مثل بلی کے بنجاتا ہے اور اپنے آقا کیساتھ محبت کرتا ہو کڑیاں بھرتا رہتا ہے چیتا تو عام طور پر پالا جاتا ہے اور مثل کتے کے اُس سے شکار کا کام لیتے ہیں یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی شیر یا چیتا اپنی اصلی حالت پر عود کرکے اپنے آقا پر حملہ کرے مگر اسکی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جو تمام عمر نیک رہا ہو کسی قبیح فعل کا اخیر عمر میں مرتکب ہو جائے۔ ایسی باتیں یا ان غیر معمولی افعال کا صدور بعض اوقات دماغی تبدیلیوں اور خارجی محسوسات کا بے انتہا دباؤ پڑنے سے ہوجاتا ہے اور یہی خطائیں ہمیشہ توبہ کرنے یعنی خود اپنے دل میں نادم ہونے سے معاف ہوجاتی ہیں اور پھر اُسکی وہی کیفیت ہوجاتی ہے یعنی وہ نیک بنجاتا ہے اور جو خفیف سی تاریکی اس ناگہانی خطا سے اُسکی روح پر چھاگئی تھی وہ ملگجت دور ہوجاتی ہے۔ ہماری جو غرض ہے وہ یہی ہے کہ خلقی قویٰ پر عقلی قویٰ ہمیشہ غالب آجاتے ہیں اسکی مثال اس حکایت سے معلوم ہوسکتی ہے جو ہم نیچے لکھتے ہیں "اقلیمون صاحب فراست کا یہ زعم تھا کہ میں ترکیب اعضائے انسان سے اُسکے اخلاق کو دریافت کرسکتا ہوں۔ بقراط کے تلامذہ نے اُسکا امتحان کرنا چاہا اور بقراط کی تصویر کھینچی ایل لونا تصویر کشی میں ید طولےٰ رکھتے تھے اور چونکہ وہ لوگ تصویر پرست تھے اسلئے تصویر کشی کے فن میں خوب ہی دستگاہ رکھتے تھے اس عمدگی سے بقراط کی تصویر کھینچی گئی کہ سر مو فرق نہ رہا گویا کہ ...... خود بقراط ہی موجود ہیں۔ پھر وہ اُس تصویر کو اقلیمون کے پاس لیگئے اور کہا جسکے اعضا کی یہ ترتیب ہو اُسکے اخلاق بیان کرو اقلیمون نے اعضائے مصورہ پر غور کرکے کہا کہ یہ کسی زانی کی تصویر ہے جو زنا کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔ بقراط کے تلامذہ نے اسکی تکذیب کی اور کہا یہ تصویر حکیم بقراط کی ہے اقلیمون نے جواب دیا میری فراست غلط نہیں ہے تم بقراط سے جا کے دریافت کرو یہ سنکے شاگرد اُستاد بقراط کے پاس آئے اور سارا واقعہ حکیم بقراط سے بیان کیا۔ بقراط نے کہا اقلیمون سچ کہتا ہے۔ گو میرا نفس زنا پر بہت حریص ہے لیکن میں اپنے نفس پر قادر ہوں اسلئے مجھسے وہ فعل سرزد نہیں ہوتا۔ (تاریخ الحکما) اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں اور سب سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے مگر ہم ان حکایتوں سے بھی درگذر کرتے ہیں جو وہ حالت پر بحث کرتے ہیں اسوقت ایک کھوپڑی ہمارے آگے میز پر رکھی ہوئی ہے اور کنکلیوں یعنی اس شکل کی ہے [illegible] اس کھوپڑی کی اس سمت

امر کی مقتضی ہے کہ جس شخص کی اس صورت کی کھوپری ہو وہ زانی ہوتا ہے مگر یہ ہم حکم نہیں لگا سکتے کہ اس نے تمام عمر زنا کیا اور کبھی تمام زندگی میں ایک موقع بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنی خلقی عادت کو روک سکا ہو یہ عام حکم ہم کیوں کر لگا سکتے ہیں اور کیوں کر دعوے کر سکتے ہیں کہ وہ کسی وقت اور موقعہ سے چوکتا ہی نہ تھا موجودہ زمانہ میں صدہا بلکہ ہزارہا انسان اس صورت کی کھوپری کے ہوتے ہیں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی یہ خلقت بازار اور دوستوں کے جلسہ میں بھی اس جرم کے ارتکاب پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نفسانی قوت کا ان پر غلبہ ہو لیکن یہ غلبہ ہمیشہ قوائے عقلی کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ قوائے عقلی اس غلبہ نفسانیت سے اس وقت مغلوب ہو سکتے ہیں جب اس کا محل اور موقع بھی ہو۔ مثلاً تنہا مکان ہے اور وہاں اس نوعیت کی کھوپری والے شخص کا پورا قبضہ ہے بد نصیب عورت کسی صورت سے اس کے جال میں آ پھنسی ایسی حالت میں تو ممکن ہے کہ خارجی اسباب کی مدد سے وہ اپنی خلقت کو قوائے عقلی پر غالب کر لے مگر بغیر اسباب خارجی کی مدد کے ممکن نہیں۔ ایک شخص کسی عورت پر فریفتہ ہے۔ شب و روز اسے بازار میں دیکھتا ہے جلسہ میں اس سے ملتا ہے باتیں کرتا ہے اور اس کی وصل کا انتہا درجہ مشتاق ہے ساتھ ہی کھوپری بھی کنکیو رکھتا ہے چونکہ اسباب خارجی اس کے معاون نہیں ہیں وہ اپنی خلقت سے اپنے قوائے عقلی پر فتحیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ظالم کی کھوپری ہمارے آگے رکھی ہوئی ہے ہم کیوں کر ایک ایک دن اور ایک ایک ساعت کے سوانح عمری اس کھوپری کے بیان کر سکتے ہیں اور کیوں کر دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنی خلقت کے خلاف کبھی بھی رحم کا کام نہیں کیا اور یہ ہمیشہ مظالم ہی میں ہاتھ رنگتا رہا۔ یہ ساری باتیں قیاسی ہیں اور ان موضوعہ اصول کے سب کلیئے غلط ہیں۔ یہ صحیح ہے اور اس سے انکار کرنا بداہت سے انکار کرنا ہے کہ ضرور اختلاف قولبی کا ایک اثر مترتب ہوتا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں لیکن زیادہ تر یہ باتیں جسمانی حالت پر اثر کرتی ہیں ایک قوی الجثہ شخص کمزور اور نحیف کی نسبت زیادہ کھائے گا اور قوت ہاضمہ بھی اس کی قوی ہو گی مگر یہ ضرور نہیں کہ قوائے عقلی میں بھی اس سے بہتر ہو اور اس کی روحانی قابلیت یا علمی لیاقت بھی زیادہ ہو ایک شخص جو حلیم الطبع پیدا ہوا ہے ظالم بن سکتا ہے اور ایک ظالم شخص اکثر اوقات حلیم الطبع ثابت ہوا ہے۔ جن بادشاہوں کے خونریز حالت سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ان کی رحم کی کہانیاں بھی سنی گئی ہیں اور وہ ایسی کہانیاں ہیں کہ سن کے تعجب ہوتا ہے کہ ایسا ظالم رحم دل کیوں کر بن گیا۔ جس طرح انسان کے قوائے جسمانی میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں اسی طرح قوائے عقلی میں بھی تنزل و ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں جس شئے کو ہم ایک زمانہ میں پسند کرتے تھے دوسرے زمانہ میں اس سے نفرت ہو جاتی ہے جس رائے پر ہم آج ناز کرتے ہیں کل خود ہی اس سے احتراز کریں گے جس خیال کی بلند پروازی آج ہمارے ذہن میں سما رہی ہے کل اس کی پستی کا یقین ہو جائے گا۔ اخیر یہ بات کیوں ہے اور کیوں نہیں انسان اپنی کھوپری کی وجہ سے تمام خاص صفات کا موصوف نہیں رہتا؟ یہ صرف اسلئے ہے کہ قوائے عقلی بالکلیہ قوائے جسمانی پر غالب ہیں اور جب کبھی یہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو انسان مجنون کہلاتا ہے۔ کھوپڑی کا علم جس سے مزاج اور خو کا اندازہ ہو سکے اس لئے موضوع نہیں کیا گیا ہے جیسا بعض

نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مرز بوم اور خصوصیات اقوام کی پوری تشریح ہو۔ ایک خشک کھوپڑی کو دیکھکر اس علم کا جاننے والا یہ بتا سکتا ہے کہ یہ شخص کس ملک کا باشندہ تھا اور کس قوم میں تھا۔ اور بس اگرچہ وہ یہ بھی کہسکتا ہے کہ اپنی عمر میں یہ عیاش تھا یا رحم دل تھا یا ظالم تھا لیکن اُس کا یہ کہنا قطعی الدلالت نہیں ہو سکتا یہ ساری ظنی باتیں ہیں جنہیں مشاہدہ سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ مثلاً ترکمانوں کی کھوپریاں اور ہندوستانیوں کی کھوپریاں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے ایک ظالم ترکمانی کی کھوپری ہندی ظالم سے ہرگز نہیں ملسکتی اسی طرح ایک ہندی رحمدل کی کھوپری کی بناوٹ ترکمانی رحمدل کی کھوپری سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی یہ بات اگر نامناسب نہوتی تو ہم دنیا کی کل اقوام کی کھوپریوں کی تصویریں بنا دیتے کیوں کہ صرف ایک تصویر سو صفحے کے بیان سے زیادہ اصلی حالات کی تشریح کرسکتی ہے مگر ہم کلام خدا کی تفسیر میں تصاویر کا ہونا کسی قدر نا ملایم سمجھتے ہیں اگرچہ تصاویر کی نسبت ہماری کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو اس مسئلہ کو علم قیافہ سے بہت بڑا تعلق ہے جو کسی زمانہ میں یونان میں بہت رائج تھا۔ کھوپری کی جو کچھ صورت ہوتی ہے یا ناک بھوں کی جو کچھ ہیئت کذائی ہوتی ہے اُس کا اثر ہمیشہ یکساں نہیں ثابت ہوا ہے یہ ممکن نہیں کہ بڑی ناک والے ہمیشہ ایک ہی خاصیت کے ہوں یہ ممکن نہیں جنکا کتابی چہرہ ہے اُن کی ایک ہی طبیعت ہو۔ یہ ممکن نہیں ہو سکتا جو گربہ چشم ہوں وہ بیوفا ہی ہوتے ہوں ممکن ہے کسی میں اس مطابقت سے عیب یا ہنر ہوں مگر کل مخلوقات پر اسکا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ کا اثر ہمیشہ یکساں رہتا ہے یا بدل بھی سکتا ہے۔ اگر نہیں بدل سکتا ہے تو انسان مجبور ہی کب ہوا۔ پہلے سوال کا جواب ہم دیتے ہیں۔

تاریخ اقوام عالم کے مطالعے سے ہمیں یہ ثابت ہوا ہے کہ ہمیشہ دنیا کی قوموں کی حالت ایسی بدلتی رہی ہے کہ سن کے تعجب ہوتا ہے۔ آج ایک قوم کو آنکھ بند کرکے تماشہ گاہ عالم پر دیکھتے ہیں کہ وہ انتہا درجہ ذلیل حالت میں ہے۔ روٹی کھانے کو نہیں کپڑا پہننے کو نہیں تمام انسانی معائب اُس کی ذات کے ساتھ لازم ہیں تمام بداخلاقیاں اُس میں خون کی طرح آمیز ہو رہی ہیں وہ جرایم کبیرہ کی بہت شوق سے مرتکب ہو رہی ہے اور دنیا کا ہر عیب اُس کے لئے شیر مادر کا حکم رکھتا ہے۔ چاروں طرف سے اُس پر لعنت برس رہی ہے اور وہ ہر آسمانی مصیبت کے لئے فطرۃً موزوں کی گئی ہے۔ اس ذلیل قوم نے تماشہ گاہ عالم پر ہماری آنکھوں کے آگے کھیل کیا اور فوراً پردہ پڑگیا جوں ہی دوسرا پردہ اُٹھا تو ہم نے اُسی قوم کو ترقی کی اعلیٰ حالت میں ملاحظہ کیا۔ فضائل حمیدہ اُس کے ساتھ لازم ہوگئے ہیں۔ پسندیدہ خصائل اُس کا لباس بن گئے ہیں دولت۔ ثروت۔ جلال۔ تمدن اور تہذیب نے قول ہار دیا ہے دنیا کی بڑی بڑی مغرور قومیں اُس سے جلب منفعت کی آرزو کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے شہنشاہوں کے سفیر اُس کے آگے سربسجود ہیں۔ فوجیں فتح ممالک کی کنجیاں لا لاکے حاضر خدمت کر رہی ہیں۔ ہر فرد قوم نیکی کے لحاظ سے فرشتہ نظر آتا ہے۔ جانی دشمنی کی جگہ دلی محبت پیدا ہوگئی ہے۔ خونریزی کے بدلے مظلوم کی حمایت پر سب کمربستہ ہیں۔ ایک طرف میدان کارزار گرم ہے تو دوسری جانب تعلیم کے لئے دار العلوم کھلے ہیں۔ یہ کیفیت پوری نہ ہونے پائی تھی کہ آنکھ کھل گئی سوال صرف یہ ہے کہ قوم کی کاکا یا پلٹ ہوجانا کیوں کر ہوگیا کہاں گئی وہ کھوپری کی بناوٹ جو صدیوں سے اُنہیں ایک حالت پر رکھتی چلی آتی تھی اور کہاں گئی وہ آب و ہوا جس نے صدہا برس سے اُنہیں جاہل وحشی۔ بے شرم اور نامہذب بنا رکھا تھا کہاں

گئی وہ عادت جس نے اُنہیں کسی کام کا ہی نہیں رکھا تھا۔ ایک نفس کی چند سالہ تعلیم نے ہزاروں برس کی عادت اطوار اور طرز و انداز کو بدل دیا۔ وہ نفس جو انہی میں سے پیدا ہوا جس نے اُنہی میں اور اُسی آب و ہوا میں پرورش پائی جس نے اُسی تمدن اور تہذیب میں ہوش سنبھالا جو زبون ترین حالت میں تھا جس نے وہی زبانی تعلیم پائی جو اور قوم کے بچے پاتے تھے ۔ سب جو اونٹوں اور بھیڑوں کا چرانا سکھایا گیا جسے دودھ دوہنے کی تعلیم دی گئی اُس نے کیونکر دنیا کا رُخ ادھر سے اُدھر پھیر دیا اور صدیوں کی برائیوں کو کیونکر آناً فاناً میں مٹا دیا۔ فوج اُس کے ساتھ نہ تھی، دولت اُس کے پاس نہ تھی مددگار اُس کے نہ تھے اخیر پھر کیا بات تھی جس نے وہ تماشا دکھایا جو کسی آنکھ نے پہلے دیکھا تھا نہ کسی کان میں ایسی آوازیں پڑی تھیں اور نہ کبھی اس کا خطرہ بھی کسی کے دل میں آیا تھا۔

کہاں گئی وہ کھوپریوں کی خلقت اور کہاں گیا وہ اصول کہ کھوپری کی بناوٹ ہی کل افعال کی صدور کا باعث ہوتی ہے۔ نہیں یہ نہیں ہے۔ تمام اکتسابی امور ہیں اور اُن سب کا سلسلہ رب الافواج کی لوح محفوظ سے وابستہ ہے موجودہ زمانہ میں جبکہ مسلمان انتہائی ذلت کی حالت میں ہیں۔ تمام دنیا کی عادات خبیثہ ان کی خصوصیات قومی میں سے ہو گئی ہیں نہ علم ہے نہ عزت نہ محبت ہے نہ جمیعت اسلام کیا موجودہ حالت سے یہ حکم لگایا جا سکتا ہے چونکہ قدرت نے اُنہیں اُلٹی کھوپری کا پیدا کرنا شروع کر دیا ہے اسوجہ سے وہ ترقی نہیں کرتے اور دن بدن تنزل اور بربادی کے ہمکنار ہوتے جاتے ہیں اُن کے مقابلہ میں دوسری اقوام ہند اچھی اور موزون کھوپری کی پیدا ہوتی ہیں اور اس ودیعت خداداد ی سے وہ آج عروج حاصل کر رہی ہیں۔ اخیر کیوں ہندوستان ہی میں اتنا فرق ہے۔ مسلمانوں کے کیوں قومی محسوسات اور خصوصیات دوسری اقوام سے نرالے ہیں وہی زمین وہی آسمان وہی مرز بوم وہی آب و ہوا وہی تمدن وہی معاشرت وہی آفتاب وہی مہتاب پھر کیوں اور کس وجہ سے مسلمان جاہل سست کاہل۔ مغرور۔ حاسد۔ نالایق پیدا ہوتے ہیں اور دوسری قوم کے افراد عالم۔ ہوشیار۔ محنتی۔ چالاق و چست۔ منکسر المزاج اور محبت والے پیدا ہوتے ہیں فزیالوجی یعنی علم قیافہ یا کھوپریوں کے علم سے اگر ہم اُس کا وہی مفہوم مانیں جو زبردستی ہمارے بعض جدید مفسروں نے مان لیا ہو تو کیوں یہ کلیہ غلط ٹھیرتا ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ میں آب و ہوا اور ملک کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ آٹھ کروڑ ہند اور جزائر ہند کے باشندوں میں کیا دس بیس سو پچاس بھی اس کھوپری کے پیدا نہیں ہوتے جنہیں قوم عزت کی نظر سے دیکھے اور وہ درحقیقت قوم کے مصلح ہوں۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہو گا کہ کھوپڑیوں کی بناوٹ ہرگز صدور افعال کا بالکلیہ سبب نہیں ہوا کرتی بلکہ انسان اس جوہر مجرد کی وجہ سے آزاد اور مختار پیدا کیا گیا ہے جو خداوند تعالے کی طرف سے اس کی ذات میں ودیعت ہوا ہے۔ اور وہ روح ہے جنگل کے وحشی اور غیر مانوس جانور جبکہ آقا پرستی کا سبق سیکھ جاتے ہیں اور اُن کی فطرت اور طبعی حالت میں بہت تبادل ہو جاتا ہے تو پھر انسان جس میں خدائے زمین و زمان نے اپنی روح پھونکی ہے کیوں نہیں اپنی ناجائز خواہشات نفسانی کو مغلوب کر کے مدارج اعلے پر پہنچ سکتا ہے۔ بکرا جسے کچھ بھی وقوف نہیں ہوتا اور کسی

قسم کا بھی ہوش نہیں ہوتا صرف انسانی تعلیم اور صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے حکم کے مطابق سجدے کرنے لگتا ہے۔ چوہے اور چوتیاں تماشہ کرتی ہوئی دیکھی گئی ہیں ایک گاے کو ہمنے خود دیکھا کہ وہ رنگوں کے الفاظ سمجھتی تھی جہاں اُس کے آقا نے یہ کہا کہ سرخ کوٹ والے شخص کے پاس جاکے کھڑی ہوجا وہ گئی اور خاموشی سے کھڑی ہوگئی اسیطرح سیاہ زرد دھانی چمپئی غرض ہر رنگ کے لباس والے کے پاس حکم ہوتے ہی جاکھڑی ہوتی تھی۔ اخیر یہ بات کیوں ہے اور کیا وجہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہوتا ہے صرف اصل یہ ہے کہ ایک قسم کا وقوف ہر جاندار میں عطا ہوا ہے اُسے جتنا جلا دو جلا ہوتا چلا جائے گا اور جہاں تک اُس میں جلا ہونے کی گنجائش ہوگی کوئی مزاحم نہیں ہونیکا انسان میں اس وقوف کا درجہ بہت اعلےٰ ہے اور اُس پر خداوند تعالےٰ نے اُس میں اپنی روح پھونکی ہے اس لحاظ سے وہ ہرگز کھوپریوں کی بناوٹ کا تابع نہیں ہوسکتا بلکہ تمام خواہشیں اُسی کی مطیع فطرةً بنائی گئی ہیں اور اُس میں اتنی زبردست قوت ودیعت ہوئی ہے کہ ہر وقت اُن کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو دنیا کے تمام کام درہم برہم ہوجائیں گے اور نظام کائنات جو قدرت کی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے آناً فاناً میں مٹ جائے گا اور پھر سوائے معبود برحق کی ذات کے اور کچھ بھی نہیں دکھائی دیگا۔ دوسرا شک یہ ہے کہ فطرت نے ہر جاندار کو بلکہ ہر مخلوق کو مجبور کردیا ہے اُس مجبوری سے کوئی مخلوق سر نہیں اُٹھا سکتی مثلاً پرندوں کو پر دئے کہ وہ ہوا ہی میں اُڑا کریں۔ مچھلیوں کو پانی ہی میں رہنے کی فطرت دی گئی۔ شیر اور اسی قسم کے اور جانوروں کو پھاڑنے کی فطرت ودیعت ہوئی چوپاؤں کو اسی صورت سے پیدا کیا کہ وہ ہوا میں نہ اُڑ سکیں بلکہ زمین پر چلیں۔ غرض اسیطرح سے خلقت نے تمام مخلوق کو مجبور کردیا ہے جس طرح شیر گھانس اور دانہ کھاکے زندہ نہیں رہ سکتا اسیطرح بکری گوشت کھاکے اور خون پی کے زندہ نہیں رہ سکتی علےٰ ہذالقیاس یہی کیفیت انسان کی بھی ہے کہ وہ بھی مجبور پیدا ہوا ہے اس سے یہ مطلب نکلتا ہے جب انسان اور حیوان مجبور ہیں پھر سزا اور جزا کیسی۔ اسکی تو بالکل یہی مثال ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ بازمے گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسا خیال کہ کسی خاص قسم کے جانور کو اُس کی خلقت میں مجبور ماننا سمجھہ کی غلطی ہے۔ عین فطرت ہرگز مجبوری کا نام نہیں ہے یہ تو وہی بات ہوئی کہ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ اپنا دس گز کا ہاتھ نہ بڑھا سکے انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پرندوں کے ساتھ فضا میں نہ اُڑ سکے اسے مجبوری نہیں کہتے خلقت اور مجبوری میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر پرندے کے لئے یہ لازم ہی ہوجاتا کہ وہ اُڑا ہی کرے تو پنجرہ میں بند ہو کے فوراً مرجاتا حالانکہ یہ بات نہیں ہے اس کی پرواز اور چوپائے کا چلنا ارادی ہے قسری نہیں ہے جب ارادہ ہوا تو وہ اس میں مجبور نہیں ہوسکتا۔ فطرت کا نام مجبوری نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں اقسام مخلوق کے ہیں اور ہر ایک کی فطرت جداگانہ پیدا کی گئی ہے اور وہ اُسی فطرت میں آزاد ہے۔

اب صرف بحث اس میں ہے آیا ایک شخص جس کا رجحان مصوری کی طرف ہو وہ ادیب ہوسکتا ہے یا نہیں ہاں ہمارا یہ خیال ہے کہ ہوسکتا ہے اور اُس کے ہونے میں کچھہ بھی شبہ نہیں ایک قوی بلحاظ ضعیف الی قطرا دو

ایک غبی ذہین اور ایک ذہین غبی ایک شریر غریب اور ایک غریب شریر بن سکتا ہے یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ ایک شخص جسے ابتدا سے ریاضی کا مذاق ہو وہ اعلےٰ درجہ کی تاریخ جان سکتا ہے اگرچہ تحصیل کرنے کے بعد وہ زیادہ اس سے کام نہ لے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شخص کی ایک ہی فن میں شہرت ہوتی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے دوسرا فن آتا ہی نہ تھا۔ یہ سمجھنا کہ ہر انسان کی خاص علم اور خاص ہنر سیکھنے کیلئے اس کے قوائے جسمانی موزون کئے گئے ہیں محض لغو اور بچوں کی سی باتیں ہیں۔ اگر اسے تسلیم کرلیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کروروں مسلمانوں میں سے دو تین ہزار بھی سائنس دان نہیں پیدا ہوئے کہ اس وقت مسلمان اس کہنے کے قابل ہوتے کہ ہم میں بھی لائق لوگ موجود ہیں۔ موجودہ زمانہ میں تو جب تک کسی علوم میں برابر کا بیمانہ نہ ہو سند فضیلت دی ہی نہیں جاتی۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ سوائے اس کلیہ کے کہ انسان مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اور کوئی کلیہ صحیح نہیں ہے اور یہ تمام اختراعی باتیں ہیں جنہیں نفس فطرت انسانی سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ کتنی رکیک اور چھوٹی سی بات ہے کہ ایک شخص کی آنکھ سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے پس وہ آنکھ دور کے دیکھنے پر مجبور ہے۔ اول تو اعتدال سے زیادہ جس شخص کو دور کی چیز دکھائی دے وہ مریض ہوگا اور علاج سے ضرور ایسے مرض کا ازالہ ہوسکتا ہے اور اگر فرض کرو کہ وہ مریض نہیں ہے بلکہ پیدائش ہی سے اس میں یہ صفت یا یہ عیب پیدا ہوا ہے تو پھر مجبوری اسے کیوں کر کہسکتے ہیں بصارت کی وہ شعاعیں جو آنکھوں سے نکل کے چیزوں کا عکس آنکھوں میں پیدا کرتی ہیں آیا ان کی یہ حرکت طبعی ہوگی یا ارادی یا قسری۔ ہاں ان کی یہ حرکت طبعی ہے جب طبعی ہوئی تو اس میں مجبوری کا لفظ نہیں آسکتا۔ مجبوری کے معنی خلاف فطرت کسی فعل کا سرزد ہونا ہے۔ اور ساتھ ہی صادر ہوتے وقت جبر و اکراہ کا بھی علم ہو یا وہ محسوس ہو اور جب یہ بات نہیں ہے تو پھر جبر و اکرہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے مثلاً انسان جسے ہم بالطبع آزاد اور مختار مانتے ہیں اگر مقید رکھا جائے اور ایک جابر ظالم شخص اسے اکس نے بندے تو وہ حالت مجبوری اسے محسوس ہوگی اور ایک زمانہ تک اس کا محسوس ہونا معلوم ہوتا رہے گا مگر جب اس قید کی عادت پڑجائے گی تو پھر مجبوری کی حس میں کمی ہوجائے گی چونکہ یہ مسلمہ ہے کہ عادت فطرت ثانی بنجاتی ہے اس لئے وہ مجبوری فطرت ثانی بن کے پھر زیادہ محسوس نہیں ہونے کی اور اخیر بعد ازاں مساوات ہوجائے گی۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کرلیں کہ انسان مجبور پیدا کیا گیا ہے تو پھر اس کی تمام فضیلتیں جو مذہب نے قائم کی ہیں اور وہ فضائل جو علوم جدیدہ نے اس کے تسلیم کئے ہیں سب برباد ہوجاتے ہیں یہ تمام فضیلتیں محض آزادی اور خود مختاری کی وجہ سے اسے حاصل ہیں اور اصل یہ ہے کہ نفس خودمختاری اور آزادی ہی ایسی چیز ہے جس سے وہ اور مخلوق پر شرف رکھتا ہے۔ انسان کی فضیلت کا ابھی تک یقیناً بیہ حصہ بھی نہیں معلوم ہوا وہ انسان جس کی نسبت خلاق اکبر یہ فرماتا ہے کہ میں نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ جب تک کہ فیضان باری تعالےٰ نہ ہو انسان کی عظمت اور جلال کا ہزارواں حصہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا۔ اسے اسی بنیاد پر عالم صغیر کہا گیا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اس میں عالم صغیر بننے کے جوہر بھی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں اور کلام خدا ہماری تائید کرتا ہے کہ انسان مجبور نہیں

پیدا کیا گیا بلکہ اُسے آزاد و مختار پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہی اُس کے عالی مرتبہ ہونے کی دلیل ہے۔ جو اُس کی دی ہوئی آزادی کو معبودی کی زندگی میں جکڑتے ہیں اور اُس سے کام نہیں لیتے اُس کا نتیجہ حسرت ناک ہوگا چنانچہ خداوند تعالےٰ نے اس بات کا نہایت زور کے الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے "ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغفلون" یعنی اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں اُنکے دل تو ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے غرض یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گزرے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو دین سے بالکل بے خبر ہیں۔ کیا زبردست کلام ہے اور کس قدر جامع ہے اور انسان کی خود مختاری کو کن پرزور الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ بہتیرے جن اور انس ہم نے جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں اور پھر اُس کا سبب بتاتا ہے کہ کیوں کثرت سے لوگ جہنمی ہوں گے اس لئے دل رکھتے ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے کان رکھتے ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے جب یہ بات ہے تو قطعی وہ جہنمی ہوئے اپنی معبودیت اور جلال کا سچا اظہار اور اپنے سخت قہر کی طرف اشارہ فرماکے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ہی بہتیرے جن اور انسان جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ بدبخت خود ہم سے اپنی بداعمال کی وجہ سے جہنم مول لیتے ہیں۔ انسان ہیں جو جلال۔ جبروت اور عظمت خدائے برحق کی طرف سے عطا ہوئی ہے وہ ایسی لاانتہا ہے کہ اُس کا اندازہ نہ اطبا نے کیا اور نہ علوم معرفت نے۔ اں قرآن مجید نے جو کچھ انسان کی فضیلت بیان کی ہے وہ اُس کی حقیقی حالت ہے۔ ایسی صورت میں اُس کی نافرمانی اور سرکشی کتنی غضبناک امر ہے اور ان اعلےٰ درجہ کی صفات پر اُس کی بدکرداری کتنی قہرناک ہے۔ ہم پھر انسان کی بناوٹ پر ایک نظر کرتے ہیں تاکہ تمام شکوک جو اُسکی خلقت کی نسبت کئے گئے ہیں جاتے رہیں۔

تمام عجائب و غرائب چیزیں جو فطرت ہمارے مشاہدہ میں پیش کرتی ہے کوئی شک نہیں کہ ان میں سے سب سے زیادہ ہماری توجہ انسان کی طرف مبذول ہوتی ہے اگر ہم اس بات کو قبول کریں کہ عقل و فراست فطرت نے صرف اسی کی ذات میں ودیعت کی ہے تو پھر تمام کائنات کی کوئی مخلوق بھی ہمارے آگے ایسی نہیں لائی جاسکتی جس کا انسان سے خفیف مقابلہ بھی ہو سکے لاریب جب ہم اُس کی یکتائی کی عظمت کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں نہ صرف اُس کی شکل و صورت اور وضع طرح ہی بے مثال معلوم ہوتی ہے بلکہ اُس میں عقل کا وہ امتیاز معلوم ہوتا ہے جو اور جاندار مخلوق سے اُس میں نمایاں پایا جاتا ہے۔ اُس کی تمدنی حالت اُس کی محبت آمیز فطرت۔ اُس کا اتحاد اُس کی ممنونی۔ فیاضی۔ اور کل خارجی حادثات کے لئے موزون ہونا اور اسی طرح علم و دانائی میں علی التواتر ترقی کرتے رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سب سے دلکش اور عجیب وغریب حصہ ہے اگر ہم اُس کے قوائے عقلی اور اخلاقی۔ تمدنی اور معاشرتی۔ روحانی اور جسمانی کا امتحان کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم فطرت کی سب سے عجیب سب سے اہم اور سب سے عظیم الشان چیز کا امتحان کر رہے ہیں۔

صورت اول میں تو ہم اسے دنیا کے اور جانداروں کے گروہ میں سے ایک جاندار خیال کریں گے اگرچہ اپنے ڈیل ڈول امراض اور حالات مختلفہ کے لحاظ سے وہ اُن سے ممتاز معلوم ہوگا اُس کی جسمانی بناوٹ کا امتحان کرنے کے لئے ایک علیحدہ علم درکار ہے۔ اور اُس کی قابلیت کو جانچنے کے لئے دوسرے علم کی ضرورت ہے اور اُس کی فطرت اور اُس کے جوہروں کے جاننے اور سمجھنے کے لئے تیسرے علیحدہ علم کی حاجت ہے جبکہ اُس کی فراست کی قوتیں مختلف طور پر مختلف شاخ در شاخ علوم سے جانچی جاتی ہیں یعنی ہر قوت کے جانچنے کے لئے ایک جدا علم کی شاخ ہے۔

صورت دوم میں خیال کیا گیا ہے کہ انسان اپنی صورت شکل۔ قد۔ رنگ۔ بلندی۔ وضع طرح۔ حالات۔ طرز و انداز اور تمام ان حالتوں اور گوناگونی میں جو خارجی اسباب سے اُس میں پیدا ہوتے ہیں اور جانداروں سے امتیاز کلی رکھتا ہے غرضکہ نہایت ادق اسباب کا اثر جو علی التواتر صدیوں پر صدیاں گذرنے سے اُس کی مذکورۂ بالا حالتوں پر پڑ رہا ہے اور جن پے درپے کے اثرات کو ہم ہر ملک اور ہر قوم کے آدمیوں میں ملاحظہ کر رہے ہیں فطرت کے تماشہ گاہ کا ایک بے نظیر نظارہ پیش کرتا ہے۔

صورت سوم میں انسان غیر مختار اور جوابدہ شمار کیا گیا ہے۔ اور وہ اپنے خالق سے اسی قسم کا تعلق رکھتا ہے اس لحاظ سے اُس کی خواہشیں اور جذبات دلی اسیطرح اُس کے تمدنی اور مذہبی فرائض اُس کی معاشرانہ تاریخ۔ اُس کی ملکی اور سیاسی قوانین کی طرز اور وہ رازدارانہ تعلق جو اُسے اپنے معبود برحق سے ہے جو اُسکا سچا خالق ہے اور جس کی ذات پر اُس کا بالکلیہ دارومدار ہے۔ اس خیال نے نئے نئے علوم کی شاخیں پیدا کردیں اور خیال کرنا پڑا کہ اپنے ضمیری جوہروں کو کیوں کر کام میں لائیں اور اپنے قوائے روحانی کو کس طرح اُس حد تک پہنچائیں کہ انسانی ذات اپنے خالق کو پہچان سکے۔

اخیر میں اس تعلق پر غور کیا گیا ہے جو انسان اور مخلوق سے رکھتا ہے کیوں کہ اُس کی راحت و آسایش بلکہ زندگی کا دارومدار اپنے سے دوسرے مخلوق پر ہے۔ اور یہی مخلوق گویا خداوند تعالےٰ کی طرف سے روز ازل سے اُس کے ہر کام میں کفیل بنائی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کی عجیب شان ہے اور اُسے اب تک کوئی نہیں پہچان سکا ہے فلسفیوں اور اخلاقی کتابوں کے لکھنے والوں نے اُسے بے چون وچرا انتخاب کائنات تسلیم کرلیا ہے علم جغرافیہ کے ماہروں نے اُس کی زندگی اور اُس کے تغیرات کا حال قلمبند کیا ہے۔ مورخوں نے اُس کی سوسائٹی کی اصل اور صنعت وحرفت و تمدن میں اُس کی ترقی کا کھوج لگایا ہے اور ان تبدیلیوں کو دکھایا ہے جو خواہ اسباب طبعیات سے خواہ اُس کی نالایقی۔ بدکرداری۔ بداعمالی سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ اور اب تک ان تبدیلیوں کا برابر سلسلہ جاری ہی اور جب تک دنیا قایم ہے یہی کیفیت ہوتی چلی جائے گی۔ سوانح عمری لکھنے والوں نے اُسکی ایک طرف تو اعلےٰ درجہ کی نیکیاں اولوالعزمیاں۔ بے نظیر جوہر اور نکھرے ہوئے خیالات دکھائے ہیں اور دوسری طرف۔ ارذل ترین بُرائیاں پست ہمتی اور خباثت باطنی کو ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسانی گروہ میں ہمیشہ پہلو بہ پہلو دونوں باتیں لازم وملزوم رہیں۔ علم طبعیات کے ماہروں نے انسان کی خارجی صورت کی تحقیق کی ہے اور ان اختلافات کا کھوج لگایا ہے جو مختلف

اقوام میں بیّن طور پر پایا جاتا ہے اور اُن دل کش اور عجیب خصوصیات کو بتایا ہے جو انسانی ذات کے ساتھ ودیعت ہوتی ہیں انسان کی اُن عادات و اطوار کو بتایا ہے جو بلحاظ اختلاف مرزبوم اُس میں نمایاں ہیں۔ اُس ترقی اور تنزل کا اظہار کیا ہے جو حالت شیرخواری سے روز وفات تک اُس میں پیدا ہوتی ہے۔

جہاں تک غور کیا جائے گا اور جس حد تک تحقیق کی جائے گی انسان کی ذات میں عجیب عجیب جوہروں کا اظہار ہوتا چلا جائے گا اور اُن سب کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان خودمختار پیدا کیا گیا ہے مختلف آب و ہوا اور اختلاف مرزبوم کی وجہ سے بعض مصنفوں نے غلطی سے اُسے مجبور مان لیا ہے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے مرزبوم کے اختلاف سے جو معاشرت اُس کی پیدا ہوتی ہے اور جو تمدن کہ روز پیدایش سے اُسے اختیار کرنا پڑتا ہے اُس میں بالکل آزاد ہے اور ممکن نہیں کہ اُس ملک کی معاشرت اور اُس تمدن میں داخل ہونے اور اپنے قومی خصوصیات محسوسات اور معاشرت میں زندگی بسر کرنے سے کوئی چیز اُس کی مانع اور مزاحم ہو سکے۔ مثلاً وہ قومیں جو شمال کے یخ بستہ ممالک میں رہتی ہیں اُن کی زندگی کا دارومدار محض شکار اور مچھلی پر ہے نہ تو ان ممالک میں نباتات پیدا ہوتی ہے اور نہ مویشیوں کو چرانے کے لئے چراگاہیں ہیں۔ وہ اسی مرزبوم میں پیدا ہوئے وہیں اُنہوں نے پرورش پائی اور وہیں رہنے کے عادی ہیں اگرچہ اُن برفستانی منجمد ممالک میں اُن کی خوراک مچھلی اور شکاری گوشت ہوتا تو اُن کا جینا محال تھا۔ اس سے یہ استنباط کرنا کہ وہ مچھلی اور گوشت کے کھانے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں ایک نازیبا بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ملک کے باشندے تمدن اور صنعت میں ہرگز ترقی نہیں کر سکتے اُن کا ترقی نہ کرنا اُن کے لئے کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔ تمدن چیز کیا ہے اور صنعت کہتے کسے ہیں صرف تمدن اپنی خیالی ضروریات کو بے انتہا وسعت دیتا ہے اور صنعت اُن وسیع خیالات کا قیام پیدا کرتی ہے۔ ملک کی آب و ہوا سے جبکہ اُن کی ضرورتیں نہیں پیدا ہوتیں جبکہ یخ بستہ حصص عالم میں کسی قسم کے تمدن کی ضرورت نہیں ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان ساری باتوں پر منصفانہ نظر کرنے کے بعد ہم کیوں کر انسان کو مجبور خیال کریں اور یہ کیوں کر سمجھ لیں کہ ہر ملک کی آب و ہوا نے انسانی گروہ کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہیں یہ لوگ صرف جھونپڑے بناتے ہیں تاکہ اُن میں بیٹھ کر چمڑا تیار کریں اور پھر وہ چمڑا اُن کے اوڑھنے کے کام میں آئے اسی طرح سائبیریا کے شمالی اور مشرقی حصص کے باشندے اور شمالی امریکہ کے وحشی اب تک اپنی ابتدائی حالت میں دکھائی دیتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملک کی آب و ہوا اُن کی ضرورتیں نہیں بڑھاتی اور جس دن اُن کی ضرورتیں بڑھنے لگیں تو پھر وہ چند سال میں اپنی وحشیانہ حالت سے بآسانی نکل آئیں گے۔ ان کے علاوہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جنہیں خانہ بدوش کہتے ہیں اور اس خانہ بدوشی کی وجہ کو اگر بغور ملاحظہ کیا جائے گا تو یہ نکلے گی کہ وہ ابتدا سے کسی کی مطیع نہیں ہوئیں اور اب تک اُن کے خون میں بھی اثر ہے کہ مطیع ہونا اپنی انسانی فطرت کو پامال کرنا ہے۔ وہ قومیں یہ ہیں شمال یورپ کے لیپ لینڈر۔ تاتار جو ایشیا کے جنگلوں میں آباد ہیں عرب کے بدو جو عرب اور شمالی افریقہ کے ریگستانوں میں پھرا کرتے ہیں جنوبی افریقہ کے کافر اور ہٹنٹس جن کو خانہ بدوشی کرتے کرتے صدیاں گزر گئیں کیا ہم اُنہیں مجبور کہہ سکتے ہیں؟ نہیں بلکہ عادت جو فطرت ثانی ہوتی ہے مجبوری پر قیامت تک دلالت نہیں کر سکتی۔

اسے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی شکل و شباہت پر مرز بوم کا ضرور اثر پڑتا ہے اور یہ بھی ممکن بلکہ لازمی ہے کہ آب و ہوا کا اثر عادات - طرز معاشرت اور خصوصیات قومی پر بہت بڑا پڑتا ہے - قوائے جسمانی اور اخلاقی بھی اس سے کافی طور پر متاثر ہوتے ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ صدہا برس گزرنے پر بھی ایک ملک کے باشندے ایک ہی رنگ روپ اور ایک ہی قوائے جسمانی کے ہوتے ہیں نگیریا کے سیاہ اور یورپ کے گورے رنگ کے زمانہ دراز سے برابر چلے آ رہے ہیں پیرو کے تین کا رنگ تانبے کا سا اور جزائر پیلے کے آدمیوں کا بھورا رنگ ایک ہیئت سے برابر چلا آتا ہے مگر بعض جگہ یہ کلیہ بھی غلط ہو گیا ہے مثلاً حبش میں اگرچہ سیاہ رنگ کے لوگ بکثرت ہیں تو وہیں اسی ملک اور آب و ہوا میں گورے بھی موجود ہیں ونیڈ اہمین لینڈ کے باشندے بالکل سیاہ ہیں جبکہ یورپ کے اسی شمالی درجہ عرض البلد کے باشندے بالکل گورے ہیں مالا بار کے رہنے والوں پر اگرچہ آفتاب اسی تیزی سے چمکتا ہے جیسے کہ سائبیریا کے باشندوں پر تو بھی اُن کے رنگ سیاہ نہیں ہیں - ڈچ جنہوں نے کیپ اف گڈ ہوپ میں اپنی بستیاں آباد کر لی ہیں حالانکہ اُنہیں وہاں آباد ہوئے پوری دو صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی ہاٹینٹوٹس کی طرح سیاہ نہیں ہوئے ہندوستان میں پارسیوں کی گوری قوم خود اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ انسانی نسلوں میں تبدیلیاں تو ضرور ہوتی ہیں مگر صدہا برس تک محسوس نہیں ہو سکتیں - اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حادثات طبعی کا اثر سب پر یکساں نہیں پڑتا اس حالت میں کہ جب تک اس اثر سے متاثر ہونے کا موقع نہ ہو ہندوستان میں مزدوری پیشہ اقوام کبھی گورے رنگ کی نہیں ہو سکتیں ایک لکڑہارا جس کی معاش یہ ہے کہ صبح سے شام تک دھوپ میں کھڑے ہو کے لکڑیاں چیرے کب اُس کا خون لطیف اور سرخ ہو سکتا ہے ابتدا میں اگر گورا بھی تھا تو اتنی سخت محنت کے بعد اُس کا کالا ہونا لازمی ہے - تاہم اس دھوپ اور محنت سے ایک بیّن فرق نظروں کو کبھی محسوس نہیں ہو سکتا - ہاں ناگہانی حادثے اور بڑے بڑے تغیرات بہت جلد قومی خصوصیات کو پلٹ دیتے ہیں اور پھر گذشتہ صورت مدت تک بھی حاصل نہیں ہوتی - لیکن یہ تبدیلیاں جو قوم میں اپنا ظہور کرتی رہتی ہیں نسلوں پر نسلیں گزرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں - مثلاً عالمگیر کے وقت مغل گھوڑے کا گوشت کھایا کرتے تھے اور انہیں برسوں میں بھی بھیڑ کا گوشت کھانے کا اتفاق نہ ہوتا تھا اور وہ اسے سخت عیب سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مریضوں کا کھانا ہے اُن ہی مغلوں کی اولاد اب بھی ہندوستان میں موجود ہے اور اب وہ ایسی ضعیف ہو گئی ہے کہ اُس سے بھیڑ کا گوشت بھی بمشکل ہضم ہوتا ہے - متعدد نسلیں بدلنے کے بعد یہ عظیم تبدیلی اب جا کے محسوس ہوئی ہے نہ مغلوں کے سے ہاتھ پیر ہیں نہ رنگ روغن ہے اور نہ خوراک اور ہاضمہ ہے - ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرز بوم میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں اور وہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں -

ہر ملک کے باشندوں کو خال و خط دوسرے ملک کے باشندوں سے تطابق نہیں کھاتے مگر تغیرات زمانہ پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ ان کی بھی یکساں حالت نہیں رہ سکتی - آج نہیں ہزار دو ہزار برس کے بعد ضرور ان میں تبدیلیاں واقع ہوں گی اور موجودہ حالت ایسی چھپ جائے گی کہ جس کا کھوج لگانا مشکل ہو جائے گا دنیا کی قوموں کی بہار بالکل ایک باغ سے مشابہ ہے جس میں ایک ہی قسم کے ایک ہی کیاری میں طرح طرح کے پھول لگے ہوئے ہیں وہ سب جس طرح مختلف اللون

ہیں اسیطرح ان کی بوییں بہت بڑا اختلاف ہے یہی کیفیت انسانی مخلوق کی ہے رنگ و روغن اور خال وخط سے قوائے باطنی میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مثلاً یورپ کے باشندے عام طور پر جسطرح گورے رنگ کے ہوتے ہیں اسی طرح ان میں چستی۔ خدا دادفراست اور نو ایجادی کا مادہ بھی ممتاز ہوتا ہے۔ تاتاری جن کی نسل سے عثمانی ترک ہیں۔ سرکیشین اور دوسری قومیں جو کوہ قاف اور اس کی گردو نواح میں آباد ہیں خدا کی کل مخلوق سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہوتی ہیں ایرانی۔ ہندوستان کے باشندے۔ عرب اور جو شمالی افریقہ میں بستی ہیں اور حبشی جن کی نسل عربوں ہی سی نکلی ہے یہ تمام قومیں شمال میں خوبصورت بھی ہیں اور دراز قد بھی ہیں ان کے خوبصورت بال اور ان کی آنکھیں نیلی ہیں مگر یہی قومیں جنوب میں سیاہ رنگ اور گندمی رنگ کی ہوتی ہیں اور ان کی آنکھیں اور بال سیاہ ہوتے ہیں۔ نہایت معتدل حصص ملک میں بھی رنگ کا یہ میل پایا جاتا ہے۔

(۱) دو براعظموں کے شمال میں وہ لوگ بستے ہیں جن کے رنگ سیاہ ہیں۔ چہرہ بھدا۔ سیاہ بال سیاہ آنکھیں جسم موٹا اور قد چھوٹا۔ ان براعظموں کے شمال کے باشندوں سے یورپ میں لیپ لینڈرس۔ ایشیا میں سموئی دیس۔ اس ٹی آکس جی چکی۔ امریکہ میں گرین لینڈرس اور ایسکوئی ماکس تعلق رکھتے ہیں۔ فلینڈ کے باشندے اگرچہ کل باتوں میں ان سے ملتے ہیں مگر قد میں مثل یورپیوں کے ہوتے ہیں ہنگیرین اور ایشیائی بہت سی خانہ بدوش قوموں کی قریب قریب ہی شباہت ہوتی ہے۔ زبان بھی ایک ہی اور معاشرت بھی قریب قریب ایک ہی۔

(۲) منگول جن سے وہ قوم تعلق رکھتی ہے جسے تار تار کہتے ہیں اور منچوزا ور کالموکس بھی ان ہی کا نام ہے اسی قوم نے اپنی فتوحات چین سے ہندوستان تک اور ہندوستان سے یورپ تک پھیلائی تھیں ان کی چپٹی پیشانی چھوٹی ناک۔ رخسارکی ابھری ہوئی ہڈی۔ سیاہ بال خفیف ڈاڑھی۔ خمار چھوٹی آنکھیں۔ موٹے ہونٹ اور رنگ کم زیادہ زرد ہوتا ہے۔ چینی جاپانی گینجز کے پرے کے رہنے والے ہندوستانی جنھیں ہم ملایائی کہتے ہیں بہت ہی قریب کی مشابہت منگولیوں سے رکھتے ہیں جنوبی سمندر کے جزائر میں اور نیو ہالینڈ کے عظیم براعظم میں ملایا ہی قوم کے اصلی لوگ آباد ہیں۔ ان میں سے جو گروہ خط استوا کے قریب آباد ہیں حبشیوں کی طرح ان کی جلد سیاہ ہوتی ہے۔

(۳) حبشی جنوبی افریقہ کے کناروں پر آباد ہیں دریائے سینیگال سے بحر احمر تک ان ہی کی آبادی چلی گئی ہے۔ اپنی جلد کے سیاہ ہونے کے علاوہ وہ اپنی چپٹی ناک چپٹی پیشانی بڑے دہانہ۔ رخساروں کی اٹھی ہوئی ہڈیوں اور گھونگروالے بالوں سے بہت ممتاز ہیں۔ گائنا کے باشندوں سے بھی زیادہ وہ کالے ہیں اور ان کی ناک بے تحاشا لمبی ہوتی ہے مگر کونگو کے رہنے والے بہت ہی حسین اور شکیل ہوتے ہیں۔ کیپری کا ان کے خط جدی پر وہ بہت ہی پھیکے رنگ کے ہوگئے ہیں اور ان ہی کو کافر کہتے ہیں ساؤتھ افریقہ کے مشرقی کناروں کے باشندے مختلف صورت وشکل کے ہیں۔ ہوٹین ٹوس جو جنوبی حصہ میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں ان کی سب سے علیحدہ ہی قسم ہے ان کے رخساروں کی ہڈیاں اتنی اونچی ہیں کہ ان کے چہرے کی شکل مثلثی بنگئی ہے۔ ان کا رنگ بھورا زیتونی ہوتا ہے۔

(۴) امریکہ میں تانبے کے سے رنگ کے لوگ آباد تھے۔ سیاحوں کا ان کے سر کے بالوں اور ڈاڑھی میں بہت بڑا اختلاف

ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ڈاڑھی اور سر کے بال نہ کٹتے تھے اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اُکھیڑ ڈالتے تھے یہی قوم امریکہ کی وحشی قوم کہلاتی ہے اور اس کا باقیماندہ حصہ میکسیکو اور پیرو میں آباد ہے۔ مگر اس براعظم کے جنوبی کنارہ پر ایک قوم آباد ہے جو لمبے قدوالی ہے اور جس کی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ حال کے سیاح بیان کرتے ہیں کہ چھ فیٹ سے کم کوئی شخص نظر نہیں پڑا۔ اس قوم کے لوگوں کو پیٹے گوٹنس کہتے ہیں جو لمبے تو بیشک ہیں مگر خوفناک نہیں ہیں فقط

ہمارے اس مختصر سے لکھنے سے یہ بات تو بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ انسان ایک دنیا ایک آفتاب ایک مگر اس کی صورت اور عادات میں کتنا بڑا اختلاف پڑا ہے اور کیا طرز و انداز نظر آتے ہیں۔ مگر ان سب اختلافات اور قومی فرق دیکھنے کے بعد بھی یہ نہیں کہسکتے کہ نیکی بدی اور خود مختاری کے محسوسات میں ذرا بھی کسی میں فرق ہے۔ ہر قوم اور اس کا ہر فرد اپنے ملک کی آب و ہوا کے موافق ترقی کے مدارج اعلٰے طے کرسکتا ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ایک سست شخص کی سزا جو کچھ یورپ میں ملے گی وہی ہندوستان میں وہی چین میں وہی افریقہ میں اور وہی امریکہ میں۔ ایک قانون ہے جو ہر قوم میں یکساں رہتا ہے اور کبھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ ماں ہر جگہ ماں ہے بہن ہر جگہ بہن ہے اور بیٹی ہر جگہ بیٹی ہے اور بی بی ہر جگہ بی بی ہے۔ اگرچہ خلاف قوانین قدرت بعض اوقات سرزد ہو جاتے ہیں مگر ایسے چند افعال کا صدور کسی گنتی میں نہیں ہے۔ یہ اختلاف جو بیان ہوا دور دراز ممالک کی اقوام کا ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک ماں باپ کے چند بچوں میں صورت شباہت اور طبعیت کا اس قدر اختلاف ہوتا ہے کہ اس کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ ایک ہی گھر ایک ہی خون ایک ہی قسم کی پرورش کا طریقہ ایک ہی معاشرت اور پھر اختلاف عظیم اس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور پھر انسان خود مختار ہے چاہے اپنے جو کچھ خیالات رکھے۔ انسانی خیالات کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر کام جو وہ کرنا چاہتا ہے اس کا دل یا اجازت دیتا ہے یا مانع آتا ہے اور اکثر صورتوں میں تو قوائے عقلی ہی خلقت پر غالب دیکھے گئے۔ ہم نے گزشتہ صفحوں کے حاشیہ میں مجانین کا حال بیان کیا ہے اور جنون کی بھی کچھ علامتیں لکھی ہیں اس بیان سے ہماری غرض صرف یہ تھی کہ جس شخص کے قوائے عقلی ہمیشہ اس کی خلقت سے مغلوب ہی ہوتے رہیں اور کبھی انہیں غلبہ نہوا ہو تو وہ شخص فہرست مجانین میں گنا جاتا ہے اور اطبا کبھی اُسے ہوشیار صحیح و سالم شخص نہیں کہتے۔ مجنون کی تعریف اطبائے یورپ نے اپنی طب کے لحاظ سے خواہ کچھ ہی کیوں نہ کی ہو مگر ہم اس کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ جنون ہمیشہ خلقت سے قوائے عقلی کے مغلوب رہنے کو کہتے ہیں۔ جہاں تک غور کیا جائے گا ہماری یہ تعریف ہر حالت میں حقیقت پر مبنی نکلے گی، اور اس میں شک بھی نہیں کہ ہوشیار اور مجنون کی شناخت کے لئے یہی کافی ہے۔ ہم مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں ایک شخص ناجائز خواہشات ایک غیر عورت سے نکالنا چاہتا ہے اس نے اُسے بازار میں دیکھا جہاں ہزاروں آدمی چل رہے ہیں پولس علیحدہ موجود ہے دیکھتے ہی اس عورت کی عصمت پر حملہ کیا اب ایسے شخص کو جس نے یوں دیدہ و دانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالی ہم کیوں کر ہوشیار کہسکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جنون کی علامتیں اس میں پہلے ہی سے موجود تھیں اور وہ ذراسی تحریک سی اُبھر آئیں اور اُسے اندھا کر دیا اب ایسے شخص کا طبی امتحان کیا جائے گا تو یقیناً اس کے حواس خمسہ میں فرق نکلے گا۔ یہ کیا بات ہوئی اور اس کا راز کیا ہے۔ راز صرف یہ ہے کہ اس کی عیاشانہ خلقت

اُس کے قوائے عقلی پر غالب ہو گئی یہ دوسری بات ہے کہ اس غالب آنے میں خارجی اور داخلی اسباب محرک ہوئے ہوں مگر یقینی طور پر نکلے گی یہی بات جو ہم نے بیان کی ہے۔

آب وہوا اور سرزبوم کے اثر سے مخلوق کے متاثر ہونے کو مجبور کہنا بالکل فہم کی غلطی ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حبشی فرنگی نہیں بن سکتا اور فرنگی حبشی نہیں ہوسکتا اس نہ ہونے پر یہ کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ حبشی سیاہ رہنے پر مجبور ہے اور فرنگی سفید رہنے پر کیا اس خلقت کا نام مجبوری ہے کیا اس کے مقابلہ میں ہم یہ کہسکتے ہیں کہ انسان پیروں سے چلنے پر مجبور ہے سر کے بل نہیں چلسکتا۔ اگر جبر کے معنی یہی ہیں جو ہمارے بعض جدید مفسروں نے بیان کئے ہیں تو زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہم انسان کی ہر بات کو مجبوری پر محمول کریں گے ہم یہ بھی کہیں گے کہ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پیر سے نہ کھائے ہاتھ سے کھائے انسان مجبور کیا گیا ہے کہ کان کے رستہ سے کھانا پیٹ میں نہ پہنچائے بلکہ منہ اور حلق کے رستہ سے پہنچائے انسان مجبور ہے کہ اشاروں سے باتیں نہ کرے بلکہ زبان سے بولے۔ یہ باتیں اگر کسی کے آگے کہی جائیں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ سننے والا قائل کو مجنون بنائے گا یا نہیں اور اُسے ایسے شخص کو مجنون کہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اسکا فیصلہ ہم اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

چند آیتیں اور بھی کلام الٰہی کی ہم درج کرتے ہیں جس سے کچھ زیادہ ہمارے مطالب کی توضیح ہو جائے گی خداوند تعالےٰ انتہا درجہ کج فہم نالائق بد کردار ضدی طبایع کی کیفیت یوں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے،، ولو علم اللہ فیہم خیراً لاسمعہم ولو اسمعہم لتولوا وھم معرضون،، یعنی اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو اُنہیں سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوتی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر کے اُلٹے بھاگتے" اس روشن آیت سے بھی انسان کی اعلےٰ درجہ کی خود مختاری اور اُس کا اُس کے افعال پر قادر ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ اور خداوند تعالےٰ کے نہ قابلیت دینے کا وہی مطلب ہے جو ہم گزشتہ صفحوں میں بیان کر آئے ہیں۔ دوسری جگہ اپنے پیغمبر آخرالزمان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے،، ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم انہ عزیز حکیم،، یعنے اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی اُن کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ یہاں اپنے نبی سے خطاب کیا گیا ہے اور اپنی رحمت اور امداد کا اظہار کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو الفت ہم نے مسلمانوں میں پیدا کی ہے وہ ہمارا ہی کام تھا تم روئے زمین کے خزانے جمع کرنے کے بعد بھی ایسا نہ کر سکتے تھے یہ صحیح ہے کہ اگر کلام خدا اُنہیں نہ سنایا جاتا یہ صحیح ہے اگر قوانین قدرت کے بیاض کی اُنہیں تعلیم نہ دی جاتی تو بیشک صرف خزانے صرف کرنے سے ان میں ہرگز محبت پیدا نہ ہوتی کلام خدا کے ربانی اثر نے انہیں ایک دوسرے کا عاشق زار بنا دیا ایسے موقع پر یہ کہسکتے ہیں کہ خدا نے اُن کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ نبی نے جو کچھ تعلیم دی وہ خدا کی تعلیم تھی اور خدا نے جو کچھ تعلیم

فرمائی وہ اپنے انہیں قوانین قدرت کی تعلیم تھی جو روز ازل سے وہ مقرر کر چکا ہے اس لحاظ سے خدا کا ہر فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا لازمی اور حق ہے۔

ایک مقام پر خداوند تعالیٰ نے پیدائش عالم کے متعلق یہ فرمایا ہے "ان ربکم اللہ الذی خلق السموٰت والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ ذٰلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون" یعنی لوگو تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر جا براجا کہ وہیں سے دنیا کا انتظام کر رہا ہے اس کی سرکار میں کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا مگر ہاں اس کی اجازت ہوئے پیچھے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو کیا تم غور کو کام میں نہیں لاتے۔ خدا کے ہاں اس کے انتظام کے متعلق کسی کی سفارش نہیں چلتی مگر ہاں اگر اس کی اجازت ہو جائے اس سے اتنا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو قوانین اس نے مقرر کئے ہیں اور جن کا انتظام خود اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کسی کی سفارش کام نہیں دے سکتی۔ ہر شخص کے اعمال اس کے خود سفارشی بن سکتے ہیں مگر یہ بھی اس کی مرضی پر موقوف ہے اور اس کی یہ وجہ ہے کہ قوانین باری تعالےٰ میں نیک اعمال کا نیک نتیجہ اسی کے حکم سے مقرر ہوا ہے اور یہی اس کا سفارش کے لئے اجازت دینا ہے۔ ایک جگہ اور ارشاد ہوا ہے "قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا الا ماشاء اللہ لکل امۃ اجل اذا جاء اجلہم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" یعنی اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ میرا اپنا نقصان و نفع بھی میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے علم میں ہر ایک امت کے دنیا میں رہنے کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وہ وقت آپہنچتا ہے تو اس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس آیت میں حادثات عالم کا خداوند تعالےٰ کے علم میں ہونا اور وقت مقررہ پر ایک کام کا ہونا اور نفع و ضرر کا ازل ہی سے علم ہونے کا بیان ہوا ہے۔ تینوں باتیں صحیح ہیں۔ خدا کو علم ہی ہے کسی شخص کو یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا اور یہ بھی درست ہے کہ ہر امت کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخیں صاف طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جس قوم نے ایک زمانہ میں ترقی کی کسی آئندہ زمانہ میں اس کا تنزل لازمی ہے۔ مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ترقی اور تنزل دونوں قوانین قدرت کے دائرہ میں ہیں اور ان سے باہر نہیں نکل سکتے خداوند تعالےٰ نے اس کی تشریح دوسرے مقام پر فرما چکا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ جس قوم نے تنزل سے ترقی کی ضرور اس نے ان اسباب خارجی و داخلی سے مدد لی جو قوانین باری تعالےٰ مقرر کر چکے ہیں اور جس قوم نے ترقی سے تنزل کیا ضرور اس نے ان قوانین سے انحراف کیا جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دنیا کی تاریخ موجود ہے اور اس میں ہر قوم کی ترقی اور تنزل کے اسباب بوضاحت دکھائے گئے ہیں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم یا اس کے کسی فرد کو بغیر فروگذاشت کے نقصان اٹھانا پڑا ہو یا بغیر بداعمالی کے سزا ملی ہو۔ حضرت نوحؑ کی امت کیوں ڈبو دی گئی اپنی بداعمالی کی وجہ سے۔ قوم عاد پر کیوں عذاب نازل ہوا اس کی نافرمانی پر۔ یہودی کیوں صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے اپنی ناکرداری سے۔ پارسیوں سے کیوں ہمیشہ کے لئے سلطنت چھن گئی ان کی اعمال کی زبونی سے۔ مسلمان کیوں پست کر دئے اور کیوں دن بدن پست ہو رہے ہیں صرف اس لئے کہ انہوں نے اوامر باری تعالےٰ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور آخر الزمان نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی

روشن ہدایتوں کو بھول بیٹھے ہیں۔ دوسری غیر اسلام قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں صرف اس لئے کہ مسلمانوں کے ترقی کے اسباب اُن
میں موجود ہیں اور وہ ان پر کاربند ہو رہی ہیں۔ وہ اسباب کیا تھے جو نبی معصوم نے انہیں بتائے تھے؟ وہ اسباب یہ تھے
ایک دوسرے کو بھائی سمجھو۔ قومی ہمدردی میں ڈوبے رہو۔ قانون کا برتاؤ سب کے لئے یکساں رکھو حسب اور نسب پر بیجا
فخر نہ کرو بلکہ اُس کی عزت کرو جس میں جوہر ہیں اپنے بھائی کے نفع میں اپنا نفع سمجھو۔ قوم کی بھلائی میں فنا ہو جاؤ۔ یہ اسباب تھے
جو آج یورپ کو حاصل ہیں جن سے وہ ترقی کر رہا ہے ان ہی اسباب سے مسلمانوں نے ترقی کی تھی اور ان ہی اسباب سے دوسری آنے
والی قومیں ترقی کریں گی شریعت کا یہ گُر ہے اور اسلام کا علاوہ خدا پرستی کے یہی بہت بڑا مفہوم ہے۔ ان اسباب کی جب
تک کچھ رمق باقی ہے دو ایک سلطنتیں مسلمانوں کی نظر آتی ہیں اور جب یہ رمق نہ رہے گی یہودیوں کی طرح محض
بے دست و پا ہو جائیں گے۔

اس کے بعد ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ ہم خداوند تعالےٰ کی مدد کے
اس پر بھی قائل ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ غیب سے بھی وہ اپنی کل مخلوق کے ہر فرد کی مدد کیا کرتا ہے بیشک نیک کاموں میں اُس کا ہاتھ
شرکت کرتا ہے اور اُس نے ہمیشہ اپنے خالص بندوں کی سرپرستی کی ہے۔ اُس نے ایک جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ میں رگ شریان
سے بھی زیادہ قریب ہوں اور دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ جو بندہ میرے قریب ہوتا ہے میں بھی اُس کے قریب ہوتا ہوں
اور جو بندہ مجھسے دور ہوتا ہے میں بھی اُس کے پاس نہیں جاتا۔ یہ تعلیم ہے گہری معرفت کی جنہیں عام عقول نہیں سمجھ سکتیں۔
خدا اپنی مخلوق سے باتیں کرتا ہے خدا اپنی مخلوق کی خاطر اس کے ہر نیک فعل میں رہبری کرتا ہے جس دل میں خداوند تعالےٰ
کی محبت کی سچی آگ لگ رہی ہو۔ جس دل سے توحید خدا کا فوارہ اچھل رہا ہو جس پاک دل نے اپنے خالق کی کبھی نافرمانی
نہ کی ہو جس مقدس دل نے تمام عمر اطاعت میں گزار دی ہو جس مبارک دل نے بھولے سے بھی اوامر باری تعالےٰ کی نافرمانی
کا خیال نہ کیا ہو اُس پر ہر وقت خدا کا ہاتھ رہتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں جلال ربانی اور چہرہ پر وہ رعب برستا ہے کہ بڑے بڑے
بادشاہ صورت دیکھ کے کانپ اٹھیں کوئی اس کی طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا اور کوئی اُسے اذیت بھی پہنچے گی اُسمیں
بھی لاکھوں مخلوق خدا کی اصلاح مضمر ہوگی اور خود جسے اذیت پہنچی ہے معرفت میں اُس کا درجہ بلند ہوگا۔ اس راز
کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے کچھ بھی اس کا مزا چکھا ہے۔ مولانا روم نے بہت ہی موزون فرمایا ہے کہ کچھ کوشش
کرو اگر اُس پر بھی نہ حاصل ہو تو ہمارا ذمہ۔

لب ببند و گوش بند و چشم بند گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

لب بند کرنے سے مطلب یہ نہیں ہے کہ منہ بند کر لو اور خداوند تعالےٰ کی نعمت کو کام میں نہ لاؤ بلکہ لب بند کرنے سے یہ مطلب ہے
کہ ناحق بات منہ سے نہ نکالو اسی طرح گوش بند کرنے سے بھی یہی غرض ہے کہ بری باتیں نہ سنو۔ آنکھ بند کرنے سے بھی یہی غرض ہے
کہ خلاف شرع باتوں پر نگاہ نہ ڈالو جب یہ تین مدارج طے ہو جائیں اور اُس وقت بھی شریعت کا راز نہ کھلے تو ہماری باتوں پر مضحکہ
کرنا کہ رومی نے غلط کہا تھا یہاں بھی یہی بات لازم آتی ہے کہ جب تک ہم خود نہ کریں گے کامیابی ممکن نہیں۔ وجہ کیا کہ قوائے
عقلی اور تمدنی کے معطل کرنے کے بعد ہم مورد عتاب الٰہی نہ ہوں۔ یہ خدا کی نعمتیں ہیں جو ہمیں عطا ہوئی ہیں اگر ہم نے

ان سے کام نہ لیا تو گویا ہم نے کفران نعمت کیا اور کفران نعمت کی جو سزا تجویز ہو چکی ہے وہ ضرور ہمیں ملنی چاہئے۔

ایک عام نظر اُن لوگوں پر ڈالو جو خوش قسمت مشہور ہیں یا کسی زمانہ میں مشہور تھے اُن کے خارجی اسباب پر زیادہ نظر نہ کرو کیوں کہ خارجی اسباب ہمیشہ دھوکا دیا کرتے ہیں بلکہ اندرونی اسباب کو دیکھو کہ کن ذرایع سے انہیں یہ عزت اور دولت حاصل ہوئی ہے اور وہ اُس کے قایم رکھنے کے لئے کون سے ذرایع کام میں لاتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہوگا لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نالائق ہو کے بھی تخت پر قایم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں؛ ایک دولتمند کا بیٹا ضرور دولتمند ہوگا لیکن یہ دولتمندی اُس کے کچھ کام بھی نہ آئے گی اگر اُس نے اپنی ناہنجاری سے اُسے گنوا دیا اور رکھ رکھاؤ نہ کیا۔ بہت سی سلطنتیں برباد ہو کے صفحہ ہستی سے مٹ گئیں بہت سے سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر ڈالے گئے بہت سے قیدخانوں میں مر گئے بہت سے جلاوطن کر دئے گئے روزمرہ ہر شہر میں دولتمند بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں ساری بات یہ ہے کہ خوش قسمتی اور دولتمندی کسی کا حصہ نہیں ہے نہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک پنہاری کا بچہ دولتمند نہیں ہو سکتا۔ جو جاگا اُس نے پایا اور جو سویا اُس نے کھویا مختی کا خدا بھی ساتھی ہے اور کاہل کا خدا بھی دشمن ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے قسمت کا رونا نہ رو محنت کرو نیک اعمال کرو خدا اُس کا اجر دے گا اُس سے بہتر اجر دینے والا کوئی نہیں۔

ہمیں جو کچھ مسئلہ تقدیر پر لکھنا تھا لکھ چکے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا یہ بیان ہمارے ناظر تفسیر کا ایک حد تک اطمینان کر سکا بھی یا نہیں اگرچہ مسئلہ تقدیر اسلام کے اہم مسائل میں سے نہیں ہے مگر ہمیں اس لئے لکھنا پڑا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی حالت پستی کی انتہائی حد تک پہنچ گئی ہے اور دن بدن پہنچتی جاتی ہے۔ وہ انتہا درجہ کے سست اور کاہل ہو گئے ہیں محنت کرتے نہیں اور اُس سے جو کچھ انہیں نقصان ہوتا ہے وہ بڑی دلیری سے تقدیر پر سونپ دیتے ہیں اور اپنے خالق پر الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے اسی طرح ہماری تقدیر میں لکھ دیا تھا۔ ایک تو وہ اپنی کاہلی سے یہاں دنیا میں نقصان اُٹھاتے ہیں اور دوسرے آخرت میں اپنے لئے عذاب مول لیتے ہیں اُنہیں سمجھنا چاہئے کہ اُن کا برحق ہادی کب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھا تھا اُس نے کیا کیا قوم کے لئے جانفشانیاں کیں اور کیا کیا مصائب اُٹھائے تب کہیں توحید پرستی کا جھنڈا گاڑا۔ اُسکے صحابہ نے کیا کیا تکلیفیں جھیلیں اور کتنی کتنی آفتوں کا اُنہیں سامنا کرنا پڑا پھر کہیں اشاعت اسلام ہوئی۔ اُس زمانہ میں سفر کی کیا کیفیت تھی کتنے سخت رستے تھے مگر پہاڑ۔ جنگل۔ بیابان۔ ریگستان۔ سمندروں کا سفر وہ مخملی فرش پر آرام کرنے سے زیادہ پسند کرتے تھے آج اُنہی مقدس انفاس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مشرق و مغرب جنوب و شمال پانچوں وقت توحید خدا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور دنیا کی مخلوق کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتی ہے۔ اُن ہی کی جانکاہیوں کا صدقہ تھا کہ اس کفرستان ہند میں چھ کروڑ مسلمان نظر آتے ہیں۔ آؤ اُن بیش قیمت جوہروں سے کام لو جو خداوند تعالےٰ نے تمہیں عطا کئے ہیں اور جن جوہروں سے تمہیں تمام کائنات پر شرف ملا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ اور اپنے بزرگوں کے سنہری اقوال کو بغور پڑھو سمجھو اور دیکھو کہ اُنھوں نے تمہاری قسمتوں کا کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں شاید اسی قدر کافی ہو۔ ہاں ہماری آنے والی نسلیں اگر اُن کا اطمینان ہماری اس تحریر سے نہ ہو تو وہ آدھی تفصیل اور وضاحت سے تحریر کر سکیں گی خدا کے اس ارشاد کو دل میں جما لو کہ جو شخص نیک اعمال ہے اور خدا کی ہدایتوں پر

چلتا ہے اسی کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح۔ نہ چلوگے عذاب آلہی نازل ہوگا اور پھر دنیا و دین میں خوار و رسوا ہوگے۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے بہت غور و تامل کے بعد لکھا ہے اسلئے ہمیں اُمید ہو کہ اسی غور و تامل سے ہمارے مضامین مقدمہ تفسیر القرآن پڑھے جائیں گے۔ ایک ایک لفظ ہمارے خون جگر کی ایک ایک بوند ہے جو ہم نے ناظرین کے آگے پیش کئے ہیں جس طرح خداوند تعالے اپنے بندوں کی ہنگامی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارا ناظر تفسیر اگر کہیں سہو اور خطا کا احتمال ہو تو دل سے معاف کرکے ہمارے حق میں دعائے خیر کرے۔ یہاں سے ہم دوسرے مضمون کی طرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ربانی غوامض کے سمجھنے کے لیے ہمیں روشن دل عطا کرے۔ آمین۔ ثم آمین۔
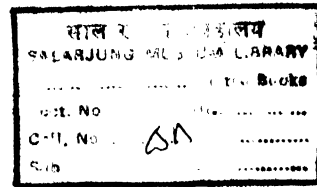
دسواں باب

ناسخ ومنسوخ

منجملہ مسایل شریعیہ کے مسئلہ ناسخ ومنسوخ بھی بہت ہی لطیف اور قابل بحث مسئلہ ہے۔ علمائے کرام نے خاص اس مسئلہ میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور اس کو بے انتہا چھانا ہے اس میں شک نہیں کہ ابتدا سے مفسرین فرقان حمید کا کم وبیش اس پر اتفاق رہا ہے کہ ناسخ ومنسوخ قرآن مجید میں مثل اور کتب سماویہ کے موجود ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سب باہم متفق نہیں ہیں۔ بعض نے آیتوں کی کچھ تعداد بیان کی ہے اور بعض نے کچھ مگر ایک تعداد پر بہت کم اتفاق دیکھا گیا ہے۔ مفسروں نے جو کچھ بیان کیا اور جو کچھ اُنہوں نے تحقیق کی وہ محض نیک نیتی اور سچے اسلامی جوش پر مبنی تھی مگر سیاسی اثر نے جو اُن پر ہر زمانہ میں قطعی طور پر پڑتا تھا اُن کی تحقیق میں بہت کچھ رخنہ اندازی کی اور آخیر وہی رنگ اُس میں بھی جلوہ دینے لگا۔ مسلمانوں کی روز افزوں ترقی اور کشور کشائی نے اس مسئلہ ناسخ ومنسوخ پر بہت بڑا اثر ڈالا اور یہی وجہ تھی کہ وہ غوامض کلام کریم کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ حقیقت میں ایک نئی بات ہے جو ہم لکھ رہے ہیں نہ کبھی کان میں پڑی نہ کبھی اس کا خیال آیا کہ کشور کشائی سے اس مسئلہ کو کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر نہیں جنہوں نے اسلامی واقعات تاریخ کو دیکھا اور اُن کی طبیعات سے جانچ کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ دباؤ اُن پر نہ پڑتا تو وہ ضرور احتراز کرتے اور ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کبھی قرار نہ دیتے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سارے مسئلہ کی ساخت صرف اسلامی سیاسی اثر سے ہوئی ہے مگر اس تعلیم کرنے میں چارہ ہی نہیں ہے کہ بہت حصہ اُن منسوخہ آیتوں کا اسی سیاسی اثر سے مملو ہے۔ مثلاً جہاں خداوند تعالیٰ کا خطاب اپنے پیغمبر سے ہوا ہے کہ کافروں سے کہدو جو تمہارا معبود ہے وہ میرا معبود نہیں تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور میرا دین میرے لئے ہے اس آیت کو بالاتفاق علما نے منسوخ لکھا ہے اُن کا بیان ہے جب جہاد کی اجازت آگئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی یہ سیاسی اثر ہے مسلمانوں کی ترقی فتوحات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اُنہیں اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہ اس آیت کو جس میں بظاہر عاجزی اور انکسار پایا جاتا ہے منسوخ کہیں اسیطرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جنہیں مذکور رنگ بخوبی پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بہت بڑا اختلاف ہے اور ہم نہیں یقین کرتے کہ قرآن مجید میں جو خدا کی اخیر کتاب ہے جو صرف ایک ہی ذات پر نازل ہوئی جس کے نازل ہونے کا ایک ہی زمانہ تھا جو نہ صرف عرب کے لئے بلکہ تمام دنیا کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھی اس میں ناسخ ومنسوخ کو دخل دیا جاتا اور اس قدرت کی بیاض کا ایک حصہ بیکار کر دیا جاتا۔ دنیا کی موجودہ اور آئندہ حالت کا اگرچہ مفسرین اندازہ نہیں کر سکتے تھے مگر باری تعالیٰ کو اس کا علم تھا کہ آئندہ مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی اور اسلام دنیا کے ہر ملک میں کس صورت میں ہو گا اُسی کے مطابق آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا اور کوئی نہ کوئی سورت کہیں نہ کہیں جاری وساری ہے اور اُس پر عمل ہو رہا ہے قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو اس کا مولد کہنا چاہئے مگر پھر بھی اس سے صرف عرب ہی کی اصلاح مقصود نہیں تھی بلکہ دنیا بھر کی اصلاح سے غرض تھی اس لئے بمقتضائے قانون قدرت لازمی ہوا

کہ ہر ملک اور ہر قوم کی حالت اور معاشرت کا لحاظ کیا جاوے اور قومی اختلاف کو مدنظر رکھ کے مرز بوم کا تطابق کیا جاوے۔
اسی بنا پر مسلمان دعوے کر سکتے ہیں کہ قرآن کلام خدا ہی جبکہ انسانی کتاب ہرگز دنیا بھر پر حاوی نہیں ہوسکتی۔
خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جسطرح ایک جاہل بدوی یا وحشی افریقی کی طبیعت کا لحاظ کیا گیا ہے اسیطرح ایک مہذب ملک کے شخص کا بھی پاس طبیعت ہوا ہے اور سارے قرآن مجید میں کہیں بھی اس سے فروگذاشت نہیں ہوتی ہے۔ ایک ہی مضمون کو مختلف مقامات پر بیان کرنے کی حکمت عملی اس امر پر مبنی ہے کہ اُسے مختلف عقول کا لحاظ کرکے مختلف پیرائے میں سمجھایا ہے اور اس طرح مختلف خیالات کے ساتھ چسپاں کیا ہے کہ انسانی عقل اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو قرآن کریم کے ایک ہی مضامین کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں بہت بڑی خوبی خیال کرتے ہیں قرآن مجید کو ایک ہی حالت میں رہنے دینا چاہئے کیونکہ یہ وہ حالت ہی جس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود رکھنا پسند کیا تھا مفسروں نے قرآن مجید میں جو ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تمدن انسانی کے اختلافات کو بغور نہیں دیکھا نہ اُنھوں نے اس پر خیال کیا کہ مسلمان دنیا کے کن دور دراز حصص میں پھیلیں گے اور وہاں اُن کی کیا کیفیت ہوگی کیا معاشرت ہوگی حاکمانہ تمدن ہوگا یا محکومانہ آب وہوائے ملک کا اُن پر کیا اثر پڑے گا اور اخیر وہ کہاں تک اپنے دوسرے بھائیوں سے جو اُن سے ہزارہا میل پر آباد ہوں گے مشابہت رکھیں گے۔ ایک رومی ایک شامی ایک چینی ایک یورپی ایک ہندی اور ایک افریقی مسلمان کو لو اور سب کو ایک جگہ جمع کرو اُن کے خیالات اُن کے محسوسات اُن کے خصوصیات قومی اُن کی اخلاقی تمدنی حالت اُن کی ملکی نوعیت اُن کی حاکمانہ یا محکومانہ قوت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ مگر یہ سب مسلمان ہیں اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ملک کا باشندہ اپنے مذاق کے موافق قرآن کریم کو پڑھتا اور اُس سے دلچسپی لیتا ہے یہ تو بدیہی ہے کہ جس طرح اُن کی معاشرت اور زبان جدا ہے اسیطرح اُن کا مذاق بھی ضرور علیحدہ ہی پھر ایک ہی سا مذاق حاصل کرنا اور وجد میں آجانا اسبات کی خاص دلیل ہے کہ قرآن کریم میں ممالک مختلفہ کے مختلف مذاق کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس بدیہی مسئلہ سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا یہی قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے مگر تعجب آتا ہے کہ بہت کم مفسروں نے اس معجزہ پر توجہ کی ہے۔ ایک ہی مذاق سے اُنھوں نے ہر جگہ بحث کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں تفسیر لکھنے کی ضرورت پڑی۔
جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے اور جس حد تک ہم نے ربانی مطالب کو جانا اور اُن کی تہ تک پہنچے ہیں ہمیں ایک لفظ بھی قرآن مجید میں ایسا نہیں معلوم ہوتا جس پر ناسخ و منسوخ کا نام عاید ہوسکے ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل پیش کریں گے ہمیں اُمید ہے کہ ایک حد تک ضرور ناظر تفسیر کا اس سے اطمینان ہو جائے گا۔ ہمارے ایمان اور خیال میں کلام خدا میں ناسخ و منسوخ ماننا درحقیقت بہت بڑی بے ادبی ہے اُس کلام پاک کی جسکو خالق زمین و زماں سے نسبت دیجاتی ہے کسی مفسر کی رائے سے اختلاف کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور یہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں کل مفسرین سے اختلاف کیا جائے۔ ہر فاضل مفسر نے جہاں اپنی رائے دی ہے وہ درحقیقت اُسی کی ذاتی

رائے سے ہے اور کوئی شخص مجبور نہیں ہے کہ اُس کی رائے کو ضرور ہی مانتے - ایک مفسر یا چند مفسروں یا کل مفسروں کی رائے سے اختلاف کرنا شاید بعض معمولی طبایع کو گراں گزرے مگر سمجھدار کبھی بھی اس پر اعتراض نہیں کرنے کا - حقیقت کسی مفسر نے خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی تفسیر نہیں سنی کہ اُس کی تفسیر کو خواہ مخواہ ماننا پڑے ہر مفسر نے اپنے طور پر تحقیق کی محاورات عرب کو دیکھا لغت کی تحقیق کی حدیثوں سے اُس کی روشن آیتوں کو چھپاں کیا اور بعض مفسر مثلاً ابن کثیر وغیرہ نے تو حدیثوں ہی سے قرآن کریم کی تفسیر لکھدی - مگر ہمارا خیال یہ ہی کہ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ کوئی مفسر اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرکے لکھا ہے مگر ہاں جسے نبی معصوم اور کلام مقدس سے زیادہ نسبت ہے جس نے عرب کی تمدنی حالت کا بغور مطالعہ کیا ہے جس نے دنیا کی اقوام کی گوناگونی اور خیالات کی رنگارنگی ملاحظہ کی ہے جس نے علوم متعارفہ کو ایک حد تک سبقاً سبقاً پڑھا ہے جس نے مدت تک تعلقات فطریہ انسانی کو اُس کے خالق کے ساتھ جانچا ہے - وہ قرآن مجید کی تفسیر ایک حد تک اچھی لکھ سکتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اُس کی تفسیر مقبول بھی زیادہ ہوگی - ہر نئے زمانہ میں ایک نئی تفسیر کی ضرورت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مذاق اور خیالات بدلجاتے ہیں اور نئی نئی باتوں جدید اختراعات نئی تحقیقات کو دل چاہتا ہے اور اس طرح دل چاہنا خلاف قوانین فطرت نہیں ہے - اسی بنا پر ہم نے موجودہ مذاق کے موافق تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور ہم نے اس بات کو پہلے سے جان لیا ہے کہ اسی عرصہ میں جو دو چار تفسیریں لکھی گئیں وہ کسی قسم کی مطالب خداوندی پر حاوی نہیں ہیں اور نہ عام مذاق کو پورا کرتی ہیں -

ناسخ و منسوخ کی بحث ہر تفسیر میں بوضاحت تمام کی گئی ہے اور سب نے اپنی اپنی تحقیق کے موافق اس میں قلم فرسائی کی ہے بعض نے تفصیل سے اُس پر لکھا ہے اور بعض نے اختصار سے مگر بعض نے تو علیحدہ رسالے ہی لکھ ڈالے اور قریب قریب قرآن کریم کے ہر حصہ کو منسوخ ثابت کردیا اور کچھ دلایل بھی دی ہیں جن پر ہم آگے چلکے بحث کریں گے - پہلے ہم اپنے علمائے کرام کا اختلاف دکھاتے ہیں - یہ سمجھنا چاہئے کہ نسخ کہتے کسے ہیں نسخ کے معنی لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کے ہیں مگر علمائے اسلام کے نزدیک یا اُن کی اصطلاح میں نسخ اُس امر کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے - عبدالرحمن بن محمد الدمشقی فرماتے ہیں - وہ سورتیں جن میں ناسخ و منسوخ نہیں ہے یہ ہیں - سورۃ اولین ام الکتاب - یوسف - یٰسین - الرحمن - الحدید - الصف - الجمعہ - التحریم - الملک - الحاقہ - نوح - جن - مرسلاۃ - النبا - النازعات - انفطار - المطففین - الانشقاق - بروج - فجر - البلد - الشمس - واللیل - والضحیٰ - الم ترکیف - والم نشرح - والتین - والقلم - والقدر - ولم یکن - وزلزلت - والعادیات - والقارعہ - والتکاثر - والعصر - والھمزۃ - وارایت - والکوثر - والنصر - وتبت - والاخلاص - والفلق - والناس - فقط -

وہ سورتیں جو ناسخ و منسوخ دونوں ہیں - البقر - آل عمران - والنسار - والمائدۃ والانفال - والتوبۃ - وابراہیم - والنحل - ومریم - وانبیا - الحج - والنور - والفرقان - والشعرار - والذاریات - والطور والواقعہ - والمجادلہ - والمزمل - والتکویر - فقط -

وہ سورتیں جو صرف ناسخ ہیں منسوخ نہیں ہیں۔ الفتح۔ والحشر۔ والمنافقون۔ والتغابن۔ والطلاق۔ والاعلےٰ۔ فقط۔

وہ سورتیں جو ناسخ نہیں ہیں بلکہ منسوخ ہیں۔ الانعام۔ والاعراف۔ یونس۔ ہود۔ والرعد۔ والحجر۔ سبحان۔ والکہف۔ طٰہٰ۔ والمومنون۔ والنمل۔ والقصص۔ والعنکبوت۔ والروم۔ لقمان۔ والسجدہ۔ والاحزاب۔ والملائکہ۔ والصافات۔ وص۔ والزمر۔ غافر۔ والمصابیح۔ وعسق۔ والزخرف۔ والدخان۔ والجاثیہ۔ والاحقاف۔ والقتال۔ وق۔ والنجم۔ والقمر۔ والممتحنۃ۔ ون۔ معارج۔ والمدثر۔ والقیامۃ۔ والانسان۔ عبس۔ والطارق۔ والغاشیۃ۔ والکافرون۔ فقط۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب بن محمد الدمشقی کا بیان ختم ہوگیا اُنہوں نے بغیر کسی بحث اور دلیل کے انقطاعی طور پر فیصلہ کیا ہے اور سمجھتے ہیں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسا مسلم ہے کہ اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر مفسرین کلام ربانی کا باہم اتفاق نہیں ہے جو ذیل کی تحریر سے معلوم ہوگا۔ ہمارے فاضل امام سیوطی نے اتقان کی ۴۷ ویں نوع میں تحریر فرمایا ہے "دوسری قسم کی آیتیں ہیں جن کا حکم منسوخ ہوگیا ہے مگر ان کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یعنی قرآن میں موجود ہیں اور اس بیان میں لوگوں نے کتابیں تالیف کی ہیں مگر سب سے زیادہ جب ہم قاضی ابوبکر بن العربی کی تحقیق وتنقید کو دیکھتے ہیں تو ایک حد تک اُس فاضل کو تعریف کا مستحق پاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے منسوخ وغیر منسوخ میں ایک تمیز قایم کرکے دکھائی ہے مجھکو بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ لوگوں نے اکثر آیات ایسی منسوخات میں داخل کردی ہیں جو درحقیقت منسوخ کیا مخصص بھی نہیں، بلکہ نسخ سے اُن کو کچھ بھی علاقہ نہیں چنانچہ بطور نمونہ لکھا جاتا ہے۔ کہ آیت مما رزقنٰھم ینفقون اور آیت وانفقوا مما رزقنٰکم" اور دیگر آیات میں جن میں خرچ کرنے کا حکم ہے آیت زکوٰۃ کے نزول سے منسوخ ہوگئی ہیں اور علےٰ ہذا القیاس وہ آیتیں جن میں عدم جہاد کا ذکر ہے اور کفار کی جور واذیت پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر ودرگزر کا حکم ہے مثلاً لکم دینکم ولی دین یا مثلاً واصبر لحکم ربک یا مثلاً الیس اللہ باحکم الحاکمین وغیرہا کی ایک آیت جہاد یعنے وقاتلوا المشرکین سے منسوخ ہوگئی ہیں۔ (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) یہ آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں کیوں کہ آیات انفاق اور آیات زکوٰۃ جمع ہوسکتی ہیں اس لئے کہ زکوٰۃ منافی انفاق نہیں بلکہ اسی میں داخل ہے علاوہ اس کے زکوٰۃ مانع تبرعات وصدقات نہیں ہوئی بلکہ زکوٰۃ کے ان امورات مندوبہ کا بھی حکم ہے۔ اور اسیطرح جہاد کی ممانعت کی آیتیں اکثر موقت وموجل تھیں پس اس واسطے اُن کو منسوخ کہنا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ہر وقت احکم الحاکمین ہے خواہ جہاد کی اجازت دے یا ممانعت کودے۔ فقط۔

اس کے بعد ہمارے امام فاضل سیوطی نے اتقان میں ہر سورت کی منسوخہ آیت کو لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں "۴۳ سورتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ اور ۶ سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں موجود ہیں اور چھ سورتوں میں بعض آیات ناسخ ہیں منسوخ نہیں اور ۴۰ سورتیں ایسی ہیں جن میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں"۔ اس کے بعد ہر سورت کی منسوخہ آیت کو لکھکر فرماتے ہیں" یہ سب اکیس آیات منسوخہ ہیں اور ان سے زیادہ ہرگز نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آیت واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا اور آیت یاایھا الذین امنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الخ محکم ہیں منسوخ نہیں فقط۔ اس صورت سے گویا سارے قرآن مجید

میں ۱۵ آیتیں رہگئیں ابن عباس کی روایت کے بموجب آیت فول وجھک شطر المسجد الحرام کو شامل کریں تو اس حساب سے بیس۲۰ پوری ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے نثر سے نظم میں آیات منسوخہ کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد کرتے ہیں۔

قد اکثر الناسخ المنسوخ فی عدد + وادخلوا فیہ اباً لیس تحصر

وھاک تحریر ای لا مزید لھا + عشرین حررھا الحذاق والکبر

غرضکہ علامہ سیوطی نے کل بیس۲۰ آیتیں منسوخ ثابت کی ہیں اور اپنی تائید میں بڑے حذاق و اکابر کا مذہب بھی یہی لکھا ہے مگر جب زیادہ تحقیق کیا جاتا ہے تو علامہ کے قول سے بھی سب نے اتفاق نہیں کیا ہے اور سب نے اپنی خداداد ذہانت اور اعلےٰ درجہ کی تحقیق سے کام لیا ہے۔ منسوخ آیتوں کی تعداد میں جوں جوں تحقیق گہرائی میں پہنچتی گئی تعداد میں کمی ہوتی گئی اور اخیر کمی ہوتے ہوتے صرف دو کی تعداد باقی رہگئی یعنی امام فخر الدین رازی نے فرمایا ہے کہ صرف دو آیتیں منسوخ ہیں لیکن محی الدین بن عربی نے اس تمام بحث کو بجملۂ واحدۃ لکھکے ختم کر دیا۔

ہم خود قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خود اس کلام پاک سے دریافت کرتے ہیں کہ اس میں منسوخ آیتیں کتنی ہیں اور کتنی نہیں ہیں یا ایک بھی منسوخ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند آیتیں پیش کیجاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ جیسا سمجھ رکھا ہے ان آیتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ چنانچہ ایک آیت بقرکے اخیر کی یہ ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ دونوں صورتوں میں خدا حساب لے گا۔ پھر فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا یعنی خدا وسعت و طاقت کے موافق تکلیف دیتا ہے ہمارے علامہ سیوطی کا یہ مذہب ہے کہ وہ اخری آیت کو منسوخ مانتے ہیں مگر جو روایت اُنہوں نے اس کے منسوخ ہونے کی سند میں لکھی ہے ضعیف ہے ابن عباس وغیرہ مفسرین اسے منسوخ نہیں تسلیم کرتے۔ یہی ہمارا مذہب ہے کہ یہ آیت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی خطرات قلبی جو آنی و فانی ہیں وہ بچند وجوہ داخل نہیں اولاً دلالت عقل وعرف قرینہ بینہ ہے کہ کوئی عاقل امور اضطراریہ پر مواخذہ نہیں کرتا لہٰذا اس کے بیان کی حاجت نہیں ثانیاً دلالت نقل ایسے خطرات کے اخراج پر شاہد موجود ہے کیوں کہ آیۂ ثانیہ آیۂ اولی کی مخصص ہے اور نیز احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطرات اضطراریہ داخل نہیں ہیں۔ پس حرف جار یعنی فی مثبت یا استقر فعل مقدر کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو امر نفس میں ثابت و راسخ و مستقر ہو اُس کا محاسبہ ہوگا خواہ اُس کو ظاہر کرو خواہ چھپاؤ۔ ظاہر ہے کہ خطرات نفسانیہ مستقرہ قابل محاسبہ ہیں ان ہی پر ایمان و کفر موقوف ہیں استقرار کے بعد اضطراری نہیں رہتے کیونکہ اگر یہ خطرات بُرے ہیں اُن کا دفع کرنا ممکن ہے اگر وہ خطرات اچھے ہیں تو ان کے باعث سے اعمال بھی اچھے صادر ہوں گے۔ اعمال کا صدور ارادۂ قلبی اور اعتقاد پر موقوف ہے بلکہ عمل و فعل ظاہری اعتقاد باطنی کا آئینہ ہے بہرحال دونوں آیتوں میں ذرا بھی تخالف نہیں معلوم ہوتا۔

جس محمود و مسعود زمانہ میں علمائے کرام تھے وہ زمانہ انتہا درجہ کے عروج کا تھا اُن کے خیال میں ہی یہ کبھی نہیں گزرا ہوگا کہ ایک زمانہ وہ آنے والا ہے کہ مسلمان پست ہو جائیں گے علوم کی ترقی ہوگی آزادی کی گھر گھر ڈونڈی پٹے گی اسلام

چاروں طرف سے اعتراضوں کا مینہ برسے گا اگر یہ خیال ہوتا تو وہ ضرور سوچ سمجھ کے لکھتے اور مخالفین کو اس قدر اعتراضات کا موقع نہ دیتے۔ پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ بہت سے علما ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی تحقیق و تنقید پر مخالفین کا زہرا نہیں ہے کہ ایک خفیف سا اعتراض بھی کر سکیں۔ جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ کہا گیا ہے ان پر ہم ایک نظر کرتے ہیں۔ خداوند تعالے ایک مقام پر تو یہ فرماتا ہے کل من عند اللہ یعنی ہر بات خدا کی طرف سے ہے پھر فرماتا ہے "ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" یعنی جو بھلائی آتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی آتی ہے وہ تیری طرف سے ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان آیتوں میں نہ کچھ مخالفت ہے نہ ان میں ناسخ و منسوخ ہے۔ یہ دونوں آیتیں یکے بعد دیگرے متصل ہیں اور اسطرح ہیں اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ وان تصبہم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ وان تصبہم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وارسلناک للناس رسولا وکفی باللہ شہیدا اب غور کرنا چاہیے کہ آیہ ثانیہ "فمن نفسک" حرف فا من تعلیلیہ اور علت و سبب کے واسطے آیا ہے ترجمہ یہ ہوا کہ جو تجھے بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے کہ جو تجھکو برائی پہنچتی ہے پس وہ تیری ذات کی وجہ سے ہے خواہ بطور انتقام خواہ بنظر تادیب و افادہ وغیرہ ہاں اگر یہاں بھی لفظ "عند" ہوتا جسطرح پہلی آیت میں عند اللہ ہے تو اس وہم کو کچھ گنجایش بھی ہوتی اور حرف من تعلیلیہ و سببیہ کلام عرب میں موجود ہے۔

یغضی حیاء و یغضی من مہابتہ ✦ فلا یکلم الا حین یتبسم (حماسۃ المغنی)

پھر خداوند تعالے ارشاد کرتا ہے فان جاؤک فاحکم بینہم بما انزل اللہ یعنی حکم کیا کر ان کے درمیان جیسا خدا نے تجھ پر نازل کیا۔ علامہ طبرسی نے یہ فرمایا ہے کہ آیہ لاحقہ سابقہ کی ناسخ اور سابقہ منسوخ ہے اور اکثر مفسرین کی بھی یہی رائے ہو مگر ہم ان رایوں سے اتفاق نہیں کرتے۔ حضرت امام شافعی نے ہماری رائے کی تائید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ امر وجوبی نہیں ہے بلکہ بمعنی مطلق اذن و اباحت کے آیا ہے۔ یہ قول امام صاحب کا بہت ہی درست ہے دوسرے مقامات پر بھی یوں ہی وارد ہوا ہے جیسا "کلوا واشربوا" اور "قل سیروا فی الارض" یہاں کھانے پینے اور چلنے کا حکم وجوبی یا تاکیدی نہیں اور آیت میں بھی کوئی لفظ مشعر تاکید نہیں ہے۔ پس آیہ سابقہ سے تخالف کہاں رہا یہاں بھی وہی اختیار باقی ہے اور حکم دینا ضرور نہیں مقصود یہ ہے کہ اگر تو حکم کرے انہیں تو منزل من اللہ میں سے کر۔

پھر خداوند تعالے فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخری یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے سب اپنا اپنا بوجھ اٹھائیں گے۔ پھر سورہ عنکبوت میں فرماتا ہے ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم یعنی ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور اور بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ پھر سورہ نحل کے تیسرے رکوع میں ہے لیحملوا اوزارہم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم یعنی اٹھاویں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن اور ان کے بوجھ جن کو بہکاتے تھے بے تحقیق بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا تو یہ مضمون ہے یعنی کرنی اپنی بھرنی اور پھر یہ ہے کہ دوسروں کے گناہ بھی اٹھانے پڑیں گے۔

یہ صرف فہم کی غلطی ہے کہ سورہ عنکبوت اور سورہ نحل کی آیتیں سورہ والنجم کے خلاف سمجھی جائیں گی۔ سورہ عنکبوت کی آیت تو بہت صاف ہے اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ جنہیں بہکایا ہے ان کے بوجھ بھی کچھ اٹھائیں گے بلکہ صاف

علاوہ پر یہ ارشاد ہوا ہے کہ اُن کے بوجھ کے ساتھ کچھ بوجھ اُٹھائیں گے اور یہ اس واسطے ہے کہ جس طرح گمراہی کا جرم ہے اسی طرح گمراہ کرنے کا جدا گانہ جرم ہے اور جب بہکانے والا اغوا کے جرم کا مرتکب ہوا تو یہ جرم اُسی کا ہوا نہ دوسرے کا ہاں چونکہ گمراہ کی معذرت کے وقت گمراہ کنندہ بھی طلب ہوگا اور دونوں کو ہمراہ سزا ہوگی لہذا لفظ "مع" فرمایا ہے لیکن ہر حال بہکانے والا اپنا ہی بوجھ اُٹھائیگا۔

سورۂ نحل کی آیت کا یہ جواب ہے کہ زبان عربی کے قاعدے کے موافق لفظ "اوزاراً" قبل "مِن" کے محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے "لیحملوا اوزارهم کاملة یوم القیٰمة واوزارا من اوزار الذین یضلونهم الخ" (سیبویہ العکبری الطبرسی کا یہی مذہب ہے) اور حرف "مِن" یہاں تعلیلیہ اور سببیہ ہے تبعیضیہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھدیا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے افعال کے پورے بوجھ اُٹھائیں گے اور کچھ بہکنے والوں کے بوجھ کے سبب کہ اُن کو بہکایا تھا اُن سے مواخذہ ہوگا۔ یہاں اس طرح نہ فرمانے میں کہ اضلال کے سبب بوجھ اُٹھائیں گے بلکہ اس ارشاد میں کہ ضالین کے بوجھ کے سبب کچھ بوجھ اُٹھائیں گے جدا فائدہ اور عجیب بلاغت ہے اگر پہلی طرح فرمایا جاتا تو شبہ ہوتا کہ شاید صرف بہکانے والے پر عذاب ہو ضال یعنی بہکنے والا بری ہو جائے چنانچہ کفار کے بڑے بڑے سرغنہ اور عوام مومنین سے یہی کہتے تھے کہ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیروی چھوڑ کے ہمارے پیرو بنجاؤ اور جو تم ہماری پیروی میں گناہ سمجھتے ہو تو تمہارے گناہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں یہ مضمون موجود ہے۔ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے۔ وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم وما هم بحاملین من خطایاهم من شیء انهم لکٰذبون۔ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے امرنا مترفیها ففسقوا فیها یعنی وہاں کے امیروں کو بدی کرنے کا حکم دیا پس اُنہوں نے بدی کی پارۂ اعراف کے ۱۳ رکوع میں ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء یعنی خدا بری بات کو کبھی حکم نہیں دیا کرتا۔ بعض مفسروں نے ان دونوں آیتوں میں ایک کو ناسخ اور ایک کو منسوخ مانلیا ہے مگر ہمارے خیال میں نہ کوئی ناسخ ہے نہ منسوخ۔ اس آیت کے معنی کئی طرح سے ہو سکتے ہیں اور جو معنی اوپر بیان ہوئے وہ بھی نادرست نہیں ہیں کیونکہ جس مفسر نے یہ معنی لکھے ہیں اُس نے اُس کا جواب بھی لکھ دیا ہے کہ فسق کا امر کرنا حقیقۃً نہیں مجازاً ہے بایں معنی کہ ہم نے اُن کو دولت نعمت دی اور وہ باعث فسق ہوئی پس عطائے نعمت کو امر تعبیر کیا ہے۔

اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ بعد امر کے جو کچھ واقع ہوتا ہے امر کا مامور بہ سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے امرته فقام امرته فقرأ تو یہاں بجز قیام اور قرأت کے کچھ اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی امرنا کا مامور بہ فسق ہونا چاہئے ہم کہتے ہیں یہ قاعدہ درست ہے مگر اس قاعدہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب امر کے بعد ایسا لفظ واقع ہو جو اس کا مامور بہ نہو سکے تو وہاں وہ لفظ مامور بہ نہ ہوگا بلکہ کچھ اور ہوگا مثلاً کوئی کہے "امرته فعصانی وامرته فلم یمتثل ودعوته فابیٰ" تو اس مقام پر عصیان یعنی نافرمانی کا امر نہ سمجھے جس کو بالفعل کہتا ہے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اسے طاعت کا حکم کیا پس اس نے نافرمانی کی اور میں نے اُسے اجابت اور قبول کے لئے بلایا پس اس نے انکار کیا ایسے مقام پر ضرور لفظ "طاعت" اور "اجابت" مامور بہ ہوتے ہیں اور بوجہ مقابلہ عدم بوجہ مخالفت عقلیہ مذکورہ کے محل اس مقصد کو فورا

سمجھ لیتی ہے کسی کی تعلیم کی حاجت بھی نہیں ہوتی اور یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ امر کے واسطے کچھ مامور بہ نہیں ہوتا مثلاً کہتے ہیں یأمر و ینھیٰ یعنی فلاں شخص حکم کرتا ہے اور نہی کرتا ہے (قول علامہ زمخشری) اس بحث کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جب لفظ فسق معنی لغوی خروج از طاعت یا ترک امر ہیں تو امرنا ففسقوا مثل امرتہ فعصانی کے ہوگیا چنانچہ سید مرتضی فرماتے ہیں وانما یجری ہذا مجری قول القائل امرتہ فعصی ودعوتہ فابیٰ والمراد انی امرتہ بالطاعۃ ودعوتہ الی الاجابۃ والقبول اور علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں مثلاً امرتک فعصیتنی پھر عقل کیوں کر تجویز کرسکتی ہے کہ خروج از طاعت اور ترک امر فعل امرنا کا مامور بہ ہو مگر بطور مجاز بلاشک اس وقت بوجہ مقابلہ کے لفظ طاعت مامور بہ مقدر ہے جس طرح امرتہ فعصانی میں ہم بیان کرچکے ہیں اور یہی روایت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ امرنا کا مامور بہ لفظ طاعت ہے اور دیگر نصوص قرآنیہ بلکہ ماقبل آیۂ مذکورہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا بھی اسیکا قرینہ ہے کہ طاعت مامور بہ ہے۔

مخالفین اسلام نے ناسخ و منسوخ سے فائدہ اُٹھا کے وہ وہ اعتراضات قرآن مجید پر کیئے ہیں کہ معمولی لیاقت کا آدمی کو ٹھہرا دینے کے لئے کافی ہیں چنانچہ ہم تمثیلاً دو ایک اعتراض نقل کرتے ہیں ایک مخالف اسلام کہتا ہے کہ سورۂ نمل میں لکھا ہے "ساٰتیکم" میں تمہارے پاس آؤں گا یقطعی وعدہ ہے مگر سورۂ طٰہٰ میں لکھا ہے "لعلی اٰتیکم" شاید میں تمہارے پاس آؤں ضرور ایک آیت ان میں سے ناسخ اور دوسری منسوخ ہے۔ ہمارے خیال میں یہ اعتراض زیادہ وقعت نہیں رکھتا مگر پھر بھی ہم اس میں علمی بحث کرتے ہیں مگر جواب سے اُس کے اثبات کے لئے لعل کا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ صحاح و صراح میں لعل کی نسبت یہ لکھا ہے۔ وھی کلمۃ شک اصلھا عل واللام زائدۃ قاموس میں ہے لعل کلمۃ طمع واشفاق نہایہ ابن اثیر میں ہے لعل وھی کلمۃ رجاء وطمع او شک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کی وقیل اصلھا عل واللام زائدۃ وفی حدیث حاطب وما یدریک لعل اللہ قد اطلع علی اھل بدر ظن بعضھم ان معنی لعل ھنا من جھۃ الظن والحسبان ولیس کذلک و انما ھی بمعنی عسی ولعل من اللہ تحقیق انتھی اس پر بھی کچھ منحصر نہیں نحو کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لعل استفہام کے واسطے بھی آتا ہے مثلاً لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا (معنی) پس یہاں لعل شک کے واسطے نہیں جس طرح معترض نے ترجمہ کیا ہے کہ شاید میں تمہارے پاس آؤں بلکہ یہاں لعل بمعنی عسےٰ یعنی عنقریب لاتا ہوں میں آگ سے چنگاری اور یہی پہلی آیت کا مطلب ہے کیوں کہ حرف س اور سوف مضارع پر معنی عنقریب کا فائدہ دیتے ہیں اہل لغات سے بھی قطع نظر کرکے دیکھیں تو شعراء عرب نے بھی اسے پورا حل کردیا ہے چنانچہ نافع ابن سعد الحماسی کہتا ہے۔

ولست بلوام علی الامر بعدما ✤ یفوت ولکن عل ان تقدما

پھر شارح علی بن زکریا کہتا ہے یقول اذا فاتنی امر لا ارجع علی نفسی باللوم الکثیر تحسرا فی اثرہ لکننی حقیق بان اتقدم فی تحصیلہ قبل فوتہ عل وھو حرف موضوع للطمع والاشفاق واسمہ مضمر کانہ قال ولکن لعلنی ان اتقدم ھو یجیٔ بان وبغیر ان واذا کان معہ ان افاد فائدہ عسے واذا جاء بغیر ان کان الفعل اقرب وقوعاً لان ان للاستقبال العل وان کان حرفا بمعنی مع افعال المقاربۃ وھی عسا وکاد ایک شاعر کہتا ہے ؎

لعلک یوما ان تلم ملمۃ ✤ علیک من اللائی یدعنک اجدعا

پھر صاحب مغنی لکھتا ہے "ویقترن خبرھا ای خبر لعل بان کثیرا حملا علی عسی"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں لعل بمعنی کے تعلیلیہ یعنی سبب کے واسطے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں لعلی اٰتیکم فعل اُمکثوا کے واسطے تعلیل ہے اور انی اٰنست نارا جملہ معترضہ مطلب یہ ہے کہ موسے نے اپنے عیال سے کہا کہ تم ٹھہر جاؤ تاکہ میں آگ سے آؤں میں نے آگ دیکھی ہے۔ اسکی سند میں دو شعر مفصلۂ ذیل ہیں۔

وقلتم لنا کفوا الحروب لعلنا ✤ نکف ووثقتم لنا کل موثق

فلما کففنا الحرب کانت عھودکم ✤ کلمح سراب فی الملاء المنالق

یہاں لعل بمعنی کی ہے۔ یہاں تک ایک اعتراض اور اُس کا جواب ختم ہوگیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سورہ بقر میں آیا ہے "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ یعنی فرض کیا گیا تم پر جب موت آئے تو وصیت کرکے مرا کرو آیت توریث اس آیت کی ناسخ ہے ایک حدیث میں بھی آیا ہے لا وصیۃ للوارث یعنی کسی وارث کے لئے کچھ وصیت کی حاجت نہیں۔ اگرچہ مفسرین کی کثیر جماعت نے اس آیت کو منسوخ لکھا ہے لیکن محققین اسے منسوخ نہیں سمجھتے۔ حدیث کی طرف اگر خیال کریں تو اس حدیث کی سند غیر مسلم ہے اور اس حدیث کو معتبر سمجھنا مغالطہ ہے اور بفرض تسلیم خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی۔ بیضاوی میں اس کی تصریح پورے طور پر آگئی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تین حدیثیں اس کی معارض موجود ہیں چنانچہ ما من مات بغیر وصیۃ مات میتۃ جاھلیۃ ومن لم یحسن وصیۃ عند موتہ کان نقصا فی مروتہ وعقلہ وما ینبغی لامرء مسلم ان یبیت الا ووصیۃ تحت راسہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ کسی حدیث سے قرآن کی کسی آیت کا منسوخ سمجھنا نہایت ناجائز ہے کیوں کہ خبر ظنی ہے اور اُس سے موضوعیت کا بھی احتمال ہے اور قرآن قطعی اور یقینی ہے اور ظن یقین کا معارضہ نہیں کرسکتا اس پر طرہ یہ کہ اجماع ثابت نہیں اور اگر اجماع ہو بھی تو قرآن مجید کے مقابلہ میں اجماع کی کچھ اصل ہی نہیں ہے۔ بعض علما کا یہ بیان ہے کہ آیۂ توریث کی مخالفت آکے واقع ہوئی ہے اور علامہ سیوطی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور آیۂ کو آیات منسوخہ کی فہرست میں شریک کردیا ہے مگر ہم علامہ سیوطی کے قول کو حجت نہیں سمجھ سکتے ہمیں خدا نے عقل اور علم دیا ہے جس سے ہم بطور خود تحقیق و تدقیق کرسکتے ہیں۔ خود بیضاوی بھی سیوطی کے قول کو تسلیم نہیں کرتا اور علامہ زمخشری وغیرہ نے بھی منسوخیت کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیۂ توریث اور آیۂ وصیت میں منافات نہیں ہے بلکہ بیضاوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آیۂ توریث آیۂ کریمہ وصیت کی موکد ہے اور حق بھی یہی ہے کیوں کہ مخالفت اُس وقت ہوتی جب کہ دونوں حکم جمع نہ ہوسکتے حالانکہ دونوں حکم جمع ہوسکتے ہیں ہاں اگر فرق نکلے گا تو اس قدر کہ آیۂ توریث سے آیۂ وصیت کے وجوب کا نسخ ہوسکتا ہے۔ استحباب یا جواز باقی ہے اور یہ جواز منافی وجوب نہیں کیونکہ جملہ فروض و محرمات و ممنوعات و مکروہات جو خدا تعالے نے خود فرمائے ہیں ان کی نسبت عباد پر بھی تاکید ہے کہ تم بھی اپنے توابعین پر ان احکام کے واسطے حکم کرو مثلاً باپ کو حکم ہے کہ اولاد کو صوم و صلوٰۃ کا حکم کرے اور تاکید کرے اور اگر وہ اُس کی تعمیل نہ کریں تو اُن کو مارے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ہر شخص پر واجب کیا ہے حالانکہ خدا کے حکم کے بعد عباد کے حکم کی کیا اصل ہے۔ سورۂ طہ میں فرمایا ہے وامر اھلک بالصلوٰۃ یعنی اے رسول اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کر حالانکہ خود خداوند تعالے نے حکم کردیا ہے غرضکہ خدا

کا حکم فرمانا اور پھر اس کی نسبت عباد پر حکم کرنا باہم منافی نہیں ہمیں خوب یقین ہے کہ جو شخص اس آیت کے موکدات پر غور کرے جیسا کہ فرمایا ہے حقًا علی المتقین اور بعدہ فرمایا ہے فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم وہ ہرگز اس آیت کو منسوخ نہیں کہنے کا علامہ زمخشری نے بھی اس کی عدم منسوخیت پر چند توجیہ لکھی ہیں جن سے وہی نتیجہ نکلا ہے جو ہمارے بیان سے اخذ ہو سکتا ہے۔

پھر ایک اور آیت ہے جسے قریب قریب بالاتفاق سب نے منسوخ مانا ہے چنانچہ ایک جگہ تو بقر میں فرمایا گیا ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ یعنی جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلاتے بعوض اپنے روزہ کے۔ پھر فرمایا فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یعنی جب رمضان کا مہینہ آوے تم سب روزے رکھو۔ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نا طاقت اور طاقتور دونوں کو حکم ہے۔ اس بنا پر پہلی آیت جس میں بسبب ضعف اور ناطاقتی کے روزہ رکھنے کے بجائے غریب کے کھانا کھلا دینے کا حکم ہے منسوخ ہے۔ افسوس ہے کہ اس پر کل مفسر یک زبان ہیں مگر ہم ہرگز اتفاق نہیں کرتے بلکہ مزید برآں ہمارا یہ خیال ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی تائید کرتی ہے اور تائید بھی نہایت پر زور الفاظ میں ہم اس پر بالتفصیل بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایسا معرکہ کا مسئلہ معرض التوا میں نہ پڑا رہے اور ایک حد تک اس عمدگی سے حل ہو جائے کہ پھر اس میں چون و چرا کی گنجائش نہ رہے پہلی آیت میں تو یہ لکھا ہے جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلائے یعنی بعوض اپنے روزے کے۔ پھر فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آوے تم سب روزے رکھو یہاں بظاہر بیماروں یا مسافروں کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے علما نے محض بلا توجہ اور غور ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں ہے ان آیتوں میں ناسخ و منسوخ کو دخل دینے سے غرض ہی کیا ہے جب پہلی آیت میں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے تو پھر دوسری آیت میں اُس کی توضیح کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں اس قدر جبر ہے کہ ایک ایسا شخص جس میں واقعی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ بسبب مرض کے یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ روزہ سے اس کی ہلاکت متصور ہے کون شخص اس یقین پر بھی اُسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ اگر پہلی آیت نہ بھی بیان فرمائی جاتی اور صرف دوسری آیت پر اکتفا کیا جاتا تو بھی استثنا ہو سکتا تھا کسی امر کی تعمیل اُسی شخص پر ہمیشہ واجب ہوا کرتی ہے جو اُس کے قابل بھی ہو جہاں قرآن مجید میں جہاد کے احکام آئے ہیں وہ احکام اگرچہ عام ہیں لیکن اُن میں بھی استثنا موجود ہے کبھی مریض لنگڑے لولے بوڑھے جو کسی کام کے نہ [illegible] سکتے ہوں میدان جنگ میں آنے پر مجبور نہیں کئے گئے۔ یہ کیوں ہوا اور کیوں نہیں انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ گرفتار [illegible] سے میدان کارزار میں آکے دشمنوں کا بھیجا پاش پاش کریں عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے قرآن مجید کی روشن آیتیں اول سے اخیر تک اسی حکمت بالغہ سے بھری ہوئی ہیں صرف توجہ اور فکر درکار ہے۔ پھر یہ نکتے اور کل مقامات [illegible] خداوندی بآسانی حل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبکہ بارہا نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے اور کہیں بھی کوئی نفس مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجانین پر اگر وہ نماز نہ پڑھیں کسی شیخ الاسلام یا مفتی کا فتوے جاری نہیں ہوتا نہ کسی قاضی کی طرف سے کبھی شریعت کے تعزیری احکام جاری ہوئے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ خطاب اُن ہی لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اُس کے اہل ہوں اور جن میں اُن احکام کے تعمیل کی اہلیت

نہیں ہے وہ ہمیشہ اُن احکام کی تعمیل سے بری کئے گئے ہیں۔ دنیا میں جتنے قوانین کہ اس وقت رائج ہیں خواہ وہ انسان کی طرف سے ہوں یا خدا کی طرف سے سب میں فطرۃً اس قسم کا استثنا لازمی طور پر ماننا پڑیگا۔ اور کبھی کسی حالت میں کوئی شخص اُس سے انکار نہیں کرسکتا۔

وہ روحانی سختیاں جنہیں ہم نفس کشی سے تعبیر کرسکتے ہیں وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مراقبے جو دوسرے مذاہب میں شدومد سے جاری تھے اسلام نے یکلخت اُن کا قلع وقمع کردیا کہ خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر جہانتک اُس کی وسعت ہو۔ وہ باتیں جو معرفت کی اعلیٰ رہبر گنی جاتی تھیں اور جن کے ذریعہ سے فنا فی اللہ ہونے میں امداد ملتی تھی اُن کی اسلام نے علی الاعلان تکذیب کی اور بتا دیا کہ نفس کشی اور مجاہدے کا نام خداپرستی نہیں ہے۔ اسیطرح روزہ جو تمدن انسانی کا درحقیقت ایک بہت بڑا جزو ہے اور جس سے انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ تو اپنے سرکش نفس یا قوائے خلقی کو قوائے عقل کے کیونکر تابع رکھ سکتا ہے یا اپنے ناجائز جذبات دلی کو کیوں کر محکوم بنا سکتا ہے۔ یہ تعلیم ایک اعلےٰ درجہ کی تعلیم ہے اور اس سے بہتر اور کوئی تعلیم تزکیہ نفس اور انسان بننے کی اور ہو نہیں سکتی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ جنہیں طاقت نہ ہو وہ چند مساکین کو کھلا دیا کریں۔ اس حکم میں بہت بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے اور اُس حکمت کو یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ حکم نہ دیا جاتا تو وہ لوگ جو درحقیقت روزہ کی طاقت نہیں رکھتے اور فطرۃً معذور ہیں روزہ رکھنے پر مجبور کئے جاتے اس لئے کہ رمضان المبارک سال میں ایک بار دورہ کرتے ہیں ایسی صورت میں ہر شخص کو اُن کی آو بھگت ضرور ہوتی ہے اور وہ طوعاً کرہاً ان کا خیر مقدم کرتے اور اس طرح سے اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے۔ یہی وجہ تھی کہ ناطاقتوں کا استثنا کردیا۔ اور ضرورت بھی بہت بڑی داعی ہوئی کہ ایسا حکم ضرور دیا جائے۔ اگر اور اوامر کی طرح کمزوروں اور کم قوتوں کا استثنا نہ بھی کیا جاتا جب بھی وہ عقلاً ہر حالت میں معذور سمجھے لیکن اس استثنا میں وہی حکمت تھی جو اوپر ہم بیان کرچکے ہیں نماز جس کی تاکید سے سارا قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور جہاں کبھی کسی وقت کسی نفس کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا ہے پھر بھی موت و مرد کی بہت سی فطری حالتوں نے خودبخود استثنا کردیا ہے جسے ہر عاقل اور بالغ شخص خوب سمجھتا ہے۔ انسان کے حالات کی تبدیلیوں نے نماز کے اصول میں بھی بہت کچھ تراش خراش پیدا کردی ہے ایک مریض جو جنبش نہیں کرسکتا اشاروں سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایک سپاہی جو میدان جنگ میں لڑ رہا ہے اگر اسے گھوڑے سے اُترکے نماز پڑھنے کا موقع نہیں ہے تو گھوڑے کی پشت پر نماز پڑھ سکتا ہے مسافر کے لئے بے انتہا آسانی کردی گئی ہے وہ صرف دو رکعت ہی پڑھ کر ایک وقت کی نماز محدود کرسکتا ہے۔ ایسی ایک عورت جس کا وضع حمل ہوا ہے مدت مقررہ تک نماز سے معاف کی گئی ہے۔ ایک مجنون فطری طور پر نماز و روزہ سے معذور ہوجاتا ہے اور کوئی ضعیف یا ضعیفہ جو آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھ سکتا نابالغ بچے شریعت کے اوامر و نواہی سے آزاد کئے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ہر فرض اور شریعت اسلامی کے ہر اصول میں تبدیل حالات انسانی پر تبدیلی لازم آتی ہے پھر کیوں اور کس وجہ روزہ میں تبدیلی دیکھتے اور کس قاعدہ سے اس میں استثنا نہ کیا جاتے اسلام کے اصول جب کہ فطرت انسانی پر مبنی ہیں اور جن میں نفس کشی۔ جبر و اکراہ وغیرہ کا نام تک نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایسا کم طاقت شخص جو واقعی روزے نہیں رکھ سکتا

مجبور کیا جا سکتا ہے کہ خواہ وہ ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائے مگر روزے رکھے یہ صرف فہم کی غلطی ہے ورنہ اسلام نے تو کبھی کوئی جبر نہیں کیا۔

یہ خود بخود تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں ایک یہی مذہب ہے جس کے اصول اس قدر سہل اور آسان ہیں کہ ہر ملک ہر زمانہ اور ہر کشور کا شخص بآسانی ان پر عملدرآمد کر سکتا ہے۔ پانچوں وقت کی نماز معمولی زکوٰۃ سال بھر میں ایکبار حج بشرطیکہ استطاعت بھی ہو اور سال میں ایک مہینہ روزے بشرطیکہ قوت بھی ہو اور بس یہ اسلام ہے اور یہ اس کے اصول ہیں۔ رفقی مین میگ کو علیحدہ کرکے اگر ہم ابتدائے اسلام کو دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کیا تھا اور ہم نے اسے کس قدر ہوّا بنا رکھا ہے۔ جو دو آیتیں جن میں نسخ کو دخل دیا گیا ہے حق یہ ہے کہ اس عیب سے بالکل پاک ہیں۔ یہ دونوں آیتیں درحقیقت لازم و ملزوم ہیں اور ایک آیت دوسری آیت کے بغیر کوئی معنی نہیں دیسکتی۔ علمائے کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ نیک نیتی اور سچے جوش اسلام سے تحریر کیا ہے مگر ہم مجبور نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کرکے ان کی رائے کو مانیں ہمیں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کی ترازو میں ہر حکم کو وزن کرنا چاہئے اور جب تک وزن ٹھیک نہ ہو کبھی ایسی چیز کو قبول نہ کرنا چاہئے۔ قرآن مجید میں کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ ہو اور ہمارا یقین اور ایمان گوارا نہیں کرتا کہ کلام خدا میں خفیف سا نسخ بھی ممکن ہو۔ اس خیال سے ہمارا کلیجہ کانپتا جاتا ہو اور اس بیان سے ہمارا جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ خداوند تعالےٰ انسان کو بقدر وسعت تکلیف دیتا ہے اور اول سے اخیر تک قرآن مجید میں اس اصول کو بے انتہا نبھایا گیا ہے یہاں تک ہوا ہے کہ اگر کوئی ایسا حکم ہوا کہ مومنین بعد ازاں اس کے تحمل نہ ثابت ہوئے تو فوراً اس میں ترمیم کردی۔ ترمیم کے لفظ سے یہ غرض نہیں ہے کہ حکم سابق منسوخ ہو گیا بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس طرح عمل کرو تو بھی درست ہی اور اس طرح عمل کرو تو بھی درست ہے مثلاً پہلی آیت تو یہ ہے کما کتب علی الذین من قبلکم یعنی تم پر روزہ فرض ہی جس طرح تم سے اگلوں پر تھا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ شب کو ہم بستر ہونے کی اجازت اپنی بی بیوں سے کو تھی لیکن جب مسلمانوں کے قوائے فطری کے یہ حکم کسیقدر خلاف ہوا اور انہیں سخت تکلف سے اس کی تعمیل کرنی پڑی تو یہ حکم آیا احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ یعنی حلال اور جائز ہے روزہ کی شب میں اپنی بی بیوں سے ہم بستر ہونا۔ اس آیت کی شان نزول علامہ طبری، زمخشری اور بیضاوی نے یہ لکھی ہے۔ ابتداءً سونے کے بعد شب میں کھانا حرام اور جماع مطلقاً رمضان میں حرام تھا۔ عبداللہ بن جبیر کو ایک گھاٹی پر منجملہ پچاس تیراندازوں کے مقرر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اکثر اشخاص متفرق ہو گئے۔ کل بارہ آدمی اس جگہ رہگئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر وہاں شہید ہو گئے۔ آپ کے بھائی مطعم بن جبیر بہت بوڑھے تھے اور انہوں نے روزہ ہی رکھا تھا جب شب کے کھانے میں ذرا دیر ہوئی تو آپ کو نیند آگئی۔ جب جاگے تو اپنے اہل و عیال سے کہا کہ اب کھانا حرام ہے۔ ناچار بھوکے سو رہے دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور بدستور خندق کھودنے لگے۔ ایک تو آپ ضعیف تھے دوسرے روزہ پر روزہ رکھا تھا ضعف سے غش آگیا حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی یہ افسوسناک حالت ملاحظہ فرمائی اور شب کی کیفیت

بھی گوش گزار فرمائی آپ نے بہت ہی تاسف کیا اور آپ کو بے اختیار صدمہ ہوا۔ اسی اثنا میں قیس بن صرمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے شب کو اپنی زوجہ سے جماع کیا اور بھوکا سو رہا اور جب جاگا تو کھانا نہ کھا سکا اُس وقت حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ نے بھی اسی صورت سے اپنی حالت بیان کی۔ بیضاوی نے صرف حضرت فاروق اعظم ہی کا ذکر کیا ہے قیس کا کوئی بیان نہیں تحریر کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی اور فجر تک اکل وشرب اور جماع کی اجازت ہوگئی۔ اگر ہم یہ شان نزول جو یہاں ہوئی نہ بھی تسلیم کریں اور صرف آیتوں پر غور کریں تو ہمیں کھلجائے گا کہ عام حکم وہی کے آسے چند قیود سے آزاد کر دیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ مثل اگلوں کے تم پر روزے فرض ہیں اور پھر اُن کی بابت مفصل بیان کر دیا کہ ان ان امور میں تمہیں اگلوں کی تقلید کرنی غیر ضروری ہی۔ اس میں بھی بہت بڑی حکمت ہی اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ کیا کیا تمدنی جوہر اس میں پوشیدہ ہیں دکھایا گیا ہی کہ سابق میں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کا پاس ولحاظ ذرہ برابر نہیں ہوتا تھا اسلام چونکہ عین فطرت ہے اس لئے دونوں احکام بیان کرکے موازنہ کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہی کہ اسلام اور یہودیت ونصرانیت میں یہ بیّن فرق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس صورت اور کس وجہ سے ہم ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ کہسکتے ہیں جبکہ عام حکم دے کے چند بیہودہ قیود سے آزاد کر دیا ہی۔

اس کے علاوہ اور بھی دو آیتوں میں اختلاف ہوا ہے جسے کل مفسروں نے بالاتفاق ناسخ ومنسوخ کے دائرہ میں رکھا ہے اور وہ آیتیں یہ ہیں،، والذین یتوفّون منکم ویذرون ازواجًا یتربصّن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر،، یعنی اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہیے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں پھر جب اپنی عدت کی مدت پوری کرلیں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اُس کا تم پر کوئی الزام نہیں اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کو اُس کی خبر ہی۔ پھر اسی سورۂ بقر میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے،، والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلاجناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم،، یعنی اور جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو اپنی بی بیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان ونفقے) اور (گھر سے) نہ نکالنے کی وصیت کر مریں پھر اگر عورتیں از خود گھر سے نکل کھڑی ہوں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اُس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہی۔

ایک آیت میں چار مہینے اور دس دن کی مدت ہے اور ایک آیت میں برس دن کی مدت ہے۔ مدت کے اختلاف نے جمہور مفسرین کو دھوکے میں ڈالدیا ہے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے حکم سے کچھ بھی تعلق نہیں وہ حکم علیحدہ ہے اور دوسرا حکم علیحدہ ہی۔ خوب غور کرنے کے بعد یہ راز کھلتا ہی مثلاً پہلے حکم میں بیان ہوا ہے کہ تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہیے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں اور جب اپنی عدت کے یہ دن پورے کر چکیں تو اُنہیں جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنے کی اجازت ہی اور وہ بالکل آزاد ہیں کہ جائز طور پر کسی دوسرے شخص سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ یہاں صرف عورتوں کو حکم دیا گیا ہی مگر دوسری آیت میں مردوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے یہ وصیت کرجائیں کہ ایک سال تک وہ نان ونفقہ دیئے جائیں

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر عورتیں اپنے عدت کے دن پورے کرکے از خود گھر سے نکل کھڑی ہوں اور چار مہینے دس دن سے زیادہ نہ رہیں تو جائز طور پر اُن عورتوں کو آزادی ہے کہ جا ہے جو کچھ اپنے حق میں کریں - یہ دونوں احکام باری تعالے جسطرح علیحدہ علیحدہ ہیں اسیطرح لازم و ملزوم بھی ہیں عرب میں قاعدہ تھا کہ جہاں کوئی شخص مر اور اُس کی کوئی اولاد نہ ہوئی فوراً اُس کی بی بی کو نکال دیا جاتا تھا یا عورت خود نکل کھڑی ہوتی تھی - اسی لئے ادھر تو عورتوں کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عدت کی مدت پوری کئے بغیر ہرگز نہیں نکل سکتیں اور ادھر مردوں کو حکم ہے کہ اگر عورتیں عدت کے بعد بھی رہنا چاہیں تو اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرنا چاہئے کہ وہ برس دن تک اُن سے مزاحمت نہ کریں اور انہیں گھر میں رکھیں اور نان و نفقہ دیں ہاں اگر وہ زمانہ عدت پورا کرنے کے بعد اپنی خوشی سے نکل کھڑی ہوں تو انہیں نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں - سمجھ میں نہیں آتا کہ جمہور مفسرین نے کیوں اور کس بنا پر ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ لکھا ہے جبکہ احکام میں سوائے تطابق کے مخالفت کا نام بھی نہیں ہے -

ایک اور آیت ہے جس کی نسبت منسوخیت کا الزام لگایا گیا ہے اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہے حالانکہ نسخ سے اسے بھی کچھ تعلق نہیں - چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جہاں پاؤ انہیں قتل کرو - سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس بنا پر ایک کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کہا جاتا ہے - یہ حکم کہ جہاں پاؤ انہیں قتل کرو محض عہد شکنی پر دیا گیا تھا اور اُن مظالم کا انتقام لینا تھا جو کفار مکہ نے عہد شکنی کرکے مسلمانوں پر توڑے تھے یہ حکم اس لئے نہیں دیا گیا تھا کہ انہیں جبراً مسلمان بنایا جاتا کیوں کہ یہ صاف بیان ہو چکا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے - نہ قرآن مجید سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ دین کے لئے تلوار اٹھائی گئی ہو نہ کسی تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے - تمہارا دین تمہارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے یہ آیت کیونکر منسوخ ہوسکتی ہے جبکہ ہر جگہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لئے ہے - اس آیت سے نہ جہاد کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ یہ آیت جہاد کے احکام میں کسی قسم کی مزاحمت کرسکتی ہے ہر شخص کے دین کے اعمال اور اُن کا نتیجہ صرف اسی کی ذات پر محدود ہے دوسرے پر اُس کا کچھ اثر نہیں پڑسکتا - مثلاً فرض کرو کہ عیسائی صلیب پرستی کرتے ہیں مقدس مریم کے آگے سربسجود ہوتے ہیں ہندو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کے آگے سجدے کرتے ہیں تو اُن کے یہ اعمال اُن ہی تک محدود ہیں اس قسم کے حالات دیکھنے سے ہم پر کوئی الزام نہیں قایم ہوسکتا - وہ جانیں اور اُن کا کام جو کچھ کریں گے اس کا بھلا برا نتیجہ بھگتیں گے ایک شخص کے نیک و بد اعمال کی کسی دوسرے شخص کو جزا سزا نہیں ملتی - جب یہ آیت اس قدر صاف ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے منسوخ کیوں کیا گیا ہے اور کس بنا پر جمہور علماء نے اسے منسوخ مان لیا ہے اسیطرح جتنی آیتیں ہیں اور جنہیں منسوخ کیا گیا ہے انہیں فی الحقیقت نسخ سے کوئی بھی تعلق نہیں -

اب ہم ناسخ و منسوخ پر فقیہانہ بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ فقہا نے اس پر کیا بحث کی ہے - اور ان کا منشا کیا ہے - اصول فقہ کی کتابوں میں چونکہ اس بحث کو بہت شرح بسط سے بیان کیا گیا ہے اور ہمیں اس کے پورے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے مختصر بیان کیا جاتا ہے - یہ مسلم ہے کہ حجج شرعیہ بیان کے متحمل ہوتے ہیں اور ہمارے

علما رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کی پانچ قسمیں کی ہیں (اوّل) بیان تقریر یعنی کلام کی تاکید جس سے مجاز کا احتمال کچھ بھی باقی نہ رہے (دوم) بیان تفسیر مثل صلوٰۃ۔ صیام اور زکوٰۃ کے بیان کے (سوم) بیان تغییر مثل استثنا کے جس سے یہ بات ظاہر ہو کہ منجملہ اُن چیزوں کے جن کو کلام متناول تھا بعض مراد ہیں نہ کل۔ (چہارم) بیان ضرورت یعنی کوئی لفظ تو ایسا نہ بولا گیا ہو جو اس بیان پر دلالت کرے مگر سکوت مراد پر دلالت کرتا ہو مثلاً "وورثہ ابواہ فلامہ الثلث"
چونکہ اس کلام سے یہ بات تو محقق ہوئی کہ میراث کے مستحق بجز ماں باپ کے اور کوئی نہ ہوں اور حصر میراث کا ان ہی دو تو میں ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے ماں صرف ایک ثلث کی مستحق ہے پس گو کہ دو ثلث کی نسبت سکوت ہے لیکن چوں کہ حصر میراث اُن ہی دونوں میں تھا یہ سکوت ہی بیان ہے اس امر کا کہ دو ثلث باقیماندہ کا مستحق باپ ہے یا مثلاً "وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم" مشرکین کے ذبایح کی حرمت کا بیان ہے اس لئے کہ اُس زمانہ میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے ذبایح سے پرہیز کرتے تھے جب اہل کتاب کے ذبایح کی حلت کی تخصیص فرمائی گئی تو بحکم ضرورت مشرکین کے ذبایح کی حرمت ثابت ہو گئی۔

پنجم بیان تبدیل ہے جس کو اصطلاح میں نسخ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اُس کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے کہ ایک زمانہ کے بعد ایک شرعی دلیل کا دوسری دلیل شرعی وارد ہونا کہ مقتضی سابق کے حکم شرعی کے خلاف ہو ہمارا ایمان اور یقین یہ ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم کیا جائے تو قرآن مجید کی یہ آیت باطل ہوتی ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" یعنی شریعت کی جو نعمت عطا ہے تمام تر تکمیل اب ہو چکی اور چوں کہ اس کے بعد سلسلہ نبوت اور وحی تشریعی کا ختم ہو گیا پس اب یہ شریعت بہمہ وجوہ مکمل ہے۔ لفظ "تکمیل" پر زیادہ غور اور توجہ کی ضرورت ہے جس کتاب میں بہت سے احکام منسوخ ہو گئے ہوں اور بعض مقام پر احکام تو منسوخ نہ ہو گئے ہوں بلکہ اُن کا پڑھنا ناجائز قرار دیا گیا ہو یا ایسے مقامات ہوں جہاں اوامر کا پڑھنا اور بجا لانا دونوں ممنوع کئے گئے ہوں وہ کتاب کیوں کر کامل ہو سکتی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو قرآن مجید کے دو ثلث حصہ کو منسوخ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اسے کامل کتاب کا لقب دیا جاتا ہے۔ جس کتاب کا ایک بڑا حصہ منسوخ کر دیا گیا ہو کیوں کر یقین آسکتا ہے کہ وہ کتاب کامل ہو گی۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ انہیں صدق سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ زمین اپنے مرکز سے ٹل جائے۔ آفتاب اپنا دورہ بدل دے سب ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن کے ایک لفظ میں بھی تبدیلی آکے واقع ہو اور اس کی ایک چھوٹی سی آیت بھی منسوخ ہو۔

اب ہم خاص ایک آیت کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں نسخ کا بیان ہوا ہے اور اسی پر تمام ناسخ و منسوخ کی بحث کا دار و مدار ہے چنانچہ خداوند فرماتا ہے "ما ننسخ من ایۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر" یعنی اے پیغمبر ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا تمہارے ذہن سے اُس کو اُتار دیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کر دیتے ہیں اے پیغمبر کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے" آیت کے لفظ سے کیوں کر سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن ہی کی آیت مراد ہے اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ قرآن ہی کی آیت سے مراد ہے تو پھر یہ کب لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں منسوخ آیتیں ہیں۔ جب حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک سے اُتر گئی اور اُس کی جگہ دوسری آیت ویسی ہی

یا اُس سے بہتر نازل ہوگئی پھر ہم کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ایک آیت بھی منسوخ ہے کیوں کہ منسوخہ آیتیں تو ذہن مبارک سے اُتر چکی ہیں۔ خود اس آیت شریفہ پر غور کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی کیوں کہ جو آیتیں رسول کریم کے ذہن مبارک سے فراموش ہوگئی تھیں ویسی ہی یا اُن سے بہتر خداوند تعالےٰ نے دوسری نازل کردیں ظاہر ہے کہ دوبارہ نازل ہوئی آیات پر لفظ نسخ نہیں عاید ہوسکتا۔ جو آیتیں بھلادی گئیں وہ تو قرآن مجید میں درج نہیں ہوسکتیں جب وہ نبی کریم کو نہ یاد رہیں تو اور کسی کو کیوں کر یاد رہ سکتی ہیں اور اگر بفرض محال یاد بھی رہیں تو جب ان کے مساوی یا اُن سے بہتر دوسری آیات نازل ہوگئیں تو پھر قرآن مجید میں اُن کے داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر جب کہ ہم کسی گزشتہ باب میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جامع القرآن خود وہ ذات پاک تھی جسے محمد کے نام سے پکارتے ہیں پھر بھولی ہوئی آیتوں کا داخل کرنا باطل ہوا ایک شئے جو ذہن میں اُتر چکی ہو ایک شئے جس کے مساوی یا اُس سے بہتر دوسری آچکی ہو پھر یاد آنے پر بھی اُس کا داخل کرنا غیر ضروری ہے۔ اس آیت نے ناسخ و منسوخ کے تمام شبہے مٹا دیئے اور ثابت کر دیا کہ جو آیتیں منسوخ ہونے کے قابل تھیں وہ پہلے ہی نبی کریم کے ذہن مبارک سے اُتار دی گئیں اور ان کی جگہ وہ آیتیں نازل کردی ہیں کہ اُن میں نسخ کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوسکتا۔ علمائے کرام نے اس عمیق راز اور گہرے نکتہ کو جو اس آیت شریفہ میں مضمر ہے غور سے نہیں دیکھا ورنہ صریح مطلب کھل جاتا اور ناسخ و منسوخ کا پیچیدہ مسئلہ حل ہوجاتا۔

اس کے بعد ہم اس آیت پر دوسرے پہلو سے بحث کرتے ہیں اور وہ پہلو یہ ہے کہ آیت میں خداوند تعالےٰ کا ایک کام سے اپنی ذات کو نسبت دینا وہی حکم رکھتا ہے جو ہم مسئلہ تقدیر میں بیان کر آئے ہیں۔ خدائے تعالےٰ کو شایاں ہے کہ وہ ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرے اور ہر شئے کا فاعل اپنے ہی کو بنائے جبکہ اُس کے مرتبہ قوانین کے دائرہ میں ہر امر ہوتا ہے اور کبھی ایک ذرہ بھی اُس سے جنبش نہیں کھا سکتا۔ اسیطرح اُس نے یہاں بھی بھلا دینے یا ذہن سے اُتار دینے کی نسبت اپنے ساتھ کی ہے اور بتایا ہے کہ جب ہم اپنی ایک آیت یعنی ایک نشانی تیرے ذہن سے اُتار دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُس کے مساوی نشانی نازل کردیتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالےٰ نے اپنی ایک نشانی دکھائی کہ وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ روح القدس سے کیا کیا اور کس کس جگہ تائید کرتا ہے اُس کی غیر معمولی تائید جو کسی خاص موقع پر ہوئی تھی وہ کسی آنے والی مصیبت سے محو ہوگئی اور اُس وقت دل پر مایوسی طاری ہونے لگی تو خداوند تعالےٰ محض تسکین کے لئے یہ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر جبکہ ہم کوئی آیت تمہارے ذہن سے اُتار دیں تو اس کے برابر یا اُس سے بہتر تم پر نازل کردیتے ہیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہو اور اپنے رفیق شکستہ خاطر ہوچکے ہوں اور تمام اُمیدیں نجات کی منقطع ہوچکی ہوں تو اُس وقت روح القدس اپنے خالق کی طرف بلند ہوتی ہے اور اللہ کا برگزیدہ بندہ بھی روح القدس کے ساتھ بلند ہوتا ہے اور اخیر وہ بلندی درجۂ کمال پر پہنچکے ضمیر کے گوناگوں جوہروں میں اس طرح دست و گریباں ہوجاتی ہے کہ پھر عبودیت۔ فطرت۔ روح القدس اور فیضان ربانیہ میں فرق نہیں رہتا۔ یہ ربانی حالت ایک عجیب و غریب قدرت اُس کے دل میں دیدیتی ہے اور پھر وہ وہ باتیں اُسے اپنے بچاؤ اور دشمن کے زک دینے کی سوجھ جاتی ہیں کہ جن کا بیان الفاظ میں نہیں ہوسکتا۔ فتح اور

ظفر کے راستے خود بخود اُس کے آگے کھل جاتے ہیں اور اخیر معمولی جد و جہد سے وہ اپنے دشمن پر کامل فتح پالیتا ہے - اور اُس کے دل کی پرزور قوت خود سب کو نیچا دکھا دیتی ہے - یہی گویا خدا کی آیت یا نشانی ہے جو اُس نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے پھر اُس کے چند روز کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت ایک واقعہ پیش آیا اور انسان اپنی خلقت کی کمزوری کی وجہ گزشتہ فیضان باری یا تائید روح القدس یا فطرت کی بلندی کو بھول گیا اُس بھولنے کو رب العرش نے حسب عادت اپنی طرف نسبت فرما کے ارشاد کیا ہے کہ اب ایسی ہی یا اس سے بھی بہتر نشانی تجھپر نازل کریں گے کہ جیسے تو کبھی نہ بھولے اور ہم ہر بات پر قادر ہیں - یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جسطرح رب الافواج ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرنے کا عادی ہے اسیطرح جب اُسے اپنی مخلوق کو کوئی اہم امر کرنا اور کوئی بڑی تنبیہ کرنی ہوتی ہے تو اپنے پیغمبر سے مخاطب ہو کے بیان کرتا ہے اور اُس سے مراد خلقت کی اصلاح ہے - یہ طریقہ زیادہ موثر اور زیادہ زبردست ہے - لوگ خیال کرسکتے ہیں جب خداوند تعالے کا اپنے نبی کے ساتھ یہ خطاب اور اپنے نبی کو یہ حکم ہے تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں - اس خیال سے طبایع انسانی کا میلان اطاعت کی طرف ہوتا ہے اور ایک دہشت طاری ہو کے فرمانبرداری کی طرف فطرت انسانی خود بخود رجوع ہوتی ہے اور یہ رجحان اخیر میں خلقی بنجاتا ہے - خوب سمجھ لیا جائے کہ سوائے بعض بعض موقعوں کے خداوند تعالے نے ہمیشہ اہم اور ضروری امور میں اپنے رسول سے بظاہر خطاب کیا ہے لیکن مراد اُس سے اُمت ہے - چنانچہ اس آیت میں بظاہر محمد عربی مخاطب ہیں لیکن مراد کل اُمت ہے - وہ نشانیاں جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اگر اُن کا اظہار طبایع انسانی سے نسیاً منسیاً ہو بھی جاتا ہو پھر بھی خداوند زمین و زماں اپنے کرم اور رحم سے ایسی نشانیاں پیدا کرتا ہے جو سابق نشانیوں کے مساوی بھی ہوتی ہیں اور اُن سے بہتر بھی ہوتی ہیں - بہرحال اس آیت کا کچھ ہی مطلب کیوں نہ لیا جائے اس سے کسیطرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید میں اب بھی نسخ موجود ہے بلکہ پورا ثبوت اس امر کا ہے کہ قرآن مجید ناسخ و منسوخ سے بالکل پاک ہے - اس کے بعد ہم اس آیت پر ایک اور صورت سے بحث کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مفسرین کی اس کی بابت کیا رائے ہے - ابو مسلم جاحظ جو رئیس معتزلہ ہے وہ اس امر کا قایل ہے کہ یہاں توریت کی نسخ سے مراد ہے مگر اُس کا یہ قول قابل سند نہیں ہے علما نے اُس سے بہت مخالفت کی ہے اور اُن کی یہ مخالفت ایک حد تک صحیح ہے - مگر ہم اس پر خود جرح و قدح کرتے ہیں "ما" شرطیہ الفاظ عموم سے ہے اور علم اصول میں بھی یہ امر مسلم ہو چکا ہے چنانچہ یہ تحریر ہو چکا ہے "ما للعموم لا یحتمل الخصوص ما تقدموا من خیرا یعلمه الله ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوه عند الله" اسی سبب سے جار اللہ زمخشری نے ما ننسخ کی تفسیر اس طور پر کی ہے "کل ایة تذهب بها الخ" اور "من" استغراقیہ جو من آیۃ میں ہے یہ بیان ہے اسی کلمہ ما کا جو واسطے عموم کے ہے پس ایسے عام کا جس میں کچھ بھی احتمال خصوص نہیں بلا دلیل قوی کے آیات کتب مقدسہ سے مخصوص کرنا اور اسے قرآن پر مشتمل نہ سمجھنا صراحت مخالفت لغت ہے - کلمہ ما اس جگہ خصوصیت کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا - اس کے علاوہ اگر مشرکین کا ذکر بھی آیۃ سابقہ میں نہ ہوتا اور سبب نزول آیت کا اعتراض اہل کتاب ہی کا ہوتا تو بھی سبب نزول کی وجہ سے حکم عام مخصوص نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہے کہ "العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص الاسباب" ہمارے علما نے نسخ کی تقسیم تین طرح پر کی ہے (اول) آیۃ منسوخہ منسوخ التلاوۃ والحکم (دوم) صرف منسوخ التلاوۃ مع بقاء الحکم (سوم) صرف منسوخ الحکم مع بقاء التلاوۃ اول اور

دوم قسم کے وقوع میں اختلاف ہے باہم علمانے اس میں مختلف رائیں دی ہیں۔ مگر قسم ثالث کی نسبت کل علما کا اتفاق ہے ہاں ابو مسلم جاحظ معتزلی نہیں مانتے۔ اصول امام فخر الاسلام سرودی۔ توضیح صدر الشریعت بسلم الثبوت مولنا محب اللہ اور اس کی شرح مولنا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جاحظ کا یہ مذہب ہے کہ عموماً نسخ خواہ نسخ کتب سابقہ کا ہو یا بعض احکام قرآن کا ہو واقع نہیں ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں "اجمع المسلمون علی جوازہ و وقوعہ سمعا خلافا لابی مسلم وھو لا یعد من مسلما لا بتاویل پھر اُن کے قول کی تاویلات کی ہیں منجملہ اُن تاویلات کے یہ تاویل ہی ہے کہ جاحظ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے خاص احکام میں نسخ نہیں احکام کتب سابقہ میں البتہ نسخ ہی۔

ابو مسلم نے اس آیت پر مفصلہ ذیل رائے دی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "قال ابو مسلم المراد من الایات المنسوخۃ ھی الشرایع التی فی الکتب القدیمۃ من التوریۃ والانجیل کالسبت والصلوۃ الی المشرق والمغرب مما وضعہ اللہ عنا وتعبدنا بغیرہ فان الیھود والنصاری کانوا یقولون لا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم فابطل اللہ ذلک بھذا الآیۃ" (از تفسیر کبیر) یعنی اُس کا بیان ہی کہ قرآن مجید میں نسخ واقع نہیں ہوا اور اس کا قول ہی کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں جو کتب متقدمہ یعنی توریت وانجیل میں تھیں جیسے کہ سبت کا ماننا اور مشرق و مغرب کی طرف نماز کا پڑھنا اور اس قسم کے حکموں کے مانند جن کے غیر کی بجا آوری کے لئے اللہ نے ہمیں مامور کیا۔ یہود و نصارے کہتے تھے کہ بجز اس کے کہ جو ہمارے دین کے تابع ہوا در کسی پر ایمان نہ لاؤ پس اللہ تعالے نے اس آیت سے اُس کو باطل کیا" علمانے ابو مسلم کے اس قول کو نہیں مانا ہے اور اُن کا مقولہ یہ ہے کہ اُس کا کل قول سیاق آیت سے بالکل مختلف ہے اور ساتھ ہی قاعدہ عربیہ کے بھی خلاف ہے بلکہ ایک احتمال پر تو آیات کتب متقدمہ مراد ہی نہیں ہو سکتیں۔ اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے اب بحث صرف اس پر ہے آیا آیت قرآن مجید کی آیت مراد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اولاً کلمہ آیت اور آیات کا اطلاق قرآن مجید میں کئی چیزوں پر آیا ہے۔ اول معجزات۔ دوم قدرتی نشانیاں جو باری تعالے عزاسمہ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں سوم مطلق نشانی پر جو اُس کے معنی لغوی ہیں۔ چہارم قرآن کے جملوں پر منجملہ اُن چار معنی کے اول اور دوم اور سوم تین معنی اس آیت میں باتفاق ہمارے اور ابو مسلم کے مقصود نہیں کلام ہے تو چوتھے معنی میں یعنی جب یہ کلمہ کسی کتاب معہود و معین کے جملوں میں بدون ارادہ واقع ہوتا ہے تو اُس سے مراد آیات قرآن ہی ہوتی ہیں یا جملہ توریت وانجیل اور دیگر کتب متقدمہ کی بھی مقصد یہ ہے کہ معہود و معین یہی بات کہ آیات قرآن ہی مقصود ہوتی ہیں۔ اس دلیل کا جواب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ عام ہر دلیل پر بولا جاتا ہے اس لئے کہ ہر دلیل تو ہمارے اور ابو مسلم کی بالاتفاق یہاں مراد نہیں البتہ اگر ہماری اس دلیل پر کسی کو شبہ ہو تو اُسے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ فلاں مقام پر قرآن میں یہ کلمہ مطلق بلا قرینہ کسی کتاب کے وارد ہوا ہے اور اس سے مراد توریت وانجیل کے جملے ہیں جب تک یہ بات ثابت نہ کرے یہ شبہ ہماری دلیل میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔

ثانیاً کلام مجید کے جملوں کو آیات سے تعبیر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے جملے فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہیں اور اس سبب سے وہ اس امر کی دلائل اور نشانیاں ہیں کہ قرآن منزل من اللہ ہے اور اُس کی مثل بنانا جن وانس کی

حد طاقت سے باہر ہے۔ اس بات میں امام رازی بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اس کے بعد ہم امام فخر الدین رازی کا قول نقل کرتے ہیں جو آیت ما ننسخ کی تفسیر میں اُنہوں نے لکھا ہے پھر اس پر رائے دیں گے۔ چنانچہ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں

"واعلم انا بعد ان قررنا هذه الجملة فی کتاب المحصول فی اصول الفقه فتمسکنا فی وقوع النسخ بقوله تعالیٰ ما ننسخ من اٰیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها والاستدلال به ایضاً ضعیف لان ما ههنا یفید الشرط والجزاء وکما ان قولك من جاءك فاکرمه لا یدل علی حصول المجیٔ بل علی انه متی جاء وجب الاکرام فکذا هذه الاٰیة لاتدل علی حصول النسخ بل علی انه متی حصل النسخ وجب ان یاتی بما هو خیر منه فالاقوی ان نقول فی الاثبات علی قوله تعالیٰ واذا بدلنا اٰیة مکان اٰیة وقوله یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتب والله اعلم ۔"

یعنی ہم نے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہے تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں بیان کرکے ہم نے وقوع نسخ پر اسی آیت ما ننسخ پر استدلال کیا ہے مگر اس آیت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے کہ "ما" کا لفظ اس جگہ بطور شرط او جزا کے ہے جیسے کہ تم کسی سے کہو کہ جو شخص تیرے پاس آئے تو اس کی تعظیم کر تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اتنا نکلتا ہے کہ جب کوئی آدمی آئے تو اُس کی تعظیم کرنی واجب ہے اسیطرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ ہو تو اُس کے بدلہ دوسری آیت جو اُس سے اچھی ہو لانی واجب ہے پس ٹھیک بات یہ ہے کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آیتوں کو اختیار کریں یعنی اس آیت کو واذا بدلنا اٰیة مکان اٰیة اور اس آیت کو "یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب" امام رازی کے اعتراض کا یہ جواب ہوسکتا ہے اولاً جو انہوں نے ما کو بمعنی "متی" کے ٹھیرایا ہے یہ صحیح نہیں ہے یہاں کلمہ ما محض شرطیہ ہے ظرفیہ نہیں ہے اور ما کو ظرفیہ لازم ہے (ثانیاً) اپنے قول کی تائید کے واسطے جو ایک مثال یعنی (من جاءك فاکرمه) پیش کی ہے وہ اس کی نظیر نہیں ہوسکتی کیونکہ اس مثال سے جزاء جملہ انشائیہ ہے کیونکہ وقوع و عدم اُس کا زمانہ آئندہ میں محتمل ہے اور یہاں شرط وجزا دونوں بالانفراد جملہ خبریہ ہیں پس یہ دیکھنا چاہئے کہ آیت کی بنا نزول حصول نسخ پر ہے یا نہیں چونکہ یہ آیت جواب ہے منکران نسخ کا جو وقوع نسخ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم جو شریعت موسےٰ کے بعض احکام کو تبدیل کرنے ہو اور بعض احکام جو خود دیتے ہو چند روز بعد اُن کو تبدیل کر دیتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں اسی اعتراض کا یہ جواب ہے پس چونکہ اعتراض کی بنا وقوع نسخ کے متحقق ہونے پر ہے اگر نسخ کا وقوع ہی نہ ہوتا تو اعتراض کس بنا پر ہوسکتا تھا۔ پس ظاہر ہوا کہ شرط وجزا کے دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں اور جب دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں تو ثبوت وقوع نسخ میں اس آیت سے کسیطرح کا شبہ نہیں یہ سچ ہے کہ نفس کلمات آیت سے حصول نسخ کا لازم نہیں آتا جیسا امام صاحب فرماتے ہیں اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے اور اُن کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے اعتراض و جواب میں ہے اور ساتھ ہی مشرکین کے اعتراض کا ان کا اعتراض حصول نسخ پر مبنی ہے اور اسی بنا پر یہ جواب دیا گیا ہے اور چونکہ بقرینۂ اعتراض وجواب کے حصول نسخ میں کچھ شبہ نہیں ہے لہذا اس آیت سے حصول نسخ پر استدلال کرنا ہر طرح صحیح ہے اور اس کی نظیر متنبی کے قول میں موجود ہی جہاں وہ کہتا ہے۔

"وما كنت ممن يدخل العشق قلبه - ولكن من يبصر جفونك يعشق

اس میں بھی اگرچہ (یبصر جفونک یعشق) سے حصول عشق کا لازم نہیں آتا مگر مصراع اول کے قرینہ پر اُس کے حصول میں کچھ تردد باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ مفسرین و مترجمین دونوں فعلوں کو بمعنی حال ترجمہ کرتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ اعتراض وقوع نسخ پر جو امام رازی نے شبہ کیا ہے محض شبہ ہی شبہ ہے اور ان کے اس شبہ سے کسی طرح کا ضعف استدلال میں واقع نہیں ہوتا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب آیت سے وقوع نسخ کا ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں ایک بھی منسوخہ آیت داخل نہیں ہوئی کیونکہ وہ آیتیں جو منسوخ ہوئی تھیں ذہن رسول خدا سے اُنہیں فراموش کر دیا گیا اور چوں کہ قرآن مجید کی ترتیب خود فخر موجودات کے دست مبارک سے ہوئی تھی یا اگر یہ بھی نہ تسلیم کریں پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جو آیتیں واقعی بھلا دی گئی ہوں وہ کسی طرح پر قرآن میں خواہ اس کی ترتیب آنحضرت نے دی ہو یا نہ دی ہو نہیں ثابت ہو سکتیں ہر حالت میں قرآن مجید میں منسوخہ آیتوں کی موجودگی ثابت نہیں ہوتی اور کوئی سمجھ دار آدمی نہیں یقین کر سکتا کہ جب ایک آیت ذہن سے اُتار دی گئی پھر وہ کیسے باقی رہ سکتی ہے اور کیوں کہ اُسے قرآن میں دخل مل سکتا ہے۔

ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمیں علمائے کرام کی رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ قرآن میں نسخ کو ہم مان لیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ خدا کے کلام میں ایک حصہ کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ مانیں۔ ہم اخیر میں پھر ایک عام نظر کریں گے پہلے ہم محدث ہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں سے اُس بحث[1] کو نقل کر دیتے ہیں جو آپ نے نسخ کے باب میں کی ہے پھر خود ایک عام بحث کر کے اُسے ختم کر دیں گے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "نسخ کے باب میں یہ آیت آئی ہے "ما ننسخ من آية او ننسها نات بخير منها او مثلها" یعنی ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اُسے بھلاتے ہیں مگر

---

[1] اسباب النسخ والاصل فيه قوله تعالى "ما ننسخ من آية او ننسها نات بخير منها او مثلها" اعلم ان النسخ قسمان احدهما ان ينظر النبي صلى الله عليه وسلم في الارتفاقات او وجوه الطاعات فيضبطها بوجوه الضبط على قوانين التشريع وهو اجتهاد النبي صلى الله عليه وسلم ثم لا يقرره الله عليه بل يكشف عليه ما قضى الله في المسئلة من الحكم اما بنزول القرآن حسب ذلك او تغير اجتهاده الى ذلك وتقريره عليه مثال الاول ما امر النبي صلى الله عليه وسلم من الاستقبال قبل بيت المقدس ثم نزل القرآن بنسخه ومثال الثاني انه صلى الله عليه وسلم نهى عن الانتباذ الا في سقاء ثم اباح لهم الانتباذ في كل آنية وقال لا تشربوا مسكرا وذلك انه لما رأى ان الاسكار امر خفي نصب له مظنة ظاهرة وهي الانتباذ في الاوعية التي لا مسام لها كالماخوذ من الخزف والخشب والا[illegible] فانه يسرع الاسكار فيما ينبذ فيها ونصب الانتباذ في السقاء مظنة لعدم الاسكار الى ثلثة ايام ثم تغير اجتهاده صلى الله عليه وسلم الى ادارة الحكم على الاسكار لانه يعرف بالغليان وقذف الزبد ونصب ما هو من لوازم السكر ومن صفات الشئ المسكر مظنة اولى من نصب ما هو امر اجنبي وعلى تخريج آخر نقول رأى النبي صلى الله عليه وسلم ان القوم مولعون بالمسكر فلو نهى عنه كان مدخلا ان يشربوا احيانا متعذرا بانه ظن انه ليس بمسكر وانه اشتبه عليه علامات الاسكار وكان اوانيهم متلطخة بالمسكر والاسكار يسرع الى ما ينبذ في مثل ذلك فلما قوي الاسلام واطمئنوا

مقدمہ

جلد ۱ # تفسیر الفرقان نمبر ۶

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

بابت ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۷ھ

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک للعہ

ماہواری چار جزو

در مطبع نظامی واقع دہلی بطبع مزین مقبول جہان شد

قیمت فی جلد ۸/

اس کے بدلہ میں اس سے بہتر ویسی ہی نازل کرتے ہیں۔ نسخ کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں غور کر کے قوانین شریعت کے ڈھنگ پر اُن کو کر دیتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن خداوند تعالےٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو حضرت رسالتمآب پر ظاہر کر دیتا ہے جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ بیان کیا جائے یا اس طرح پر کہ حضرت رسالتمآب کے اجتہاد ہی میں تبدیلی اور دوسرا اجتہاد آپکے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز قرار دیدیا۔ اور فرمایا نشہ کی کوئی چیز مت پیو کلی نشر بوا مسکرا" اس کی وجہ یہ تھی کہ آپنے ملاحظہ فرمایا کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اس لئے اس کی ظاہری علامت بتا کہ ان برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپنے خیال فرمایا کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں ہوتا ہے پھر آپکے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی اور نشہ آور ہونے کو آپنے حرمت کا مدار ٹھیرایا کسی چیز کا منتشی ہونا جوش اور پھاگ آنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم مسکر سے ہو یا اس میں سے مسکر کی صفات پائی جائیں اسکار کا موقع اور مظنہ قرار دینا اسکار کے کسی امر اجنبی کے موقع کے قرار دینے سے بہتر ہے۔

بترك المسكرات ونقدت تلك الاواني اداراالحكم على نفس الاسكار وعلى هذا التخريج هذا مثال لاختلاف الحكم حسب اختلاف مظنات وفي هذا القسم قوله صلى الله عليه وسلم كلامي لا ينسخ كلام الله وكلام الله ينسخ كلامي وكلام الله ينسخ بعضه بعضاً والثاني ان يكون شئ مظنة مصلحة او مفسدة فيحكم عليه حسب ذلك ثم ياتي زمان لا يكون فيه مظنة فيتغير الحكم مثاله لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم لمصلحة ضرورية ولما نزل القرآن بادارة التوارث على الاخاء وبين الله تعالى فائدته حيث قال الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير لانه لما قوى الاسلام ولحق بالمهاجرين اولو الارحام هم رجع الامر الى ما كان من التوارث بالنسب او لا يكون شئ مصلحة في النبوة التي لم يضم معها الخلافة كما كان قبل النبي صلى الله عليه وسلم وكما كان في زمانه قبل الهجرة ويكون مصلحة في النبوة المضمومة بالخلافة مثاله ان الله تعالى لم يحل الغنائم لمن قبلنا واحل لنا وعلل ذلك في الحديث بوجهين احدهما ان الله راى ضعفنا فاحلها لنا وثانيهما ان ذلك من تفضيل الله نبينا صلى الله عليه وسلم على سائر الانبياء وامته على سائر الامم وتحقيق الوجهين ان الانبيا قبل النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يبعثون الى اقوامهم خاصة وهم محصورون يأتي الجهاد معهم في سنة او سنتين ونحو ذلك وكان اوسهم اقوياء يقدرون على الجمع بين الجهاد والتسبب مثل الفلاحة والتجارة فلم يكن لهم حاجة الى الغنائم فاراد الله تعالى ان لا يختلط بعملهم غرض دنيوي ليكون اتم لاجورهم وبعث نبينا صلى الله عليه وسلم الى كافة الناس وهم غير محصورين ولا كان زمان الجهاد معهم محصوداً وكانوا لا يستطيعون الجمع بين الجهاد والتسبب مثل الفلاحة والتجارة فكان لهم حاجة الى اباحة الغنائم وكانت امته لعموم دعوته يشتمل ناساً ضعفاء في البنية وفيهم ورد ان الله يويد هذا

دوایک اور توجیہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسالت مآب نے جب ملاحظہ فرمایا کہ لوگ نشی چیزوں کے زیادہ شایق ہیں اگر صرف سکر ہی سے ممانعت کر دی جائے تو اس کا احتمال ہے کہ کوئی شخص نشی چیز کو پی لے اور یہ عذر کرنے لگے کہ میں نے خیال کیا تھا وہ سکر نہیں ہے یا مجھے اسکا کی ٹھیک ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اُس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشی اشیا سے آلودہ رہتے تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی ہے اس میں فوراً نشہ آجاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور لوگوں نے اطمینان سے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے پھر نشی ہونے کو حرمت کا مدار علیہ آپ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدلجایا کرتا ہے اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الٰہی کو ناسخ نہیں کر سکتا اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہے۔ "کلامی لا ینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا"

نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شئے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے اُسی کے مطابق اُس کا حکم متعین ہو جاتا ہے اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں وہ حالت اُس شے کی نہیں رہا کرتی اس کی مثال یہ ہی کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں اور اُن کے قرابتیوں میں کوئی طریقہ باہمی موافقت اور امداد کا نہ رہا اس وقت مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہمدردی کا ذریعہ تھی اسی بنا پر قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دئے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا "الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیرا" اور جب اسلام کو قوت ہو گئی اور مہاجرین سے اُنکے رشتہ دار آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا متعین ہوگا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیا میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی جیسے حضرت رسالتمآب کی بعثت سے پہلے یا آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور اب کہ نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو اُن اشیا میں مصلحت پیدا ہو جاتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی اُمتوں کے لئے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لئے جائز کر دیا۔

حدیث میں اس علت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) یہ کہ خداوند تعالےٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کے مال غنیمت ہمارے لئے حلال کر دیا (۲) یہ کہ اس علت سے حضرت رسالتمآب کی فضیلت اور انبیا علیہم السلام اور اُمت محمدیہ کی اور اُمتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے۔ ان دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت رسول خدا سے پہلے اور انبیا کی بعثت صرف اپنی قوم کے لئے ہوا کرتی تھی جن کی تعداد محصور تھی کبھی کبھی سال دو سال میں جہاد کی نوبت آجاتی تھی اور نیز اُن کی اُمتیں قوی اور زبردست تھیں اور جہاد بھی کر سکتے تھے اور کشت کاری یا تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے اُن کو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پروا نہ تھی اس واسطے خدائے تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اُن کے عمل میں کسی دنیاوی غرض کی آمیزش نہ ہو جائے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے اُنہیں پورا پورا ثواب ملے اور ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی

الدین بالرجل الفاجر ولا یجاھد اولئک الا بغرض عاجل وکانت الرحمۃ تشملھم فی امر الجھاد شمولاً عظیما

بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب تھی جنکا شمار حصر و انداز سے زیادہ تھا اور زمانہ جہاد بھی اُن کے لئے متعین نہ تھا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کرسکیں اور سامان معیشت بھی بہم پہنچا سکیں اور کشتکاری یا تجارت کا بھی سرانجام کرسکیں اسی لئے اُنہیں مال غنیمت کے جائز ہونے کی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوت اسلام عام تھی اس لئے اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جن کی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں ان ہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ خدا اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کرے گا" "ان الله یوید هذا الدین بالرجل الفاجر" اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ دنیاوی فائدہ ہی کے لئے جہاد پر مستعد ہوجایا کرتے ہیں۔ ان مجاہدات میں خداوند تعالےٰ کی نظر رحمت و انعام سب پر برابر تھی جیسے کہ اعدائے اسلام پر نگاہ غضب عام تھی حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم وہ سب سے ناخوش ہوا" "ان الله نظر الی اهل الارض فمقت عربهم وعجمهم" اسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار دیا گیا کہ اُن کے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہوجائے اور ان کے مالوں میں تصرف کرکے خوب اُن کے دل جلائے جائیں جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اس کی ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی اس سے کافروں کا جلانا ہی منظور تھا ایسے ہی آپ نے کافروں کے نخلستان کاٹ ڈالنے اور جلا دینے کا حکم دیا تھا تاکہ اُن کو پیچ و تاب ہو یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے لئے قرآن میں غنائم کی حلت کا حکم نازل ہوا۔

ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ہدایت اسلام میں اس اُمت کے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی اُس وقت نہ لشکر تھا نہ خلافت لیکن جب حضرت رسالتمآب نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے خلافت کا ظہور ہوا اور دشمنان خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی تو خدائے تعالےٰ نے نازل کیا اب ان لوگوں کو اجازت ہی جنگ کرنے کی جنکے ساتھ جنگ کیجاتی ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک خدا اُن کی مدد دینے پر قادر ہے" "اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر" اسی قسم کے متعلق خدا کا قول ہے کہ ہم جب کوئی آیت اے محمد تیرے ذہن سے اُتار دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں "ما ننسخ من اٰیة او ننسها نأت بخیر منها" سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت سے خلافت شامل ہوگئی تھی اور "مثلها" سے وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونے سے حکم بدلدیا جاتا ہی فقط۔

وکان غضب ومتوجها الی اعدائهم توجها عظیما وهو قوله صلی الله علیه وسلم ان الله نظر الی اهل الارض فمقت عربهم وعجمهم فاوجب ذلك زوال عصمة اموالهم ودمائهم علی الوجه الاتم واوجب اغاظة قلوبهم بالتصرف فی اموالهم کما اهدی الی الحرم رسول الله صلی الله علیه وسلم بعیر ابی جهل فی انفه برة فضة یغیظ الکفار وکما امر بقطع النخیل واحراقها اغاظة لاهلها فلذلك نزل القران باباحة الغنائم لهذه الامة مثال اخر تحریم لهذه الامة قتال الکفار فی اول الامر ولم یکن حینئذ هناك جند ولا خلافة ثم لما هاجر النبی صلی الله علیه وسلم وتاب المسلمون وظهرت الخلافة وتمکنوا من مجاهدة اعداء الله انزل الله تعالی اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر وفی هذا القسم قوله تعالی ما ننسخ من ایة او ننسها نأت بخیر منها او مثلها فقوله بخیر منها فیما یکون النبوة مضمومة بالخلافة وقوله او مثلها فیما یختلف الحکم لاختلاف

ہمارے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جمہور مفسرین سے ایک نیا جادہ اختیار کیا ہے اور آپ کے مختصر مگر جامع بحث دیکھنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے مسئلہ ناسخ و منسوخ کو زیادہ اہمیت کی نظروں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ آپ کا اصلی مقصود جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ جوں جوں ضرورتیں وسیع ہوتی گئیں احکام باری تعالےٰ بھی اسی صورت سے نازل ہونے لگے حالانکہ ایک حکم دوسرے حکم کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ضرورتیں حضرت رسالتآب کو پے در پے تمام زمانہ زندگی لاحق ہوتی رہیں کیا اب وہی ضرورتیں آپ کی اُمت مرحومہ کو نہیں لاحق ہوتی ہیں مسلمانوں کی حالت اس کرۂ ارض پر کیا بلحاظ قوت و ثروت اور کیا بلحاظ علم و دولت اور کیا بلحاظ حکومت و عظمت بالکل مختلف ہے اور وہ اس دنیا کے مختلف ممالک میں نئی نئی صورت اور طرح سے اپنی زندگی گزار رہے ہیں جب یہ کیفیت ہے اور قرآن مجید نے انسان کی مختلف حالتوں کا کامل طور سے پاس و لحاظ کیا ہے پھر کتنے غضب کا مقام ہو گا کہ ہم ایک صورت کی آیتوں کو تو مانیں اور دوسری صورت کی آیتوں کو منسوخ کہدیں۔ وہ طول طویل نحوی او منطقی بحثیں جو ناسخ کی تفسیر میں ہمارے علمائے مفسرین نے کی ہیں شاہ صاحب کی دو لفظی تحریر سے اُس کا فیصلہ ہو گیا کہ پہلے صرف نبوت ہی نبوت تھی اور بعد میں نبوت کے ساتھ خلافت کی آمیزش ہو گئی یہی اُس آیت کے معنی ہیں کہ اُس کے مساوی بھی ہوا اور اس سے بہتر بھی ہوا۔ شاہ صاحب اس کے قایل نہیں ہیں کہ اتنی آیتیں منسوخ التلاوۃ ہیں اور اتنی نہیں ہیں بلکہ آپ کا جو اصلی منشا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اوامر باری کا اُتار چڑھاو تبدیل حالات اور زمانہ سے ہوا ہے اور یہی ایک کتاب ہے جو قیامت تک انسان کے تبدیل حالات پر صادق آتی رہے گی۔

اب ایک بحث یہ باقی ہے کہ پہلے حضرت رسالتآب نے بیت المقدس یعنی یہودیوں کے کعبہ کی طرف سجدہ کیا اور پھر اسلام کا سجدہ گاہ علیحدہ قایم کیا اس میں کیا حکمت تھی اور کونسا ایسا راز تھا کہ خداوند تعالےٰ نے کبھی یہ فرمایا۔ یہ دونوں حکم اسقدر ضد میں پس ضرور ہوا کہ پہلا حکم منسوخ اور دوسرا حکم ناسخ قرار دیا جائے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ ان دونوں آیتوں میں بھی ناسخ و منسوخ کا نام نہیں ہے اور اپنی اپنی جگہ درست اور مناسب ہیں۔ یہ قدرت باری تعالےٰ کا ایک راز ہے جسے صاحب بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام جبکہ قوانین قدرت کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے تو لازم ہوا کہ اس کا کوئی حکم قانون قدرت کے مخالف نہ ہو اگر ابتدا ہی سے کعبہ ہی کی طرف سجدہ کیا جاتا اور آخیر زمانہ نبوت تک یہی حکم بجا رہتا تو ضرور یہ لازم آتا کہ خدا ایک ہی جگہ مقید ہے اور ایک مقررہ طرف سجدہ کرنے سے خدا کو سجدہ ہو سکتا ہے اور اگر انسان ایسی جگہ چلا جائے جہاں سمت کعبہ کی تعین نہ کر سکے تو اُس کا سجدہ کرنا ایک فضول امر ہے اس بات کو مٹانے اور اس قید کو توڑنے کے لئے خداوند تعالےٰ نے پہلے اپنے نبی سے بیت المقدس کی طرف سجدہ کرا دیا اور پھر کعبہ کی طرف اور صاف طور پر قرآن مجید میں اس کی تشریح بھی کر دی کہ خدا کا منہ ہر طرف ہے اور وہ ذات تمام کائنات پر محیط ہے۔

دوسری وجہ جو خداوند تعالےٰ نے اس کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ سچے اور بناوٹی مسلمانوں کی آزمایش تھی کہ آیا وہ بھی قبلہ کے بدلجانے پر نبی کا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں اس سے ایک یہ بات اور بھی مستنبط ہوتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنا اور کعبہ کی طرف سجدہ کرنا یکساں ہے صرف آزمایش کے لئے کیا گیا تھا چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

"سیقول السفهاء من الناس ما ولٰهم عن قبلتهم التی کانوا علیها قل لله المشرق والمغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم" یعنی جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں ہی گے کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے (یعنی بیت المقدس) اُس سے ان کی دوسرے طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی اے پیغمبر تم یہ جواب دو کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے"۔ صاف بیان کیا گیا ہے کہ تعین قبلہ کوئی چیز نہیں ہے مشرق و مغرب ہر طرف اسی کا منہ ہے جس طرف چاہے سجدہ کرو مگر ایک ہی سمت کا مقرر ہونا یہ حکمت رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں یکجہتی قایم ہو اور اُن میں اتحاد کے ساتھ دوسری اقوام سے ایک امتیاز بھی قایم ہو جائے۔ بہت سے ممالک ایسے ہیں اور بہت سی حالتیں انسان پر سیاحت میں ایسی واقع ہو جاتی ہیں کہ وہ تعین قبلہ نہیں کر سکتا اس لئے وہ جس طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز جائز قرار دی جائے گی۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ نے خود اس امر کو صاف طور پر کھول دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے" ولکل وجهة هو مولیها فاستبقوا الخیرات این ما تکونوا یات بکم الله جمیعاً ان الله علی کل شیئ قدیر" یعنی اور ہر فریق کے لئے ایک سمت مقرر ہے جدھر کو نماز میں وہ اپنا منہ کرتا ہے تو مسلمانوں تم اختلاف سمت کی چنداں پروا نہ کر کے نیکیوں کی طرف لپکو کہ اوروں سے بڑھ جاؤ" اللہ تم سب کو اپنے پاس کھینچ بلائے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے" تعین قبلہ کی بھی ساری حقیقت کھل گئی ہر ایک کے لئے ایک سمت مقرر ہے اور مسلمانوں کو سمت کی کچھ پروا نہ کرنی چاہئے بلکہ نیکیوں کی طرف دوڑنا چاہئے تاکہ مقابل میں دوسری قوموں سے بڑھ جائیں اختلاف قبلہ درحقیقت کوئی باعث فضیلت نہیں ہے یہ تو محض امتیاز اور تمدن قایم کرنے کے لئے ہر قوم کے لئے علیحدہ علیحدہ سمت مقرر ہوگئی ہے تعین سمت میں ایک قوم دوسری قوم پر فضیلت نہیں رکھتی مثلاً مسلمان اگر آپ کو یہود یوں پر اس لئے افضل سمجھیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف محض ایک لغو بات ہے بلکہ خداوند تعالےٰ نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم پر فضیلت ہو سکتی ہے تو صرف نیکیوں کی وجہ سے۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں انسانی تمدن کے مختلف مدارج کا پاس و لحاظ کیا گیا ہے اور یہی دلیل قرآن کریم کے من جانب اللہ ہونے کی ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا۔

اس بات کو دل سے بھلا دینا چاہئے کہ ہم نے معتزلہ کا مسلک اختیار کیا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ ہمارا دعوے کیا ہے اور ہم نے اُس کا کیا ثبوت دیا ہے۔ ہماری بحث کا بغور پڑھنے والا سمجھ لے گا کہ ہماری مراد کیا ہے اور ہم کلام خداوندی کو کس حد تک ہر خطا و نسیان سے بری سمجھتے ہیں علمائے جو کچھ لکھا ہے وہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر وہی علما اب ہوتے تو ہم سے بدرجہا بہتر لکھتے اور ایسا لکھتے جو موجودہ زمانہ کے بھی اور آیندہ زمانہ کی بڑی حد تک کارآمد ہوتا۔ ہمیں نہایت فخر ہے کہ ہمارے فاضل محدث و مجتہد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے مذہبی امور کے بیان کرنے میں ایک جدت اختیار کی ہے اور اصل یہ ہے کہ اُنہی کا حصہ بھی ہے۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بھی فلسفیانہ طور پر بہت سے دینی مسائل کو حل کیا ہے مگر ہمارے شاہ صاحب کا رنگ ایمان تو یہ ہے کہ بہت سی جگہ پر اُن سے بڑھا ہوا ہے۔ جو مسئلہ بیان فرماتے ہیں ایسے جدید اور عمدہ پیرائے میں کہ خود بخود دل میں گھر کرتا

چلا جاتا ہے اور معرفت اسلامی کا عجیب لطف آتا ہے۔ فی الحقیقت ہمارے شاہ صاحب بجائے خود مجتہد اعظم ہیں اور اُن کی واقفیت بہت سی باتوں میں معہودہ مجتہدوں سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے آپ کی ناسخ و منسوخ کی بحث کو پڑھنے والا آپ کی آزادی رائے اور جدت کا اندازہ کرے گا آپ نے نہ کسی مفسر کا قول اپنی تائید میں پیش کیا اور نہ اُن کی بحثوں اور اختلافات پر کچھ رد و قدح کی بلکہ مختصر طور پر سادے جملوں میں اس لاینحل مسئلہ کو حل کر دیا جو صدیوں سے الجھا ہوا چلا آتا تھا۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں آپ کی کسی بات سے اختلاف ہی نہ ہو اور ہم ہر مسئلہ کو بغیر ذاتی تحقیق کے مان لیں پھر بھی ہم پر فرض ہے کہ ہم ایسے شخص کی عزت کریں جو ہند میں اور ہند کے جگر دہلی میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی سلطنت کا نتیجہ ہے اور جب تک ہندوستان قایم اور یہاں اسلام باقی ہے شاہ ولی اللہ کو زمانہ نہیں بھلا سکتا۔

اسلام کا وہ زمانہ بھی ہمیں یاد ہے کہ اختلاف رائے خواہ کسی مسئلہ میں ہو سبب رحمت تھی اور اب ہم یہی زمانہ دیکھتے ہیں کہ اختلاف رائے کا نام جانی دشمنی قرار دی گئی ہے۔ کسی کی رائے کو نہ ماننا اور اس پر نیک نیتی سے بھی نکتہ چینی کرنا ایک غضب مول لینا ہے۔ جن بزرگان دین کے اختلافی مسائل پر ہم اس زمانہ میں کٹے مرتے ہیں ان ہی مسایل کے اختلاف پر اُن بزرگوں میں کامل اتحاد تھا اور وہ ایک دوسرے کی عزت و وقعت اپنی عزت وقعت پر مقدم سمجھتے تھے اختلاف ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے اور اسی اختلاف کے صدقہ میں بکثرت علوم کی مسلمانوں میں بنیاد پڑی ہائے اب ہم اُس زمانہ مسعود و محمود کو کہاں سے لائیں اُسے کدھر ڈھونڈیں اور وہ ہمیں کیوں کر مل سکتا ہے۔ ہمارے جتنے فضائل تھے وہ دوسری قوموں نے اخذ کر لئے اور غیر اسلام کی جتنی برائیاں تھیں وہ ہم نے لے لیں اور پھر ہم برباد ہو گئے۔

ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہمیں لکھنا تھا لکھ چکے اور ہمیں خیال ہے کہ ہماری یہ بحث موجودہ حالت میں ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کرے گی ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور اس لئے ہمیں موجودہ علما کے سب و شتم کی کچھ پروا نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہمارا یقین ہرگز اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ ہم قرآن کریم میں نسخ کو دخل دیں جب کہ ہم مان چکے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں تبدیلی ہونی ممکن نہیں خدائے تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہ ہے کہ جو قوانین اُس نے روز ازل میں مقرر کر دیئے ہیں اُو کبھی بھی نہیں بدلنے کے۔ ہم روزمرہ کے مشاہدوں سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں اگر ہم اُس کے حکم کے مطابق کائنات میں غور و خوض کریں کہ کب اور کس زمانہ میں اُس کا قانون بدلا اور کس نے بدلتے دیکھا۔ دنیا میں جب سے انسانی تواریخ کا کھوج ملتا ہے کبھی بھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ بغیر ابر کے پانی برسا ہو اور بغیر نیکی کئے کوئی شخص مدارج اعلیٰ پر پہنچ گیا ہو یا بغیر آفتاب کے دھوپ نکلی ہو جب یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں تسلیم کرنی پڑے گی پھر کیوں اور کس لئے ہم قرآن مجید میں جو درحقیقت قدرت کی ایک بیاض ہے ناسخ و منسوخ کو دخل دیتے ہیں اور خود اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں۔ ہمارے شاہ صاحب موصوف نے جو ایک حدیث اپنی بحث نسخ میں نقل کی ہے کہ میرے اقوال کا قرآن مجید ناسخ ہوا اور قرآن میں خود بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں اُسے ہم افسوس ہے کہ نہیں تسلیم کرتے نہ ہمیں اس حدیث کی صحت کی کوئی سند ملی اور گر سند بھی مل جائے پھر بھی خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی ایک حصہ تو اس حدیث کا صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید مقابلہ

ہیں کوئی حدیث اگر وہ اس کے معارض آ کے واقع ہو حقیقت نہیں رکھتی مگر ہم دوسرے حصہ کو نہیں مانتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی ثبوت تواتر سے اس کا نہیں پہنچا کہ آپ ایسا فرما سکتے تھے جبکہ تورات وانجیل کے ماننے والے گروہ موجود تھے اور جو اپنی کتابوں کو نہایت وثوق سے بار بار پیش کرتے تھے اور اُن کی پیش کردہ کتابوں پر خدا کی طرف سے یہ الزام رکھا جاتا تھا کہ تم بدل بدل کے پڑھتے ہو لکھا کچھ ہے اور سناتے کچھ ہو ایسی حالت میں اور ایسے سخت معرکہ میں قرآن مجید کی نسبت یہ فرمانا کہ اس کی بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں ایک مستبعد امر ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ مقابل کی کتاب کے لئے ایسا کہا جا سکے

ہماری اس بحث کے بعد بھی جو لوگ قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ کو دخل دیں دیا کریں ہمیں اُن سے نہ کچھ شکایت ہے نہ اُن پر ہم جبر کرتے ہیں مگر ہاں جو ہماری التجا ہے وہ یہ ہے کہ تقلید کی قدیم پٹی آنکھوں سے کھول کے ہماری اس بحث کو دیکھیں سمجھیں اور اُس پر غور کریں اگر اُن کا اطمینان ہو جائے تو مانیں نہ اطمینان ہو تو ہمیشہ تک اپنی تلاش میں سرگرم رہیں شاید یہ دیرینہ شکوک اُن کی طبایع سے مٹ جائیں اور اُنہیں حقیقت کا راستہ معلوم ہو جائے ایک محقق کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ خاص کسی مفسر یا چند مفسروں کی رائے پر تکیہ کرے اور اپنے علم سے کچھ بھی کام نہ لے نہ اہل علم کا یہ شیوہ ہے نہ ہمارے علمائے دین نے کبھی ایسا کیا۔ عام طور پر منجملہ اور مسائل دینیہ کے مسئلہ ناسخ ومنسوخ نے عام مسلمانوں کے دل میں کچھ ایسا گھر کر رکھا ہے اور اُن کا اس مسئلہ پر ایسا واثق عقیدہ ہو گیا ہے کہ وہ سردست اُس سے انکار کر دینا علامت کفر خیال کرتے ہیں تاہم ہمیں مایوسی نہیں ہے اور اُمید ہے کہ وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے کہ مسلمان زمانہ کی ضرورتوں کے ساتھ قرآنی معارف کو محسوس کرنے لگیں گے اور اُنہیں معلوم ہو جائے گا کہ کلام خدا کی باریکیوں تک پہنچنے کی تحقیق گزشتہ علما ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ قیامت تک وہ وہ باریکیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں گی جن کا پہلے سان وگمان بھی نہ تھا جیسا خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتٰب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون یعنی جیسا ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول بھیجے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھکے سناتے اور تمہاری اصلاح کرتے اور تم کو کتاب (یعنی قرآن) اور عقل کی باتیں) سکھاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتلاتے جو پہلے سے تم کو معلوم نہ تھیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید سے ہمیشہ قیامت تک ایسے ایسے نکات حکمت کا ظہور ہوتا رہے گا جو پہلے سے معلوم نہ تھے۔ کوشش کرو اور کلام خدا کو غور سے پڑھو اور اپنی خداداد عقل سے کام لو۔ ابھی بڑے بڑے مطالب حل ہونے باقی ہیں اور ابھی وہ قومیں جو آئندہ مسلمان ہونگی اس سے اپنے تمدن اپنے خصوصیات اور اپنے محسوسات کے مطابق جلب منفعت کرینگی جنکا اس زمانہ میں سان وگمان بھی کسیکو نہیں ہے فقط

گیارھواں باب
قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت

سوائے قرآن مجید کے دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہوں یہ شرف اسی پاک کتاب کو ملا ہے اور ملنا بھی چاہیئے تھا کیوں کہ یہ تعلیم معرفت کی مکمل کتاب ہے اور اسی پر توحید پرستی کی حجت ختم ہو گئی ہے۔ خداوند تعالےٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے انبیا مبعوث فرمائے مگر ان قوانین قدرت کے مطابق جو وہ اول روز سے مقرر فرما چکا تھا اُس نے اول ہی اول معرفت اور تمدن کے ابتدائی مدارج کی تعلیم فرمائی اور یہی زیبا بھی تھی وہی احکام بیان فرمائے جو اُن کی ناپختہ فطرت اور ابتدائی حالت کے لئے زیادہ موزون تھے مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تعلیم خداوندی میں ترقی ہوئی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ محمد عربی رسول خدا فخر رسل مبعوث ہوئے اور حضور ہی کی ذات اطہر و اقدس پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا ضرور تھا کہ فخر رسل کو کتاب بھی وہ دی جاتی جو سرتاج کتب سماوی ہوتی اور نہ صرف اُس کا مفہوم ہی باری تعالےٰ سے ہوتا بلکہ اُس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوتے اور اس طرح گویا معرفت الٰہیہ اور انسان کی اعلےٰ درجہ کی روحانی تعلیم اور ساتھ ہی تمدن انسانی کے برترین مدارج کا خاتمہ ہو گیا ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہم ایک حد تک اسے ثابت بھی کریں گے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے اور وہ امتیازی طور پر اس کتاب پاک میں پایا جاتا ہے جس سے بعد ازاں خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ ایسی صریح بات سے انکار کرنا اپنے کو تعصب اور جہالت کے تاریک گڑھے میں پھنسانا ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ علاوہ اُن اعلےٰ درجہ کے معارف کے جو قرآن مجید میں مضمر ہیں معجزہ فصاحت و بلاغت بھی ایک بلند اور سب سے بلند پیمانہ پر رکھا گیا ہے اور ایسی کتاب کے لئے جس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوں اس کی بہت ضرورت تھی ہم ہرگز بعض جدید مفسروں کی طرح قرآنی فصاحت و بلاغت پر ناک بھوں نہیں چڑھانے کے نہ اُسے غیر ضروری خیال کرینگے بلکہ ہمارا یقین ہمارا ایمان اور ہماری علمی قابلیت ہمیں اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم شل اور معجزوں کے فصاحت و بلاغت کو بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ تسلیم کریں اور دکھائیں جس کتاب میں فصاحت و بلاغت نہیں وہ مثل بے جان جسم کے ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب خواہ وہ کسی زبان میں ہو اگر فصیح یا بلیغ نہیں ہے تو محض بے سود ہے کوئی شخص نہ اُسے دیکھے گا اور اگر دیکھے گا تو اُس سے متاثر نہیں ہونے کا۔ دنیا کی کل زبانوں کے مصنف کبھی کامیاب نہ ہو سکے جب تک اُن کے کلام میں روح یعنی فصاحت نہ ہوئی۔ ہومر کیوں اتنا مشہور ہوا اور کیوں اُس نے غیر معمولی کارنمایاں کئے محض اپنے کلام کی فصاحت سے ملٹن اور شیکسپیر پر کیوں انگلستانی فخر کرتے ہیں محض اس لئے کہ مطالب کی بلند پروازی کے علاوہ اُن کے کلام میں فصاحت و بلاغت بھی تھی۔ اسی طرح ہر زبان کے جتنے مشہور شاعر یا نثار گزرے ہیں سب میں کم و بیش جوہر فصاحت کا ہونا لازمی تھا۔ مشرقی دنیا میں کالیداس (ہند میں) سعدی نظامی۔ فردوسی (ایران میں) کیوں مشہور ہوئے محض اس وجہ سے کہ اُن کا کلام ایک حد تک زیور فصاحت سے بہت ہی مزین تھا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا

کی جتنی کتابیں معہ ان الہامی کتب کے جو یہود و نصاریٰ اور ہنود و زردشت پیش کرتے ہیں وہ سب کسی نہ کسی ایک ہی قوم کا
مذاق پورا کرتی ہیں اور دوسری قوم کے لوگ اُن سے کچھ بھی مذاق حاصل نہیں کر سکتے اب ان الہامی کتابوں کی بھی دو قسمیں ہیں
ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں نہیں ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں ہیں دونوں کی حالت یکساں ہے
جو اصلی زبان میں نہیں ہیں اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن میں روزمرہ نئی نئی اصلاحیں ہوتی ہیں اور نئی نئی باتیں گھٹائی بڑھائی جاتی ہیں
مگر جو اپنی اصلی زبان میں ہیں اُن کی حالت اور بھی قابل رحم ہے کیوں کہ اُن کتابوں پر جن پر کروروں آدمیوں کا ایمان ہے
شاید فی کرور نہ سہی فی پچاس لاکھ بمشکل ایک ایسا کوئی نکلے گا جو اُن کے مطالب پر کامل عبور رکھتا ہو اور اسی طرح فی کرور ایک
بھی ایسا نہیں نکلنے کا جو حلفاً اس بات کا اقرار کرے کہ میں نے کئی بار نہ سہی ایک ہی بار اپنی کتاب کو اول سے اخیر تک
سمجھ کے پڑھا ہے مثال میں ہم وید اور ژندوستا کو پیش کرتے ہیں۔ وید کی زبان کے جاننے والے دو مقامات ہند پر اب بھی پائے
جاتے ہیں۔ بنارس اور دکن میں مگر دکن کے پنڈت بدرجہا بنارس کے پنڈتوں سے قابل سند ہیں اور ان کا تلفظ بھی
درست ہوتا ہے مگر یہ سن کے تعجب ہوگا کہ پندرہ سولہ کرور ہندوؤں میں بمشکل پندرہ بیس پنڈت وید کے سمجھنے اور پڑھنے والے
والے ہوں گے دس بیس اشلوک کا حفظ یا ذکر لینا وید جیسی ضخیم کتاب پر حاوی ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا پنڈتوں کی یکتائی
کی وجہ ہے کہ بعض اوقات مدراس وغیرہ کے دار العلوموں کی طرف سے مسلمان سنسکرت زبان کے ممتحن بنتے ہیں یہ تو وید
اور اُس کے معتقدوں کی صورت ہوئی اب سنئے ژندوستا اور اُس کے معتقدوں کی حالت اور بھی قابل افسوس ہے اول
تو دنیا میں پارسیوں کی تعداد بہت کم دوسرے ان میں تو شاید ہی کوئی شخص اُس زبان کو سمجھتا ہو جس میں ژندوستا موجود
ہے۔ وہ لوگ جو اُن کی مذہبی طور پر غم و شادی کی تقریبات میں مدد دیتے ہیں دستور کہلاتے ہیں مگر اُن کی حالت ایسی
خراب ہے کیا بلحاظ وقعت کیا بلحاظ علم و عزت کیا بلحاظ اتقا و پرہیزگاری کہ اُن کی ذرہ برابر بھی وقعت اُن کے معتقدوں
کے دل میں نہیں ہے بس وہ اسی لئے موزوں ہوئے ہیں کہ دخمہ کی نگرانی کریں آتشکدے کی آگ نہ بجھنے دیں اور مردوں کو
اُٹھا اُٹھا کے میں کنوؤں میں رکھیں اور بس ان کی عام شکایت سنی جاتی ہے اور پارسی ان کو سخت حقارت کی نظر سے
دیکھتے ہیں اور ہم نے بارہا ایسا دیکھا ہے کہ ایک پارسی نے جب اپنے مقابل کو ذلیل کرنا چاہا تو یہ کہہ دیا کہ دستور زادہ یعنی
مردوں کا مال کھانے والا جب یہ کیفیت ہے تو پھر نہیں سمجھ میں آتا کہ ژندوستا کہاں ہے آسے کوئی دیکھتا بھی ہے یا صرف
اُس کا نام ہی نام ہے اور بھی پارسیوں میں ایک فرقہ ہے جسے موبد کہتے ہیں مگر ان میں پڑھے لکھے نہیں دیکھے۔ پارسی کمبخت
اپنے مذہب کو بھول گئے اور سوائے چند فقروں کے جو اُنہیں ابتدا میں سکھا دیئے جاتے ہیں وہ اور کچھ جانتے ہی نہیں ۔
یہ تو دنیا کے مذاہب کی الہامی یا سماوی کتب کی کیفیت ہوئی اب سنئے قرآن مجید کی حالت۔ دنیا میں جہاں جہاں اسلام
موجود ہے اور شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جہاں اسلام نے اپنے قدم نہ جمائے ہوں بہت سے لوگ قرآن کریم کے
حافظ نکلیں گے۔ یورپ ایشیا افریقہ اور چین کے باشندے جب کہ اُن کی زبان الگ اُن کے خیالات جدا اُن کے محسوسات
علیحدہ اُن کا تمدن اور معاشرت غیر پھر کیا بات ہے کہ وہ قرآن مجید سے یکساں مذاق حاصل کرتے ہیں اور کیوں اور
کس وجہ سے اُن کی مادری زبان قرآن مجید کے حفظ کرنے اور اُسے عربی لہجہ میں پڑھنے سے مانع نہیں آتی مگر کیا یہ اس پاک

کتاب کا بہت بڑا معجزہ نہیں ہے؟ کیا تھوڑی دیر کے لئے قومی تعصب سے علیحدہ ہو کے ہم اس زبردست راز پر غور نہیں کرینگے جو روز ازل سے اس فرقان حمید میں مضمر رکھا گیا ہے۔ پیکن پائے تخت چین کا رہنے والا جس سے ملک عرب بعد المشرقین کے فاصلہ پر آکے واقع ہوا ہے کیوں اس بیاض قدرت کی عربی زبان پر فریفتہ ہے اور کیوں اسے یہ لوح محفوظ کا نوشتہ ازبر ہے اور وہ کیوں ایک حجازی تعلیم یافتہ عرب کے مطابق اس کے مقاصد پر عبور رکھتا ہے۔ کیوں ایک وسطی افریقہ کا وحشی باشندہ وجد سے قرآن پڑھتا اور اُسے حفظ رکھتا ہے ان سوالات کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ یہ کلام خدا ہے اور اس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت جس طرح ایک یورپی مسلمان نے تسلیم کی ہے اسیطرح شامی اسیطرح ہندی اور اسیطرح چینی اور افریقی مسلمان نے کیا وجہ ہے کہ جب تک کسی قوم کا آدمی مسلمان نہیں ہوتا مہینوں کی محنت کے بعد بھی قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی آیت بھی اُسے یاد نہیں ہو سکتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو وہ اُسے عام مجمع میں نہیں پڑھ سکتا اور جہاں وہ مسلمان ہوا اور تمام معرفت و حقیقت کے راستے کھل گئے اور اگر اس نے برس ڈیڑھ برس توجہ کی تو سارا قرآن ہی ازبر ہو گیا۔ یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بہت بڑی توجہ اور عقل کی محتاج ہیں۔ مدعیٔ منصف مزاجی سے کام لو تھوڑی دیر کے لئے تعصب کی پٹی کو آنکھوں سے کھول کر بغور پڑھو دیکھو اور توجہ کرو سنتے ہی کسی بات کو لغو اور غلط نہ کہو بلکہ اُس کی صداقت کا نہایت تن دہی سے کھوج لگاؤ اور بغیر تحقیق و جستجو کبھی کسی چیز پر غلط ہونے کا الزام لگا کے نادانوں میں نہ داخل ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کیا چیز ہے اور کلام میں ان صفات کی ضرورت کہاں تک ہے اور آیا کوئی کلام بغیر اس کے عمدہ کلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فصاحت و بلاغت کی تعریف جاننے کے بعد خود بخود اس کا جواب ہو جائیگا فصاحت لفظ مفرد یعنی کلمہ اور کلام اور عبارت اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے اور بلاغت صرف کلام اور متکلم تک محدود ہے کلمہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں پس لفظ مفرد کو بھی فصیح کہتے ہیں اور کلام کو بھی فصیح کہتے ہیں اور شخص متکلم کو بھی فصیح کہتے ہیں کلمہ کیلئے بلیغ کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا ہاں کلام اور متکلم کو بلیغ کہتے ہیں۔

کلمہ فصیح اُسے کہتے ہیں جس میں متنافر حروف نہ ہوں تاکہ تنافر کے باعث کلمہ بولنے میں زبان پر ثقیل اور تلفظ میں دشواری ہووے اور یہ بھی اسی کے ساتھ ہے کہ کلمہ غریب یعنی وحشی نہ ہو۔ وحشی اُس کلمہ کو کہتے ہیں کہ اُن خالص عربوں کے نزدیک جن کی عربی معتبر اور مستند ہے اُس کے معنی ظاہر نہ ہوں اور نہ وہ اُن کے استعمال اور بول چال میں ہو اور نیز قواعد مقررہ لغت کے خلاف نہ ہو۔

کلام فصیح اس کو کہتے ہیں کہ جس میں ہر ایک کلمہ فصیح ہو اور باہم کلمات متنافر اور ثقیلہ بھی نہ ہوں اور کلام مشہور نحوی قاعدہ کے خلاف بھی نہ ہو اور اس میں کسی قسم کی تعقید لفظی و معنوی بھی نہ ہو۔ تعقید کے یہ معنی ہیں کہ عبارت اپنے معنی پر کھلم کھلا دلالت نہ کرے کسی خلل کے سبب جو اُس کی نظم میں واقع ہوا ہے اور نظم میں خلل اس طرح ہوتا ہے کہ لفظوں کی ترتیب کسی لفظ کے مقدم ہونے یا مؤخر ہونے یا اضمار قبل الذکر یا کسی اور سبب سے معنوں کی ترکیب پر نہ ہو اور وہ ایسی عبارت ہو جائے کہ سامع کا ذہن فوراً مرادی معنی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

بعض نے فصاحت کلام میں یہ بھی شرط کی ہے کہ ایک چیز بار بار نہ کہی جائے اور اس میں پے در پے اضافتیں بھی نہ ہوں۔
اور متکلم فصیح اسے کہتے ہیں جس میں ایسی طاقت ہو کہ اس کے سبب اپنا مطلب فصیح عبارت میں بول سکے اور کلام بلیغ وہ ہے کہ کلام فصاحت کے ساتھ مقام و حال کی مطابقت سے بولا جائے اور چونکہ مقامات اور حالات مختلف ہوتے ہیں اسلئے کلام کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور متکلم بلیغ وہ ہے جس میں ایسی طاقت ہو کہ وہ کلام بلیغ بول سکے۔

اس مختصر توضیح سے یہ تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ فصاحت و بلاغت کسے کہتے ہیں اور آیا یہ دونوں صفتیں فی الحقیقت ہر کلام کی خواہ وہ نثر ہو یا نظم جان ہوتی ہیں یا نہیں۔ زمانہ نبوت کے بڑے بڑے فصحاء اور کملاء جو اپنے عہد کے محاورات اور مواقع بلاغت سے خوب ماہر تھے قرآن مجید کی تحدی کو تسلیم کر چکے ہیں اور اس کے اعجاز بلاغت پر انہوں نے سر خم کر دیا ہے علمائے اسلام نے جہاں قرآن مجید کے ہر امر میں تحقیق کی ہے وہاں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ وہ کون کون چیزیں اور کیا کیا اسباب ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو معجزہ کر دیا اور کسی سے اس کا معارضہ نہ کیا گیا۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جملہ الفاظ پے در پے نہایت فصیح اور شیریں ہیں اور بلا تعقید ان کے معنی بھی فوراً ذہن میں آجاتے ہیں بس یہی امر باعث اعجاز ہے۔

بعض کا بیان ہے کہ اس کی نظم، تالیف، ترصیف و اسلوب ایک ایسے نئے انداز و طرز جدید سے ہے کہ یہ بات نہ اشعار عرب میں تھی نہ رجز اور خطب میں۔ بعض کا قول ہے۔ کہ باوجود خوب اسلوب ہونیکے کہیں ذرا سا بھی عیب نہیں اور آدمی کی اتنی بڑی کتاب میں کہیں نہ کہیں عیب ہو جاتا ہے۔

بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جملہ اقسام کی فصاحت و بلاغت ہے اور اول سے اخیر تک سب عبارت یکساں چست ہے نہ کہیں سقیم ہے نہ کہیں سست اور بشر کی عبارت میں اگرچہ کہیں کچھ عیب و سقم بھی نہ ہو تاہم سب یکساں چست نہیں ہوتی

بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ الفاظ فصیحہ کے ساتھ اس خوبی سے مطلب اور مقصود کو ادا کیا ہے کہ جس میں کہیں تعقید لفظی اور معنوی نہیں اور ہر مطلب کو ایسا مقتضائے مقام کے موافق بیان فرمایا ہے کہ فوراً ذہن نشین بلکہ دل پر تاثیر کرتا ہے۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ چونکہ حضرت رسالت مآب بغیر تعلیم و تلمذ ایسی عمدہ عبارت فرماتے تھے اس واسطے اعجاز تھا۔

بعض کا یہ بیان ہے کہ قرآنی الفاظ فصیحہ اور تالیف رشیقہ کے سبب اعجاز نہیں کیونکہ یہ الفاظ ہی تھے جن کو سب عرب بولتے تھے اور اس قسم کے مرکبات بھی عرب بولتے تھے بلکہ اخبار غیب۔ حالات ضمائر، قصص ماضیہ، احوال مبداء و معاد، دلایل باہرہ، براہین قاطعہ اور حجج واضحہ کے سبب اعجاز ہے۔

نظام کہتا ہے کہ حق تعالے نے بنظر اعجاز نمائی کفار عرب کے ملکہ فصاحت اور قدرت بلاغت کو مسلوب کر لیا تھا یعنی ایسی عبارت بولنے سے ان کی زبان روک دی تھی اس واسطے ان سے ویسی عبارت نہ کہی گئی نظام کے قول کی عربی عبارت یہ ہے جو اتقان میں علامہ سیوطی نے نقل کی ہے۔

حیث قال ثم زعم النظام ان اعجازہ بالصرفۃ ای ان اللہ صرف العرب عن معارضتہ وسلب عقولھم وکان مقدوراً لھم
لکن عاقبھم امر خارجی فصار کسائر المعجزات" جتنے اقوال ہم نے نقل کئے ہیں ان پر ایک عام نظر کرنے سے یہ بات
ضرور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کا خواہ من حیث الفصاحت خواہ من حیث المعنی سب نے اعجاز مانا ہے اخیر میں نظام کے قول
کی اگرچہ قرآن مجید سے تصدیق نہیں ہوتی تاہم یہ ضرور کھلتا ہے کہ اس پر قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا اعجاز اس قدر چھا
گیا اور وہ اس کی بے نظیر ترتیب میں ایسا محو ہوا کہ اس نے بیساختہ یہ کہہ دیا کہ فصحائے عرب کیا خاک قرآن مجید کے مقابل
میں کچھ کہہ سکتے جب کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی قدرت فصاحت کو سلب کر لیا تھا۔ قدرت فصاحت کے سلب کرنے کے یہی معنی
سمجھ میں آتے ہیں کہ ان پر ایسا رعب بیٹھا کہ ان کی سٹی گم ہوگئی اور ان کا زہرہ نہیں رہا کہ وہ ایک جملہ بھی قرآن مجید کے مقابلہ
میں کہنے کی جرأت کرتے۔ ایسے واقعات جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے ہوتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا اپنے سے بڑے
عالم سے مقابلہ ہوتا ہے تو اس کے رعب میں آکے رہی سہی قابلیت اور طلاقت لسانی بھی جاتی رہتی ہے اور وہ گم صم
آنکھیں پھاڑے ہوئے تکا کرتا ہے تو اس وقت کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا خاموش ہوا اور خدا نے اس کی ایسی سٹی
گم کی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا بعینہ یہی مطلب نظام کے قول کا ہے اور اگر اس قول کو واقعات پر مبنی سمجھ
کے اس پہلو سے دیکھو کہ فی الحقیقت خداوند تعالیٰ نے ان کی قدرت فصاحت سلب کر لی تھی تو اس کی تکذیب خود قرآن
مجید کرتا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے " قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون
بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا" اس آیت میں لفظ "اجتمعت" اور "ظہیرا" سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے مشرکین
سے قدرت فصاحت مسلوب نہیں کی تھی کیوں کہ قدرت کے سلب ہونے کی حالت میں ان کا اجتماع و استظہار مثل اموات
و جمادات کے بیکار تھا بھلا ایسی مجبوری میں مجتمع ہو کے کیا کرتے اور باہم دگر کیوں کر اصلاح عبارت تعلیم اور مشورہ کرتے
یہ امور تو اسی وقت کارآمد تھے جبکہ انہیں انکی جبلی اور اصلی قدرت فصاحت باقی رہتی۔

بات یہ ہے کہ قرآن الفاظ فصیحہ وعذبہ اور اسلوب جدیدہ وپسندیدہ اور نظم رشیقہ اور تالیف انیقہ اور ادائے مطالب
بلا تعقید اور مطابقت مقتضائے مقام بلا عیب وخلل ہو کے سبب اعجاز ہے اور دوسرا اعجاز اخبار غیب وقصص ماضیہ
اور پیشین گوئیاں ہیں جن سے کلام پاک پُر ہے۔

یہی علمائے محققین اور حذاق کا مذہب ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز بیان کرنے میں علماء کا اختلاف اسباب کی دلیل ہے کہ
قرآن سر تا پا اعجاز ہی اعجاز ہے کیوں کہ جس عالم کی قرآن کے جس پہلو پر نظر پڑی اس نے اسی کو بہت بڑا اعجاز سمجھا کسی کا خیال
ہے کہ الفاظ ہی شیریں ہیں کوئی کہتا ہے کہ نظم و ترتیب ہی نہایت عمدہ ہے کوئی بیان کرتا ہے کہ اخبار غیب ہی باعث اعجاز
ہیں۔ قرآن کے اس اعجاز نے نہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا مفتوں بنایا تھا بلکہ دشمنان اسلام کو بھی اپنا شیدا کر لیا تھا۔
وہ فصحائے عرب جو مسلمان نہیں تھے بلکہ مسلمانوں اور بانئے اسلام سے عداوت رکھتے تھے قرآن کی معجز بیانی پر مٹے ہوئے
تھے اور اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کو سحر کہتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا رہنے والا غیر مسلمان ہونے پر بھی قرآن مجید کو سحر
کہتا تھا۔ لبید بن ربیعہ قبل اسلام یعنی حالت کفر میں تحدی قرآن کو حق سمجھ کے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسیطرح بہت سے فصیح

اور بلیغ جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں قرآن مجید ہی کے اعجاز سے ایمان لائے تھے۔

عرب میں اس زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا دریا بہ رہا تھا۔ اور اُن کی بزرگی اور عظمت علاوہ حسب ونسب کے اسی شاعری پر بہت موقوف تھی کچھ اہل حجاز ہی پر یا قریش پر فصاحت موقوف نہ تھی بلکہ غیر قریش اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے سبعہ معلقہ والا قریشی نہ تھا پچاس قبایل کے شعرا کا ڈنکا تمام عرب تامیں بج رہا تھا جن میں چند حسب ذیل ہیں:۔

کنانی۔ تغلبی۔ بکری۔ ہذلی۔ تیمی۔ عبسی۔ نخعی۔ کندی۔ قیسی۔ مری۔ ذبیانی۔ شیبانی۔ ثعلبی۔ طائی۔ یشکری۔ مزنی۔ خثعمی۔ مازنی۔ ان ہی پچاس قبائل کے شعرا کی دھوم تھی اور ان ہی کا بہت بڑا عروج تھا۔ ان کا کلام اس قدر مستند ہے کہ بعد از اسلام بھی مسلمانوں کے دار العلوم میں پڑھایا گیا اور ہنوز ان کی درس وتدریس جاری ہے۔ اگرچہ ان کے محاورات میں باہم بعض مقامات پر اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف عیب میں داخل نہیں ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں وحشی اور غریب کا استعمال ہوا ہے کیوں کہ جو الفاظ اور جو محاورہ ایک قبیلہ کے ہاں متروک ہے وہی الفاظ اور وہی محاورہ دوسرے قبیلہ کے ہاں رائج ہے۔ کتب فصاحت میں تو وحشی اُس لفظ کو کہتے ہیں جو شیریں نہ ہو اور ذوق سلیم اُس کی ترکیب حروفی سے تنفر کرے یا یہ کہ مستندین زبان کے نزدیک مانوس الاستعمال نہ ہو اور غریب اُس کلمہ کو کہتے ہیں جو مستندین زبان کے نزدیک مشہور الاستعمال نہ ہو یا یہ کہ مانوس الاستعمال نہ ہو اور اُس کے معنی بھی کھلے ہوئے نہ ہوں۔ بہرحال الفاظ کی وحشت وغرابت اُن اہل عرب کے استعمال پر موقوف ہے جن کی عربی موثق اور مستند ہے نہ صرف قریش کے استعمال پر اور نہ صرف اہل حجاز پر۔ پھر علمانے وحشی کی دو قسمیں کی ہیں ایک غریب حسن دوسرے غریب قبیح ہاں جو الفاظ کہ بوجہ تنافر حروفی وغیرہ کے ذوق سلیم میں متنفر ہوں وہ غیر فصیح سمجھے جائینگے گو مستندین زبان کے استعمال میں ہوں کیونکہ اثبات فصاحت کے واسطے صرف محاورہ واستعمال مستندین زبان ہی کافی نہیں بلکہ دیگر شروط بھی مقرر ہیں جن کے باعث بھی عدم فصاحت ہو جاتی ہے کتب لغت سے ظاہر ہے کہ ان قبائل کے محاورات میں بہت کم فرق تھا مثلاً بقی اور رضی مکسور العین کو قبیلہ طے والے مفتوح العین پڑھتے ہیں اور روعیت مجہول العین کو وعت اور بادیہ کو باداۃ پڑھتے ہیں اور اہل عالیہ لفظ وتر کو بمعنی فرد بالکسر اور بمعنی کینہ بالفتح بولتے ہیں اور اہل حجاز برعکس لفظ مسکن کو تمام عرب مکسور العین پڑھتے ہیں اور اہل حجاز مفتوح العین اور بنی تمیم تضعیف میں ہمیشہ ادغام کرکے پڑھتے ہیں (صحاح اتقان)

قبل از اسلام اہل مکہ اور غیر قبائل میں باہم مشاعرات ومباحثات ہوا کرتے تھے اور طرفین کے کلام میں مقابلہ ہوا کرتا تھا یہ اُن کے اچھے کلام کو پسند کرتے تھے اور یاد کر لیتے تھے اور وہ ان کے اچھے کلام کو پسند کرکے حفظ کر لیتے تھے ان کی زبانوں میں کوئی بین مغائرت یا اختلاف نہ تھا جبل عرفات کے نیچے مکہ معظمہ کے پاس برسویں دن ایک بازار لگتا تھا۔ بڑی بھاری تجارت ہوتی تھی صدہا کوس سے مال تجارت یہاں لاکر فروخت کیا جاتا تھا اور ایک عجیب چہل پہل ہو جاتی تھی اس کے علاوہ بڑا فائدہ یہ تھا کہ عرب کے ادنےٰ سے ادنےٰ قبیلہ کی برائی بھلائی آناً فاناً میں تمام عرب میں پھیل جاتی تھی ان کی معاشرت سیدھی سادی اور صاف اور بے لوث تمدن تھا جس طرح کسی زمانہ میں یونان میں پہلوانوں کا دنگل بندھا کرتا تھا اور بڑے کشتی گیر اور شہسوار دنگل میں زور آزمائیاں اور اسپ تازیاں کیا کرتے تھے یہاں انکے مقابلہ میں شعرا کا مجمع ہوا کرتا تھا اور اُن کی بلند خیالی کے گھوڑے دوڑے کرتے تھے۔ تمام بدوی دور دور کے مسافر

نہایت سرگرمانہ شوق سے شعراکے اس مجمع میں شریک ہوتے تھے اور انہیں بالطبع اس جلسہ سے مذاق حاصل تھا ان میں سے ایک شخص جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا اور جس نے اپنا حسب نسب یا اپنا نام کچھ بیان نہ کیا تھا دفعتاً اٹھ بیٹھا تھا اور اپنے اشعار پڑھنے شروع کر دیتا تھا۔ ان خوش اسلوب اشعار کا مضمون شجاعت۔ جوش و خروش جدال و قتال فخر خاندان۔ رفاقت دوستانہ۔ سخاوت۔ مہماں نوازی۔ نیک نامی۔ دوامی فرحت مقام۔ دریاؤں کی روانی جنگلوں کی ویرانی۔ کوہستانی وحشت۔ خوشنما جزیرے۔ سرسبز جنگل اور ٹیلے۔ شاداب وادیاں۔ حیوانات کی وحشت۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی تعریف۔ عشق اور دل کی مایوسی طبیعت کی پریشانی۔ خیالات کی بلند پروازی۔ صبر و استقلال کی شوکت۔ کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اشعار میں فطری مضامین کے سوا خیالی مضمون کا نام نشان بھی نہ ہوتا تھا جذبات دلی کی سچی کیفیت اور اُن کا اُبھار عربوں نے بہتر کسی نے نہیں بیان کیا ان کے اشعار سے مردہ دلوں میں زندگی کی نئی اور تازہ روح پیدا ہوتی تھی اور وہ فطرت انسانی کو صرف اپنے پُرزور اشعار ہی کی وجہ سے قدرت کے بلند مقام پر پہنچا دیتے تھے۔ صحرانوردی اور آزادی کی بے انتہا تعریف اور اس خداداد آزادی کے آگے سلطنت کو ہیچ سمجھنا یہ اُن کے اشعار کا بڑا مفہوم ہوتا تھا۔ ساتھ ہی حسن بلکہ نفس حسن کی سچی تعریف میں بھی وہ ہرگز فروگزاشت نہ کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ اُن کی شاعری تصنعات سے بالکل پاک اور بے لوث تھی۔ ان اشعار پر تحسین کی صدائیں اور آفرین کے نعرے ایک نئی جودت شاعر کے دل میں پیدا کرتے تھے۔ ولفی میں جو یونان کا بہت بڑا جولان گاہ تھا اور جہاں بڑے بڑے شہسوار اسپ تازی کیا کرتے تھے ایک شہسوار کو موتیوں کی لڑیوں کے انعام دیئے جاتے تھے مگر یہاں عرب میں جو قصائد مقبول ہو جاتے تھے وہ ہرن یا بکری یا اونٹوں کی جھلیوں پر۔ ابریشمی کپڑوں پر سنہری نقش و نگار ہو کے کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیئے جاتے تھے اور انہیں مذہبیہ یا معلقہ کہتے تھے بس یہی ایک بہت بڑا فخر تھا جو صاحب قصیدہ کو حاصل ہوتا تھا اور یہی اُس کے کلام کا ایک اعلیٰ صلہ تھا۔ قصائد کے آویزاں ہوتے ہی قبایل عرب کے مبارکبادی کے خطوط شاعر کے پاس آنے شروع ہو جاتے تھے۔ غرض کعبہ کی برکت یا اس شاعری کے بہانہ سے اُس وحشی صحرا میں اس معاملہ اتفاقی نے عجیب عجیب کام کئے ہمت اور شجاعت عام پسند ہو گئی۔ نسب دانی اور معلومات خاندانی سے گزر کے تاریخ داں ہو گئے۔ اُن کے یہ قصائد تاریخ جاہلیت کے لئے چراغ راہ بن گئے۔ خاص پسند باتیں عام پسند ہو گئیں۔ ان زباں آوروں کا رعب و داب عزت و وقار سب پر چھانے لگا وحشی صحرائی مل بیٹھنے سے انسانیت سیکھ گئے۔ اور باہمی کش مکش میں بھی کمی آنے لگی۔ پاکیزہ پاکیزہ الفاظ فصیح محاورے۔ بامذاق اصطلاحیں اور قصہ طلب جو اُن کے استعمال میں آنے لگے۔ بے تکلف اور بے مبالغہ کلام میں گرمی اور زور تاثیر پیدا کرنے کا شوق بوڑھے سے لیکے بچہ تک عام ہو گیا۔ اسی بازار کے طفیل سے اکثر اشخاص اور اشیا کے لئے وجہ تسمیہ ہو گئی اور اسی طرح اب تک مشہور ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے قصے یہاں تک کہ ایک بدوی عورت نے جو لفظ اپنے اونٹ کے پانی پلاتے میں کہا وہ بھی مشہور ہو کے گھر گھر زباں زد ہو گیا۔ اب تک ہر شخص جہاں چاہتا ہے نظم و نثر میں کہاوت کی طرح بول جاتا ہے کہ یہ شہرت آج اخباروں میں اشتہار دینے سے بھی نہیں حاصل ہوتی۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید میں زیادہ تر کن کن قبائل کے محاوروں اور الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ علامہ

سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے اخرج ابو عبید من وجہ اٰخر عن ابن عباس قال نزل القرآن بلغۃ الکعبین کعب قریش وکعب خزاعۃ قیل وکیف ذلک قال لان الدار واحدۃ لان خزاعۃ کانوا جیران قریش" یعنی ابو عبید نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قرآن دو کعب کے لغات پر نازل ہوا ہے ایک کعب قریشی دوسرا خزاعی کیوں کہ ان دونوں کی اولاد قریب قریب رہتی تھی۔ پھر آگے چلکے اتقان میں آیا ہے نزل القرآن بلغۃ مضر لقول عمر نزل القرآن بلغۃ مضر" یعنی حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ قرآن لغت مضر میں نازل ہوا ہے اور بعض نے قبائل مضر کی یہ تفصیل کی ہے ہذیل۔ کنانہ۔ قیس۔ ضبہ۔ تیم الرباب۔ اسد بن خزیمہ۔ قریش۔

مگر ابو حاتم سجستانی کہتا ہے کہ قرآن لغت قریش۔ ہذیل۔ تیم۔ اور ازد۔ ربیعہ۔ ہوازن اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے اور ثعلب اور ازہری۔ ابن عطیہ اور بیہقی وغیرہ ہم بہت علما اور محدثین کا قول ہے کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ یہی ابو صالح کی ابن عباس سے روایت ہے کہ قرآن کا نزول سات لغات پر ہوا ہے۔ منجملہ ان کے پانچ قبائل عجز ہوازن ہیں یعنی سعد بن بکر۔ جشم بن بکر۔ نصر بن معاویہ اور ثقیف کہ یہ سب ہوازن ہیں۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ قرآن صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جلال الدین بن مالک کہتا ہے کہ قرآن لغات حجازیں میں نازل ہوا ہے مگر قلیل الفاظ لغت تمیم کے موافق ہیں جس طرح یشاق اللہ ومن یرتد منکم عن دینہ میں ادغام ہے کیونکہ تمیم مجزوم پر ادغام پڑھتے ہیں۔ اور اسی طرح عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اہل لغت کا اول دن سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو لفظ غیر فصیح ہوتا ہے یا خاص کسی قبیلہ کا تو اس کی غیر فصاحت اور تخصیص کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً یہ لکھدیتے ہیں وتقول العامۃ وھذہ لغۃ ردیۃ وھذہ لغۃ تمیم ھذہ لغۃ ھذیل لیکن قرآن مجید میں ایک لفظ بھی کسی کو غیر فصیح نہیں معلوم ہوا۔ نہ ہم کسی قسم کی بدگمانی جامعین لغت پر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بہت صفائی سے قرآن کے ان الفاظ کو جو ان کے نزدیک کسی قبیلہ سے مخصوص تھے اس کی خصوصیت کو ظاہر بھی کر دیا ہے اگر تعصب سے یہ بات نہ قبول کی جائے اور اہل لغات پر یہی اتہام رکھے کہ انہوں نے عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے کہ وہ سبعہ معلقہ۔ عقد ثمین اور حماسہ[1] کو دیکھ لے کہ جس لفظ کو واسطی نے ایک قبیلہ کا محاورہ لکھا ہے اسی لفظ

[1] حماسہ جس کا جامع ابو تمام حبیب بن اوس ہے اپنی کتاب کو مفصلہ ذیل ترتیب دیتا ہے۔

(۱) حماسہ وہ اشعار جن سے بہادری شجاعت اور قوت رزم معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مراثی۔ وہ اشعار جن سے عزیز اقارب کی مفارقت پر آہ وزاری ہوتی تھی۔

(۳) ادب۔ وہ نظمیں جن میں ان کے طریق معاشرت اور ادب آداب کے مضمون تھے۔

(۴) النسیب۔ وہ تیر و تفنگ کی طرح ہجران نصیبوں کے دلوں کو نشانہ بنانے والے اشعار جو عشق مجازی کا سچا فوٹو ہیں۔

(۵) ہجا۔ وہ ہجو جو حریف کو کاٹنے میں تیغ ہندی اور تیر خطی سے کم نہ تھیں۔

(۶) اضیاف و مدیح۔ مہمانداری اور مہمان نوازی کے متعلق برجستہ اشعار۔

(۷) صفات۔ عام صفت۔

کو دوسرے قبیلہ کے شاعر نے استعمال کیا ہے۔ واسطی نے جن جن الفاظ کو خاص قبیلہ کا لکھا ہے غالباً اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قدیم الایام میں یہ الفاظ اُن قبائل کے تھے نہ زمانہ نبوت میں۔ یا کچھ اور مراد ہوگی بہر حال قرآن مجید پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

(۸) ایسر و نعاس۔ سفر اور خواب کے تعریفی شعر۔

(۹) الملح۔ تمسخر، ظرافت اور مذاقیہ اشعار۔

(۱۰) مذمت النساء۔ مستورات کی ہجو۔

مگر ان سب میں مضمون کے لحاظ سے پہلے باب میں جو کتاب کا اتنا حصہ لیا ہے کہ ساری کتاب کا نام حماسہ ہو گیا۔ حماسہ پر ایک عام نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب کرنے میں بہت ہی جلدی کی گئی عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابو تمام نے حماسہ میں کچھ ایسی کانٹ چھانٹ کی ہے کہ بعض اچھے اچھے شاعروں کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ اشعار جو فی الحقیقت مضامین کی روانی، فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے اُنہیں بالکل قلم انداز کر دیا اور اکثر کو لا اعلم و قال آخر یا و قال بعضہم کہکے خاموشی اختیار کی۔ دوسرا غضب یہ کیا کہ بعض شعرا کے اعلےٰ درجہ کے کلام کو انتخاب کرنے میں سخت بے پروائی بلکہ بیدردی کو کام میں لایا گیا مثلاً حبیب بن عوف کے ایک نادر الوجود قصیدہ کو بیکار کر کے صرف ایک ہی شعر پر قناعت کی حق یہ ہے کہ اُس کے پورے قصیدہ کا درج نہ کرنا اُس کی اعلیٰ مرتبہ شاعری کا خون کر دینا ہے۔ یہ ایک شعر ہے جو اُس کے قصیدہ سے انتخاب کیا گیا ہے۔

فتی ازاد السلطان فی الحمد رغبۃً ٭ اذا غیر السلطان کل خلیل

اگر اسی پر قناعت کی جاتی جب بھی افسوس کے بعد صبر آجاتا مگر نہیں غضب یہ کیا ہے کہ بہت سے گمنام و نشان بھدّے شعرا کے بے لذت اشعار کا بھی انتخاب کیا ہے جس سے خود جامع کی قابلیت پر بہت بڑا حرف آتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے حماسہ میں اچھے اچھے دیوان اور کلیات کے اشعار کا بمشکل پتہ لگتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انتخاب اول سے اخیر تک لغو اور مہمل ہے نہیں بعض موقع پر اچھا انتخاب ہوا ہے لیکن اکثر جگہ بھدّے انتخاب کا عیب موجود ہے۔ پھر بھی اگر عام نظر سے دیکھیں تو یہ ایک ایسی ضروری کتاب ہے جس سے نہ صرف زمانہ جاہلیت کے محاورے معلوم ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید کے محاوروں اور نکات کے سمجھنے میں خاص مدد ملتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں ایک اور حماسہ لکھا گیا ہے مگر اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

سب سے پہلے ۵۰۲ھ ہجری میں علامہ تبریزی ابو ذکریا یحیٰی نے حماسہ کی شرح لکھی ہے جس میں علم بیان اور اشتقاق اصول کلمات کو خوب واضح طور پر ادا کیا ہے۔ بیروت میں ایک جدید شرح معہ حواشی طبع ہوئی ہے جو ایک مجمع فضلا کی جانکاہیوں کا نتیجہ ہے۔ حماسہ کے بعض مقطعات کا ترجمہ انگریزی میں سر ولیم جونس پریذیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ بنگال سول سروس کے چارلس لائل نے کیا ہے۔ پھر فرانس کے مشہور علمی انجمن کے میر مجلس نے بعض حصوں کا ترجمہ فرانسیسی میں کیا ہے جو بہت شوق سے فرانس میں دیکھا جاتا ہے۔

ابو تمام کی تالیف سے حماسہ کی طرز پر ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام کتاب الاختیارات ہے۔ اس میں بھی شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے مگر اُسے چنداں شہرت نہیں ہوئی۔ فحول الشعرا میں اُس نے جاہلی مخضرمی اور اسلامی شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے۔ کتاب کے عام

قرآن کی فصاحت کو عام طور پر زمانہ نے تسلیم کر لیا۔ ہر ملک نے اپنی مختلف آب وہوا ہونے پر بھی اس کی فصاحت کی شہادت دی۔ در ودیوار سے اس کی صداقت پر آوازیں بلند ہوئیں شجر وحجر نے اسے ایک زبردست فصیح تسلیم کر لیا۔ بچہ سے لے کے بوڑھے تک سب نے اس پر سر خم کر دیا۔ اختلاف مرز بوم۔ تمدن۔ زبان اور محاورے نے بھی اس کی فصاحت پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی۔ ہر کتاب کی فصاحت اسی ملک کے لوگوں یا اہل زبان پر زیادہ اثر کرتی ہے مگر قرآن کی فصاحت نے تو غیر زبان اور غیر ملک کو بھی اپنا قائل کر دیا۔ بغیر معنی سمجھے جس طرح ایک زنگی وجد میں آجاتا ہے اسی طرح ایک چینی بھی از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کونسی کتاب ایسی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی خوش آوازی سے پڑھی جائے ایک ایسے غیر ملک کے شخص پر اثر کرے جو وہ زبان نہ جانتا ہو مگر یہ تاثیر اس کتاب پاک ہی میں ہے کہ زبردستی غیر ملک والوں کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور کھینچتی بھی کیسی کہ پھر اپنی مٹھی سے نہیں نکلنے دیتی فصاحت　　وہ فصاحت ہے جس کے ثبوت کے لئے نہ تو اختراعی قواعد نحویہ کی ضرورت ہو اور نہ موضوعی استدلال اور محاورات کی بلکہ ان سب باتوں سے پاک ہو اور از خود بولے بغیر کسی دلیل اور حجت کے کہ میں فصیح ہوں۔ یہ صفت تو سوائے قرآن کے آج تک کسی میں نہیں دیکھی کہ یہ خود ہی مدعی اور خود ہی شاہد اور خود ہی استدلال اور خود ہی ثبوت ہے۔ اسے خارجی امداد کی نہ کبھی ضرورت ہوئی نہ ہو گی۔ تمام قواعد اسی پاک کتاب سے نکلے اور پھر اسی میں جذب ہو گئے یعنی اس کی حقیقت کو پورا نہیں پہچان سکے۔ اس کے دو لفظوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں اور اس کا ایک ایک لفظ دنیا کی پر آبادی کا بہت بڑا قانون ہے۔ کب اور کس زمانہ میں اس سے روتابی کی کسی کو مجال ہوئی اور کس نے روتابی کی اور پھل پایا۔ بڑا شرف جو اس نے اور الہامی کتب پر پایا ہے۔ یہ ہے کہ اس کے رہنے کی جگہ دل ہے جو گزرگاہ جلیل اکبر ہے مگر اور الہامی کتب ہاتھوں میں یا الماریوں میں رہتی ہیں۔ کون اس پر معترض ہو سکتا ہے اور کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ چند ناسمجھ اور تاریک دل لوگوں نے اگر اس پر کچھ اعتراض کئے مگر اوندھے منہ گر پڑے اور سوائے پشیمانی کے کچھ نتیجہ نہ پایا۔ اعتراض اسوقت سبز ہوتا اور معترض کو اس وقت کامیابی ہوتی کہ جب اس کی قدر کم ہوتی مگر جب یہ بات نہ ہوئی بلکہ روز کی طرح اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور دنیا کے دور و دراز حصص اس کے قبضہ تصرف میں آتے جاتے ہیں پھر معترضوں کی

فہم اور سلیس ہونے میں شک نہیں مگر اصلیت کا پتہ نہیں چلتا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سبعہ معلقہ کے شعرا کی نسبت وہ واقعات قلمبند کر دیئے ہیں کہ ہمارے مشہور مورخ ابن خلدون اور اغانی نے مضحکہ اڑایا ہے۔ صولی ابو تمامہ کے حالات کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ ابو تمامہ نے جب حاضر بارگاہ ہو کے محمد بن عبد اللہ کا قصیدہ پڑھا بادشاہ نے خوش ہو کے فرمایا تیرے اشعار کی خوبی۔ الفاظ کی جودت۔ معانی کی لطافت ان جواہرات سے کہیں زیادہ دلفریب ہے جو چودہ پندرہ برس کی حسین لڑکی کے گلے میں چمکتے ہوں۔ جو کچھ ان کا صلہ طلب کرے گا دوں گا۔ ابو تمامہ نے عرض کیا موصل کی حکومت چاہتا ہوں خلیفہ کے دربار میں ایک قیافہ شناس بیٹھا تھا اس نے حضور میں عرض کیا جو کچھ مانگتا ہے فوراً دیا جائے مجھے اس کی جدت۔ ذکاوت اور فطنت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا نفس روحانی جسم کو تیغ ہندی کی طرح کھا جائے گا اور یہ چند ہی روز کے بعد فنا ہو جائے گا۔ غرض حکومت تو مل گئی مگر قیافہ شناس کی پیشین گوئی بہت جلد پوری ہو گئی۔ یعنی قبل اندت دنیا سے رخصت ہو کے موصل کی خاک میں ہمیشہ کے لئے آرام کیا۔

پشیمانی اور ذلت بدیہی ہے۔ آفتاب کی کرنیں کب میلا ہاتھ لگانے سے میلی ہوسکتی ہیں چاند پر خاک کب پڑ سکتی ہے۔ ایک بحر بے پایاں کتے اور چند سوروں کے پانی پینے سے کب ناپاک ہوسکتا ہے اسی طرح قرآن پر اعتراضات کرنے کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے۔

انجیل و توراۃ کے الفاظ چونکہ خدا سے نہیں ہیں اس لئے اُن میں زندگی نہیں اور نہ فصاحت کی روح ہے عیسائی مجبور ہو ہو کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کلام میں فصاحت ہونی محض غیر ضروری ہے بلکہ حکمت اور ہدایت ہونی کافی ہے چنانچہ عیسائیوں کے پولوس مقدس نے بھی اس معاملہ کا کہیں اشارہ کیا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک کلام جس میں حکمت بالغہ بھی ہے ہدایت بھی ہے۔ اور فصاحت بھی ہے تو سرتاپا خوبی کونسا کلام ہوا جن الہامی کتب کو قدرت سے فصاحت کا زیور نہیں ملا ہے اُن کے ماننے والے فصاحت سے ناک بھوؤں چڑھاتے ہیں اور اس کی مثال بالکل لومڑی اور انگوروں کی ہے۔ کہ جب انگوروں کی بیل تک نہ پہنچی تو انہیں کھٹا بنا دیا۔ حسن صورت کے ساتھ اگر حسن سیرت بھی ہو تو اُسے کون بُرا کہہ سکتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے یہ لازمہ قانون قدرت تھا کہ وہ ہر صفت سے موصوف ہوتی۔ قرآن مجید کا ایک جملہ کسی بڑی عربی عبارت میں نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے۔ صدہا قصائد اور ادب کی کتابیں موجود ہیں قبل از اسلام اور بعد از اسلام کی مگر قرآن کے ایک جملہ سے بھی کسی کو نسبت نہیں ہے۔ سبعہ معلقہ جسے تمام عرب نے مان لیا تھا قرآن کی فصاحت کے آگے پانی بھرتا ہے۔ قرآن مجید میں صدہا معجزے ہیں اور ہر معجزہ نے اپنا اپنا علیحدہ کرشمہ دکھایا ہے۔ کہیں اس کی فصاحت اور بلاغت نے ہزاروں کو رام بنایا اور کہیں اس کے پر از حکمت مضامین نے مخلوق خدا کو توحید کی چاشنی چکھائی اور کہیں اس کی پیشینگوئیوں نے جنہیں آیات سے تعبیر کیا گیا ہے لاکھوں کو اپنا شیدا بنا لیا۔ ایک قرآن ہے لیکن اُس سے صدہا شاخیں معجزات کی پیدا ہوئی ہیں اور دن بدن دنیا پر پھیلتی جاتی ہیں ایک فرانسیسی پادری نے محض لاعلمی اور تعصب سے اپنی کتاب "محمد اور قرآن"

ابو تمامہ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ انساب و اشعار عرب اُسے خوب یاد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علاوہ قصائد و قطعات کے چودہ ہزار رجزیہ اشعار نوک زبان تھے۔ حاضر جوابی میں بھی ید طولے رکھتا تھا چنانچہ جب محمد بن عبد الملک کے دربار میں اُس نے قصیدہ پڑھا ہے جس کے صلہ میں اُسے موصل کی حکومت ملی تھی تو اس شعر پر:

اقدام عمرو فی سماحۃ حاتم　　فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

وزیر نے کہا واہ کیا خوب ہمارے امیر المؤمنین کی اجلافوں سے تشبیہ دی ہے کچھ اس بھی درست ہیں یا نہیں ابو تمامہ نے کچھ تامل کے بعد یہ جواب دیا۔

لا تنکروا ضربی لہ من دونہ　　مثلاً شرودًا فی الندا والبائس

فاللہ قد ضرب الاقل بنورہ　　مثلاً من المشکوۃ والنبراس

وزیر نے بیساختہ ابو تمامہ کو اُس کی ذکاوت پر مبارکباد دی۔ ابو تمامہ کے زندگی کے حالات عجیب دلچسپ ہیں کیا کیا حالتیں اس پر گزر گئیں اور اس نے کیوں کر ترقی کی۔ ابو تمامہ کی سنہ پیدائش ٹھیک ٹھیک ابھی تک نہیں معلوم ہوتے بعض ۱۷۲ھ ہجری کہتے ہیں اور بعض ۱۹۲ھ ہجری

ہر زبان میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی۔ ہم کہتے ہیں یہ صحیح ہے بلکہ ہم مزید براں یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہر کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہے سوال صرف یہ ہے آیا کسی زبان کی کتاب کو بھی یہ عروج حاصل ہوا جو قرآن کو ہوا ہے اور کسی کتاب نے بھی آج تک کروروں بندگان خدا کے دلوں کو تسخیر کیا اور آیا بنی نوع انسان میں کسی کتاب نے بھی اتنا زبردست تمدن قایم کیا۔ اور آیا دنیا میں کوئی کتاب بھی ایسی ہے جس کا ایک ایک لفظ قانون کا حکم رکھتا ہوا ور اس پر جان فدا کرنا نجات کا باعث خیال کیا جائے۔ لامحالہ جواب یہی دیا جائیگا کہ نہیں۔ بدیہیات اور مشاہدات کا انکار قیامت تک ممکن نہیں ہزار زور مارا جائے اور لاکھ ایڑیاں رگڑی جایئں مگر مشاہدات کا منکر مجنون ہی کہلائیگا۔

وہ زمانہ جب یہ قرآن نازل ہوا ایک خطرناک شور و شغب کا تھا۔ عرب اپنے مقابل کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہمارے برابر دنیا میں کوئی فصیح اور بلیغ پیدا ہی نہیں ہوا اُنہیں جسطرح اپنی شجاعت پر ناز تھا اسی طرح اپنے حسب نسب پر اور اس سے بھی زیادہ اپنی زبان آوری پر۔ وہ جانتے تھے کہ تمام دنیا گونگی پیدا ہوئی ہے حقیقت میں ان کا یہ تبختر ایک حد تک تھا بھی درست اُنہیں نہایت آسان تھا کہ وہ اپنے آتشین اشعار سے دو قبیلوں میں جنگ کرادیں خون کی ندیاں بہادیں مردہ دل پر ان کا کلام جادو کی تاثیر رکھتا تھا۔ وہ صرف کہنے والے ہی نہ تھے بلکہ بولنے والے بھی تھے اُن کی آتش بانی غضب کی تھی اور اُن کا طرز بیان پر جلال اور شاندار تھا کہ اسی گروہ میں اسی مجمع شعرا میں اسی فصاحت و بلاغت کے میدان میں اور اسی سرزمین پر اسی حلقہ میں ایک پرزور آواز گونجی اور اُس کی گونج مشرق و مغرب پہنچی۔ آواز میں گرج اور کڑک جسقدر تھی اُسیقدر بجلی کی چمک بھی تھی آواز کیا اُٹھی در و دیوار بولنے لگے تمام فصحا اور بلغا جمع ہوئے اور سخت حیرت زدہ ہوکے آواز کو سننے اور متعجب ہونے لگے وہ آواز قرآن کی تھی جو اُنہیں مقابلہ کے لئے طلب کرتا تھا وہ آواز خدا کی آواز تھی جس نے کہا تم اپنی فصاحت پر گھمنڈ نہ کرو وہ آواز ایک یتیم بچہ کی زبان سے نکلی تھی جس نے نہایت بے بسی کی حالت میں اُن ہی کے آگے پرورش پائی جو نہ کبھی اُن کے مجمع شعرا میں شریک ہوا جس نے کبھی ایک حرف کی بھی تعلیم نہیں پائی جس نے کبھی ایک

یہ قوم کا نصرانی تھا۔ ابتدائی تعلیم میں اسے بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ اپنے باپ کے ساتھ اس نے شام کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کی یہ زمانہ مسلمانوں کی آغاز بلکہ عروج سلطنت کا تھا دار العلوم کھل چکے تھے مسلمان فتوحات ملکی سے فتوحات علوم کی طرف رجوع ہو چکے تھے یونانی کتب کا بڑی سرگرمی سے ترجمہ ہو رہا تھا۔ تمام شہروں میں پھر پھر کے اخیر حمص میں ابو تمام نے ڈنڈے ڈیرے ڈال دیئے اور اعلےٰ درجہ کی تعلیم پانی شروع کی۔ غرض یہاں اس نے کامل تعلیم پائی۔ ابھی تک اس کی حالت بحیثیت دنیاوی ثروت کے ردی تھی۔ مسلمانوں کی سلطنت میں چونکہ ہر قوم اور فرقہ کو بے انتہا آزادی تھی اور صرف ترقی کے لئے سوائے علمی لیاقت کے اور کوئی قومی امتیاز نہ تھا اس لحاظ سے ابو تمام نے شہنشاہی دربار کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا۔ خوش قسمتی سے خلیفہ وقت کی سالگرہ کا زمانہ آگیا۔ ابو تمام نے فوراً ایک قصیدہ موزون کیا اور چاہا کہ عین جشن کے روز دربار میں خود جاکے پڑھے۔ دقت یہ تھی کہ اول تو خلیفہ کے دربار میں پہنچنا اور دوسرے قصیدہ پیش کرنے اور پڑھنے کا حکم ہونے کا مرحلہ بہت ہی دشوار گزار تھا۔ سوچتے سوچتے اسے ابو حارث نصرانی یاد آیا جو وزیر اعظم کا بڑا منہ چڑھا اور اس کے باپ کا دوست تھا۔ یہ سیدھا اُس کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ابو حارث رضامند ہوگیا اور نوجوان ابو تمام کو وزیر کے پاس لے گیا وزیر نے پوری کیفیت سن کے اجازت دیدی غرض ابو تمام پیش ہوئے اس نے بڑی دلیری سے اپنا موزون کیا ہوا قصیدہ پڑھا۔ خلیفہ اس کی خداداد ذکاوت اور طباعی

مصرعہ بھی موزوں نہیں کیا۔ عبداللہ کا بیٹا ابو طالب کا بھتیجا عبد المطلب کا پوتا جس کی صغیر سنی کا پورا حصہ اپنے چچا کی خدمت میں بسر ہو گیا ہو جس نے دنوں تک اونٹوں کا ریوڑ جنگل اور پہاڑوں میں چرایا ہو جس نے اونٹنیوں کا دودھ دھویا ہو جس کا سارا بچپن اس بے بسانہ اور قابل افسوس حالت میں گزر گیا ہو جس نے ہوش سنبھال کے اپنے بزرگ باپ کو نہ دیکھا ہو جس کی ماں صغیر سنی میں اُس سے دائمی مفارقت اختیار کر گئی ہو جس کے وقت کا بہت سا حصہ اپنے چچا کے ہمراہ شام اور تجارت میں گزر گیا ہو جس نے کبھی عربوں ہی کے قاعدہ کے بموجب بھی تعلیم نہیں پائی جس کا کوئی مدد معاون نہ تھا جو اپنی قوم کی سرکشی اور خونریز فطرت سے بخوبی واقف تھا جو پیدا ہوا یتیم جس نے پرورش پائی یتیمی حالت میں اور جس نے دعویٰ نبوت کیا محض تنہا حالت میں۔ اسی مقدس نبی نے اسی پیشوائے عالم اور عالم کی رحمت نے بآواز بلند پکارا سنلو اگر تمہیں کچھ گھمنڈ ہو تو قرآن کی سی دس سورتیں ہی بنالو دس نہیں ایک ہی سہی مگر نہیں ہرگز نہیں تم اور جن سب بھی مل جاؤ پھر بھی ناممکن محض ہے کہ ایک سورت بھی ویسی بنا سکو یہ سنتے ہی سب کی سٹی گم ہو گئی اور سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور وہ ایسے دم بخود ہوئے کہ کچھ زبان پر نہ لا سکے سوائے اس کے کہ سحر سحر کی آوازیں چاروں طرف سے اُٹھنے لگیں۔ مخالفت بھی کی ستایا بھی سرکشی بھی کی اپنی جانوں پر ظلم بھی توڑے مگر نتیجہ کیا ہوا نتیجہ وہی ہوا جو دنیا نے دیکھا خوار و ذلیل ہوئے مارے گئے رسوا ہوئے یہاں تک مقدس سرزمین عرب سے نام و نشان مٹ گیا اور مٹا تو ایسا مٹا کہ اب کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ اُن کی فصاحت و بلاغت کو چڑیاں چگ گئیں اُن کی آتش مزاجی رفو چکر ہو گئی۔ کسی کا زہرہ نہیں ہوا کہ دو کلمہ بھی زبان سے نکالتا۔ اُدھر کی قوت اور مجمع اور خود سری کے مقابلہ میں یہ فرمایا ”وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم“ یعنی تم سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کیلئے جما کر رہیگا اور جو خوف و خطر اُن کو لاحق ہے اس کے بعد عنقریب ہی ان کو اس کے بدلے میں امن دیگا“

بہت خوش ہوا خلیفہ کی علم دوستی نے مذہب اور قوم کا امتیاز اُڑا دیا تھا وہ لائق شخص کا عاشق تھا خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔ فوراً قصیدہ ختم کرنے پر خلیفہ نے خلعت فاخرہ اور انعامات سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی طبیعت بڑھانے کے لئے یہ حکم دیا کہ جب کوئی موقع ہو تم اپنی طباعی کا زور دکھاؤ قطعہ لکھو یا قصیدہ یہ تمہاری مرضی“ یہ سنتے ہی ابو تمامہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اب کیا تھا خلیفہ کی قدردانی نے اُسے عزت کے آسمان پر چڑھا دیا۔ آئے دن قطع اور قصیدے انعام و خلعت کا باعث ہونے لگے یہی وجہ ہے کہ اُس کے بہت سے قصائد خلفا کی تعریف میں پائے جاتے ہیں۔

سنہ ۲۲۰ ہجری کا تذکرہ ہے کہ ابو تمامہ ایک پرزور قصیدہ خراسان کے حاکم عبد الملک کی خدمت میں پیش کر کے واپس آ رہا تھا کہ رستہ میں خونی برف پڑ گئی۔ مجبوراً ابو الوفا ابن سلمہ کے ہاں ہمدان میں اسے قیام کرنا پڑا چونکہ اُسے کام کرنے کی فرصت کافی تھی اور ابو الوفا کا کتبخانہ بھی بہت تھا حماسہ کی ترتیب شروع کر دی یہی وجہ ہے کہ انتخاب قصائد و اشعار میں اُسے ایک حد تک کامیابی نہیں ہوئی اور موسم کی ناموافقت نے اُس کے انتخاب پر اچھا اثر نہیں کیا فقط۔

یہ وعدہ تھا جو روز ازل سے کیا جاچکا تھا اور ایک دن ضرور پورا ہونا تھا چنانچہ پورا ہو کے رہا۔ کس الہامی کتاب نے یہ دعویٰ کیا اور وہ بھی مدعیان فصاحت و بلاغت اور قوت کے آگے اور پھر دعویٰ سرسبز ہوا۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ سوجودہ الہامی کتب کی کیا گت بن رہی ہے۔ انجیل کی تو یہ کیفیت ہے کہ سوائے چند لکھے پڑھے آدمیوں کے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حضرت مسیح کی کیا زبان تھی اور جن اقوال کی نسبت اُن کی ذات سے کی گئی ہے آیا فی الحقیقت یہ اُنکے اقوال بھی تھے یا نہیں۔ پارسیوں کی الہامی کتاب عنقا صفت ہو گئی ہے اور اگر کہیں اُس کا وجود بھی ہے تو یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ اگر اسکا کوئی مصنف ہے تو کون ہے اور کونسا زردشت ہے جس کی تصنیف سے موجودہ ژند و ستا ہے۔ اور اگر الہامی ہے تو کب اور کس پر نازل ہوئی یہ ساری باتیں بالکل تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں اور ابھی تک کوئی روشنی میں نہیں لاسکا۔ پھر وید ہے اُس کی بھی یہی کیفیت ہے کہنے والے تو لاکھوں اور کروروں ہیں مگر اس کی صورت ہی دیکھنے والے لاکھوں میں سے دو ایک ہی نکلیں گے مگر پڑھنے والا تو شاید کوئی ہو۔ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ برخلاف قرآن مجید کے جس زبان میں نازل ہوا اسی میں موجود ہے اور اسی زبان میں مشرق و مغرب جنوب و شمال پڑھا جاتا ہے نہ ہندوستانیوں سے اس کو کچھ مغایرت ہے اور نہ افریقیوں سے نہ یورپیوں سے بات تو یہ ہے کہ غیر زبان ہونے پر بھی اس کے الفاظ کی شیرینی اور لطافت پر اثر ثابت ہوئی ہے اور یہی اس کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

کلام کا فصیح ہونا کلام کی اعلےٰ درجہ کی خوبی ہے۔ ہدایت اور حکمت کی باتیں اگر اعلےٰ درجہ کی فصیح ہوں تو کیا بُرائی ہے جس پر نہایت دریدہ دہنی سے اعتراض کیا جاتا ہے ہمیشہ علم ادب ہی نے فتح پائی ہے اور جس قوم میں ادب نہیں وہ مردہ قوم ہے۔ قرآن کی بزرگی لفظ قرآن ہی سے پائی جاتی ہے۔ قرآن کا نام آتے ہی فصاحت و بلاغت اور حکمت و ہدایت کا ایک نقشہ کھنچ جاتا ہے جس نے اسے آنکھیں کھول کے پڑھا ہے وہ بتا سکتا ہے کہ اس کا کیا اثر ہے اور اس کی حکمت بالغہ کیا جوہر رکھتی ہے جب ہم کسی آئندہ باب میں قرآنی مضامین کا اور کتب الہامیہ کے مضامین سے مقابلہ کرکے دکھائیں گے تو حقیقت کھلے گی اب تو ہم نے صرف فصاحت و بلاغت پر مختصر سی بحث کی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ شاید اسی قدر کافی ہو۔ اے کلام پاک تیری بزرگی بہت بڑی ہے تیرا جلال کون دیکھ سکتا ہے تو حقیقت میں لوح محفوظ کا نوشتہ ہے۔ تجھ میں سے از خود خدا کی آواز نکلتی ہے۔ تو بجلی کی دوڑ دوڑ رہا ہے اور تو دنیا کے دور دراز حصص تک پہنچ گیا ہے۔ تیرے فتوحات میں ابتدا سے اب تک کوئی کمی نہیں ہوئی۔ نہ تجھے کبھی تلوار کی ضرورت پڑی نہ روپیہ کی تو اپنی ہدایتوں۔ نشانیوں اور حکمتوں کی فوجوں سے شرک اور کفر کے ممالک پر دھاوا کرتا ہے اور فتح پاتا ہے تیری ان فوجوں کے روکنے کا کسی کو زہرا نہیں ہے۔ تیرے نام لیوا اپنی بدکرداریوں سے اور تجھے پس پشت ڈال کے خواہ کیسے ہی ذلیل کیوں نہ ہو گئے ہوں پھر بھی تو اپنا معجزہ برابر دکھا رہا ہے تجھے نہ کسی کی حمایت کی پروا ہوئی نہ ہوگی تیرا خدا حافظ ہے اور تیرے لئے یہی بس ہے۔ بڑے بڑے تغیر و تبدل اور بڑی بڑی مخالفین۔ حیرتناک مدوجزر تجھ میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ کرسکے۔ کیا یہ تیرا ایک بین معجزہ نہیں؟ نہیں ہے اور قطعی ہے؟ جو نہ سمجھیں اُن کی عقل کا قصور ہے۔ بنی اُمیہ کی سلطنت میں بھی تو وہی معزز و محترم گنا جاتا تھا جو خلفائے راشدین کی خلافت میں۔ بنو عباس

اور بنو فاطمہ میں بھی تیرا ایک ایک لفظ ہر زمہ رقانون گنا گیا۔ وحشی ترکمانوں نے تجھے قبول کیا آنکھوں سے لگایا اور اپنا دستور العمل بنایا اس سے زیادہ اور کیا معجزہ ہوسکتا ہے۔ پشت ہا پشت کا تمدن بکلخت فراموش کردینا اور تجھی پر اپنا دھن من تن قربان کردینا کہاں اور کس جگہ اپنا نظیر رکھتا ہے۔ تو بیشک خدا کا کلام ہے اور بیشک تو ایسا ہی کلام ہے کہ سوائے انسان کے کوئی تیرا متحمل نہ ہوسکتا تھا۔ تیرا جلال ابد تک قایم رہے اور اسیطرح گروہ گروہ تیری ہدایتوں پر روز و شب فریفتہ ہوہو کے تجھے اپنا دستور العمل بنائے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

بارہواں باب
جہاد

سب سے بڑا اعتراض اور سب سے سخت حملہ جو اسلام پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا خود پیغمبر اسلام نے اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار اُٹھائی خلفائے راشدین نے اپنے نبی کی سنت پوری کی اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو مسلمان بنالیا اور بعد ازاں مذہبی خونریزی کا یہی سلسلہ جاری رہا اور اب تک جہاں کوئی ملکی لڑائی ہوئی چند روز میں اُس کا رنگ بھی مذہبی ہو جاتا ہے اور پھر مخلوق خدا پر ایک آفت نازل ہو جاتی ہے اور بڑے حصہ مخلوق سے کرب و بلا کی صدائیں بلند ہوتی ہیں غرض خدا کی ہری بھری کھیتی نہایت بیدلی سے پامال کیجاتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے اُن دہواں دھار اعتراضوں کا جو اسلام پر کئے جاتے ہیں کئے گئے اور عجیب نہیں کہ اس کا سلسلہ آئندہ تک جاری رہے اور ختم نہ ہو اُس وقت تک جب تک تمام دنیا مذہب اسلام نہ قبول کرلے۔ یہ ہونا ہے اور ہو کے رہیگا۔ روز ازل سے تقدیر ہو چکا ہے کہ ایک دن تمام عالم پر اسلام محیط ہو جائے گا اور اس بات کو تمام دنیا کی متحدہ قوت بھی نہیں روک سکتی۔

یہ غلط فہمی کہ مسلمانوں کے ہاں جہاد ہر حالت میں فرض ہے اور جب کبھی اُن میں قوت ہوتی ہے وہ اشاعت مذہب کے لئے تلوار لے کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں عام طور پر سب پر محیط ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چند متعصب اور واقعات اسلام سے ناواقف یورپیوں نے اپنی بعض تصانیف سے جہاں میں اس کی اشاعت کی اور عام طور پر اُن کی وہ تحریریں ایسی مقبول خلائق ہوئیں اور ان کے غیر استدلال نے ایسا لوگوں کے دلوں میں گھر کیا کہ اب کسی دوسری مخالف بات کا انہیں یقین نہیں آتا۔ انگریزی زبان میں ابھی تک کوئی کتاب اسلام پر ایسی نہیں لکھی گئی جس کی کچھ بھی وقعت ہو سکے سب سے زیادہ قابل تصنیف سر ولیم میور اور اسپرنگر کی گنی جاتی ہے مگر فی الحقیقت واقعات سے ان تصانیف کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ جب ہم ان کتابوں سے جرمنی اور فرانسیسی کتب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو اسلام پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں تو ہماری آنکھوں سے ان انگریزی کتب کی اور بھی وقعت جاتی ہے اور ہمیں کھلتا ہے کہ انگریزی مصنف ابھی تک کنارہ دریا پر بھی نہیں پہنچے بلکہ دریا کی چمکتی ریت میں غلطاں و پیچاں ہیں اور محض اپنی کم فہمی سے اسی کو دریا سمجھ کے نئی نئی رائیں قائم کرتے ہیں یہ ہم خیالی باتیں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ہمارے پاس اس کی وجوہات ہیں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان کی کتاب "سیولیزیشن ڈی عربس" یعنی تمدن عرب موجود ہے اور اس بیش قیمت تصنیف میں فاضل مصنف نے اسلام کے ہر پہلو پر بحث کی ہے کوئی کتاب انگریزی میں آجتک ایسی عمدہ نہیں لکھی گئی۔ اس فاضل مصنف نے یہ لکھا ہے کہ جب تک تمام اسلامی دنیا کی سیر نہ کی جائے اور موجودہ اسلامی تمدن کو نہ دیکھا جائے محض ناممکن ہے کہ اسلامی تاریخ کوئی لکھ سکے۔ اس فاضل مصنف نے اسلام کے ہر اصول اور مسئلہ کو طبیعات سے جانچا ہے اور اُس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے خاص اس معاملہ

ہیں بے انتہا تحقیق کی ہے۔ ہمارے سر ولیم میور صاحب کی کتاب کو اس فاضل کی تصنیف سے واقعی کوئی نسبت
بھی نہیں ہے اور دونوں مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک نرا ابجد خواں ہے اور دوسرا
فاضل۔ اسیطرح سے موسیو سدیو ہے جس نے فرانسیسی زبان میں حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سوانح عمری
لکھے ہیں جس خوش اسلوبی سے اس فاضل مورخ نے زمانہ جاہلیت کا بیان اور عربوں کی مختلف سلطنتوں کی حالت اور
اُن کا تمدن بیان کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اگرچہ فاضل مصنف کا استدلال بہت جگہ سے غلط بھی ہے لیکن
اُن اغلاط سے گزر کے ہم اُس کی خوبی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قصایدعرب سے اُس کی انمول واقفیت۔ اسلامی
کتب پر پورا عبور تاریخی سلسلہ کا ایک عمدہ پیمانہ پر قایم کرنا۔ اسلامی واقعات ملکی۔ سیاسی جنگی اور تمدنی کا باہم تطابق یہ ایسی
صفتیں ہیں جن کی تعریف ہی کی جاتی ہے اور ادیداگے زبان سے یہی نکلتا ہے کہ سر ولیم میور کی سیرت محمدیہ فی الحقیقت اس
کے آگے بھی پانی ہی بھرتی ہے۔

اسلام کی روشنی دن بدن پھیلتی جاتی ہے اور خدا نے اپنی حکمت بالغہ سے مخالفین ہی میں سے ایسے فاضل شخص
پیدا کر دیے ہیں جو برسوں تک محنت شاقہ اُٹھا کے تحصیل زبان عربی کرتے ہیں اور پھر ایک حد تک انصاف سے اس مذہب
کی تحقیق کر کے اپنے ملک میں اس کی اشاعت دیتے ہیں۔ کتابیں تو سینکڑوں ہیں جو صرف فرانسیسی اور جرمنی میں لکھی گئی
ہیں مگر جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں اور جن کا مطالعہ بھی ہے ہم نے کیا ہے ان ہی کا ذکر ہم مناسب سمجھتے ہیں جرمنی
زبان میں ایک کتاب عربی علم ادب پر تصنیف ہوئی ہے اس کی ضخیم ضخیم آٹھ جلدیں ہیں اس میں چالیس ہزار علمائے اسلام
کے سوانح عمری ہیں اور وہ بھی زمانہ مامون الرشید تک ان لاجواب کتابوں کے مقابلہ میں جو جرمنی اور فرانسیسی میں تصنیف ہوئی
ہیں ہمیں یہ دیکھ کے لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی زبان ابھی تک بہت ہی بدقسمت ہے اور خدا معلوم کس زمانہ تک بدقسمت
رہے گی۔ انگریزی میں خواہ غلط فہمی سے خواہ عمداً حق سے چشم پوشی کر کے شاہان اسلام یا اُس سے پہلے خلفائے راشدین
یا خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات نقل کئے ہیں جو تلوار سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں اس غلط استدلال کی بنیا
پر قایم کیا ہے کہ ایک ناواقف دیکھنے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسلام سے زیادہ خونریز مذہب دنیا میں نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ
بڑے تماشا کی بات یہ ہے کہ انگریزی کتابوں میں جن واقعات تاریخی کا انتخاب کیا گیا ہے وہ خود مسلمانوں کے ہاں کچھ
وقعت نہیں رکھتے شلاً الواقدی کی تاریخ جس کی نسبت تمام مورخین اسلام کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ الواقدی کے بہت سے
واقعات غلط ہیں اور بڑی حد تک اس مورخ کی کتاب قابل اعتبار رہے۔ تمام علماء متفق اللفظ اُسے کذاب کہتے ہیں اور اس
کی روایتوں پر بہت کم اعتبار کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے فاضل مصنف سر ولیم میور نے بلاوجہ الواقدی کے بیان کردہ غلط
واقعات سے فائدہ اُٹھا کے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہی بہت معتبر تاریخ ہے اور انہوں نے بہت سے واقعات کا اسی سے
اخذ کیا ہے۔ یہ نری ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے حالانکہ جرمنی اور فرانسیسی کتب میں کہیں الواقدی کا اس شد و مد سے
ذکر نہیں کیا گیا یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں اس کے واقعات پر بحث کی ہے مگر کچھ زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں
دیکھا۔ فرانسیسی اور جرمنی تصانیف کی ماخذ وہ نادرالوجود کتابیں ہیں جو ہم نے کبھی نہیں سنیں اور نہ ہندوستان میں

دستیاب ہو سکتی ہیں اندلس اور بغداد و مصر کا کتبخانہ اگرچہ متعصب اور جاہل پیشوایان غیر اسلام کے ہاتھوں تباہ ہو گیا پھر بھی جو کچھ بھی کتابیں مسلمانوں کی برباد ہونے یا جلنے سے رہ گئی تھیں وہ یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہیں اور جرمنی اور فرانسیسی مصنفین نے ان ہی سے زیادہ فائدہ اُٹھا کے اپنی تصانیف کو قابل وقعت بنا یا ہے۔ برخلاف ہمارے انگریزی مصنفوں کے کہ وہ کیا تو سنی سنائی باتیں لکھ دیتے ہیں اور یا اُن کتابوں سے اپنے تاریخی واقعات اخذ کرتے ہیں جو مسلمانوں ہی میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

یہ انگریزی کتابیں ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان کے دیسی عیسائیوں اور ہندوؤں کو اسلام پر اعتراض کرنے بلکہ گالیاں دینے کا رستہ سوجھ گیا ہے اور وہ ان ہی غلط نویس مصنفوں کو اپنا ذریعہ اعتراض بنا کے جو چاہتے ہیں لکھ مارتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے ان حملوں میں کامیاب نہیں ہوتے سر ولیم میور کی تصانیف کے بعد جتنی کتابیں اسلام کے خلاف عیسائیوں اور ہندوؤں میں لکھی گئیں وہ سب قریب قریب میور صاحب ہی کی کتاب کا خلاصہ ہیں اور ابھی تک کسی ہندو یا دیسی عیسائی کی کوئی کتاب ایسی نظر نہیں پڑی جو اپنی جدید تحقیقات سے پُر ہو اور زیادہ نہیں دو ایک ہی نئی باتیں دیکھنے میں آئیں بیشک ایک تجدید ضرور ہے اور ہم اس کا علانیہ اعتراف کرتے ہیں یعنی پیغمبر اسلام کو محض بازاریوں کیطرح دل کھول کر گالیاں دی گئی ہیں اور ایسے فحش الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ اسلام تو اسلام کسی مذہب کا مہذب آدمی ایسے الفاظ کو سُنا گوارا نہ کریگا زبان سے نکالنا تو کجا۔ ان ہی اور اسی قسم کی تصانیف میں منجملہ اور اعتراضات کے بڑا اعتراض مسئلہ جہاد پر کیا گیا ہے اور کچھ ایسے مہمل استدلال سے اس مسئلہ کو بانس پر چڑھایا ہے کہ عوام الناس میں غلط خیالات۔ غلط روایات اور مہمل استدلال کا اسقدر زور ہو گیا کہ العظمۃ للہ۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں ہر سال عیسائیوں کی طرف سے مختلف مدائن ہند میں تقسیم کی جاتی ہیں اور مطلوم ناواقف عیسائی ایسی لغویات کو آسمانی نوشتہ سمجھ کے اپنے مصنوعی اور کہنہ مذہب کی فتح کی بغلیں بجاتے ہیں اسیطرح ہندو جو اپنے کو آریہ کہتے ہیں چندے کر کر کے کتابیں شایع کرتے ہیں اور اپنی ناواقف پود کے مصفا دماغوں کو بے بنیاد خیالات کی تاریکی سے بھر دیتے ہیں اور پھر وہ بیچارے اسی جہالت کی بھول بھلیوں میں ہمیشہ ٹکّے ٹوئیاں مارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کتابوں کے جواب ہوتے ہیں اور ایسے جواب ہوئے ہیں جو اخیر میں لاجواب ثابت ہوئے تاہم ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے اور ہر مسئلہ میں بہت کچھ گنجایش ہے۔ دنیا میں جب سے کہ تاریخ کا کھوج ملتا ہے سوائے کشورکشائی اور خونریزی کے اور کوئی بات نہیں ملتی۔ دنیا کی زمین ہمیشہ سے انسانی خون سے سینچی گئی اور اسی سے انسانی تہذیب کا پودہ لگا۔ کوئی صدی بلکہ کوئی قرن بلکہ کوئی سال دنیا میں ایسا خالی نہیں گیا کہ دولت و ثروت کے لئے تلوار نہ اُٹھائی گئی ہو اور مخلوق خدا کا بہت بڑا حصہ اس کے نذر نہ ہوا ہو۔ دنیا میں جب مذہب کی حکومت ہوئی اور کچھ نہ کچھ عقائد لوگوں کے ہونے لگے تو اب ملکی جنگوں نے مذہبی لڑائیوں کا جامہ پہن لیا کشورکشائی کا بہانہ جاتا رہا اور اب مذہب کا پہلو سب نے اختیار کر لیا۔ سکندر اعظم سے پہلے جتنی لڑائیاں ایران میں ہوئیں سب مذہبی تھیں اور انہیں فی الحقیقت جہاد کہنا چاہئے۔ ایرانی اور تورانی لڑائیاں یونانی اور ایرانی میدان کارزار محض مذہب کی اشاعت کیلئے کئے گئے تھے۔ ہندوستان پر جو گشتاسپ نے متواتر حملے کئے وہ محض ژندوستا کی اشاعت اور وید کو مٹانے کی غرض سے

ہوئے تھے۔ ایرانیوں اور آریاؤں کی مذہبی لڑائیاں بہت ہی معروف و مشہور ہیں۔ سکندر اعظم کی ایران پر چڑھائی خواہ کسی نسبت سے کیوں نہ ہوئی ہو مگر دارا نے اسے مذہبی جنگ سمجھی تھی اور وہ لڑا تھا محض مذہبی صورت سے۔ سکندر اعظم کے بعد یونان میں جو کچھ قتل و غارت ہوئی محض مذہب کی آڑ میں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مذہب نے یونان کی شاہراہوں پر خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ سلطنت کا مذہب پرانے خیالات پر مبنی تھا اور نئے خیالات گویا اس کے لئے سم قاتل تھے آخیر تلوار کی نوبت آئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور چاروں طرف سے غضب الٰہی ٹوٹ پڑا حضرت موسےٰ کی لڑائیاں زمین فراعنہ میں مذہبی جامہ میں ہوئیں اور آخیر جو کچھ خونریزی ہوئی وہ سب مذہب کے نام سے ہی ہوئی۔ حضرت مسیح پیدا ہوئے اور کئی برس اپنے باپ یوسف نجار کی دوکان پر پرورش پا کے یوحنا کے وعظوں میں جانے لگے وعظ سنتے سنتے آخیر انہیں بھی جوش ہوا کہ میں بھی کچھ منادی کروں کیوں کہ اپنے باپ کا پیشہ نجاری انہیں اچھا نہ معلوم ہوا اور انہوں نے نہ چاہا کہ اس گمنامی سے زندگی بسر کروں چنانچہ آپ نے یوحنا کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر ان کی اجازت سے منادی کرنے لگے مگر اس منادی نے آپ کو کچھ پھل نہ دیا مرید تو کوئی ہوا نہیں مگر مخالفت زیادہ پھیل گئی اور یہودی برافروختہ ہو کے حضرت مسیح کو کافر یا کفر بکنے والا کہنے لگے گویا مذہب نے فساد اور خرابی کی ریشہ دوانی شروع کر دی یہودی حضرت مسیح سے محض مذہب کی خاطر بگڑ گئے تھے ان کی مخالفت سے حضرت مسیح سخت پریشان ہوئے اور ادھر ادھر چھپتے پڑے پھرے آخیر یہودیوں نے نہ چھوڑا اور صلیب دے دی۔ قرآن مجید نے صلیب دینے سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنی موت سے مرے مگر اتنا تو ضرور کھلتا ہے کہ صلیب پر انہیں چڑھایا تو گیا۔ چونکہ دوسرے دن سبت کا روز شروع ہونے کو تھا انہیں چند ہی گھنٹے کے بعد اتار دیا گیا اور پھر وہ قبر میں دفن ہوئے اور وہاں سے شب کو ان کے شاگرد چرا کے لے گئے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ محض مذہبی فساد نے یہ آفت ڈھائی اگر مذہبی رنگ نہ ہوتا تو حضرت مسیح کا عنفوان جوانی کیوں سخت مایوسی کے ساتھ تمام ہو جاتا۔

فخر رسل حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور محمود و مسعود تک کوئی تاریخ داں کسی ایک ایسی لڑائی کا پتہ نہیں دے سکتا جو مذہبی پہلو پر نہ ہوئی ہو محض ناممکن اور بالکل ناممکن ہے کل قوموں نے سوائے اسلام کے ہمیشہ مذہب کے لئے تلوار اٹھائی ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ عیسائیت محض تلوار کے زور سے پھیلی ہے پچاس پچاس ہزار یہودی زندہ جلا دیئے گئے یا عیسائی کر دیئے گئے۔ امریکہ میں بارہ حواریوں کے نام پر لاکھوں کو صلیب پر کھینچ دیا۔ جس مذہب کی بنیاد ایسی انکساری اور رحم پر رکھی گئی ہو وہ ایسی سخت خونریزی میں مبتلا ہو جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملنے کی۔

فاضل ڈریپر کی کتاب "کانفلکٹ بیٹوین سائنس اینڈ ریلیجن" موجود ہے جس میں یہ تمام خونی واقعات مشرح لکھے ہوئے ہیں اور کوئی عیسائی ان کا بطلان نہیں کر سکتا۔ جب تک عیسائیوں کے ہاتھ میں تلوار نہ آئی تھی تو یہ ادھر ادھر منادی کرتے پھرتے تھے اور جب ایک گروہ کثیر انہوں نے اپنا ہمخیال بنا لیا تو پھر تلوار اٹھائی اور آخیر اس زمانہ تک وہ تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی ہے ۱۸۷۷ء میں روسیہ نے جب ترکوں پر حملہ کیا ہے تو یہ بیان کیا تھا کہ میں مذہب عیسویت کے تحفظ

کے لئے اور عیسائیوں کی حمایت پر تلوار اُٹھاتا ہوں گو یورپ کی بعض دول مثلاً انگلستان بوجہ اپنے اعلےٰ تمدن اور تعلیم کے کسی ملک پر مذہبی پہلو سے چڑھائی نہیں کرتا بلکہ اسے کسی مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے مگر خود یورپ ہی کے جگر میں اور یورپی تمدن میں اب بھی مذہب کے لئے تلوار پر نظر جاتی ہے مگر موجودہ زمانہ کی حالت زیادہ دیر تلوار پر نظر ٹھیرنے نہیں دیتی۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے محض تحفظ دین کے لئے تلوار اُٹھائی ہے لیکن اشاعت اسلام کے لئے اُس نے کبھی جہاد نہیں کیا جب اُس کے سفیر دوسری سلطنتوں میں مارے گئے جب اُس سے صریح طور پر عہد شکنی کی گئی جب اُس سے بلاوجہ بغاوت کی گئی جب اُس کے مذہبی فرایض کی بجاآوری کو روکا گیا تو ناچار اُس نے تلوار اُٹھائی اور اپنی قدرت کے موافق ایک حد تک اُسے بہایا۔ تاریخ موجود ہے ہمعصر شہادتیں حاضر ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ علاوہ وجوہات بالا کے کبھی مخالف کے مقابلہ میں تلوار نہیں اُٹھائی۔ حضور انور کی تمام خلفائے راشدین کی ساری لڑائیاں اور پھر بنی امیہ بنو عباس اور بنی فاطمہ کی جنگیں موجود ہیں جنہیں مخالفوں نے نئے نئے انداز سے بیان کیا ہے۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اشاعت دین کی غرض سے مسلمانوں نے تلوار اُٹھائی اور خون کے دریا بہائے۔

انگریزی جرمنی۔ اور فرانسیسی مورخوں میں باہم اس مسئلہ جہاد میں بہت بڑا اختلاف ہے مورخین یورپ کا ایک بڑا گروہ ہماری تائید کرتا ہے مگر جن یورپی مورخوں نے تاریخ اسلام کو صرف اوپری نظروں سے دیکھا ہے اور زیادہ تحقیق نہیں کی ہے وہ تو چاہے جو کچھ لکھیں اور اسلام اور اس کی جنگوں کو خواہ کتنا ہی ہوا بنا کے ثابت کریں مگر خود یورپ کے جگر میں ایسے محقق پیدا ہو چکے ہیں جو معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے ہیں اور اُنہوں نے کھلی کھلی شہادتیں دینی شروع کر دی ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اسلام نے اپنے سادے اور اعلےٰ اصول توحید سے ترقی کی ہے۔ بہرحال ہمیں اس وقت نفس جہاد پر بحث کرنی ہے اور دکھانا ہے جہاد کسے کہتے ہیں اور اسلام کا جہاد کتنا قابل وقعت کن ہے۔ اسلام نے دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت ایسی بتائی ہے کہ کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ کوئی مذہب اُس کی تہ تک پہنچا۔ بتایا گیا ہے کہ خالق کائنات کی اصلی غرض اور بڑا منشا مخلوق کے پیدا کرنے اور دنیا میں بھیجنے کا کیا ہے قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس کا ایسا لطیف فیصلہ کیا ہے کہ پھر کسی مین میکھ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہی چنانچہ خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے " ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون " یعنی جن وانس کے پیدا کرنے کی غرض یہی ہے کہ وہ خدائے واحد ومطلق کی خالص عبادت کریں۔ جس مذہب نے انسانی پیدایش کی غرض عبادت اور توحید پرستی ٹھیرائی ہو اور اسی کو اعلےٰ درجہ کا منشا بتایا ہو۔ اُس سے زیادہ خدا پرست مذہب اور کونسا ہو سکتا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر فرمایا ہے " وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ " یعنی ان کو بجز اُس کے کچھ حکم نہیں ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اس آیت میں خدا پرستی اور تمدن کو لازم وملزوم کر دیا ہے عبادت کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دینا ایک زبردست حکمت بالغہ ہے جو زیادہ غور کے بعد سمجھ میں آئے گی۔ ایک دوسری کی مدد کرنے کا نام اعلےٰ

کا تمدن ہے قومیت بھی اسی سے پیدا ہوتی ہے اور اتفاق قومی کی بھی یہی بنیاد ہے۔ خدا کی غرض یا رب العرش کا بہت بڑا منشا مخلوق کے پیدا کرنے کا یہ ہے کہ وہ خالص ایک خدا کی پرستش کریں جو لوگ حاجتمند ہیں اُن کی مدد کریں بس یہی اُن کے لئے حکم ہے اور ان کے پیدا کرنے کا بہت بڑا منشا یہی ہے۔ ان آیتوں پر غور کرنے کے بعد کون شخص کہسکتا ہے کہ جہاد اسلام کے اعلے اصول میں سے ہے اور کون متعصب سے متعصب شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد محض خونریزی اور کشور کشائی پر اول دن سے رکھی گئی۔ اول ہی اول نبی معصوم و برحق نے کس بات کا وعظ فرمایا تھا صرف یہی ناکہ بتوں۔ سیاروں۔ درختوں اور فرضی شیطانوں کی پرستش نہ کرو۔ اور خدائے کائنات پر ایمان لاؤ جب اس روشن ہدایت سے اُنہوں نے مخالفت کی اور محض اپنی شقاوت قلبی سے اُس مخبر صادق کو صرف حق گوئی پر ستانا اور تکلیف دینا شروع کیا۔ اور جتنے مظالم کہ وہ کر سکتے تھے اور اُن کی دست قدرت میں تھے سب ہی اس معصوم و برحق نبی پر توڑے حتےٰ کہ اُسے اُس کے پیارے وطن اور موروثی گھر سے نکال دیا جس گھر میں اُس نے پرورش پائی شہر کی جن شاہراہوں میں وہ بچپن سے بڑا ہوا جس تنہا مقام میں اس نے برسوں عبادت خدا کی اور جہاں رہتے ہوئے اُس کی کئی پشتیں گزر گئی تھیں بلا وجہ وہاں سے اُسے مجبور کرنا کہ وہ اس عزیز سرزمین کو نہایت مایوسی اور حسرت کی بھری ہوئی نظروں سے الوداع کہے اور اخیر اُسے یہ کرنا پڑا ہم کہتے ہیں کہ اس پاک نفس نے کبھی اُن کی مخالفت میں تلوار نہیں اُٹھائی کبھی اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا کبھی اُنہیں مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنا وطن چھوڑ دیں۔ جتنے ظلم اُنہوں نے کئے وہ بلا وجہ تھے اور اس کی سزا اُنہیں ضرور ملنی تھی۔ وطن چھوڑانے کے بعد بھی وہ از خود کبھی اُن سے برسر پرخاش نہیں ہوا اُس نے نہ صرف اُن سے قطع تعلق کیا بلکہ اُن کی کسی بات سے سروکار نہ رکھا۔ اُس نے کبھی مسلمان واعظ مکہ میں تبلیغ اسلام کے لئے نہیں بھیجے اگر مشرکان عرب کو یہ شکایت تھی کہ آپ اُن کے مذہب کے خلاف وعظ فرماتے ہیں تو وہاں سے چلے آنے کے بعد تو وہ شکایت رفع ہو جانی تھی مگر نہیں مشرکین عرب نے مدینہ منورہ میں بھی پیچھا نہیں چھوڑا ناچار حضور انور نے اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے تلوار اُٹھائی۔ اور جب تک اپنی کامل حفاظت دشمنان اسلام سے نہ کر لی تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی۔ ہم آئندہ مفصل طور پر غزوات نبی علیہ السلام پر بحث کریں گے فی الحال ہم قرآن مجید سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ جہاد کے لئے کیا حکم دیتا ہے اور اس نے جہاد کی بابت کیا فیصلہ کیا ہے۔

قرآن مجید نے یہ فیصلہ کر دیا ہے "وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا" جہاد عام طور پر غیر اسلام کی نظروں میں اس خوفناکی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ دہلا دینے والا لفظ نہ صرف عربی میں بلکہ کسی زبان میں بھی نہ ہوگا۔ اس آیت میں جابرانہ حملہ آوریوں کو بہت شد و مد سے روکا ہے اور وہ حملہ آوری خواہ مذہبی جامہ میں کی جائے یا کشور کشائی اور ملکی لباس میں چونکہ دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے سے مقصود خداوندی عبادت اور خدائے کائنات کی پرستش قرار پا چکی ہے اس لئے خونریزی اور کشور کشائی کی ہوس کو روکنے کے لئے صاف حکم دیدیا ہے کہ جب تک تم سے نہ لڑیں ہرگز پیشقدمی نہ کرو۔ کیوں کہ آیت کے اختتامی کے الفاظ میں پیشقدمی کو حد سے

بڑھ جانا بیان کیا گیا ہے جسے خدا کبھی دوست نہیں رکھتا دنیا میں اسلام کا ظہور تلوار چلانے یا حضرت مسیح کے حکم کی تعمیل[1] کرنے نہیں ہوا تھا بلکہ مقصود خداوندی یہ تھا کہ لوگوں کی ردی ترین حالت میں اصلاح ہو شرک اور کفر کی تاریکی مٹ جائے مصنوعی دیوتا جنہوں نے قومی خیالات کو سخت پست کر رکھا تھا نیست و نابود کر دیئے جائیں مظلوموں کی دادرسی کی جائے اور مستورات کو آفت سے نجات دی جائے یہ خاص منشا[2] ظہور اسلام کا تھا اسی بنا پر خداوند تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ جو تم سے لڑتے ہیں ان سے تم بھی لڑو مگر خبردار حد سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ حد سے آگے بڑھنا مجھے پسند نہیں آتا۔ حد سے آگے بڑھنے کے یہی معنی ہیں کہ بلا وجہ تلوار اٹھانی اور ایسے شخص یا قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونا جو ہم سے نہیں لڑتی اور نہ ہم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔ بس اسی کو حد سے بڑھنا کہتے ہیں اور یہی خداوند تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

قرآن مجید میں ہر مقام پر انتہا درجہ عاجز ہونے وطن سے بے وطن ہونے برباد ہونے اور مذہبی ارکان کی بجا آوری سے روکے جانے پر تلوار اٹھانے کا حکم دیا ہے وہ بھی اس وقت کہ تلوار اٹھانے کی طاقت ہو چنانچہ قوم شموئیل کا قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے جو انہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا

یعنی ہم خدا کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب ہم اپنے گھروں سے بے گھر اور اولاد سے محروم ہوئے ہیں جب یہ کل آفتیں گزر جائیں جب گھروں سے نکال دیئے جائیں اور جب اولاد چھین لی جائے اس وقت اس انتہا درجہ کی مجبوری میں لڑنے کا حکم دیا ہے۔ اب کون مذہب کہہ سکتا ہے کہ اس سے اس نے زیادہ خونریزی سے نفرت کی ہے دنیا میں اس سے زیادہ صلح پسند منکسر مگر طبع انسانی اور قانون قدرت کے مطابق مذہب کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا گیا ہے وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال ... الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا" یعنی تم کو کیا ہوا تم خدا کی راہ میں اور عاجز لوگوں اور بچوں کے لئے

---

[1] حضرت مسیح فرماتے ہیں "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے (انجیل متی باب ۱۰ آیت ۳۴-۳۵-۳۶) یہ قول ہے حضرت مسیح کا جس سے خون اور کرب و بلا کی صدائیں آتی ہیں انجیل کے مفسروں نے اس خون آلود قول کی عجیب و غریب توضیحات کی ہیں مگر وہ ثابت نہ کر سکے کہ حضرت مسیح کا یہ مقولہ تمدن اور امن کا برقرار رکھنے والا ہے قرآن مجید میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی آیت موجود نہیں ہے جس میں اس شد و مد سے فرمایا گیا ہو۔

[2] ہدایہ کے حاشیہ فتح القدیر میں منشائے جہاد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "المقصود منہ (ای الجہاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین و دفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قولہ تعالیٰ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ" (فتح القدیر صفحہ ۲۹۰ جلد ۲) یعنی جہاد سے مقصد نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ دین کو اسلام عزت دینا اور مسلمانوں سے کفار کی تکلیف رہی کو روکنا اس سے مقصود ہے اس پر خدائے تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار سے لڑو تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو اور دین کا کوئی مزاحم نہ رہے غرض جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں وجوہات جو بھی موجود ہیں۔ ممالک روسیہ میں جہاں مذہبی آزادی کا نام بھی نہیں ہے اور جہاں مسلمان حسب دلخواہ اپنے ارکان مذہب ادا نہیں کر سکتے

جو کہتے ہیں خدایا ہم کو ان ظالموں کی بستی سے نکال نہیں لڑتے" یہاں بھی ان مظلوم بچوں اور عورتوں کی حمایت کے لئے جو اپنے گھر سے بے گھر ہوئے تھے اور جن پر بے انتہا ظلم توڑا گیا تھا لڑنے کا حکم دیا ہے۔ ایسی حالت میں مقتضائے قانون قدرت اور فطرت انسانی یہی ہے کہ ایسے بیکسوں پر جان دیدے اور اپنا خون بہا کے اُن کی جان آفت سے بچائے یہی انسانیت اور یہی ہمدردی اور یہی عین رحم ہے۔ آگے اور بھی بوضاحت ارشاد کیا ہے -" ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً فلا تتخذوا منهم اولياء حتى يهاجروا فى سبيل الله فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا الا الذين يصلون الى قوم بينكم وبينهم ميثاق او جاؤكم حصرت صدورهم ان يقاتلوكم او يقاتلوا قومهم ولو شاء الله لسلطهم عليكم فلقاتلوكم فان اعتزلوكم فلم يقاتلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله لكم عليهم سبيلا"
یعنی مکہ اور مکے اطراف کے کافر چاہتے ہیں تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے ہو رہو تم ان کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ خدا کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں۔ یہ لوگ تمہاری دوستی سے منہ پھیریں تو اُن کو پکڑو اور جہاں پاؤ مارو بجز اُن کے جو تمہارے عہد و پیمان والوں سے جا ملیں یا یہ وہ تم سے یا تمہارے دشمنوں دونوں سے لڑنے کو پسند نہ کریں خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے کنارہ گزیں ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور صلح کا پیام دیتے ہیں تو خدا نے اُن پر تم کو لڑنے کا راستہ نہیں دیا۔
صلح ہو جانے اور معاہدہ ہو جانے کے بعد قطعی ممانعت کا حکم دیدیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ توضیح اس آیت میں کر دی ہے

وہاں یہ بھی غضب ہے کہ ہدایہ کا باب الجہاد ہدایہ میں سے حکماً نکال ڈالا گیا ہے اور قانوناً کوئی شخص مجاز نہیں ہے کہ وہ باب الجہاد اپنے پاس رکھ سکے کوئی مسجد بطور خود نہیں بنا سکتا جبتک کم سے کم تین سو آدمیوں کی دستخطی عرضی معہ مقررہ شرائط اور ذمہ داری کے حاکم ضلع کو نہ دے کوئی شخص حج میں نہیں جا سکتا جبتک ... سکہ روبل بطور ضمانت گورنمنٹ کو نہ حوالہ کرے قازان کے ایک شخص نے جو ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا ہم سے یہ ساری کیفیت بیان کی تھی اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ روسیہ نے ایک بار یہ چاہا تھا کہ قرآن مجید سے آیات جہاد خارج کر دی جائیں مگر اس سے کل مسلمان آبادی بھڑک اُٹھی اور فوراً آخیر اُسے اپنا یہ ارادہ فسخ کرنا پڑا برخلاف انگریزی سلطنت کے کہ مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی ہے اور آزادی بھی اتنی کہ اُنہیں کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر روسیہ چونکہ ایک جابرانہ اور سخت متعصب سلطنت ہے اسلئے وہاں مسلمانوں کی مذہبی آزادی ہمیشہ معرض زوال میں رہتی ہے تاہم ابھی وہاں بھی وہ وجوہات جن سے روسیوں پر جہاد ہو سکے قایم نہیں ہوئی ہیں۔ جن مجبوریوں پر مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کا حکم ہوا ہے کیا علاوہ مسلمانوں کے کوئی قوم جب سے ایسی مجبوریاں لاحق ہوں تلوار نہ اُٹھائے گی برہمنوں نے تو بغیر کسی وجہ کے ہندوستان بھر سے مذہبی جہاد کر کے پر امن اور صلح پسند قوم بودھ کو نکال دیا تھا اور ایسا نکالا تھا کہ ایک بودھ کا نام و نشان بھی اس وسیع خطہ میں باقی نہ رہا تھا خونریزی اس قدر ہوئی تھی جس کی نظیر عالم میں نہیں ملتی عیسائیوں کی صلیبی جنگیں مشہور عام ہیں جن کی جنگوں کی بنا محض تعصب اور کشورکشائی پر موقوف تھی سوائے مسلمانوں کے دنیا کی کوئی متمدن قوم یہ دعوےٰ نہیں کر سکتی کہ اُس نے مجبور ہو کے اور وجوہات بالا پر کاربند ہو کے حریف کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام پر کوئی الزام نہیں آ سکتا دوسری قومیں مذہبی لڑائیوں کے حق میں خود بہت بڑی ملزم ہیں۔ اسلام تمام الزاموں سے پاک ہے جو اُس پر محض تعصب سے قایم کئے جاتے ہیں وہ ایک صلح پسند اور پر امن مذہب ہے اور اس سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں پیدا ہوا۔

ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین
اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا

یعنی خدا مسلمانوں سے ایذا کو روکتا ہے۔ وہ ناشکر خائنوں کو پسند نہیں کرتا جن سے ظالم لوگ لڑتے ہیں اُن کو مظلوم ہونے کے سبب لڑنے کی اجازت ہے خدا اُن کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں اسی بات کے سبب کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ بچائے تو گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے سب ہی ڈھائی جائیں اب نہایت انصاف اور غور سے اس آیت کو پڑھنا چاہیے کیسی کیسی باتیں اس سے پیدا ہوتی ہیں اور فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے جہاد کا منشا صرف یہی بیان ہوا ہے کہ جب گھر سے بے گھر ہوں۔ بال بچے چھین لئے جائیں اور خدا کا نام لینے اور اُس کی خالص عبادت کرنے سے بالجبر روک دیئے جائیں اور تمام مظالم کی انتہا ہو چکے تو اُس وقت تلوار اُٹھانی چاہیے یہ گویا وجوہات جہاد ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اگر مسجدیں۔ گرجے اور یہودیوں کی خانقاہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے ان کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہو اور یہ یقین کر لیا جائے کہ مخالف نہیں چھوڑے گا تو فوراً جدال و قتال پر آمادہ ہو جاؤ اور حتی الامکان ان مقدس مقامات کی جہاں خدائے واحد و مطلق کا نام لیا جاتا ہے حفاظت کرو۔ یہاں نہ صرف مسجدوں کے ڈھانے پر ہی جہاد کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ گرجوں اور خانقاہوں پر بھی تلوار پکڑنے کا ارشاد ہوا ہے اگر کہیں مشرکوں کی حکومت ہو اور وہاں یہودی۔ عیسائی اور مسلمان مل جل کے رہتے ہوں اور کسی بیجا خودغرضی سے وہ مشرک حکمراں گرجوں کو صدمہ پہنچانا یا منہدم کرنا چاہتا ہو تو بموجب فیصلہ خداوندی کل موجودہ مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ اگر اُن میں طاقت ہے تو وہ تحفظ گرجا کے لئے فوراً شمشیر بدست ہو جائیں اور جب تک انقطاعی فیصلہ نہ کرلیں ہرگز باز نہ آئیں یہ ہے اسلام اور یہ ہیں اُس کے احکام اُس نے معابد نصاریٰ اور یہود کو اسلام کے ساتھ ایک پیمانہ میں رکھا ہے نہ اُس نے قبلہ کو کچھ افضل ٹھیرایا ہے اور نہ مساجد وغیرہ کو مساجد گرجوں اور خانقاہوں کی ایک حالت دکھائی گئی جسطرح مسجدوں پر لڑنا فرض قرار دیا ہے اسی طرح گرجوں پر اسی طرح خانقاہوں پر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض یورپی مصنفوں نے لفظ جہاد اور اُس کے منشائے لفظی پر کیوں اس قدر خونی رنگ چڑھایا ہے اور کیوں بلاوجہ اسے ہوّا بنا دیا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے قرآن اور اُس کے قدرتی فیصلوں کو الگ رکھدیں اور ایک عام نظر دنیا کے تمدن پر کریں اور دیکھیں کہ اگر دنیا کی کوئی حکمراں قوم وہ جبر کرے جس جبر پر مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونے کا حکم ہوا ہے اور جن پر جبر کیا جائے وہ ایسے لوگ ہوں جنھوں نے قرآن کو کبھی دیکھا نہ ہو تو کیا وہ لوگ جبر سہتے رہیں گے اور شمشیر بدست نہ ہوں گے اور آیا ایسے جابر حکمراں کی حکومت کے دن باقی رہے گی۔ یہ ایسی کھلی کھلی باتیں ہیں اور ایسے بدیہی مشاہدے ہیں جن کا منکر مجنون گنا جاسکتا ہے۔ پھر اگر ویسی مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونے کا حکم ہوا اور وہ اُس پر کاربند ہوئے تو کیا غضب ہوا۔

اس کے برخلاف جہاں اور جس ملک میں وہ آزادی اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں جہاں خدائے

واحد کی عبادت کرنے کے علاوہ اُنہیں اشاعت دین کی پوری پوری آزادی ہے جہاں وہ حکومت کے مذہبی فیصلوں سے کلہ بکلہ لڑسکتے ہیں اور جہاں وہ کل ممکن وسائل اور جائز ذریع اشاعت اسلام کے برت سکتے ہیں تو بحیثیت اُنکے مذہبی احکام کے اُن پر فرض ہے کہ وفادار اور اطاعت گزار ہوکے رہیں اور ضرورت میں اپنی حکمراں قوم کی مدد کریں یہ عین احسان پرستی اور عین انسانیت اور عین اسلام ہے۔ وہ مسلمان نہیں ہے جو رسول کے فیصلہ سے دل تنگ ہوا ور ہم اسے کافر سمجھتے ہیں جو محض اپنی تاریکی قلب اور ناجائز تعصب سے خدا کے احکام سے ناک بھوں چڑھاتا ہے۔

ہم دنیا کے کل مذاہب کو مقابلہ کے لئے طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا ہو جس میں غیر مذہب کے معابد کا تحفظ اسی طرح لازم وضروری بلکہ فرض ہو جسطرح خود اس کے معابد کا۔ جہاں تک ہم نے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کو جانچا دیکھا اور غور وخوض سے پڑھا ہے ہمارا خیال نہیں ہے کہ کہیں بھی ایسا اشارہ آیا ہو ہر مذہب اپنے ہی دائرہ میں محدود اور اپنی ہی ہدایت کے لیے سخت اور مستعد ہے بلکہ دوسرے مذہب کو مٹانے یا ہٹنے کی خواہش کرنے میں ید طولے رکھتا ہے برخلاف اسلام کے کہ وہ دوسرے مذہب کا تحفظ بمنزلہ اپنے تحفظ کے سمجھتا ہے اور اسی زبردست اصول پر اُس کی ساری بنیاد ہے۔ اسلام بہت صاف ہے اور کھلے لفظوں میں یہ بیان کرتا ہے۔

طہ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی"

سلہ حضرت انس نے اس آیات کے شان نزول میں فرمایا ہے اخرج ابن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قالت کانت المرأۃ تکون مقلاۃ فتجعل علی نفسہا ان عاشا لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابنائنا فانزل اللہ عز وجل لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (ابوداؤد) یعنی اگر انصار میں کوئی عورت لاولد ہوتی تو یہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اُس کو یہودی بناؤں گی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچوں کی نسبت یہودیوں اور اُن کے والدین انصار کا جھگڑا ہوا انصار نے یہ دعوی کیا کہ یہ ہماری اولاد ہیں ہم ان کو جانے نہ دینگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے پھر تفسیر معالم والکتاب میں ہے "فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد خیرا صحابکم فان اختاروکم فہم منکم وان اختاروہم فاجلوہم معہم وقال مجاہد کان الناس مسترضعین فی الیہود من الاوس فلما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باجلاء بنی النضیر قال الذین کانوا مسترضعین فیہم لنذہبن معہم ولندینن بدینہم فمنعہم" یعنی اس موقع پر حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ملگیا ہے جو تم کو پسند کریں تو تم میں سے ہیں یہودیوں کو پسند کریں تو ان کے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہوں گے اگر ہم اس شان نزول کو صحیح مانیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت رسالتمآب کے زمانہ محمود وسعود کی طاقتور ہوسنے کے بعد بھی کس قدر آزادی ہے کہ باوجود قدرت کے بچوں کو آزاد کردیا کہ جاہے جہاں جائیں اور جائے جہاں ہیں کچھ روک نہیں ہے نہ زبردستی مسلمان بنایا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اب ہدایت سے گمراہی ممتاز ہو چکی ہے تو اب جبر واکراہ کی ضرورت نہیں ہے ہر شخص آزاد ہے کہ جیسے کوئی سا مذہب اختیار کرے اور اگر ہم اس شان نزول کو نہ بھی تسلیم کریں تو ہمیں نفس آیت پر غور کرنے کے بعد خود اس کا بہت آسانی سے فیصلہ معلوم ہو جائے گا کہ جو مذہب اپنی ہدایت پر اس قدر ناز کرتا ہے اس کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ آزادی بھی اسیقدر دیدے جبر واکراہ ہمیشہ باطل مذاہب کا لازمہ ہوا کرتی ہے پر از ہدایت مذہب کو جبر واکراہ سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ گاہک اُسی دکاندار کے پاس دوڑ کے جائے گا جس کا سودا کھرا اور جس کی تول ٹھیک ہوگی اور جس دکاندار کا سودا ہی خراب اور تول بھی خراب ہوگی وہاں بلانے پر بھی رخ نہ کریگا اور دکاندار کی منتوں عاجزیوں اور

یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ کہاں ہیں یہ کھلے الفاظ کسی الہامی کتاب میں اور کہاں ہیں وہ معترض جو اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور اسلام کا پہلا حکم کیا تو اسلام قبول کرو اور نہیں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ ساری باتیں محض خیالی ہیں اور واقعات پکار کے کہہ رہے ہیں کہ انہیں صدق سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ آگے آنے والی آیت میں تو خداوند تعالے نے ہر ایک بات کا انقطاعی فیصلہ کر دیا ہے جس میں نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ کسی توضیح کی حاجت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوا ہے لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروہم وتقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینہاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی اخراجکم ان تولوہم ومن یتولہم فاولئک ہم الظالمون یعنی خدا تم کو ان لوگوں سے سلوک و احسان کرنے سے مانع نہیں جو تم سے دین کے سبب نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا خدا انصاف والوں سے خوش ہے تم کو ان ہی لوگوں کے ساتھ سلوک اور دوستی سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہیں اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے مقابلہ میں مدد دے چکے ہیں جو اُن کو دوست سمجھیں گے وہ ظالم ہیں" اس سے زیادہ کھلا فیصلہ اور ہو نہیں سکتا سمجھ میں نہیں آتا کہ معترضین ان آیتوں کے دیکھنے سے کیا اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا تعصب انہیں ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ یہ روشن آیتیں انہیں نہیں سجھائی دیتیں۔ ان لوگوں پر یا اس حکومت پر جو غیر اسلام ہے اور جس نے نہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور نہ اُن سے دین کی وجہ سے لڑی ہر طرح مسلمانوں پر فرض ہے کہ اُن پر احسان کریں دین کے سبب لڑنے سے غرض یہ ہے کہ کوئی غیر اسلام حکومت مسلمانوں کے خلاف اس بنا پر تلوار اُٹھائے کہ وہ مذہب اسلام کو چھوڑ دیں اور فرائض اسلام نہ ادا کریں اس مجبوری کی حالت میں جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس روشن آیت کے اخیر حصہ میں صاف بتایا گیا ہے کہ اُن پر نہ احسان کرو نہ اُن کے ساتھ کوئی سلوک کرو جو تمہیں گھروں سے نکال چکے ہیں اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے خلاف مدد دے چکے ہیں یہ ساری باتیں ایسی ممکن التعمیل ہیں کہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو اس سے چارہ نہیں ہوا موجودہ قوانین بین الاقوام پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو اُن کی بھی یہی بنیاد ہے۔ کون قوم ایسی ہے جو گھروں سے نکالی جائے اور اس پر جبر کیا جائے کہ تو اپنے دینی عقاید کو چھوڑ دے اور پھر بھی قوت ہونے پر وہ برسر پرخاش نہ ہو۔ یہ تو قرآنی احکام ہیں مگر جب ہم موجودہ زمانہ میں ایک صدی کی جنگوں کی وجوہات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ معمولی بہانہ سے جنگ چھیڑ دینی اپنی عظمت اور طاقت کا بہت بڑا اصول گنا جاتا ہے۔ طاقتور دولتیں ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈا کرتی ہیں اور بعض اوقات تو اپنی قوت کے آگے انہیں کسی بہانہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور وہ بہت آزادی سے خون بہانے کو موجود ہو جاتی ہیں۔ مخلوق خدا کی خونریزی ایسا خطرناک اور مکروہ امر ہے کہ شاید اس سے بدتر دنیا میں اور کوئی قبیح امر نہیں۔ اسلام چونکہ قوانین قدرت کا ایک مجموعہ ہے اس لئے اسلام نے بالطبع خونریزی کو ناپسند کیا ہے اور نہایت مجبوری کی حالت میں جب جان ہی پر آ بنے تلوار پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

مذکورۂ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے جو غیر اسلام شاہ کی عملداری میں رہتے ہوں۔ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسی غیر مسلمان سلطنت کے دوست بھی ہو اور اُس کے ساتھ سلوک بھی کرو

(بقیہ صفحہ ۳۵۲) پر ہرگز کوئی ایک کی نظر نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن مجید ہے نہ اس کو رسوم کی ضرورت ہے نہ تلوار کی نہ حکومت کی نہ داعظین کی بلکہ

کہ جو تمہیں نہ گھروں سے بے گھر کرے اور نہ تم سے کبھی اس نظر سے لڑے کہ تمہیں اسلام سے دست بردار ہونے پر مجبور کرے۔ اسلام کی بنیاد اول روز سے تمدن انسانی کے اعلےٰ پیمانہ پر قایم کی گئی ہے مسلمان تو مسلمان کافر کے ساتھ بھی دوستی اور سلوک کرنے کی بہت شد و مد سے اجازت ملی ہے جب تک کسی قوم میں محسن پرستی کا جوہر نہیں ہوتا وہ متمدن قوم میں فی الحقیقت وحشی گنی جاتی ہے۔ اپنے منعم اور محسن کو حتے الامکان اپنے تن من دھن سے مدد دینا اور ہر ممکن سلوک اس کے ساتھ کرنا امن اور ملکی و قومی ترقی کا بہت بڑا ضامن ہے۔ اس آیت میں نہ کسی اہل کتاب کی قید ہے اور نہ کسی مشرک کی ہر ایک سے احسان کرنے اور دوست رہنے کا حکم ہوا ہے جس حکومت میں ہم بآرام زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہماری جان ہمارے مال اور ہمارے حقوق۔ ہماری مذہبی آزادی انتہا درجہ محفوظ ہے۔ ہمیں اپنے مذہبی فرایض کے ادا کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے ہم کھلے بہادر جو کچھ جی چاہتا ہے کرتے ہیں۔ وہ تقریبات رسمیہ جنہیں واقعی مذہب اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ہم بآزادی کرتے ہیں اور ان کی حکومت کی طرف سے کافی حفاظت ہوتی ہے نہ صرف فرایض اسلام کی انجام دہی بلکہ اشاعت اسلام کے ذریعے بھی بالکل ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں اور کسی امر میں غرض ہمارا مزاحم نہیں ہے تو ہم پر بحکم خدائے قرآن ایسی حکومت کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کا دوست بننا اور ان کے ساتھ ہر قسم کا ممکن احسان کرنا فرض ہوا۔ وہ مسلمان نہیں ہے جو ان باتوں سے دلتنگ ہو اور اس کا بنا دین اسلام ہے جو اس حکم خداوندی سے منہ پھیرے۔

یہی خوبی ہے جسے ہم بار بار کہتے ہیں اور افسوس ہے کہ کسی دوسری الہامی کتاب میں نہیں پاتے۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے یہ دعوے کیا تھا ”وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین“ یعنی اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر (قرآن) اتارا ہے اگر تم کو اس میں

(بقیہ صفحہ ۳۵۳) کی حفاظت میں قدم بڑھا رہا ہے اور دن بدن اس کا قدم بڑھتا ہی چلا آتا ہے۔ ہندوستان میں مذکورہ بالا مددوں میں ایک قسم کی مدد بھی اس پاک کتاب کو حاصل نہیں ہے مگر جو کچھ کرشمے اس قرآن خداوندی سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہے سب جانتے ہیں کہ مسلمان مفلس ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پاس اتنا نہیں ہے کہ خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی دیں نہ ان کی باقاعدہ انجمنیں اشاعت اسلام کی ہیں اور نہ کوئی روپیہ خرچ کرنے والا ہے پھر کونسی ایسی بات ہے کہ قرآن نسبتاً انجیل سے زیادہ مخلوق خدا کے قلوب مسخر کئے لیتا ہے اور کوئی چیز اس کی سدراہ نہیں ہوتی۔ کوئی خوبی تو ہے اور کوئی معجزہ تو ہے۔ آریا اس پر اعتراض کریں نہ صرف اعتراض بلکہ بازاریوں کی طرح سخت گالیاں دیں دیسی کرسٹان اور محض ناواقف یورپی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کرکے اس کی تردید میں کتابیں چھاپیں مفت تقسیم کریں اور اپنی تہذیب اور مذہبی اثر کے مطابق ناپاک اور غلیظ الزامات اور سب و شتم سے بھی درگزر نہ کریں پھر بھی اس کی ترقی میں ذرا فرق نہیں آتا اور لاکھوں ہر سال ہندو اور عیسائی مسلمان ہوتے جاتے ہیں اور ان کا مسلمان ہونا بغیر کسی لالچ کے بدیہی ہے خدا نے عقل فہم ہر انسان کو عطا کی ہے اسے سوچنے اور سمجھنے کی یہی طاقت ہے وہ موجودہ واقعات پر غور بھی کرسکتا ہے اور ان سے نتیجہ بھی نکال سکتا ہے وہ تعصب سے علیحدہ ہو کے سوچ سکتا ہے کہ بغیر کسی انسانی امداد کے کسی مذہب خاص کا ترقی کرنا اور پھر اس ترقی میں زندگی کا ہونا ضرور ایک بڑا اثر رکھتا ہے اور پھر ساتھ ہی ہر موجودہ تمدن کے مطابق اترنا یہ ایک معجزہ ہے

شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے) (اور اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اسی کی سی ایک سورت (تم بھی بنا) لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے حمایتی ہیں اُن کو بلا لو" وہ تو بیچارے کیا بناتے اُن سے بھی زیادہ لایق اور دشمنان اسلام کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔ بعض ادنے درجہ کے لوگوں نے اس عرصہ میں صرف زباں درازیاں کی ہیں اور قرآن جیسی متمدن کتاب پر نافہمی سے ہرزہ درائی کی ہے مگر اُن کے کل اعتراض مُنہ کے بل گر پڑتے ہیں اور اُن میں ذرا بھی قیام کرنے کی سکت نہیں رہتی خود ہی تو یہ ارشاد ہوا اور خود ہی نہایت زور سے اُس کا جواب بھی دیدیا "پس اگر اتنی بات بھی نہ کرسکو اور ہرگز نہ سکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کے ایندھن میں آدمی اور پتھر ہوں گے اور وہ منکروں کے لئے دھکی دھکائی تیار ہے۔ کون شک کرسکتا ہے کہ قانون قدرت کے منکر یا بالفاظ دیگر منحرف کی سزا آگ نہیں ہے۔ ایسے غافلوں کو تو دنیا ہی میں ایسی ایسی ناقابل برداشت سزائیں ملجاتی ہیں جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

جہاد جس کا نہایت ہی مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے اسلام کے اعلےٰ درجہ کے ارکان میں پھر بھی اُس کا شمار نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" وفسر لستہ ان افضل الاعمال واحبها الی اللہ العبادۃ والذکر عن ابن مسعود رضی قال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوٰۃ لوقتھا قلت ثم ای قال بر الوالدین قلت ثم ای قال الجھاد فی سبیل اللہ – رواہ الشیخان (مشکوٰۃ صفحہ ۵۰)

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے (آیت الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں) فرمایا کہ سب کاموں سے افضل خدا کی عبادت اور ذکر ہے" ابن مسعود نے حضور سے دریافت کیا کہ خدا کے نزدیک سب عملوں سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر کہا پھر کونسا عمل آپ نے فرمایا ماں باپ سے نیکی کرنا کہا اس کے بعد کونسا عمل آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم جو تمدن اور روحانیت کے اعلےٰ درجہ پر مبنی ہے۔ خدا کی عبادت جو کنجی ہے عین انسانیت کی تعلیم کی حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے تمام فرائض سے مقدم فرمایا اور انحصار کردیا کہ رب الافواج کو اس سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں ہے پھر نماز سے دوسرا درجہ والدین کی خدمت رکھی اور فی الحقیقت جب تک انسان خدا کو نہ پہچانے گا والدین کی خدمت و اطاعت

(بقیہ صفحہ ۳۵۴) جس سے کبھی بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ انجیل وغیرہ الہامی کتب کی تعلیم بعض مواقع پر بہت ہی دل خوش کن اور اخلاق سے پر ہے مثلاً ایک گلہ پر تھپڑ کھا کے دوسرا گلہ آگے کردینا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی کسی نے اس پر عمل کیا اور فرض کرلو کہ دنیا اس پر عمل کرے تو کیا کیفیت ہو اور تمدن انسانی کا ڈھانچہ کتنی جلدی توڑ مروڑ ڈالا جائے۔ یہ ساری باتیں محض ناممکن الوقوع ہیں اور انہیں فی الحقیقت طبع انسانی اور قوانین قدرت یا اثرات مزیوم سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے برخلاف قرآن مجید کے کہ اُس کے تمام اوامر و نواہی طبع انسانی، اثرات مزیوم اور قوانین قدرت پر بالکلیہ مبنی ہیں؛ نہایت غور کی جانچ کے بعد بھی اُن میں کبھی فرق نہیں معلوم ہوا۔

نہیں کر سکتا خداوند تعالےٰ خالق حقیقی اور والدین خالق مجازی ہیں پہلے خداوند تعالےٰ کی عبادت فرض ہے اور پھر والدین کی طاعت۔ دنیا کی تمام متمدن قوموں میں والدین کی محبت اور اطاعت کو عین انسانیت یا عین تہذیب شمار کیا گیا ہے مگر اتنا سمجھنا ضرور ہے کہ حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کس زمانہ میں ہوا تھا اور اس وقت اولاد اور والدین کے تعلقات کس زبون ترین حالت میں پہنچ گئے تھے۔ یہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا اور انسانی تہذیب کے لئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا تھا۔ والدین کو اپنی اولاد کی تو یہ محبت تھی کہ وہ زندہ لڑکیوں کو پیوند زمین کر دیتے تھے اور اولاد کو اپنے والدین کا یہاں تک پاس و ادب تھا کہ ایک نوجوان شخص کے لئے باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں حلال و جائز تھی۔ یہ تعلق تھا اور یہ پاس و ادب تھا کچھ مشرکین عرب پر ہی موقوف نہ تھا بلکہ نصاریٰ میں بھی یہ رسم جاری تھی اور اسے عین انسانیت خیال کیا جاتا تھا۔ ایسے پر آشوب زمانہ میں۔ ایسے خطرناک وقت میں۔ انسانیت کی ایسی زبون ترین حالت میں۔ والدین اور اولاد کے ایسے شرمناک تعلقات میں قطعی طور پر اس کا فیصلہ کر دینا کہ خدا کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت اور اطاعت کرنا خدائے عزوجل کو بہت پسند ہے۔ خیال کرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ یہ حیرت انگیز تمدن انسانی کو قایم کرنے والی عین تہذیب عین اخلاق عین انسانیت کس کی آواز تھی اُس تنہا بے یار و مددگار مقدس نفس کی آواز تھی جو یتیم پیدا ہوا جسکے گلے میں چھ برس کی عمر میں دوہری یتیمی کا ہار پڑا جس نے نہ کسی دارالعلوم میں تعلیم پائی نہ کسی پیر نے مجاہدے اور مراقبے کرا کے اُسے روحانیت کے اعلےٰ درجے طے کرائے نہ اُسے ادب آداب اور تمدن کے قواعد سکھائے گئے اور نہ کسی شفیق معلم سے اس نے تعلیم پائی جب سے اُس نے ہوش سنبھالا آب و ہوا۔ در و دیوار کوہ و بیابان۔ سنگلاخ چٹان سب ہی میں وحشت کا رنگ پایا اس میں رہنا اسی میں پرورش پانا اور اسی میں اپنی زندگی بسر کرنا۔ اپنے چچا کے اونٹوں کو چرانا اور اونٹنیوں کا دودھ دوہنا غرض بچپن کا سارا زمانہ اسی میں بسر ہو گیا جب خداوند تعالےٰ کو منظور ہوا کہ عرب کی گمنام قوم کو اُبھارے اور اُس کا دنیا میں سکہ بٹھائے تو اسی یتیم بچہ کے آگے قانون قدرت کی کتاب کھولدی اور اُس نے اُس کتاب کی تعلیم اپنی قوم کو دینی شروع کی وہ تعلیم جو قیامت تک نہیں بدل سکتی اور وہ تعلیم جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے یا جسکا ایک ایک لفظ قانون قدرت کا لفظ ہے۔ یہ صاحب قانون قدرت ہی کی تعلیم تھی کہ عبادت خداوندی کو سب سے افضل خدمت و اطاعت والدین کو اس سے دوم درجہ پر اور جہاد کو اس سے تیسرے درجہ پر بیان فرمایا اگرچہ یہاں قیود جہاد کی طرف اشارہ نہیں کیا پھر بھی یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسے اہم فرائض انسانی میں نہیں شمار کیا۔ قرآن مجید میں جہاں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے کہیں بھی اُن کثیر تعداد آیتوں میں جہاد کا اشارہ بھی نہیں ہے جہاد کو انتہا درجہ حالت مجبوری میں جائز رکھا ہے اور یہ ایسا روشن قانون ہے کہ ہر قوم اور ملک میں اب تک جاری ہے۔ خود انگریزی قانون کو دیکھو جسمیں حفاظت خود اختیاری کے لئے دوسرے کا خون کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص پر جب اُس پر قاتلانہ حملہ کیا جائے جائز ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرے اور جان کی حفاظت پر اگر قاتلانہ حملہ کرنیوالا مارا جائے تو اس پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا بس اسی بنا پر اور ان ہی جیسی وجوہات پر جہاد قایم کیا گیا ہے باقی جہاد فی سبیل اللہ نہ اشاعت اسلام کیلئے جائز ہے اور نہ ملک گیری کیلئے اب ذیل میں ہم چند وہ حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جو جہاد کے بارے میں آئی ہیں تاکہ ہر شخص جہاد کے منشا کو بخوبی سمجھ سکے۔

(۱) وعن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا انبئکم بخیر الاعمال وازکاها عند ملیککم وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والفضة وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر الله - رواه مالک واحمد والترمذی بمشکوٰة صفحہ ۱۹۰

(۱) یعنی ابو درداء نے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تم کو سب عملوں سے بہتر اور خداوند تعالےٰ کے نزدیک پاکیزہ تر اور درجات میں سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے لڑکے اس کی گردن کاٹنی اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤں لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں بتایئے آپ نے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے۔

(۲) وعن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل ای الاعمال افضل وارفع درجة عند الله یوم القیٰمة قال الذاکرون الله کثیرا والذاکرات قیل یا رسول الله ومن الغازی فی سبیل الله قال لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی تنکسر ویختضب دما فان الذاکر لله افضل منه درجة رواه احمد والترمذی۔ مشکوٰة صفحہ ۱۹۰-

(۲) ابو سعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضور انور سے کسی نے سب عملوں سے افضل اور درجہ میں بالاترین عمل کا سوال کیا تو حضور نے ذکر کرنے والوں کا حال بیان فرمایا سائل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ میں لڑنے والوں سے بھی بہتر ہے حضرت رسالتمآب نے ارشاد کیا ہاں اگرچہ لڑنیوالا مشرکین پر تلوار توڑ دے اور خون میں رنگا جائے تو بھی اللہ کا ذکر اس سے افضل ہے۔

(۳) وعن معاذ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا - رواه الشیخان مشکوٰة

(۳) معاذ بن جبل سے حضرت رسالتمآب نے دریافت کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق خدا پر کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور رسول بہتر جانتے ہیں حضور نے ارشاد کیا کہ خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ وہ پھر ان پر عذاب نہ کرے

(۴) وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من امن بالله ورسوله واقام الصلوٰة وصام رمضان کان حقا علی الله ان یدخله الجنة جاهد فی سبیل الله اوجلس فی ارضه التی ولد فیها قالوا افلا نبشر به الناس قال ان فی الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدین انهم رواه البخاری مشکوٰة صفحہ ۳۳۰

(۴) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر ایمان لایا اور نماز و روزہ کو اس نے ادا کیا اس کا خدا پر حق ہو چکا کہ اسے بہشت میں داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ میں لڑا ہو خواہ اسی جگہ بیٹھ رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ خوشخبری ہم لوگوں میں نہ سنائیں آپ نے فرمایا بہشت میں سو درجے ہیں جو مجاہدین کے لئے تیار ہیں۔

(۵) عن عائشة رضی الله عنها انها قالت یا رسول الله نری الجهاد افضل العمل افلا نجاهد قال لکن افضل الجهاد حج مبرور -

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے رسول خدا ہم جہاد کو اور کاموں میں سب سے بہتر سمجھتے ہیں کیا ہم عورتیں جہاد نہ کریں آپ نے ارشاد کیا اے عورتوں تمہارے لئے بہترین جہاد حج مبرور ہے۔ (حج مبرور وہ ہے جو پورے کامل طور پر ادا ہوا اور نافرمودہ گناہ کی اس میں شرکت نہ ہو)

(٦) ان ام الربيع بنت البراء وهي ام حارثة بن سراقة اتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا نبي الله الا تحدثني عن حارثة وكان قتل يوم بدر اصابه سهم غرب فان كان في الجنة صبرت وان كان غير ذلك اجتهدت عليه في البكاء قال يا ام حارثة انها جنان في الجنة وان ابنك اصاب الفردوس الاعلى -

(۶) یعنی ام ربیعہ یا ام حارثہ بن سراقہ حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے پیغمبر خدا کیا آپ حارث کی مجھے خبر دیں گے کہ اس کا کیا حال ہے وہ جنگ بدر میں ایک ناگہانی تیر سے مارا گیا اگر وہ جنت میں گیا ہو تو صبر کروں اور اگر کسی دوسرے مقام پر ہے تو روؤں پیٹوں اور آہ وزاری کروں آپ نے فرمایا کہ اے ام حارث اُسے بہشت میں درجے ہیں اور تیرا بیٹا بالتحقیق فردوس اعلےٰ میں پہنچا جسکے معنی درجہ عالی کے ہیں -

(٧) (ابی موسی روایت کرتے ہیں) قال جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه قال من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله

(۷) ابو موسے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شخص کافروں کے ساتھ اس لئے مقابلہ کرتا ہے کہ کچھ مال غنیمت ہاتھ لگے اور ایک شخص کہ مقابلہ شہرت کے لئے کرتا ہے اور ایک شخص اس لئے مقابلہ کرتا ہے کہ اس کی شجاعت کی چار دانگ عالم میں دھوم مچے پس ان میں سے کونسے شخص کی نسبت کہسکتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں لڑتا ہے ارشاد ہوا کہ جو شخص اس نظر سے قتال کرتا ہے کہ کلمۂ خدا کو پستی سے بلند کرے وہی راہ خدا میں قتال کرتا ہے -

(حضرت ابن عباس سے روایت ہے)

(٨) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى قيصر يدعوه الى الاسلام وبعث بكتابه اليه مع دحية الكلبي وامره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يدفعه الى عظيم بصرى ليدفعه الى قيصر وكان قيصر لما كشف الله عنه جنود فارس مشى من حمص الى ايلياء شكرا لما ابلاه الله فلما جاء قيصر كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال حين قرأه التمسوا لي ههنا احدا من قومه لاسألهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن عباس فاخبرني ابو سفيان بن حرب انه كان بالشام في رجال من قريش قدموا تجارا في المدة التي كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كفار قريش قال ابو سفيان

(۸) یعنی حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک خط لکھا اور اُسے اسلام کی طرف بلایا اور اپنے خط مبارک کو دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا اور آپ نے دحیہ کلبی سے ارشاد کیا کہ والی بصرہ کو یہ خط دیدینا کہ وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے کیونکہ آجکل اسے ایرانی فوج پر فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ حمص میں بیت المقدس جانے کے لئے آیا تھا تاکہ وہاں اپنی فتح پر شکر خدا کرے غرض جب خط قیصر کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھا پڑھتے ہی حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ کہ جو اسی کی قوم میں سے ہو تاکہ میں کاتب خط کا اس سے کچھ حال دریافت کروں - حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہاں اُس وقت ابو سفیان بن حرب بمعہ معاویہ موجود تھا اور وہ ان ایام میں جو مسلمان اور مشرکین کے مابین صلح حدیبیہ کے عہد وپیمان کے موافق زمانہ صلح کا تھا تجارت کرنے چلا گیا تھا

فوجدنا رسول قیصر ببعض الشام فانطلق بی وباصحابی
حتی قدمنا ایلیاء فادخلنا علیه فاذا حوله عظماء الروم
فقال الترجمانه سلهم ایهم اقرب نسبا الی هذا الرجل
الذی یزعم انه نبی قال ابو سفیان فقلت انا اقربهم
الیه نسبا قال فما قرابة ما بینك وبینه ولیس فی الركب
یومئذ احد من بنی عبد مناف غیری فقال ادنوه
امر باصحابی فجعلوا خلف ظهری عند كتفی ثم قال
الترجمانه قل لاصحابه انی سائل هذا الرجل عن
الذی یزعم انه نبی فان كذب فكذبوه قال ابو سفیان
والله لولا الحیاء یومئذ من ان یاثر اصحابی عنی الكذب
لكذبته حین سالنی عنه ولكن استحییت ان یاثر
والكذب عنی فصدقته ثم قال لترجمانه قل له كیف
نسب هذا الرجل فیكم قلت هو فینا ذو نسب
قال فهل قال هذا القول احد منكم قبله قال هل
كنتم من آبائه من ملك قلت لا قال فاشراف
الناس یتبعونه ام ضعفاءهم قلت بل ضعفاؤهم قال
ایزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال
فهل یرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه قلت
لا قال فهل یغدر قلت لا ونحن الآن منه فی مدة
نحن نخاف ان یغدر قال ابو سفیان لم یمكنی كلمة
ادخل فیها شیئا انتقصه بها لا اخاف ان یوثر عنی
غیرها قال فهل قاتلتموه او قاتلكم قلت نعم قال
فكیف كان حربه وحربكم قلت كانت دولا وسجالا
یدال علینا المرة وندال علیه الاخری قال فماذا
یامركم به قلت یامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرك
به شیئا وینهانا عما كان یعبد آباؤنا ویامرنا بالصلوة
والصدقة والعفاف والوفاء بالعهد واداء الامانة

ابوسفیان کا بیان ہے کہ شام کے ایک شہر میں تلاش کرتے کرتے
قیصر کا قاصد مجھ تک پہنچا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے آیا اور ہم
بیت المقدس میں آکے پہنچے اور پھر قیصر کے دربار میں حاضر ہوئے۔
میں نے دیکھا کہ وہ دربار میں بیٹھا ہے اور اس کے سر پر تاج ہے
ترجمان کو حکم ہوا کہ ان سے دریافت کرو تم میں سے قریب کا رشتہ دار
اس شخص کا جس نے دعوئی نبوت کیا ہے کون ہے؟ ابوسفیان
کا بیان ہے کہ میں نے اپنی نسبت کہا کہ میں اس کا قریب ترین
رشتہ دار ہوں قیصر نے کہا تیرا اس سے کیا رشتہ ہے میں نے
کہا وہ میرا چچازاد بھائی ہے اور اس وقت میرے سوا عبد مناف
کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی مجھے آگے سرکنے کا حکم دیا میں
آگے سرکا اس نے ترجمان کے ذریعہ سے میرے ساتھیوں سے کہا
کہ میں ابوسفیان سے کچھ حال دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر یہ جھوٹ
بولے تو تم ضرور اس کی صحت کردینا۔ ابوسفیان کا بیان ہے اگر
قیصر یہ ترکیب نہ کرتا یا مجھے اپنے دوستوں کی شرم دامنگیر نہ ہوتی تو میں
ضرور اس موقع پر جھوٹ بولتا۔ قیصر نے ترجمان کو حکم کیا کہ اس سے
پوچھو اس شخص (یعنی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم) کا نسب تم میں
کیسا ہے۔ ابوسفیان نے کہا وہ ہم میں عالی نسب ہے کہا اس
سے پہلے تم میں سے کسی نے دعوئے نبوت کیا ہے میں نے انکار
کیا۔ کیا تم نے اس پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہے کہا نہیں۔ کہا
اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے کہا نہیں۔
قیصر۔ آیا بزرگ اور بڑے آدمی اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور
اور فقیر۔
ابوسفیان۔ نہیں بلکہ ناتوان اور خردسال۔
قیصر۔ اس کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں۔
ابوسفیان نہیں بلکہ بڑھتے جاتے ہیں۔
قیصر آیا کوئی اسلام لاکے بھی پھرا ہے۔
ابوسفیان۔ نہیں ایمان لانے کے بعد پھر کسی نے جنبش نہیں کھائی۔

فقال الترجمانه حين قلت ذلك له قل لا اني سالتك عن
نسبه فيكم فزعمت انه ذو نسب وكذلك الرسل تبعث
في نسب قومها وسالتك هل قال احد منكم هذا القول
قبله فزعمت ان لا فقلت لو كان احد منكم قال هذا القول
قبله قلت رجل يأتم بقول قد قيل قبله وسالتك و
هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال
فزعمت ان لا فعرفت انه لم يكن ليدع الكذب على
الناس ويكذب على الله وسالتك هل كان
من اباءه من ملك فزعمت ان لا فقلت لو كان من اباءه
ملك قلت رجل يطلب ملك ابائه وسالتك اشراف
الناس يتبعونه ام ضعفاءهم اتبعوه وهم اتباع
الرسل وسالتك هل يزيدون ام ينقصون فزعمت
انهم يزيدون وكذلك الايمان حتى يتم وسالتك هل
يرتد احد سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه فزعمت ان
لا وكذلك الايمان حين تخلط بشاشة القلوب لا يسخط
احد وسالتك هل يغدر فزعمت ان لا وكذلك الرسل لا تغدر
فزعمت ان لا وكذلك الرسل لا تغدر وسالتك هل
قاتلتموه وقاتلكم فزعمت ان قد فعل وان حربكم
وحربه تكون دولا ويدال عليكم المرة وتدالون عليه
الاخرى وكذلك الرسل تبتلى وتكون لها العاقبة و
سالتك بماذا يأمركم فزعمت انه يأمركم ان تعبدوا الله
ولا تشركوا به شيئا وينهاكم عما كان يعبد اباؤكم
ويأمركم بالصلوة والصدقة والعفاف والوفاء
بالعهد واداء الامانة قال وهذه صفة نبي قد
كنت اعلم انه خارج ولكن لم اظن انه منكم وان يك
قلت حقا فيوشك ان يملك موضع قدمي هاتين و

قیصر۔ کسی نے اُس سے کبھی بیوفائی کی۔
ابو سفیان۔ نہیں کبھی نہیں۔ لیکن ہمیں اس سے علیحدہ ہوئے
بہت عرصہ گزرا مگر ہمیں خوف ہے کہ کسی نے غدر کیا ہو۔ ابو سفیان
کا یہ بھی بیان ہے کہ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ اس گفتگو میں کوئی کلمہ
نقیض آنحضرت کہتا کیونکہ خوف یہ تھا کہ دوسرا شخص ابھی اُس کے
خلاف کہدیگا۔
قیصر۔ اس نے تم سے جنگ کی یا تم نے اس سے جنگ کی۔
ابو سفیان۔ ہم نے اس سے جنگ کی۔
قیصر۔ پھر جنگ کا نتیجہ کس طرف بہتر نکلا۔
ابو سفیان۔ کبھی ہم اسپر فتح پاتے ہیں اور کبھی وہ ہمپر۔
قیصر۔ آخر وہ تمہیں کسی بات کی ہدایت کرتا ہے۔
ابو سفیان۔ وہ حکم کرتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو اور عبادت
میں کسیکو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ہمیں اس عبادت سے روکتا ہے
جو ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے ہمیں نماز کا حکم دیتا ہے۔ راہ
خدا میں خیرات کرنے کو کہتا ہے اور حرام چیزوں سے منع کرتا ہے
اور زور دیتا ہے کہ عہد و پیمان ایفا کیا کرو اور امانت کو بے خیانت
ادا کیا کرو۔
قیصر۔ (اپنے ترجمان کی طرف خطاب کرکے) اس سے یعنی ابو سفیان
سے کہو کہ میں نے جب یہ پوچھا کہ تم میں وہ نسب میں بالاترین ہے
تو نے کہا ہاں پھر میں نے تجھ سے پوچھا کہ آیا تمہاری قوم میں سے
کسی نے پہلے پیغمبری کا دعوے کیا تو نے جواب دیا نہیں۔
ابو سفیان۔ پہلے بھی بہت سے ہوئے ہیں (اور قوموں میں جنہوں
نے دعوی نبوت کیا ہے۔
قیصر۔ پھر میں نے تجھ سے دریافت کیا آیا تم میں سے کسی نے
اُسپر جھوٹ کی تہمت رکھی پیشتر اس کے کہ اُس نے دعوے نبوت
کیا پس تو نے اُس کا یہ جواب دیا کہ ہم میں سے کسی نے نہیں ایسا
نہیں کیا۔ پس اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ نہ وہ ایسا ہے کہ لوگوں

سلہ اس سے اشارہ کیا جاتا ہے کہ عین اسلام کیا ہے اور اصول اسلام

ولو ارجو ان اخلص الیہ لتجشمت لقیہ ولو کنت عندہ لغسلت قدمیہ قال ابو سفیان ثم دعا بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقرئ فاذا فیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الہدی اما بعد فانی ادعوک بداعیۃ

الاسلام اسلم تسلم

کو دھوکے میں پھنسائے نہ ایسا ہے کہ خدا پر بہتان اُٹھائے۔ پھر میں نے تجھ سے سوال کیا آیا اُس کے آبا و اجداد میں کوئی بادشاہ تھا تو نے انکار کیا پس میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کے باپ داداؤں میں کوئی پادشاہ ہوتا تو ضرور میں یہ سمجھتا کہ وہ اپنے باپ کا ملک چاہتا ہے پھر میں نے تجھسے سوال کیا کہ بڑے آدمی اس کے پیرو ہوتے ہیں یا ناتوان اور فقیر تو نے جواب دیا کہ ناتوان اور فقیر اس کے پیرو ہوتے ہیں پس کل پیغمبروں کے پیرو اول اول ناتوان اور فقیر ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تجھ سے دریافت کیا آیا روز بروز اسکے پیرو زیادہ ہوتے جاتے ہیں یا کم تو نے کہا کہ زیادہ اور اسی طرح ایمان ہمیشہ

کیا ہے؟ حضرت رسالتمآب نے اگر ہدایت بھی کی تو کس امر کی۔ یہ وہ ہدایتیں ہیں جن میں روحانی اور تمدنی اصلاحیں اعلےٰ درجہ کی موجود ہیں اور جن ہدایتوں پر عمل کرنے سے انسان روح و تمدن کے اعلےٰ مدارج پر پہنچ سکتا ہے۔ ابو سفیان جیسے دشمن اسلام سے بھی یہ بات نہ چھپ سکی اور اُسے مجبوراً اسلام کی حقیقت کا اظہار کرنا پڑا۔ پہلے جو کچھ اُسنے کہا وہ یہ تھا کہ خدائے واحد اور مطلق کی عبادت کی جائے اور اُسی کے حضور اپنی کمزوریوں اور خلقی ناتوانیوں کا اقرار کرکے اور انہیں پیش نظر رکھکے جبین نیاز جھکانی چاہئے۔ اور اس عبادت میں کسیکو شریک نہ بنانا چاہئے۔ اشرف المخلوقات کی پیشانی اگر سجدہ کرتی ہے تو وحدہ لاشریک کو یہی ایمان یہی یقین اور یہی عقیدہ ہونا چاہئے نجات کی یہی کنجی ہے اور اس پر چلنا عین جنت اور عین فردوس ہے یہ روحانی ترقی کی جان ہے اور اس سے بہتر کوئی ذریعہ روحانی اعلےٰ مدارج پر پہنچنے کا ممکن نہیں پھر آگے دنیاوی تمدن کے قایم کرنے کی ہدایت ہے یعنی حرام چیزوں سے اجتناب وہ حرام چیزیں جن سے درحقیقت جسقدر روحانی جوہروں کو صدمہ پہنچا ہے اُسی قدر انسانی دنیاوی ترقی کے لئے زہر ہلاہل ہیں مثلاً شراب خواری جو اسلام کی اشاعت سے پہلے اہل عرب بلکہ تمام دنیا میں رایج تھی اُس کو ایک حد تک مٹادیا اور مسلمانوں کو اس بلائے بیدرمان سے ایسا محفوظ کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی جب یہ بہت بڑا جہاد ام الخبائث پر ہو چکا تو پھر دوسری تمدنی صفت پر مسلمانوں کی توجہ مبذول کی گئی یعنی زکوٰۃ جو درحقیقت کنجی ہے اتحاد قومی اور قومیت قایم کرنے کی اس کی تعلیم بہ صبا تمام مسلمانوں کو

فرمائی۔ پھر عہد و پیمان پر قایم رہنے اور ایفائے وعدہ کی طرف ارشاد کیا اور اس کے بعد امانت میں خیانت کرنے کے خطرناک نتایج سے آگاہ کرکے اس مہلک برائی سے بچایا۔ یہ تھی تعلیم اسلام جس کا دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا اور جو بیان بخاری شریف جیسی مستند کتاب رسول یا کتاب حدیث میں درج ہے ہاں اگر کوئی قوم مسلمانوں کو ان اعلےٰ درجہ کی ہدایت پر عمل کرنے سے باز رکھے یعنی اُنہیں خدائے واحد و مطلق کی عبادت نہ کرنے دے زکوٰۃ نہ دینے دے ان پر جبر کرے کہ وہ حرام چیزیں زبردستی استعمال کریں اُن سے بیشک قدرت ہونے پر قتال کرے اور ایسا ہی ہمارے نبی معصوم اور بعد ازاں ہمارے پیشوایان دین نے کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہاد اسلام کا اصول نہیں ہے اور نہ جہاد سے کوئی اعلےٰ درجہ کا مقصود خداوندی پورا ہوتا ہے جہاد کا مفہوم بس سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مظلوموں کی حمایت ہو۔ اور نام خدا تذلیل سے بچے۔ اور جب نام خدا یا کلمۃ خدا کو بلند کرنے کے لئے ہر طرح کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہو اور وہ کل فرائض اسلامی کو نہایت آزادی سے بے روک ٹوک ادا کر سکتے ہوں اُس حالت میں اسلام نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ وہ نہایت پر امن حالت میں اپنی زندگی بسر کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں پڑنے سے بچائیں۔

زیادہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیت ایمان ہی کی ہے کہ دلوں کو بجائے مکدر کرنے کے بشاش کرتا ہے اور یہی حال صادق القول پیغمبروں کا ہے۔ کہ بیوفائی نہیں کرتے۔ پھر تو نے یہ کہا کہ وہ قتال بھی کرتا ہے کیونکہ تو نے کہا کہ کبھی وہ اور کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور پیغمبر بھی یوں ہی جنگ وجدل میں مبتلا ہوا کرتے ہیں اور اخیر اُن ہی کی فتح ہوتی ہے۔ ہرقل نے کہا کہ یہ سب پیغمبر کی صفت تمہاری خبروں سے اور سوا اس کے جو اور خبریں مجھے پہنچی ہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ تم میں سے ہے یعنی وہ قوم قریش سے ہے۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو عنقریب وہ اس زمین تک پہنچ جائے گا۔ اگر یہ اُمید ہوتی کہ میں اُس تک پہنچ سکتا تو اُس کی صورت دیکھا کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اُسکے دونوں پاؤں دھودھو کے پیتا اور غلاموں کی طرح اُس کی خدمت کرتا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت کا خط طلب کیا گیا اور پڑھا گیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا (بسم اللہ کے بعد) از جانب محمد کہ بندہ خدا و رسول خدا ہے بطرف ہرقل کلاں ملک روم سلامتی اسکے لئے ہے جسنے ہدایت کے رستہ کی پیروی کی ہے اس کے بعد میں تجھے دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں (یعنی کلمہ توحید اسلام لا تاکہ تو سلامت رہے) اسکے بعد ہم حضرت جعفر کی وہ تقریر نقل کرتے ہیں جو اُنہوں نے شاہ حبشہ کے مقابلہ میں کی تھی اُس سے معلوم ہوگا کہ جبر اسلام کیا ہے اور جہاد ہرگز اہم اصول اسلام سے نہیں ہے

(۵) یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے پادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی یہانتک کہ خدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت نسب راستبازی ایمان داری اور پاک دامنی سے

فقال جعفر ایها الملك كنا قوما اهل جاهلية نعبد الاصنام ونأكل الميتة ونأتي الفواحش ونسيء الجوار ويأكل القوي الضعيف فكنا على ذلك حتى بعث الله الينا رسولا منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرك به شيئا وامرنا بالصلوة والزكوة والصيام (فعدد عليه امور الاسلام ثم قال) وامر بصدق الحديث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والكف عن المحارم والدماء ونهانا عن الفواحش وقول الزور واكل مال اليتيم وقذف المحصنات فصدقناه وآمنا به واتبعناه على ما جاء به من الله تعالى فعبدنا الله تعالى وحده ولا نشرك به و حرمنا ما حرم الله علينا واحللنا ما احل لنا فعدى علينا قومنا فعذبونا وفتنونا عن ديننا ليردونا على عبادة الاوثان من عبادة الله تعالى وان نستحل ما كنا نستحل من الخبائث فلما قهرونا وظلمونا وضيقوا علينا وحالوا بيننا وبين ديننا خرجنا الى بلادك واخترناك على من سواك ورغبنا في جوارك ورجونا ان لا نظلم عندك يا ايها الملك" (تاريخ ابن هشام)

(۵) حضرت جعفر نے فی الحقیقت اسلام کی وہ سچی سچی حقیقت بیان فرمائی جو عین اسلام ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا نہ یہاں خونریزی کا ذکر ہے نہ کہیں قتل وغارت کا بیان ہے نہ تمام کی دنیا دینوں پر شمشیر بدست ہونے کا حکم ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ظالم کی حد گزر جائے اور تمام دنیا کی آفتیں ٹوٹ پڑیں تو تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنے سے اگر کسی دوسرے شہر میں جا سکو اور پناہ ملے تو چپ چپاتے چلے جاؤ اور خدا کی زمین میں فساد نہ کرو۔ یہ ہجرت جو حبشہ کو ہوئی تھی کم و بیش بیاسی تن مرد تھے جنہوں نے ہجرت کی تھی اس کی مفصل کیفیت صحیح بخاری معالم التنزیل شرح القسطلانی وغیرہ میں لکھی ہے۔ باوجودیکہ شاہ نجاشی عیسائی تھا مگر حضرت رسالتمآب نے اُس کے (بقیہ صفحہ ۳۶۳)

نیک دل اور عادل ہونے کی شہادت دی جو کتب احادیث میں بوضاحت موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
وقال ان بها ملكاً صالحاً لا يظلم ولا يظلم عنده احد فاخرجوا اليه حتى يجعل الله للمسلمين فرجا واراد به النجاشي واسمه اصحمه وهو بالحبشة عطية وانما النجاشي اسم الملك كقولهم قيصر وكسرى فخرج اليها سرا احد عشر رجلا واربع نسوة وهم عثمان بن عفان وامرأته رقية بنت رسول الله صلى الله عليه واله وسلم وزبير بن العوام وعبد الله بن مسعود وعبد الرحمن بن عوف وابو حذيفه بن عتبه وامرأته سهلة بنت سهيل بن عمرو ومصعب بن عمير وابو سلمه بن عبد الاسد وامرأته ام سلمة بنت ابى اميه وعثمان بن مظعون وعامر بن ربيعة وامرأته ام ليلى بنت ابى حثمة وحاطب بن عمرو وسهيل بن بيضاء فخرجوا الى البحر واخذوا سفينة الى ارض الحبشة بنصف دينار وذلك فى رجب فى سنة الخامسة من مبعث رسول الله وهذا الهجرة الاولى ثم خرج جعفر بن ابى طالب فتتابع المسلمون اليها وكان جميع من هاجر الى الحبشة*
یعنی حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ اسکے ملک میں کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے تم وہاں چلے جاؤ تو اُمید ہے کہ امن اور خلاصی پاؤ گے۔ اس ارشاد نبوی پر گیارہ آدمی اعیان صحابہ نے جن میں حضرت عثمان اور آپ کی حرم محترم بی بی حضرت رقیہ لخت جگر محمد عربی صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور حضرت زبیر اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور ابو حذیفہ بن عتبہ وغیرہ شامل تھے حبشہ روانہ ہوئے پھر حضرت جعفر بن ابی طالب روانہ ہوئے یہاں تک ۱۰۲ کا بمعہ بال بچوں کے شاہ نجاشی کے ہاں جمع ہو گئے قریشیوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور وطن سے بیوطن ہونے کے بعد بھی اُنہوں نے چاہا کہ مسلمان جہاں جائیں کچل دیئے جائیں اور ان کو کہیں پناہ نہ ملے اس تشدد اور اس خطرناک ظلم کی بھی کوئی انتہا نہ تھی اس سفارت سے جو مشرکین قریش

ہم خوب واقف تھے پس اس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تا کہ ہم صرف اسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں

کی طرف شاہ نجاشی کے ہاں بھیجی گئی تھی اور ان مہاجرین کا مطالبہ کیا تھا منہ کی کھائی اور دربار نجاشی میں ناکامی کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی برجستہ تقریر نے اُنہیں سخت ذلیل کیا وہ اپنا سامنہ لے کے مکہ واپس چلے آئے اور غصہ اور ناکامی کی حالت میں اُنہوں نے اور بھی نئے نئے ظلم حضرت رسالتمآب کی ذات اقدس و اطہر پر توڑنے شروع کئے منصف اور بے تعصب شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک گروہ یا ایک قوم پر اتنی سختیاں کی جائیں اور ناروا جبر زیادتیوں کی بیگناہوں پر کوئی حد نہ رہے اور ایک ظالم قوم کسی کروٹ آرام نہ لینے دے تو پھر بھلا کیوں کر اُتارے قانون قدرت اور موجودہ یورپی دولتوں کے قوانین ایسی قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونے کا فتویٰ پکار پکار کے دے رہے ہیں مگر واہ رے معصوم نبی تیرا بے نظیر رحم اور تیری امن پسند طبیعت کے صدقے کہ اس تشدد اس ظلم و ستم اس جور و ایذا پر بھی اُف نہیں کی اور جب دیکھا کہ ہاشمیوں کی اگرچہ وہ تھوڑے سے تھے تیوری بنتی جاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ خون کا ایک سیلاب مقدس شہر کی شہراہوں میں بجائے خاموشی سے یہ مناسب سمجھا کہ اس جھگڑے ہی کو اُڑا دینا چاہئے تا کہ خونریزی کا خیال ہی جاتا رہے چنانچہ حضور انور نے اسی نظر سے ہجرت فرمائی۔ اور ان ہی امن پسند خیالات اور مصالح پر آپ کی ہجرت مبنی تھی یہ تھا رحم یہ تھی امن پسندی اور یہ تھی مخلوق خدا سے محبت۔ اے رحم اور انصاف کے پتلے تو نے رحم اور انصاف کی دنیا میں آپ نظیر قایم کر دی تو مخلوق خدا کا برحق ہادی ہے اور وہی در اصل تو نجات کی کنجی ہے۔

* من المسلمين اثنين وثمانين رجلا سوى نسائهم والصبيان ... معالم

جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُس کے ساتھ شریک نہ کریں اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک ایک کرکے تمام ارکان اسلام اُس کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اُس کے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور یتیم بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا پس ہم نے اُس کو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کر دی ہے اُس کو حرام اور جو حلال کر دی ہے اُس کو حلال جانتے ہیں پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور طرح طرح سے ہم کو دُکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کے پتھر پوجنے لگیں اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُن کو جائز جانیں پس جبکہ انہوں نے ہم کو نہایت عاجز کر دیا اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ اور دق کیا اور ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کے اور تجھ کو اور بادشاہوں کی نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ اُمید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کر سکے گا تیری پناہ اختیار کی" فقط۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوات نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ حضور انور نے کس وقت تلوار پکڑنے کا حکم دیا اور کس انتہائی مجبوری پر آکے مسلمانوں کو جنگ مدافعت لڑنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ چنانچہ ہم آپ کے مختصر سوانح عمری غزوات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

(حضرت رسالت مآب کے مختصر حالات زمانہ نبوت سے پہلے)

آپ ۲۹ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول سال فیل میں پیدا ہوئے۔ قبیلہ عرب کی رسم و رواج کے مطابق آپ پیدا ہونے کے دن سے سات دن تک ایک بدوی عورت کے پاس رہے آپکے والد ماجد حضرت عبداللہ آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ۲۵ برس کی عمر میں وفات پا چکے تھے۔ آپ کی قریب چھ سال کی عمر ہو گی کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی رحلت کی اور اس طرح گویا دوہری یتیمی کا ہار قدرت نے آپ کے گلے میں پہنایا۔ ماں کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبد المطلب کی سرپرستی میں آئے۔ عبد المطلب کی اگرچہ ۱۸ اولادیں تھیں لیکن انہوں نے اپنے پوتے کو بڑی محبت سے پرورش کرنا شروع کیا۔ چونکہ ابھی اور آپ کو صدمہ ہونا تھا آپ کی ۹ یا ساڑھے نو برس کی عمر ہو گی کہ عبد المطلب کا انتقال ہو گیا۔ دادا کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آئے آپ نے اپنے چچا کی اس قدر خدمت اور اطاعت کی کہ ابو طالب کو آپ سے بے انتہا محبت ہو گئی۔ آپ کی سعادتمندی نے نہ صرف ابو طالب ہی کو اپنا گرویدہ بنا لیا بلکہ کنبے کے اور لوگ بھی آپ کو محبت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

آپ کی ابتدائی زندگی محنت کے بوجھ سے سبکدوش نہ تھی آپ ابوطالب کے گلے کو جنگل میں پانی پلانے لیجایا کرتے تھے اور جتنے کام گھر سے متعلق ہوتے آپ ان کے انجام دینے میں عاری نہ تھے۔ بماہ ذیقعدہ جب عرب کی لڑائیاں بند تھیں آپ اپنے چچا کے ساتھ جو تجارت کے لئے جاتے تھے شام روانہ ہوئے۔ ابوطالب تو اپنی تجارت میں لگے اور آپ نے مخلوق خدا کی سخت زبون ترین حالت پر نظریں ڈالنی شروع کیں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انسانی اشرفیت کی عزت کس طرح کچلی جارہی ہے اور تمدن انسانی کی کھیتی پائمال ہو رہی ہے خدا پرستی کی جگہ بت پرستی نے لی ہے رحم و انصاف کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں ملتا اور تمام انسانی جوہر جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوتے ہیں محض بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ عاجزی اور خاموشی سے خیالات کا اٹم کا اٹم اپنے دماغ میں جمع کرکے اور اس خطرناک حالت انسانی سے متاثر ہوکے آپ مکہ واپس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں آپ کو تجارت میں بھی کچھ تجربہ ہو گیا تھا اور آپ ہمیشہ اپنی قوم کی حالت سے سخت پژمردہ رہا کرتے تھے۔

۲۵ برس کی عمر تھی کہ آپ کو اور بھی ایک بار شام کا سفر اختیار کرنا پڑا اب کے آپ صرف بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا مال تجارت فروخت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے آپ نے نہایت جانفشانی اور ہوشیاری سے مال تجارت فروخت کیا اور اس میں خیال سے زیادہ نفع کثیر ہوا جو رقم ملی تھی آپ نے پوری کی پوری بی بی خدیجہ کے آگے رکھدی اور کوڑی کوڑی کا حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ کی اس وقت قریب قریب چالیس برس کی عمر تھی۔ آپ بیوہ تھیں اور مدت سے حضرت رسالتمآب کی صداقت اور راستبازی کی آوازیں آپ کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور اب اس کا ذاتی تجربہ ہو گیا تھا۔ وعدہ سے زیادہ جفاکشی اور خیال سے زیادہ راستبازی دیکھ کے بی بی خدیجہ آپ پر مفتون ہو گئیں اور جس صفت کے شخص کی آپ کو تلاش تھی وہ کل صفات آپ کی ذات میں ملاحظہ فرمائیں اخیر آپ کا نکاح بی بی خدیجہ سے ہو گیا اور نہایت خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے تمام عمر اپنی وفادار بیوی سے جب تک وہ زندہ رہیں اس دلی الفت سے بسر کی جس کی نظیر عرب میں نہیں ملنے کی۔ اس شادی سے آپ اس گرانبار روزانہ محنت سے سبکدوش ہو گئے جس میں آپ کے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف ہو جاتا تھا۔ اس آسائش اور بےفکری نے آپ کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لئے مشغول کیا جس سے اہم اور جس سے بزرگترین کام ہونا ممکن نہیں۔

نکاح کی تاریخ سے ۱۵ برس تک کے حالات کسی کو نہیں معلوم صرف اسی قدر معلوم ہے کہ آپ ایک غار میں عبادت کرنے تشریف لیجاتے تھے اور گویا دن اور رات کا بہت سا حصہ وہیں صرف ہوتا تھا۔ سنہ ۶۰۵ء میں جب آپ کی پوری ۳۵ برس کی عمر تھی کعبہ کی مرمت کا ایک نیا جھگڑا اٹھا اور قبائل عرب میں کشمکش پیدا ہونے لگی اور خوف اس قدر بڑھا کہ خونریزی تک نوبت پہنچتی ہی تھی کہ آپ نے فیصلہ کر دیا اور بہت جلد اس خونریز جھگڑے کو دفع دفع کر دیا۔ اسی عرصہ میں قحط پڑا اور حضرت ابوطالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور حالت سخت ردی ہو گئی آنحضرت نے اپنے شفیق چچا کی کافی مدد کی اور چونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش نہ کر سکتے تھے حضرت علیؑ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ایک بچہ حضرت عباسؓ نے اپنی سرپرستی میں لیا اور اس طرح ابوطالب کو گونہ اپنے کنبہ کی پرورش سے سبکدوشی ہوئی آپ نے حضرت علی کو بطور خود پرور

کرنا اور تعلیم دینا شروع کیا چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اور بھی آپ نے محبت سے حضرت علی کو پالا اس کے بدلہ میں حضرت علیؓ نے بھی وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی اور آخیر حضرت رسالتمآب نے اپنی لاڈلی بیٹی بی بی فاطمہ سے حضرت علیؓ کی شادی کر دی۔ یہ ہیں مختصر حالات آپ کے زمانہ نبوت سے قبل کے۔ اس کے بعد نبوت کا سال شروع ہوتا ہے۔

(آغاز نبوت)

پوری چالیس برس کی عمر تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ نے وحی نازل ہونے کا حال سب سے پہلے اپنی بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ اپنے رشتہ دار ابن نوفل کے پاس گئیں اور وحی نازل ہونے کی مفصل کیفیت بیان کی۔ ابن نوفل ضعیف اور نابینا شخص تھا اسے انجیل اور توریت پر بہت بڑا عبور تھا اور کل اُن پیشین گوئیوں کی ماہیت بخوبی جانتا تھا جو حضرت رسالتمآب کی نبوت کی بابت دونوں مذکورالصدر الہامی کتب میں درج تھیں جونہی حضرت بی بی خدیجہ نے بیان کیا وہ سنتے ہی پکار اُٹھا "قدس" "قدس" اور اُس نے بیساختہ کہا یہ ناموس اکبر تھا جو حضرت موسےٰ کے پاس بھی آیا یقیناً اُسے نبوت ملی ہے تو اس سے جا کے میری طرف سے کہدے کہ اپنا دل مضبوط رکھے اور بہادروں کی طرح اپنے ارادہ میں مستقل رہ۔ یہ مژدہ خوشخبری سنکے بی بی خدیجہ تو چلی آئیں اور جو کچھ سنا تھا سب عرض کر دیا مگر چند روز کے بعد ابن نوفل خود حضور میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میں اُس ذات کی قسم کھا کے کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ خداوند تعالےٰ نے خلقت کی نجات دینے کے لئے تجھے نبی منتخب کیا ہے بیشک ناموس اکبر تیرے پاس خدا کی وحی لے کے آیا کاش میں اس دن تک زندہ رہ سکوں تو ضرور تیرے عوض منکروں سے لڑوں گا۔ پھر ابن نوفل نے حضرت رسالتمآب کی بصفا اور نورانی پیشانی پر بوسہ دیا اور چند اطمینان بخش کلمے عرض کئے۔ افسوس کہ ابن نوفل کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ بیچارہ چند ہی روز کے بعد فوت ہو گیا۔

گویا بی بی خدیجہ ایمان لانے والوں میں پہلی تھیں۔ ابن ہشام اور ابوالفدا کی تحریر کے مطابق پھر حضرت علی ایمان لائے ابھی تک گویا وہی بغض ایمان لائے تھے حضرت علی بہت ہی صغیر سن تھے مگر پھر بھی اُنہوں نے اسلام کے بعد خدا سے واحد کی عبادت میں بہت ہی سرگرمی دکھائی آنحضرت اپنے بھائی علی اور اپنی بیوی حضرت بی بی خدیجہ کو لیکے ایک پوشیدہ غار میں چلے جاتے تھے تاکہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں ایک دن نبی کریمؐ۔ بی بی خدیجہؓ اور علیؓ عبادت میں مشغول تھے اور استغراق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا کہیں ابوطالب بھی اُدھر سے آنکلے اور خاموشی سے اپنے بیٹے اپنے بھتیجے اور اپنی بھتیج بہو کی سیر دیکھتے رہے اخیر ذرا دیر کے بعد ابوطالب نے یہ کہا اے میرے بھتیجے جو مذہب کہ تو نے اختیار کیا ہے اور جس کے ارکان تو ادا کر رہا ہے یہ کیا مذہب ہی آپ نے جواب دیا یہ دین دین خدا فرشتوں پیغمبروں اور ہمارے دادا ابراہیم کا ہے (پھر آپ یہ فرمانے لگے) خدا نے مجھے اپنی مخلوق میں اس لئے بھیجا ہے کہ میں اُس کے بندوں کو راستبازی اور نیکی کا رستہ دکھاؤں اے میرے چچا تو اپنی قوم میں بڑا سمجھدار اور لائق ہے یہ موقع اچھا ہے کہ میں تیری بھی دعوت اسلام کروں اور تجھے بھی اپنے سچے راستہ کی طرف بلاؤں مجھے امید ہے کہ تو میری اس راستبازی میں مدد کریگا اور اس نیکی کے پھیلانے میں میرا معاون بنے گا۔ یہ سن کے ابوطالب نے جواب

دیا اے میرے بھتیجے اپنی سچی روح اور اپنے سچے دل سے کہتا ہوں کہ میں اپنے باپ داداؤں کے دین سے کبھی نہیں پھرنے کا لیکن قوی ترین خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تجھے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ابو طالب نے اپنے بیٹے علی سے خطاب کر کے کہا اے میرے بیٹے تیرا مذہب کیا ہے علی نے جواب دیا اے باپ میں خدا اور اس کے نبی پر ایمان لے آیا اور اب سے اس کے ساتھ ہوں ابو طالب نے کہا اے میرے بیٹے محمد کبھی تجھے اس سے باز نہ رکھیگا چونکہ نیک راہ ہے اس لئے تو آزاد ہے۔ ابن ہشام اور ابن اثیر نے اس گفتگو کو تفصیل وار لکھا ہے۔ حضرت علی کے بعد زید ابن حارث ایمان لایا یہ وہی زید ہے جسے حضرت رسالتمآب نے آزاد کر دیا تھا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے۔ حضرت ابو بکر حضرت رسالتمآب سے پورے دو برس چھوٹے تھے اور قریشوں میں اپنی ثروت۔ صداقت اولوالعزمی اور عالی ہمتی میں بڑے نامور تھے آپ کے ایمان لانے نے قریشوں میں ہلچل ڈالدی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پانچ سردار قوم قریش سے اور بھی ایمان لائے عثمان بن عفان جو خاندان بنی اُمیہ میں سے تھے اور جو تیسرے خلیفہ ہوئے عبد الرحمٰن بن عوف سعد ابن ابی وقاص جو بعد ازاں فاتح ایران ہوا۔ زبیر بن عوام یہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا بھتیجا تھا۔ صداقت اپنا رستہ خود پیدا کر لیتی ہے یہی بہت بڑا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ ایک بے سر و سامان پر وہ لوگ ایمان لائے جو اپنی قوم میں سردار اور دولتمند تھے نہ کسی قسم کا دولت کا لالچ نہ حکومت کی طمع اور نہ تلوار کا خوف اور بالخصوص یہ بات دیکھنے کی ہے کہ یہ سردار قوم قریش وہی تھے جن کے آگے حضرت رسالتمآب نے پرورش پائی چھوٹے سے بڑے ہوئے اور پھر اُن ہی کے آگے دعوئے نبوت کیا وجہ اگر تھی تو یہ بہت بڑی تھی کہ آپ کی راستبازی سب میں مسلّم تھی اور اس کے خلاف کسی کو بھی خفیف سا خیال نہ گزرتا تھا پھر قرآن مجید کی حیرت انگیز تعلیم نے اور بھی اُن کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور یہ تسخیر بھی بے نظیر ہے جسکی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

اتنے سرداران قریش کے مسلمان ہونے سے قریشی جماعت میں ہلچل پیدا ہو گئی اور اب وہ مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر آپ نے علی الاعلان وعظ فرمانا شروع کیا کہ تمہارے یہ معبود محض ناکارہ اور فضول ہیں تم ہی نے اپنے ہاتھ سے انہیں بنایا ہے اور شرم کی بات ہے کہ اشرف المخلوقات میں ہو کے تم ان پتھروں کو سجدہ کرتے ہو۔ اس توحید کے وعظ نے میگزین میں شتابہ کا کام کیا اور اب وہ اس قدر بھڑکے کہ سوائے ستانے اور تکلیف دینے کے اُنہوں نے اور کوئی چارہ کار نہ دیکھا ظلم کیا۔ ستایا۔ تکلیف دی۔ گالیاں دیں۔ عبادت کی جگہ کانٹے بچھائے۔ اونٹوں کی اوجھڑیاں پھینکیں غرض جو کچھ اُن سے ہو سکا اُنہوں نے کسر نہیں کی۔ اُدھر زیادتی کی حد ہو چکی تھی اور ادھر صبر اور استقلال کی گالیوں کے عوض دعائیں دیجاتی تھیں اور تکلیف کے بدلے برکت یہ تھی شان نبوت اور یہ تھا اسلام۔ یثرب میں آپ کی نبوت اور ساتھ ہی راستبازی کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور لوگ آپ کی نبوت پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ادھر مکہ میں طوفان بے تمیزی بڑھتا جاتا تھا اور ادھر ابو طالب چچ کنے ہوتے جاتے تھے اخیر اُنہوں نے نہایت پریشانی سے اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا سنو میرے بھتیجے قریشوں کا یہ غصہ ضرور میری خرابی کا باعث ہوگا اور یہانتک نوبت آجائے گی کہ میں تیری سرپرستی بھی نہ کر سکونگا خدارا اپنی ان باتوں کو روک اور نئے دین کی اس دھڑتے سے اشاعت

ایسا نہ ہو کہ ہاشم و مطلب کی اولاد بیگناہوں پر کچھ مصیبت برپا نہ کرے۔ آپ سوا اس کے کیا جواب دے سکتے تھے کہ دین خدا کی اشاعت جب تک جان میں جان باقی ہے کبھی نہیں رک سکتی۔ ابوطالب خاموش ہو رہے کرتے تو کیا کرتے یہاں مخالفت اور وہ بھی زہریلی مخالفت کی دن بدن آگ بھڑکتی جاتی تھی مرد ہی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی گرمی سرگرمی سے اس مخالفت میں حصہ لے رہی تھیں۔ چنانچہ ام جمیل ابولہب کی بیوی اور آپ کی چچی آپ کے تلخ ترین دشمنوں میں تھی یہی عورت آپ کی عبادت کی جگہ پر اندھیرے میں کانٹے بچھا آتی تھی اور اس طرح آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بلاوجہ ستاتی تھی اس کی اور اس کے خاوند کی مخالفت اس حد پہنچ گئی تھی کہ اخیر قرآن مجید میں اس کی نسبت یہ فیصلہ کر دیا

تبت یدا ابی لهب و تب ما اغنی عنه ماله وما کسب سیصلی نارا ذات لهب وامرأته حمالة الحطب[۱] فی جیدها حبل من مسد

ابولہب نے پیغمبر کو کوسا تھا الٹے ابولہب ہی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ آپ ہی ہلاک ہوا نہ تو اس کا مال ہی اسکے کام آیا اور نہ اس کی کمائی نے اس کو کچھ فائدہ پہنچایا وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جا داخل ہوگا اور اسکے ساتھ اس کی جورو بھی جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے کہ اس کی گردن میں بٹی ہوئی بلدار رسی ہوگی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ابولہب جس بے بسی اور سخت کرب کی حالت میں مرا ہے وہ قریشیوں کے لئے بہت ہی عبرت کا مقام تھا۔ بات یہ ہوئی کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے سب قریشیوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی اور پھوپی سے کہا۔ کہ تم کو میری قرابت آخرت میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ قریشیوں میں ابولہب بھی تھا اور یہ بدنصیب سب سے زیادہ دشمن تھا کئی بار حضرت رسالتمآب کے شہید کرنے کی ترکیب کر چکا تھا وعظ سنتے سنتے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس کی جان پر بجلی ٹوٹ پڑی اس نے زور سے حضرت رسالتمآب کو پتھر مارا اور اپنے محاورہ کے مطابق کہا کہ تیرے ٹوٹیں دونوں ہاتھ اور تیرا جائے ستیاناس کیا تو نے یہی باتیں سنانے کے لئے ہمیں تکلیف دی اس بات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی ام جمیل کا حشر خداوند تعالے کے ارشاد کے بموجب ہوا چنانچہ ایک دن وہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر لا رہی تھی کہ اسے ٹھوکر لگی اور گر پڑی اور گٹھے کی رسی اس کی گردن میں آگئی اور وہ وہیں مری کی مری رہ گئی۔ یہی نتیجہ حق سے لڑنے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ اسی عرصہ میں حضرت حمزہ جو آپ کے چچا تھے مسلمان ہو گئے۔ قریشیوں میں یہ بہت ہی بہادر اور شجاع مشہور تھے عام طور پر آپ کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ قریشیوں نے حضرت رسالتمآب کے پیرواں پر ظلم کا ہاتھ دراز کیا جن پر

---

[۱] حمالۃ الحطب کے لفظی معنی لکڑیوں کی اٹھانے والی کے ہیں مگر عربی محاورہ میں چغلخور کو کہتے ہیں۔ فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی انہی معنوں میں لیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

میان دو کس جنگ چون آتش است ✦ سخن چین بدبخت ہیزم کش است

کیا تو چغلی کے اعتبار سے اسے حمالۃ الحطب کہا یا اس اعتبار سے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادتگاہ پر کانٹے بچھا دیتی تھی یا اس لحاظ سے کہ وہ مارے خست کے لکڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کے لاتی تھی اور گردن میں رسی کے ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح یہاں نیچ کتوں کے گلے میں رسی باندھ کے گھسیٹے پھرتے ہیں اسی طرح قیامت میں اس کی بے حرمتی کی جائے گی۔

اُن کا آسانی سے بس چلسکتا تھا اُنہیں پکڑا۔ کانٹے دار لکڑیوں سے کھال اُڑا دی گرم پتھروں پر چت لٹا کے ایک وزنی پتھر چھاتی پر رکھدیے جلتی ریت پر لٹایا گیا اور کہا گیا کہ تم کلمہ توحید نہ پڑھو اس ظلم میں عورتیں بھی شریک تھیں چنانچہ حضرت بلال جو اسلام کے پہلے موذن مشہور ہیں سب سے زیادہ کرب و بلا میں مبتلا تھے آپ کے آقا نے بطحا میں تمام دن جلتی ریت پر برہنہ لٹائے رکھا اور جب اوپر سے دھوپ کی سخت تپش ہوئی اور بلال کی حالت دگرگوں ہونے لگی تو اُنکے آقا نے کہا تو اسی حالت میں رکھا جائے گا جب تک کہ تو مر نہ جائے گا یا دین اسلام سے تائب نہ ہوجائے گا بلال نے اس کے جواب میں یہ کہا خدا ایک ہے خدا ایک ہے۔ پیاس کے مارے زبان پر کانٹے پڑ گئے تھے اور تمام جسم تنور بن رہا تھا جلتی ریت چھاتی پر وزنی پتھر اوپر سے سخت اور تیز دھوپ پھر پانی کی مار اور اس پر سخت تشدد مگر واہ ری قوت ایمان ایسی ناقابل برداشت سختیوں پر بھی جنبش نہ ہوئی اور ہر وقت کلمہ توحید زبان پر رہا حضرت ابوبکر صدیق سے رہا نہ گیا آپ بلال کے بیرحم آقا کے پاس گئے اور کہا تم ناحق اس پر اتنا ظلم کرتے ہو اگر تمہارے کام نہیں ہے تو تم اسے فروخت کر ڈالو وہ راضی ہوگیا آپ نے بلال کو معہ اور پانچ غلاموں کے خرید کے آزاد کر دیا۔ اخیر یہ کیا بات تھی اور یہ لوگ کیوں دین اسلام میں اتنے مضبوط تھے۔ نہ دولت تھی جس کا اُنہیں لالچ تھا اور نہ سلطنت تھی جس کا یہ حصہ بٹانا چاہتے تھے ہاں اسوقت ایک مصیبت تو بہت بڑی تھی جو نومسلم کی جان پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ اور باقی سب خیر سلا تھی۔ اپنے بے بس غریب معتقدوں کا یہ نظارہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت رسالتمآب کے مبارک دل پر کیا اثر کرتا ہوگا مگر آپ صبر فرماتے تھے اور یہ صبر وہ تھا جس میں عالی ہمتی اور بے نظیر جراٰت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ ایک دن آپ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُس سے کچھ ہی دور فاصلہ پر سرداران قریش کا ایک بڑا مجمع ہو رہا تھا اس میں یہی گفتگو تھی کہ کیونکر محمد کو روکا جائے اور کیا ترکیب ایسی کی جائے کہ توحید کی منادی نہ ہونے پائے ان میں بڑی دیر کی قیل و قال کے بعد کچھ فیصلہ پایا اور اسی اثنا میں عتبہ بن ربیعہ مجمع سے اُٹھ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے میرے بھائی کے بیٹے تو اپنی قابلیتوں اور خاندانی شرافت سے ممتاز ہے اب تو نے ہماری قوم میں اختلاف پیدا کر دیا ہے اور ہمارے قبائل میں قضیے برپا کر دیے ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں پر ناکارہ ہونے کا الزام لگاتا ہے تو ہمارے باپ داداؤں کو کفر الحاد کا فتویٰ دیتا ہے۔ ہم تجھسے التجا کرتے ہیں ذرا توجہ سے ہماری بات سن غور کر اور پھر اسے قبول کر یا نہ کر تجھے اختیار ہے۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہ اے ولید کے باپ میں سنتا ہوں عتبہ نے عرض کیا اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تو اس کام سے کچھ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم تیرے لئے اتنی دولت جمع کریں گے کہ ہم میں سے کسی کے پاس نہیں نکلنے کی۔ اگر تجھے عزت اور بڑے رتبہ کی خواہش ہے تو ہم تجھے اپنا سردار آنکھوں سے بنانا منظور کرتے ہیں اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے حکم کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کریں گے۔ اگر تیری آرزو سلطنت کی ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائیں گے اور اگر تجھے ایسا مرض لاحق ہوگیا ہے جس سے تو اس کام کرنے پر مجبور ہوا ہے تو ہم تیرے علاج کے لئے حاذق طبیب لائیں گے۔ اور تجھے کامل شفا ہو جائے گی۔ جب عتبہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضور نے ارشاد کیا اے ولید کے باپ کیا تو اپنی تقریر ختم کر چکا عرض کیا ہاں۔ ارشاد ہوا تو میری بھی بات سنے گا عرض کیا سنوں گا آپ نے ارشاد کیا رحیم کریم خدا کے نام پر میں

سچ کہتا ہوں مجھپر خدائے عزوجل کی طرف سے وحی آتی ہے۔ جو کتاب مجھپر نازل ہوتی ہے وہ اُن ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو اُسے توجہ سے سنتے ہیں۔ اُس پر غور کرتے ہیں۔ اُس میں نیک کاموں کے پہلوں کی بشارت دی گئی ہے اور بُرے اعمال سے خوف دلاکے اُن کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے۔ فی الحقیقت میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں خدا کی طرف سے مجھپر وحی اُترتی ہے کہ تیرا خدا ایک خدا ہے اس لیئے تو اپنا رستہ سیدھا اُس کی طرف کر اور جو کچھ تو نے کیا ہے اُس کی معافی مانگ اور بت پرستوں پر وکہ وہ خیرات نہیں کرتے اور نہ آئندہ زندگی پر اُن کا ایمان ہے لیکن جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اُن کو آخرت میں اس کا دایمی صلہ ملے گا یہاں حضور انور نے اپنی تقریر ختم کی۔ پھر عتبہ نے اس کے جواب میں عرض کیا "جو کچھ سمجھانا تھا تجھے سمجھا چکا اب جو کوئی رستہ تجھے اچھا معلوم ہو اُس پر چل"۔ ابن ہشام نے بوضاحت اس تقریر کو نقل کیا ہے۔

جب حضور انور کے معتقدین پر سختیاں توڑی جانے لگیں تو آخر حضور نے اپنے معتقدین کو شاہ نجاشی کے ملک میں ہجرت کر جانے کا حکم دیا فوراً تعمیل ارشاد کی گئی۔ یہ ہجرت پہلی ہجرت کہلاتی ہے جو نبوت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں وقوع میں آئی۔ اول ہی اول ۱۵ آدمی گئے تھے مگر ان کے بعد بتدریج اور بھی روانہ ہوتے رہے یہاں تک کہ ابن ہشام ابن اثیر اور ابوالفدا کی تحریر کے مطابق ان کی تعداد ۱۰۳ تک پہنچ گئی جنمیں ۱۸ مستورات بھی تھیں۔

قریشیوں نے ایکبار اور بھی چند سرداروں کو حضور انور کی خدمت میں بھیجا اُنہوں نے قریب قریب وہی باتیں بیان کیں جو عتبہ نے کی تھیں آپ نے اس سخت زہریلی مخالفت پر جو اس عالم میں ہو رہی تھی بڑی دلیری سے اُن کے سبز باغ دکھانے کا یہ جواب دیا "نہ مجھے دولت کی خواہش نہ جاہ وحشم کی نہ عالی مرتبہ نہ سلطنت کی۔ خدا نے مجھے دنیا میں اس لیئے مبعوث کیا ہے کہ میں تمہیں اچھی اچھی باتیں سکھاؤں میں اپنے خالق کا کلام تمہیں سناتا ہوں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بُری باتیں نہ کرو اگر تم نے اس کلام خدا کو قبول کر لیا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں خدا تم پر دونوں عالم میں مہربانی کرے گا اگر تم نے اُس سے انکار کیا تو میں صبر کروں گا اور اپنا اور تمہارا انصاف خدا پر چھوڑ دونگا"

یہ سن کے بت پرست قریشیوں نے آپ کی ان باتوں پر ضحکہ اُڑایا۔ آپ پر طعنہ زنی کی اور عیارانہ طریقہ سے آپ کی تلقین اور نبوت پر دوٹ پٹانگ سوالات کیئے تا کہ یہ مشہور کریں کہ ہم نبی کو ساکت کر آئے اُنہوں نے کہا تم اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزے دکھاؤ۔ تم اسی خشک زمین پر دریا اور کوئیں پیدا کر دو۔ آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے اُڑا کے زمین پر گرا دو۔ آسمان پر سیڑہی لگا کے چڑھ جاؤ۔ غرض اسی قسم کی بکواس تھی جسے نبوت اور منشائے نبوت سے کچھ بھی سروکار نہ تھا حضرت مسیح سے بھی ایسے ہی درماندہ سوالات کیئے گئے تھے جس کا جواب آپنے (یعنی حضرت مسیح نے) یہ دیا تھا کہ اس زمانہ کے بدکار اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ حضرت مسیح سے اُن کے معتقد یہ سوالات کرتے تھے جیسا کہ پروفیسر موئیری نے لکھا ہے اور حضور انور سے دشمنان اسلام یہ سوالات کیا کرتے تھے ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ آپنے ان درماندہ اور اٹکل پچو سوالات کے جواب میں یہ ارشاد کیا "اُن عجیب باتوں کے کرنیکے لیئے خدا نے مجھے نہیں بھیجا اُس نے مجھے تم میں نصیحت کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے خدا ہی سب صفتوں کا

مستحق ہے۔ میں ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہوں ہاں تم پر نبی کرکے بھیجا گیا ہوں میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے میری مٹھی میں ہیں نہ میں نے یہ دعویٰ کیا کہ میری چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں نہ میں ایک فرشتہ ہوں نہ میں خود اپنی مدد کرسکتا ہوں نہ مجھے اپنے پر کچھ بھروسہ ہو سکتا ہے لیکن اگر اللہ چاہے پھر دوسرے موقع پر آپ نے ارشاد کیا کہ نادانوں کیا تم ایک نشانی چاہتے ہو جب کہ تمام مخلوق خدا کی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے تمہارے جسم کی بناوٹ کیسی تعجب انگیز باریکی اور کس خوبصورتی سے باقاعدہ ہے۔ دن اور رات کا تغیر و تبدل۔ موت۔ زندگی۔ سونا اور جاگنا ہوائیں تیار اور مستعد بادلوں کو اس طرح سے چلاتی ہیں جیسے خالق کے رحم کے پیشرو۔ بوقلمونی میں ہم آہنگی اور انتظام۔ انسانی مخلوق کی تفریق۔ اور پھر اُن کا ایک جفتی۔ میوے پھول۔ جانور اور خود انسان کیا خدا کی ہستی کی یہ چیزیں کافی شہادت نہیں دیتیں۔

جب قریشیوں کا جبر و تعدی اور حضور انور کا صبر اور استقلال حد سے گزر گیا تو ناچار مشرکین قریش نے صاف الفاظ میں یہ کہدیا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سن کہ ہم تمہاری تلقین دینی روکنے سے کبھی باز نہ آئیں گے جب تک ہم میں سے ایک نیست و نابود نہ ہو جائے۔"

جب قریشیوں نے چاہا کہ تلوار سے اس جھگڑے کا فیصلہ کرنا چاہیے تو وہ اس خیال کو پختہ کرنے اور عملی طور پر کرگزرنے کے لئے حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور بقول طبری اور ابن اثیر اور ابن ہشام انہوں نے یہ بیان کیا "سن ابو طالب ہم تیری عمر اور تیرے درجہ کی عزت کرتے ہیں لیکن ہمارا عزت کرنا تیرے ساتھ ایک حد تک ہے اب ہم سے زیادہ صبر نہ ہو سکے گا۔ ہم اپنے خداؤں کی برائی تیرے بھتیجے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زبانی نہیں سنا چاہتے۔ ہماری ضبط کی حد ہو چکی ہے۔ ہم اپنے باپ داداؤں کی برائی پر خاموش نہیں رہ سکتے اب تجھے یہ کہنا ہے کہ آیا تو اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک سکتا ہے اور منع کرسکتا ہے یا تیرا ارادہ اسی کے ساتھ شرکت کرنے کا ہے ہم جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں ہم ہرگز تلوار نیام میں نہیں کریں گے جب تک کہ ایک گروہ ہم میں سے نیست و نابود نہ ہو جائے گا۔" یہ کہکے سب چلے گئے۔

حضرت ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور مشرکین قریش کے غصہ اور انقطاعی فیصلہ کے ارادہ کی پوری کیفیت بیان کی اور کہا میری تو یہی رائے ہے کہ مصلحت وقت کو بھی دیکھنا چاہیے اور سنا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ تلوار پر آپہنچا ہے تو اپنا وعظ بند کر دینا چاہیے۔ حضور انور نے اپنے چچا کی یہ باتیں سن کے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ میرا چچا قریشیوں کے خوف سے شاید اپنی سرپرستی کا ہاتھ میرے سر پر سے اٹھانا چاہتا ہے مگر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے میرا بھروسہ براہ راست خدا پر ہے اور اسی کی امداد بس ہے یہ خیال کرکے آپ نے بڑے زور میں ارشاد کیا۔ سن لو میرے چچا جان" اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے دہنے ہاتھ پر اور کرۂ مہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور پھر یہ زور ڈالیں کہ میں اپنی توحید پرستی کی تلقین روک دوں محض ناممکن ہے کہ میں اپنے کام سے باز آجاؤں جس کے لئے میں مبعوث کیا گیا ہوں جب تک اس کا نتیجہ نہ نکل آوے یعنی توحید پرستی کی دنیائے معلوم کے بڑے حصہ

تک ڈونڈھی نہ پٹ جائے اور خدائے کریم کا سچا جلال نہ چمک جائے یا میں اسی منشائے عالی کے پورا کرنے میں نیست و نابود نہ ہو جاؤں نہیں باز آسکتا نہیں باز آسکتا" یہ فرما کے آپ واپس پھرے اور آپکو یقین ہو چکا تھا کہ میرے چچا قریشیوں کے پورے ڈر میں آ گئے ہیں وہ آئندہ سے میری مدد نہیں کرینگے جب آپ کئی قدم چلے گئے تو حضرت ابوطالب نے آواز دی محمد محمد آپ آواز سن کے واپس پھرے کیونکہ آپ کو اپنے چچا سے بے حد محبت تھی حضرت ابوطالب نے فرمایا۔ جو کچھ تمہارا جی چاہے کہو اور کرو میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑنے کا کبھی نہیں چھوڑنے کا۔

تیسری بار اور بھی قریش نے حضرت ابوطالب کو جتایا کہ آپ کیا تو اپنے بھتیجے کو روکیں اور یا ہم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ ایک نوجوان کو خاندان قریش میں سے لیکے اپنا بھتیجا بنالیں تاکہ تمہیں پھر اپنے بھتیجے کی ضرورت نہ رہے یہ درخواست کسی طرح بھی حضرت ابوطالب منظور نہ کر سکتے تھے۔ آخر نہایت پریشان ہو کے اور چاروں طرف سے اپنے کو دشمنوں سے گھرا ہوا دیکھ کے حضرت ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب سے یہ فریاد کی کہ مخالف قبیلے تم میں سے ایک ممتاز شخص پر دست درازی کرنا چاہتے ہیں اور اس کے قتل کے درپے ہیں بڑے شرم کی بات ہے کہ تم چپکے بیٹھے دیکھا کرو اور اسے ہلاکت سے نہ بچاؤ یہ سن کے سب مدد پر آمادہ ہو گئے مگر ابولہب نے مدد دینے سے انکار کیا۔

اسی عرصہ میں اس نئے مذہب نے اپنا قیمتی اثر ایک زبردست خونخوار جری اولوالعزم شجاع پر کیا جس کا نام عمر تھا جو بعد ازاں فاروق اعظم کے لقب سے مشہور ہوا آپ نے اسلام کی جمہوری سلطنت میں وہ ناموری پیدا کی ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو قیامت تک تاریخ دنیا سے نہیں مٹ سکتیں۔ آپ کا پرجلال نام مبارک بہادران یورپ کے کانوں میں تا قیامت گونجیگا اور ہمیشہ شجاعان دہر کی نظروں میں ادب سے دیکھا جائیگا آپ عادبن الکعب کے قبیلہ کے ایک ممتاز شخص تھے آپکے والد کا نام خطاب تھا اور آپ دین اسلام میں داخل ہونے سے پہلے نبی معصوم کے سخت مخالفوں میں سے تھے صرف سورۂ طٰہٰ کے سننے نے آپ میں دین اسلام کی روح پیدا کر دی اور سیدھے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہو کے حلقہ غلامان نبی میں داخل ہوئے حضور انور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اس قدر خوش ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاتا منجملہ ان کے جو لوگ ایمان لائے تھے حضرت امیر حمزہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اسلام کی پے درپے کی کامیابیوں سے مشرکین قریش کی مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی اور آخر انہوں نے باہم مشورہ کر کے قبیلہ ہاشم اور مطلب سے شادی بیاہ اور لین دین ترک کر دیا۔ نبوت کے ساتویں برس اور سنہ ۶۱۶ع کے اختتام پر اس افتراق قومی سے ہاشمیوں اور مطلبیوں میں سخت پریشانی پیدا ہو گئی اور وہ گھر بار چھوڑ ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے۔ اور سب مرد عورتیں بچے ملکر حضرت ابوطالب کی جائے قیام میں چلے گئے۔ یہ مکان مکہ معظمہ کی مشرقی حدود کیطرف ایک تنگ پہاڑی کھچ میں واقع تھا اور اسے چٹانوں اور دیواروں نے شہر سے علیحدہ کر دیا تھا صرف ایک تنگ رستہ آمد و رفت کا باقی رہگیا تھا۔ ابولہب ان لوگوں کے ساتھ نہ آیا بلکہ وہ دشمنان رسول مقبول کی جماعت میں رہا۔ قریشیوں نے بعد ازاں اس مکان کا محاصرہ کر لیا

اور تمام قسم کی خورد و نوش کی چیزیں اندر آنے سے روک دیں۔ حضور انور رسول خدا ان لوگوں کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ تمام مایوسانہ حالت اپنے کنبہ کی سخت آزردہ دل اور خونی نگاہوں سے مگر صبر اور استقلال کے ساتھ ملاحظہ فرما رہے تھے جب کھانا پینا بند ہو گیا تو عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری کی صدائیں بلند ہوئیں اور جب اُن کی گونجیں محاصرین کے کانوں تک پہنچیں تو مشرکین عرب کے چند سرداراپنے اس بزدلانہ حملہ سے شرمائے۔ اخیر ہاشم بن عمرو طرفین میں میل ملاپ کرانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہاشم کے ساتھ زبیر بھی اس کوشش میں تھے غرض باہم ملاپ ہوگیا اور طرفین کے وہی حقوق برقرار ہو گئے جو پہلے سے دونوں کو حاصل تھے اور ہاشمی اور مطلبی سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ہی کے مکان میں رہے اس زمانہ میں اسلام نے کوئی ترقی نہیں کی جب متبرک مہینے آئے اور تمام لڑائیوں اور جھگڑوں کا دروازہ بند ہوا تو زائرین مختلف دیار و امصار سے آنے شروع ہوئے۔ حضور انور بھی اپنی جائے قیام سے برآمد ہوئے اور پھر اُسی سرگرمی سے توحید خدا کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ابولہب کی مخالفت کل مخالفین پر فوق لے گئی تھی وہ آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا اور جہاں آپ نے وعظ فرمایا اور اُس نے بآواز بلند کہدیا کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہے اور محض جھوٹا ہے۔ (معاذ اللہ)

اس سال کے بعد جو سال آیا وہ اسلام کی تاریخ میں سال غم کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالب کی وفات ہوگئی۔ ان دو دفاتوں نے قریش کو مزید مخالفت کا موقع دیا اور اب وہ اور بھی کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئے اُدھر اُن کی مخالفت کی شدت اور اِدھر آپ کو انتہا درجہ کا صدمہ ایک عجیب مہلک نقشہ ناظر تفسیر کی آنکھوں میں کھینچ گا۔ آپ کو کامل مایوسی ہوگئی کہ یہ قوم قریش ہرگز بت پرستی سے باز نہ آئے گی اور کبھی دین اسلام نہیں قبول کرنے کی۔ اس سخت مایوسی میں مجبور ہو کے آپ نے ارادہ فرمایا کہ دوسرے مقامات میں چلکے توحید کا وعظ کہا جائے۔ آپ اپنے وفادار ملازم کو ساتھ لے کے طائف پہنچے اور وہاں بت پرستی کی ممانعت اور توحید پرستی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی لیکن جس طرح مکہ نے محض اپنی بدقسمتی سے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح طائف نے بھی اس بدقسمتی میں مکہ کا ساتھ دیا۔ اہل طائف میں کمینے اور عوام پتھر لے لے کے دوڑے اور آپ کو مارنے شروع کئے اور آپ کو سخت مجروح کیا۔ آپ کے ہاتھوں سے خون نشر بہ رہا تھا اور آپ زخموں سے چور تھے اسی خونی حالت میں آپ وہاں سے واپس پھرے اور طائف سے ذرا فاصلہ پر جہاں تھکے ماندے مسافر دم لیا کرتے تھے آپ چند خرمے کے درختوں کے نیچے بیٹھ کے اپنے اُن ہی مجروح ہاتھوں کو اُٹھا کے درگاہ رب العزت میں یہ دعا کرنے لگے۔ اللھم انی اشکو الیک ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس انت ارحم الراحمین انت رب المستضعفین انت ربی الی من تکلنی الی عھد یتجھمنی او الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ ان ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبیٰ حتی ترضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا۔ یعنی اے رب جلیل یہ مسکین بندہ اور ذلیل عبد تیری عزت و جلال کی بارگاہ میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتواں کا مددگار اور حامی

میرا مالک اور پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوست کے جو مجھے دیکھ کے ناک بھوں چڑھائے؟ یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے لیکن اگر یہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے میں تیری قدرت و رحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کر دینے والا اور دنیا و آخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارنے والا ہے تیرے غیظ و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں لیکن اگر خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہاں تک اختیار ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے اور بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی ہی کی طاقت و قدرت رکھتا ہوں" خیال کرنا چاہئے اور پھر سمجھدار آدمی کو سوچنا چاہئے کہ جن لوگوں نے بغیر کسی گناہ اور خطا کے پتھر برسا کے زخمی کیا ان کی نسبت اپنی دعا میں ایک ادنے اشارہ بھی نہیں ہے نہ انہیں برا کہا گیا ہے نہ کوسا گیا ہے حتی کہ یہ بھی تو نہیں دعا مانگی کہ اے خدا انہوں نے مجھ بے گناہ کو ستایا ہے تو ان سے میرا انتقام لے جس پیشوائے دین کی یہ تعلیم یہ طرز و انداز اور دشمنوں کے مظالم سے یہ فروگزاشت ہو اس کا مذہب بنی نوع انسان کی خونریزی کی طرف کا ہے کو ہدایت کرے گا آپ اپنے دشمنوں کے بھی خیر خواہ اور اپنے مخالفوں کے ہمدرد تھے اور آپ نے اپنے کسی دشمن کے لئے بھی برائی نہیں چاہی بس منشائے اسلام یہی ہے اور دشمنوں پر مہربانی کرنا اسلام کے سب سے اعلےٰ اصول میں داخل ہو۔

جب طائف نے بھی کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ناچار آپ پھر مکہ تشریف لے آئے اور اب آپ نے اپنا وعظ صرف پردیسیوں تک محدود کر دیا۔ اور وہ بھی پوشیدہ طور پر ایک دن آپ کا گزر نہایت غمگینی اور پژمردگی میں چھ آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ پر ہوا۔ آپ نے ان سے ارشاد کیا کیا تم یہاں بیٹھ کے میری بات سنو گے انہوں نے کہا ہاں سنیں گے وہ بیٹھ گئے اور آپ بھی ان کے برابر بیٹھے۔ اور فرمایا میں تم کو خدا کا پیغام سناتا ہوں خدائے واحد کی پرستش کرو اور اپنے فرضی اور دستی خداؤں کے مکروہ ناموں پر فریفتہ نہ ہو۔ اس صاف اور بے لوث کلام نے ان کے دل پر اثر کیا وہ یہ توحید خدا کی تعلیم پا کے یثرب چلے گئے اور انہوں نے اپنے ہموطنوں سے ساری کیفیت امی نبی اور آپ کی تعلیم کی بیان کی یہ واقعہ ۶۲۰ء میں ہوا۔ دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ اپنے چھ اور دوستوں کو لے آئے اور وہ بھی مشرف باسلام ہوئے انہوں نے آپ کی نبوت کا سچے دل سے اعتراف کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے یہ اقرار کیا "ہم کسی چیز کو خدائے واحد کی ذات کے ساتھ شریک نہیں کرنے کے ہم بدکاری اور حرام کاری سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرتے ہیں ہم آئندہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گے ہم کبھی افترا پردازی نہیں کرنے کے نہ کسی کی بدگوئی کریں گے۔ جو چیز حق ہے ہم اس میں پیغمبر کی متابعت کریں گے ہم کامیابی اور رنج میں ایمانداری سے نبی کا ساتھ دیں گے" یہ اقرار مدار کر کے وہ یثرب چلے گئے اور انہوں نے دین خدا کی اشاعت یثرب میں شروع کی۔ اب اسلام تیزی سے اپنے قدم اٹھانے لگا اور بہت سے دلوں میں اسلام نے اپنا گھر کر لیا دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ ۷۵ آدمیوں کو اور بھی لے کے آئے اور انہیں بھی مشرف باسلام کرایا۔ ابن ہشام کہتا ہے ان یثربیوں نے حضور انور سے درخواست کی کہ آپ یثرب تشریف لے چلیں اور وہاں توحید خدا

کی تعلیم فرمائیں۔ اس درخواست کی خبر مشرکین قریش کو مطلق نہ تھی۔ یہ سب لوگ اسلام کے دلدادہ پوشیدہ طور پر ایک پہاڑی میں جمع ہوئے اور پھر حضور انور اپنے چچا عباس کے ساتھ تشریف لائے ابھی تک حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے مگر آپ اپنے بھتیجے کے کاموں سے بہت مذاق رکھتے تھے اور حتے الامکان ہر معاملہ میں مدد کرنے کو تیار تھے۔ حضور انور نے اپنے نئے معتقد یثربیوں کو صاف صاف جتا دیا کہ جو مذہب تم نے قبول کیا ہے اسمیں تمہیں دشواریاں بہت پڑیں گی۔ تمہیں سخت آفتوں کا سامنا کرنا ہوگا تمہاری جانیں بھی خطروں میں پڑ جائیں گی انہوں نے یکزباں ہو کے دلیری سے جواب دیا دین قبول کرنے سے پہلے ہم نے ان تمام آفتوں کو سمجھ لیا تھا اور ہم جانتے تھے کہ نئی نئی آفتیں اور تازہ تازہ بلائیں ہم پر نازل ہوں گی اے خدا کے سچے نبی تو اپنا دین اور اُس کے اصول ہمیں تلقین کر تاکہ ہم اُن پر کاربند ہوں۔ حضور نے جب اُنہیں ایسا مستقل پایا تو اپنی قدیم عادت کے مطابق پہلے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور پھر خدا پرستی کی تعلیم کی اور خدا کی برکت دی۔ اور کہا تم پیغمبر کے احکام کی متابعت جہاں تک حق ہو کرنا پھر اُنہوں نے کہا کہ ان مصائب کے سہنے کا صلہ ہمیں کیا ملے گا آپ نے ارشاد کیا مرنے کے بعد راحت پھر انہوں نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ آپ عروج اور سرسبزی کے زمانہ میں ہمیں چھوڑ کے اپنی قوم میں چلے جائیں۔ حضور انور نے مسکرا کے جواب دیا "تمہارا خون میرا خون ہے میں تمہارا ہوں تم میرے ہو" اس کے بعد ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ بیعت کی اور مشرف باسلام ہوئے اسلام میں اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک مکی کی اس تاریک شب میں آہٹ معلوم ہوئی وہ سب ڈر گئے مگر حضور انور نے نہایت استقلال سے اُن کی ڈھارس بندھوائی اور وہ سب رخصت ہو گئے۔ اس مکی نے جو اوٹ میں کھڑا ہوا یہ ساری باتیں سن رہا تھا اس کامیابی کی خبر کو سارے شہر میں پھیلا دیا۔ اس خبر کی اشاعت نے قریشیوں کی غصہ کی آگ میں گویا تیل کا کام کیا علے الصباح وہ یثربی کاروان کی طرف بھاگے ہوئے آئے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اُنہیں اصلی دین کی طرف پھیر لائیں مگر وہاں ایک مسلمان یثربی بھی نہ رہا تھا وہ سب یثرب جا چکے تھے۔ اس ناکامی نے اور بھی اشتعال دلایا اور اب اُنہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ معصوم نبی کو قتل کر ڈالیں اب زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام نہیں ہے۔ اس منصوبہ کی خبر آپ کو بھی ہو گئی اور آپ کا حال دن بدن سخت خطرناک ہونے لگا آپ نے ناچار اپنے معتقدوں سے یثرب ہجرت کر جانے کو کہا۔ قریب قریب سو خاندان یکے بعد دیگرے یثرب پہنچ گئے یہاں نہایت برادرانہ جوش سے ان کا استقبال ہوا۔ مکہ سے اتنے آدمیوں کے نکل جانے پر بہت بڑا حصہ شہر کا ویران ہو گیا۔ ربیعہ کے بیٹے نے مکہ کو یوں ویران دیکھ کے یہ پرانا گیت گایا "ہر ایک مبارک مقام جو یوں بہار رہا ہو ایک دن ناخوشی اور تلخی کی زہریلی ہواؤں کا شکار بن جاتا ہے (پھر اسی غم آلود آواز میں یہ کہا) یہ سارے کرتوت ہمارے بھائی کے بیٹے کے ہیں جس نے ہمارے جلسوں کو تباہ کر دیا ہمارے معاملات اور کاروبار کو برباد کر دیا اور ہم میں پھوٹ ڈال دی" حضرت مسیح نے اپنی زبان سے خود یہ جملے فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ خون آلود اور آنحضرت کی نسبت دشمن اسلام نے یہ کہا بس اگر فرق ہے تو صرف اس قدر ہے ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

اخیر قریش دا' الندوہ میں جمع ہوئے جہاں دیگر قبائل عرب کے بھی چند سردار مدعو ہوئے تھے۔ یہاں ہماری بحث کا لب لباب موت اور زندگی تھی۔ جلسہ طوفان خیز اور شورانگیز تھا کسی کی رائے تھی محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کو دایم الحبس کردو کوئی کہتا تھا فیصلہ کیوں نہیں کردیا جاتا ایک شخص نے بہت زور سے اس امر پر بحث کی کہ قتل کر ڈالنا سب سے بہتر ہے ان کو قید خانہ میں رکھنا اور زندہ چھوڑنا خلاف مصلحت ہے۔ اسی طوفانی گفتگو میں ابوجہل کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہر قبیلہ میں سے چند بہادر بہادر شخص منتخب کئے جائیں اور انہیں محمدؐ کے قتل کے لئے بھیجا جائے تاکہ یہی زہریں بجھی ہوئی برچھیوں سے وہ محمدؐ پر فتحمندی حاصل کریں اُس کے ساتھی اور رشتہ دار اتنے کمزور ہیں کہ کبھی بھی انتقام نہیں لے سکتے۔ یہ تجویز سب نے پسند کی اور سب کا اس پر اتفاق ہوگیا پھر چند نوجوان دلچلے بہادر منتخب ہوئے اور شب کو حضور انور کے مکان کا گھیرا ڈال دیا۔ ایک روزن سے یہ لوگ پوری تاک جھانک کر رہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ابھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے بستر پر ہیں آنحضرت کو پوری کیفیت معلوم ہوگئی آپ نے اپنا سبز جُبہ حضرت علیؓ پر ڈالدیا اور کہا تم چپکے یہیں پڑے رہنا اور پھر حضور انور اس طرح سے نکلگئے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کھڑکی میں سے کود کے نکلگئے تھے۔ حضور انور سیدھے ابوبکر صدیق اکبرؓ کے مکان پر پہنچے یہاں پہلے ہی سے دو اونٹ تیار تھے دونوں اُن اونٹوں پر سوار ہوکے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن چند روز تک آپ غار ثور میں جو مکہ کی جنوب کی طرف ایک پہاڑی ہے قیام پذیر رہے۔ اب تو اور بھی مشرکین قریش کی جانوں پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اُن کی غضب کی آگ اور بھی بھڑکی۔ قاتلوں کی ناکامی نے شہر پر ایک غضب ڈھا دیا۔ تمام شہر میں ڈھنڈورا پٹ گیا جو کوئی محمدؐ کا سر لائے گا اُسے یہ انعام ملے گا۔ ابن الاثیر کی رائے کے بموجب جبتک آپ غار ثور میں رہے صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی چھپ چھپا کے کھانا اور دودھ لے آتی تھیں تیسرے دن کی شام کو پناہ گزینوں نے ثور کی پہاڑی کو چھوڑ دیا بدقت دو اونٹ بہم پہنچا کے غیر راہوں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ انعام کے لالچ سے صدہا دلچلے نوجوان گھوڑوں پر سوار ہو ہوکے اُدھر اُدھر تلاش میں سرگرم تھے انہیں میں سے ایک وحشی خطرناک عرب نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا آواز دی کہ ٹھیرو یہ کہتے ہی وہ نہایت خوفناکی سی ننگی تلوار لیکے جھپٹا کہ یکایک اُسی کا گھوڑا چراغ پا ہوا اور چاروں خانہ چت جا رہا۔ اس شخص نے محض بے قابو ہونے پر حضور انور سے معافی مانگی آپ نے فوراً اُس کو معاف کیا اور اُس کی جان بخشی کردی۔ آپ تین دن کے عرصہ میں یثرب پہنچے۔ جون کا مہینہ تھا آفتاب کی تیز شعاعیں سخت گرم اور آتشیں تہیں۔ بیم و رجا اور ہنوت دونوں دست وگریبان ہو رہی تہیں آپ بروز جمعہ ۱۶۔ ربیع الاول مطابق ۲۰۔ جون ۶۲۲ع کو یثرب میں داخل ہوئے۔

ہجرت کے بعد کے واقعات

اب وہ وقت آگیا کہ پھر اس یتیم بے یار و مددگار معصوم کو سلطان شہنشاہ اور ہزارہا مخلوق خدا کے دلوں پر حکومت کرتا ہوا دیکھیں۔ اب اُس کے فرمان آئندہ سے کروروں بندگان خدا کے لئے ناطق ہونگے اور اسکا ایک ایک لفظ بڑے بڑے سلاطین کے لئے غیر تبدیل قانون بنے گا۔ یثرب جس میں آپ داخل ہوئے مکہ کے شمال میں گیارہ دن کی راہ پر ایک آباد شہر ہے۔ اس زمانہ میں یہ شہر بالکل بے پناہ تھا آپ نے احتیاطاً اس کے گرد کھائی کھدائی

تاکہ قریشیوں کے حملوں سے نجات ہو آپ نے انصار اور مہاجرین کو شیر و شکر کرنے کی کوشش کی اور کچھ ہی عرصہ میں آپ کو ایک نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اسوقت یثرب کا نام مدینۃ النبی سے بدل گیا۔ انصار نے اپنے واجب التوقیر نبی کی یادگار میں یثرب کا یہ نام رکھا جسے اختصار اور کثرت استعمال کی وجہ سے مدینہ کہتے ہیں۔

اس کے بعد ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اور حضور انور نے اپنے دست مبارک سے گارا بھر بھر کے اس مسجد کی تعمیر میں دیا اور اس کے آس پاس چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر کرائے جہاں تارک الوطن آکے پناہ لے سکیں۔ یہ زمین جہاں مسجد بنی دو بھائیوں کی ملکیت تھی اگرچہ انہوں نے خوشی سے اس زمین کو مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن چونکہ وہ یتیم تھے اس لئے آپ نے انہیں مسجد کی قیمت دیدی یہ عمارت نہایت سادہ تھی۔ دیواریں اینٹ اور گارے کی چھت کھجور کی چھال سے بنی ہوئی۔ مسجد کا ایک حصہ خاص مسافروں اور نگھروں کے لئے تجویز کر دیا گیا تھا۔ یہیں حضور انور بیٹھ کے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس غریب عمارت میں جو چیز تھی وہ بہت ہی سادہ تھی بے فرش زمین پر حضور انور کھڑے ہو کے نماز پڑھتے تھے یہیں خدائے واحد کو سجدہ کرنے کی ابتدا ہوئی تھی۔ آپ یہاں اس مقدس سادے معبد میں جو آئندہ شہنشاہان عالم کی بازگشت بننے والا تھا یہ وعظ فرمایا کرتے تھے "جو شخص خدا کی مخلوق سے محبت نہیں رکھتا اور اپنے بچوں پر مہربان نہیں ہوتا وہی کہے گا کہ خدا مجھپر مہربان نہیں ہے۔ جو مسلمان کسی ننگے کو کپڑا پہنائے گا خدا اسے بہشت کا لباس پہنائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارا خندہ پیشانی اپنے بھائی کی طرف دیکھنا سخاوت ہے۔ ایک گروہ کو نیک کام کرنے کی نصیحت کرنا ہی سخاوت کرنے کے برابر ہے بھٹکے ہوئے کو رستہ بتانا خیرات اور سخاوت ہے۔ سڑک پر سے پتھر کنکر یا ٹھوکر کی چیز کو سرکا دینا بڑی خیرات ہے پیاسے کو پانی پلانا بھی خیرات ہے وہ شخص اس عالم میں سرخرو ہوگا جس نے اس دنیا میں نیکی کی ہے۔ مرنے کے بعد دنیا میں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنا مال چھوڑ کے مرا لیکن قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تو نیک اعمال کا توشہ کتنا اپنے ساتھ لایا۔

آپ ہمیشہ یہ ارشاد کیا کرتے تھے کہ "میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں" ایک دن طے قبیلہ کے قیدی آپ کی خدمت میں حاضر کئے گئے ایک لڑکی بھی ان قیدیوں میں تھی اس نے عرض کیا اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے رہا کریں کیونکہ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں لوگ مجھپر ہنسیں گے میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا قیدی کو رہائی اور بھوکے کا پیٹ بھرتا تھا کبھی اس نے کسی حاجتمند کو محروم نہیں پھیرا اس کا نام حاتم تھا۔ حضور انور نے ارشاد کیا یہ صفت سچے ایماندار کی ہے اور پھر اس کی رہائی کا حکم دیا۔ آپ ہمیشہ حضرت انس کی روایت کے بموجب یہی فرمایا کرتے تھے اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ یعنی اللہ انصاف اور نیکی کرنے کا حکم کرتا ہے

ہمارے آخرالزمان نبی کی نبوت کا مفہوم اور اسلام کا خاص منشا یہ ہے جو آگے بیان ہوتا ہے یعنی آپ نے معاذ بن جبل کو یہ نصیحت کی تھی مگر خطاب ساری امت سے ہے اس میں نہ جہاد کا کہیں اشارہ ہے اور نہ اس کا ذکر چنانچہ آپ فرماتے ہیں اے معاذ میں تجھے خدائے تعالےٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ سچ بول۔ عہد پورا کر۔ امانت میں خیانت نہ کر۔ ہمسایہ کا لحاظ رکھ۔ یتیم پر رحم کر۔ نرم گفتگو کر۔ سلام کو فاش کیا کر۔ قرآن کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت اور حساب سے خائف رہا کر۔ کبھی کسیکو گالی نہ دیجو اور سچے شخص کو جھوٹا ثابت بنا نیو۔ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کیجیو۔ عادل امام کی نافرمانی

نہ کیجو۔ زمین میں فساد کرنے سے احتراز کرنا" یہ تعلیم ہے جس پر اسلام ناز کرتا ہے خونریزی سے اسلام نے ہمیشہ نفرت کی ہے اور اسے ایک ہیبتناک امر خیال کیا ہے قرآن میں جب کھلا کھلا حکم آچکا ہے کہ فساد نہ کرو زمین پر فتنہ نہ پھیلاؤ یہاں تک قرآن میں آگیا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے پھر اس سے زیادہ امن کی تعلیم کرنے والا مذہب اور کیا ہو سکتا ہے۔ تمام عمر میں ایسے تین دن نہیں ہوئے کہ آپ نے گیہوں کی روٹی دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائی ہو۔ اللہ اکبر یہ حلیمی اور یہ انکساری تھی۔ بصرہ کا ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے مسلمان ہونے کے بعد عرض کیا کہ آپ مجھے کسی نیک عمل کی ہدایت فرمائیں آپ نے ارشاد کیا "سب سے زیادہ نیک عمل یہی ہے کہ تو کسی کی بُرائی نہ کیا کر۔

حضور انور نے اگرچہ مشرکین عرب کے جور و ظلم پر اپنا مالوفہ وطن چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر بھی اُن کے غصہ کی وہی کیفیت تھی اُنہوں نے ہمارے فخر رسل کے سر مبارک کے لئے اشتہار دے رکھا تھا اور ایک بڑا بھاری انعام مقرر کر رکھا تھا۔ حضور انور بھی اس سے غافل نہ تھے ادھر یہودیوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی لامحالہ آپ کو جمہوری اصول کی بنیاد ڈالنی پڑی اور اُس کے مختصر طور پر یہ اصول تھے "صلح اور جنگ کی حالت کل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی اُن میں کسی ایک یا دو اشخاص کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ خود ہی جنگ کا اعلان دے یا خود ہی صلح کرے۔ یہودی جو ہماری جمہوری سلطنت میں پناہ گزین ہوں گے ہر حالت میں ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اُن کی حفاظت کریں اور اُن کے لئے بیرونی حملوں پر سینہ سپر ہو جائیں اُن کے حقوق ایسے ہی ہوں گے جیسے مسلمانوں کے وہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو عہدوں پر ممتاز ہوں گے اور اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ یثرب میں جتنی قومیں یہودیوں کی آباد ہیں وہ سب ایک نظر سے دیکھی جائیں گی اور اُنہیں اُن کے مذہبی فرائض انجام دینے کی مسلمانوں کی طرح کامل آزادی ہوگی مجرم خواہ یہودی ہو یا مسلمان سزایاب ہوگا۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے گا تو یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہو کے اُس کو پسپا کرنے کے لئے میدان جنگ میں آئیں گے جو شخص یثرب میں داخل ہوگا اُس کے یہی حقوق ہوں گے۔ جرم پر کسی کی رعایت نہ کیجائے گی خواہ کوئی سردار ہو یا عام شخص ہو سب ایک دوسرے کی عزت کریں گے اور محبت پیش آئیں گے۔ تمام گزشتہ جھگڑوں اور قضیوں کی انتہا سمجھی جائے گی اور اب آئندہ کوشش کی جائے گی کہ باہم مخالف اور متضاد گروہوں کا اتحاد قایم ہو اور دن بدن اس اتحاد میں ترقی ہو۔ (ابن ہشام)

(ہجرت کا دوسرا سال، مئی ۶۲۳ء سے اپریل ۶۲۴ء تک)

یہودیوں کی تین قومیں جو یثرب میں رہتی تھیں اس معاہدہ پر اول اول رضامند نہ ہوئیں لیکن اخیر میں اُنہوں نے بھی مصلحت وقت دیکھ کے اُس پر دستخط کر دیئے۔ اور اپنی اندرونی مخالفت میں اُسیطرح سرگرم رہیں۔ سب سے زیادہ ان یہودیوں نے مسلمانوں کو چڑانا اور اُن کے مذہب کی نسبت بدتہذیب الفاظ کہنے شروع کئے اور بھی یہ غضب ہوا کہ قرآن مجید کی روشن آیتوں میں تحریف کر کے عام مجمع میں پڑھنی شروع کیں اور پھر اُن پر خود ہی قہقہہ اُڑایا۔ اسی پر قناعت نہ کی بلکہ یہودی سرداروں نے اپنے شعرا کے انعام مقرر کئے کہ جو شاعر مسلمانوں کی بہتر ہجو کرے گا اُسے یہ انعام دیا جائے گا اب کیا تھا انعام کے لالچ میں چاروں طرف سے ہجو کی بوچھاڑ ہو گئی۔ عورتیں بچے جوان بوڑھے سب مسلمانوں کو دق کرنے اور سر بازار اُنہیں گالیاں دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا نکلنا مشکل

کردیا جہاں کسی مسلمان کی صورت دیکھی اور ہجو یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔ یہ اسرائیلی تو مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے اور
اُنہوں نے تو وہ ہاتھ پیر نکالے کہ العظمۃ للہ۔ حضور انور کا حکم تھا کہ اُن کے جواب میں ایک حرف بھی کوئی مسلمان
زبان پر نہ لائے اور سوائے صبر کے کوئی بات نہ کرے۔ ان بدنصیبوں نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ پوشیدہ پوشیدہ
مشرکین عرب سے خط کتابت شروع کی اور صاف لکھدیا کہ گو ہم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کرلیا ہے لیکن اگر
تم یہاں حملہ آور ہوگے تو ہم تمہاری مدد کریں گے یہ خط دیکھتے ہی مشرکین عرب کے ہاں گھی کے چراغ جل گئے اور اب وہ خوش
ہوئے کہ محمد کو یثرب میں بھی نہ رہنے دینگے۔ مشرکین قریش نے اخیر حملہ کی تیاری شروع کی۔ ادہر حضور انور کو بھی یہ خبر ہوگئی
کہ معاہدہ کے برخلاف یہودی دشمنان اسلام سے مل گئے ہیں۔ آپنے یہودیوں کی حرکات کی نگرانی شروع کی اور بہت
جلد چھ مخبر یہودیوں کو گرفتار کیا جو ایک مراسلہ مشرکین قریش کے نام کا یثربی یہودیوں کی طرف سے لئے جاتے تھے۔ انکی
تلاشی لی گئی کئی بھری خطوط برآمد ہوئے جن میں یہ لکھا ہوا تھا جب یثرب تک آجاؤ گے تو ہم یہاں جنگ شروع کردینگے۔
ہم اندر سے ماریں گے اور تم باہر سے حملہ آور ہونا بس مسلمانوں کو بیچ میں رکھلے میں ڈالیں گے۔ ان مخبروں کو انہیں مقررہ
اصول و قواعد کے مطابق سزا دی جو یہودیوں اور مسلمانوں میں مقرر ہو چکے تھے اب حضور انور کو سخت اندیشہ ہوا کہ کیونکر
انتظام کیا جائے آپ کو خونریزی سے ہمیشہ نفرت تھی اور ابھی تک آپنے تلوار کا استعمال نہ کیا تھا۔ آپ کا رحیم اور رقیق
قلب کبھی یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ تلوار چلانے کا موقع آئے اور مخلوق خدا درد سے غل مچائے۔ آپکے دل پر اپنے بچوں کی وفات
نے پہلے ہی گہرے چرکے بٹھا رکھے تھے اور پھر آپ کو اپنے دشمنوں کی زیادتی اور حملہ کا خیال آیا اور مسلمانوں کی خون آلود
صورتوں کا نقشہ آنکھوں کے آگے کھچ گیا اس درد سے آپ بے اختیار رو پڑے اور اپنے رفقا کی آئندہ تکلیف سہنے
پر آپ سے ضبط نہ ہوسکا۔ آپ صرف اپنے رفقا پر زاری فرماتے تھے اور اُن کی تکلیف کا آپ کو بہت درد تھا بدکیش
یہودیوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) عورتوں کی طرح سے روتے ہیں حالانکہ
آپ اپنے رفقا کی آئندہ مصیبت پر آنسو بہاتے تھے اور آپ کی ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ تلوار چلانی پڑے۔ آپ کو بہت
بڑا درد یہ تھا کہ بیگناہ جانیں ضایع ہوں گی اور معصوموں کے گلے پر خنجر پھیرا جائے گا۔ آپ تو ہمیشہ کے رقیق القلب تھے
یہ کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ آپکے آنسو ایک روتے ہوئے کو دیکھ کے نہ ٹپک پڑے ہوں آپ کی اصلی غرض یہ تھی کہ خدا
کی مخلوق کو آرام میں دیکھیں آپ اسی لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کی نبوت کا بڑا منشا امن کا قایم کرنا تھا۔
اخیر مکی سامان جنگ کرکے مکہ سے روانہ ہوئے اور مضافات مدینہ میں پہنچے مسلمانوں کے باغوں کو جلادیا انکے
مویشیوں کو پکڑ لیا۔ اور آگے بڑھے چلے آئے۔ یہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی غرض سے بھی آئے تھے اور یہ بھی انکا
منشا تھا کہ اُس قافلہ کی حفاظت کریں جو سامان جنگ لئے آرہا ہے۔ ایک ہزار ان کی تعداد تھی اور سب عمدہ ہتھیاروں
آراستہ تھے ابوجہل ان کا سپہ سالار تھا۔ عین وقت پر مسلمانوں کو ابوجہل کے لشکر کی خبر ہوئی اخیر حضور انور کی سرکردگی
میں اُنہوں نے بدر پر اپنے مورچے جمائے۔ مسلمانوں کی کل تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی سبکے پاس نہ سواری کے
گھوڑے تھے نہ ہتھیار تھے۔ حضور انور نے مشرکین قریش کی ایک ہزار جرار سپاہ پر نظر کی تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے یہ دعا

مانگی "اے خدا تو اپنی مدد کا وعدہ نہ بھولیو اے خدا اگر یہ چھوٹا سا گروہ نیست و نابود ہو گیا تو پھر تیری خالص عبادت کرنیوالا ایک متنفس بھی نہیں رہنے کا"۔

میدان کارزار گرم ہوا اور عربوں کے قوانین جنگ کے مطابق تین عرب مشرکین میں سے میدان میں آئے گویا اس میں بھی تقدیم اُن ہی کیطرف سے ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے تین مرد میدان نکلے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عبیدہ۔ تینوں لڑے اور تینوں نے فتح پائی۔ یہ دیکھکر بت پرستوں نے قانون جنگ توڑ دیا اور اب اُنہوں نے ملکے حملہ کیا ایک ہزار مسلح قریشیوں کے تین سو مسلمانوں پر ہوا۔ دہار حملہ کرنے سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن جب اُنہوں نے حضور انور کی ماتحتی میں سمٹ کے حملہ کیا تو دشمن کے پروں کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہوا کے خوب ہی تیز جھکڑ چل رہے تھے مخالف اسلام ٹوک دم ہو کے بھاگے۔ اُن کے بہت سے سردار قتل ہوئے ابوجہل بھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ بکثرت قریش گرفتار ہوئے۔ اُس زمانہ کے قوانین جنگ کے مطابق جنگی قیدی قتل کر دئے جاتے تھے مگر حضور انور نے اس قانون کو بدل دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کر دی کہ اُن کی خاطر مدارات کریں اُنہیں کھانا دیں اور کوئی کلمہ ایسا زبان پر نہ لائیں کہ اُن کا دل دکھے اور وہ آزردہ خاطر ہوں مسلمانوں نے اپنی خوراک میں سے اُنہیں حصہ دیا اُنہیں خرمے کھلائے۔ اُن سے نہایت خلاق اور شیریں زبانی سے پیش آئے بلکہ اُلٹا اُن کی بدقسمتی پر روتے تھے حضرت علی کرم اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم نے اپنے کو تو یہ دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور آپ دشمنوں کی صف کے ہم سے بہت ہی قریب ہوتے تھے جب آپ حملہ کا حکم دیتے تھے تو پہلے خود ہی بڑھکے حملہ کرتے تھے بہادر وہی شخص ہوتا تھا جو جنگ میں حضور انور کے قریب رہتا تھا۔ آپ عین معرکہ جنگ میں یہ فرمایا کرتے تھے "انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب" یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں تو بیٹا مطلب کا ہوں۔

(دوسری لڑائی)

حضور انور نے اخیر قریشی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اُنہیں اجازت دی کہ وہ مکہ چلے جائیں جب وہ مکہ پہنچے تو قریشیوں کا جوش اور بھی بڑھا اور بجائے اس کے کہ اُن کا حوصلہ پست ہوتا اُنہوں نے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ ابوسفیان دو سو آہن پوش سواروں کے خاموشی سے مدینہ کی طرف بڑھا ابھی مسلمانوں کو اس کی مطلق خبر نہ تھی چند تھے مسلمان مدینہ کے باہر کھجوروں کے درختوں پر کام کر رہے تھے ابوسفیان دو سو سواروں کے آندھی اور سینہ کی طرح ان بے خبر مسلمانوں پر آپڑا اور اُنہیں نہایت ظالمانہ طور پر شہید کر دیا اُن کے درخت اُکھیڑ کے پھینک دیئے اور ہر شئے کو برباد کر دیا اس غارتگری اور قصائی پنے کی خبر مسلمانوں کو ہوئی وہ اپنے مظلوم رفقا کی مدد پر باہر نکلے اور اُنہوں نے ابوسفیان پر حملہ کیا حالانکہ ابوسفیان کے پاس دو سو آہن پوش سوار تھے پھر بھی وہ پریشان بھاگا اور سواروں نے بھاگتے وقت خرجیوں میں جتنی کھجوریں بھری تھیں وہ اس غرض سے پھینک دیں کہ گھوڑے ہلکے ہو جائیں اور اُنہیں بھاگنے میں آسانی ہو۔

اسی اثناء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا ایک دن حضور انور اپنے رفقا سے الگ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اور آپ پاس تنہا تھے کہ یکایک ایک وحشی بدو کے شور سے آپ کی آنکھ کھلی آپ نے دیکھا کہ ایک وحشی عرب ننگی تلوار

سوتے ہوئے سرہانے کھڑا ہے۔ حضور انور کو ہشیار پا کے اُس نے یہ درشت الفاظ کہے " اے محمد اب کون ہے جو تیری حفاظت کرے گا اور مجھے سے خون آلود تلوار سے بچائے گا حضور انور نے جواب دیا " خدا " یہ سنتے ہی اُس وحشی بدو نے تلوار کا وار کرنا چاہا حضرت رسالتمآب نے اُچک کے اُس کی تلوار چھین لی اور فرمایا اب مجھ سے یہاں پناہ دینے والا کون ہے اور تیری کون جان بچائے گا اُس وحشی بدو نے جواب دیا افسوس کوئی نہیں۔ آپ نے اُس کے آگے تلوار ڈال دی اور ارشاد کیا مجھ سے رحم کا ہمیشہ سیکھ وہ بدو فوراً مسلمان ہو گیا اور حضور انور کی غلامی کا فخر حاصل کیا اور تا وفات اسلام کا جان نثار خادم بنا رہا۔

(احد کی تیسری لڑائی)

اس دوسری شکست پر بھی قریشیوں کے حوصلے پست نہ ہوئے اور اب اُنہوں نے انتقامی جنگ کا سامان شروع کیا اور چاہا کہ بغیر فیصلہ کئے قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ تین ہزار کی ایک جرار فوج تیار ہوئی۔ ہر سپاہی اپنے جوش میں آپے کے باہر ہوا جاتا تھا۔ ان تین ہزار میں سات سو آزمودہ کار اور مرد میدان تھے۔ یہ جرار فوج اُس چھوٹے سے گروہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوئی تھی جس کے پاس نہ کافی ہتھیار تھے اور نہ گھوڑے تھے نہ کوئی قلعہ تھا۔ تعداد میں کم اور بے سرو سامان۔ ہاں بڑی بات اگر تھی تو یہ تھی کہ وہ برحق نبی کے ساتھ جب اُن پر اُن کے تگنے اور چوگنے دشمن حملہ کرتے تھے تو تحفظ دین کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اب کے بھی ابو سفیان ہی سپہ سالار تھا یہ تین ہزار جرار فوج مدینہ کی طرف بڑھی اور مدینہ کے قریب پہنچکر ایک ایسے مقام پر قبضہ کر لیا جو جنگ کی جان تھا اُس نے یہاں خوب مورچہ بندی اور فوجی دستوں کی تقسیم کر لی اور اب مسلمانوں کی نقل و حرکت کو دیکھنے لگا۔ حضور انور نے جب یہ خبر سُنی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور مشرکوں کی اس زیادتی پر آپ آزردہ دل ہوئے۔ اپنی قوم کے بچوں عورتوں نا توان مردوں اور سب سے زیادہ اپنے دین کے تحفظ کے لئے آپ مجبوراً آمادہ ہوئے۔ اور ایک ہزار آدمی منتخب کئے مگر ان میں منافق یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل میں مسلمانوں کے سخت دشمن تھے پہلے تو اُنہوں نے جنگ میں جانے کی مرضی ظاہر کی اور جب میدان جنگ میں آئے تو تعداد آتین سو جھنوں میں سے نکل کے بھاگ گئے۔ یہ اگرچہ لڑاکو فوج کے لئے دل شکن صدمہ ہوتا ہے مگر پھر بھی مسلمان اپنی جگہ قایم رہے اور ان منافقوں کی اس دغابازی سے ذرا بھی شکستہ خاطر نہ ہوئے۔ مسلمان گردنیں نیچی کئے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔ اور آخر حضرت رسالتمآب کے حکم کے مطابق احد کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا شب کو خاموشی سے بسر کی اور علے الصباح نماز صبح جماعت سے پڑھ کے میدان جنگ میں آئے۔ ہمیشہ مشرکین قریش نے دغابازی کی ایک ایک دو دو لڑتے لڑتے یکا یک بے خبری میں سب آپڑتے تھے۔ اب خیال کرنا چاہئے کہ ایک قوم ایک آب و ہوا ایک خون سب شجاع مرد میدان بات بات پر لڑنے والے پھر مٹھی بھر اُن ہی میں کے آدمیوں کا وہ بھی محض بے سرو سامانی میں غالب آجانا ضرور ایک پوشیدہ قدرتی بنا اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ وہی قدرتی راز ہے جو بعد ازاں کھل گیا۔ اور دنیا نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضور انور احد کی پہاڑی کے نیچے کھڑے ہوتے اور بلندی پر جنگ کا ورسلمان دستہ کے پیچھے چند تیر انداز کھڑے کئے

اور اُنہیں حکم دے دیا کہ خواہ کچھ ہو تم اپنی جگہ سے نہ سرکنا۔ مشرکین قریش اپنے باقاعدہ پرے جما کے آگے بڑھے ان کے بت ان کے بیچ میں تھے جن کی حمایت میں وہ جنگ کرنے آئے تھے۔ سرداروں کی بی بیاں دف بجا رہی تھیں۔ قریشیوں کے پہلے حملہ میں سخت زک ملی حضرت امیر حمزہ نے معہ اپنے جانباز دستہ کے اُن کے حملہ کو روکا اور پھر آپ خود شمشیر برہنہ لیکے قریشی حملہ آوروں میں گھس گئے اور اُنہیں پراگندہ کردیا۔ ہر طرف سے مخالفین کا گروہ برابر پسپا ہو رہا تھا۔ یہ عظیم اور نمایاں فتح مسلمان حاصل ہی کر چکے تھے کہ تیر اندازوں نے حضرت رسالتمآب کی ہدایت کا خیال نہ رکھا اور غنیمت کے لئے ادھر اُدھر پراگندہ ہو گئے خالد جو ایک بڑا جرّار اور مرد میدان تھا اور جو اس موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا اپنے پرے کو سمیٹ کے آگے بڑھا اور آندھی مینہ کی طرح پراگندہ بیخبر مسلمانوں پر گر پڑا دشمن کی پیادہ فوج جو پسپا ہو چکی تھی واپس پھری اور چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ پھر دوبارہ خوفناکی سے جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کے چند جانباز بہادر عین معرکہ جنگ میں شہید ہوئے۔ حضرت امیر حمزہ نے بھی اسی میدان میں شربت شہادت پیا حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ نہایت سخت مجروح ہوئے۔ بت پرست اپنی چیرہ دستی سے فائدہ اُٹھا کے حضور انور کیطرف رجوع ہوئے آپ معہ اپنے چند صحابہ کے مشرکین قریش کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ میں دعائے خیر کر رہے تھے حضرت علی قلب لشکر میں جنگ کر رہے تھے اور اُنہیں یہ خبر نہ تھی کہ مشرکین نے حضور انور کی طرف رخ کیا ہے۔ اخیر آپ لڑتے لڑتے اس گھاٹی کے کنارہ پر آئے اور یہاں آپ کو غنیم کے حملہ سے کسیقدر نجات ملی کہ اتنے میں حضور انور کے شہید ہونے کی آوازیں حضرت علی کے کانوں میں آئیں آپ سخت شکستہ خاطر ہو گئے۔ مگر آپ پھر یہ دیکھ کے کہ مسلمان برابر مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں دل مضبوط کرکے مشرکین کے مجمع میں گھس گئے اور پھر تیسری بار سے ان کا رزار گرم ہوا۔ یہ جنگ آور گروہ لڑتے لڑتے اس موقع پر پہنچ گیا جہاں حضور انور اپنے مٹھی بھر صحابہ کے ساتھ غنیم کے دھواں دھار حملوں کا جواب دے رہے تھے جونہی حضور انور کو صحیح و سالم دیکھا صحابہ کے دل باغ باغ ہو گئے اور جو کچھ شکستہ خاطری ہوئی تھی وہ سب جاتی رہی۔ سب مل کے احد کی بلندی سے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُنہوں نے کسی قدر دم لیا حضرت علیؓ نے چٹان کے ایک سوراخ سے حضور انور کی ڈھال میں پانی ڈالا جس سے آپ کا زخم دھویا گیا اور پھر سب نے مل کے ظہر کی نماز پڑھی۔

یہ جنگ جیسا کہ مشہور ہے مشرکین کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں اور اُنہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ اس جنگ میں سوا اس کے کہ حضرت رسالتمآب مجروح ہوئے اور کسی قسم کی نمایاں فتح کفار مکہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ سمجھنا چاہئے کہ اُنہوں نے سخت شکست کھائی اور وہ بے انتہا زچ ہو کے اخیر بزدلانہ حملہ پر اُتر آئے وہ بزدلانہ حملے جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملنے کی یعنی اُنہوں نے مسلمان شہدا کے ساتھ سخت ناانسانیت کا برتاؤ کیا اور ان کے بے روح اجساد کو پارہ پارہ کرکے اپنی فتحمندی سمجھی۔ زیادہ تر حضرت امیر حمزہ کے جسد مبارک کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جس سے ایک آگ مسلمانوں کے تن بدن میں لگ گئی اور سب نے ارادہ کیا کہ آئندہ مشرکین کے مقتولین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے مگر حضور انور نے فرمایا کہ صبر کرنا اور ہر مصیبت پر خدا پر بھروسہ

کرنا اسلام کی عین نشانی ہے۔ آپ کی ہدایت سے سب مسلمانوں کو تسکین ہو گئی اور اُنہوں نے ہمیشہ اپنے مخالفین سے اسی انسانیت کا برتاؤ کیا جو اسلام کے لئے شایاں تھی قریش اس شکست کے بعد مکہ بھاگ گئے حضرت رسالتمآب نے اُن کے تعاقب پر مسلمانوں کو روانہ کیا مگر جوں ہی ابو سفیان کو یہ خبر ہوئی کہ مسلمان تعاقب کر رہے ہیں وہ اور بھی بدحواس ہو گیا اور اسقدر پریشان ہو کے بھاگا کہ اُسے کسی طرف کی سدھ بدھ نہ رہی۔ ایک اور غضب ابو سفیان نے کیا اور وہ سخت بزدلانہ تھا یعنی دو بیٹری مسلمان مدینہ آر ہے تھے اُنہیں ہنوز اس جنگ کی خبر ہی نہ تھی بلا وجہ اور بغیر کسی سبب کے انہیں شہید کر دیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے حضور انور کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں سخت ہزیان بکا گیا تھا اور اخیر کے فقرے یہ تھے "پھر دوبارہ تمہیں نیست و نابود کرنے کے لئے آتا ہوں" اس تلخ ترین مراسلہ کا جواب حضور انور نے یہ دیا "خدا ہمارے لئے کافی ہے اور وہی ہمارا محافظ"

(ماہ شوال ۲ھ مطابق فروری ۶۲۴ء)

ایک نوجوان مسلمان لڑکی یہودیوں کے بازار میں دودھ خریدنے گئی یہودیوں نے اس پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ ایک مسلمان رہگیر کو یہ نظارہ بُرا لگا اُس نے یہودیوں کو ہدایت کی کہ یہ باتیں تم خلاف معاہدہ کرتے ہو تمہیں زیبا نہیں ہے لیکن یہودی باز نہ آئے اور نوجوان خاتون پر دست درازی کر کے اُسے بے عزت کرنا چاہا پھر وہ مسلمان بیچ میں آ گیا اور بالتجا اُن سے کہا کہ اس ناانسانیت سے باز آؤ اُنہوں نے سخت بزدلی سے اس بے گناہ مسلمان کو شہید کر ڈالا۔ یہ خبر آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی مسلمانوں کو یہودیوں کی اس بیجا حرکت پر سخت غصہ آیا وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لئے جھپٹ پڑے اور اب یہودیوں سے دو دو ہاتھ ہونے شروع ہوتے۔ اسی اثنا میں حضرت رسالتمآب کو خبر ہوئی آپ فوراً برسر موقع تشریف لائے اور طرفین میں بیچ بچاؤ کیا۔ اسکے بعد یہودیوں نے علے الاعلان کہہ دیا کہ ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہوتے ہیں جو آپ کا اور ہمارا ہو چکا ہے اب ہم آپ سے لڑیں گے جب یہودیوں کی طرف سے یہ جواب ملا تو آپ کو اس انتظام کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا جو مدینہ کا فرما چکے تھے آپ حجت تمام کرنیکے لئے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ساری کیفیت بیان کر کے کہا کہ اور قبائل یہود کے مقابلہ میں تمہیں اپنے عہد و پیمان پر قایم رہ کے مدینہ کے انتظام میں مدد کرنی چاہئے۔ اس مصلحت آمیز تقریر کا جو جواب اُنہوں نے دیا وہ یہ تھا "اے محمد تو اس فتح پر فخر نہ کر جو تو نے قریشیوں پر حاصل کی ہے تجھے ابتک ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا ہے جو قانون جنگ سے محض نابلد ہیں جب ہمارے ساتھ تو جنگ کرے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا ہیں" کل یہودی قبائل بھڑک اُٹھے تھے اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ کہیں تنہا پا کے حضرت رسالتمآب کا ہاتھ صاف کریں۔

(ربیع الاول ۳ھ مطابق جون و جولائی ۶۲۶ء)

اخیر یہودی مدینہ سے خارج کر دیئے گئے۔ اس سال کا باقیماندہ حصہ اور ۴ سنہ سال کا ابتدائی حصہ ان مخالف قوموں کی سرکوبی میں گذرا جو مدینہ کی حدود میں سازش کر رہی تھیں اور وقتاً فوقتاً اکیلے دکیلے مسلمان کو پا کے قتل

کر ڈالتی تھیں۔ ان یہودیوں کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے انہیں عورتوں پر رحم آتا تھا اور نہ معصوم بچوں پر نہ بوڑھوں پر کئی بے گناہ عورتیں اور بچے ان ظالموں کے ظلم کی نذر ہوئے اور انہیں اس بے رحمی سے شہید کیا جس سے ان کی دشمنی اور سخت بزدلے پن کا نقشہ کھنچتا ہے۔ سازشوں کے دروازے چاروں طرف سے مسلمانوں کے خلاف کھل گئے تھے اور فی الحقیقت یہ زمانہ مسلمانوں کے سخت امتحان کا تھا حضرت رسالتمآب کی علی التواتر کامیابیوں نے مخالف قبائل میں اور بھی سخت آگ مشتعل کر دی تھی اور وہ مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے میں جان کھپا رہے تھے۔ کوئی بات مخالفت کی جو ان کے خیال میں آئی وہ فوراً کر گذرتے اور اصل یہ ہے کہ انہیں کسی ناجائز سے ناجائز فعل کرنے میں نہ عار تھی اور نہ خوف خدا تھا۔

(۵ھ مطابق ۳ مئی ۶۲۶ء)

مشرکین عرب نے مختلف قبائل عرب کے پاس قاصد بھیجے اور کہلا بھیجا کہ یہی وقت ہے کہ ہم سب جمع ہو کے اسلام کو نیست نابود کر دیں جب تک ہم اتفاق کر کے مسلمانوں پر حملہ نہ کریں گے ان کی ترقی نہیں رک سکتی اور نہ یہ شکست پا کے مدینہ کو خالی کر سکتے ہیں۔ ادھر خیبر میں ابھی تک یہودی قبائل موجود تھے اور روزمرہ نئے نئے گروہ جمع ہوتے جاتے تھے تاکہ مسلمانوں سے کافی انتقام لے سکیں۔ ان یہودیوں سے مشرکین عرب کے برابر نامہ و پیام ہو رہے تھے آخر یہ امر طے پا گیا اور ابوسفیان ایک لشکر کثیر کے ساتھ جس میں دس ہزار چیدہ مردمیدان عرب تھے آندھی اور سیلاب کی طرح حملہ آور ہوا۔ رستہ میں اس کی کہیں بھی مزاحمت نہیں ہوئی وہ آنکھیں بند کئے ہوئے سیدھا چڑھا چلا آیا اور مدینہ کے قرب و جوار میں اُحد کے پاس آ کے دم لیا۔

(شوال ۵ھ مطابق ۲۔ فروری ۶۲۷ء)

اب کے دور دور فوج کے دل بادل چھا گئے دس ہزار فوج مع سامان حرب اور باربرداری کے کوسوں پھیلی ہوئی نظر آئی جب آفت سر ہی پر آگئی تو ناچار مسلمانوں نے بھی اپنی حفاظت کا بندوبست کیا اور بمشکل تین ہزار مسلمان حضرت رسالتمآب کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ عورتوں بچوں بوڑھوں کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد ایک کھائی کھود لی گئی اور آخر دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے بھی مورچہ بندی کر لی۔ قریشیوں نے اول اُن یہودی قبایل پر حملہ کیا جو ہنوز معاہدہ پر قایم تھے اور انہوں نے علانیہ مسلمانوں سے عہد شکنی نہ کی تھی جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ قریشیوں کی اتنی تعداد کثیر فوج اُن کی مدد پر آگئی وہ فوراً کھلم کھلا عہد شکنی کر کے قریشیوں سے مل گئے جب حضرت رسالتمآب نے یہ خبر سنی تو آپ نے سعد بن عبیدہ اور سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجا اور کہا تمہیں لازم نہ تھا کہ تم اس طرح عہد شکنی کرتے اور ہمیں ایسے نازک وقت میں یوں دھوکا دیتے انہوں نے بجائے کسی عذر کے یہ تلخ ترین اور نامعقول جواب دیا "محمد کون ہے خدا کا نبی کس کو کہتے ہیں تم میں ہم میں کوئی معاہدہ نہیں ہے" مسلمانوں کو ان یہودیوں کی مخالفت سے بہت ہی صدمہ ہوا کیونکہ یہ شہر کے اندرونی حالات سے بالکل واقف تھے اور انہیں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور کمزوری کا پورا علم تھا وہ عورتیں اور بچے شہر میں محفوظ چھوڑے گئے تھے انہیں اپنی بے گناہ جانوں کے لالے پڑ گئے